دعوتِ اسلام

ترجمہ

دی پریچنگ آف اسلام

مصنفہٗ

ٹی ڈبلیو۔ آرنلڈ بی اے

پروفیسر گورنمنٹ کالج لاہور۔ سابق پروفیسر
محمدن اینگلو اورنٹیل کالج علی گڑھ

جسکو

محمد عنایت اللہ بی۔ اے

سابق طالب علم محمدن اینگلو اورنٹیل کالج علی گڑھ

نے

بایمائے مصنف

و

حسب الارشاد ڈاکٹر سر سید احمد خاں بہادر مرحوم و مغفور

اردو زبان میں ترجمہ کیا تھا

بار دوم حسب فرمائش محمدن کالج بک ڈپو
علی محمد خاں کے اہتمام سے

مطبع فیض عام علی گڑھ میں چھپا

۱۹۰۷ء

بک ڈپو مدرسۃ العلوم علی گڑھ

اس بک ڈپو میں ملک کے نامور اہل قلم کی تصنیفات جو طرز جدید کا اعلیٰ نمونہ ہیں موجود ہیں۔ سر سید مرحوم کی کل تصنیفات یہی بک ڈپو طبع کراتا اور فروخت کرتا ہے۔ انجمن ترقی اُردو کی منظور شدہ کتابیں بھی عموماً اسی بک ڈپو کے ذریعہ سے شائع ہوتی ہیں۔ نواب محسن الملک مولوی سید مہدی علیخاں بہادر شمس العلماء مولوی الطاف حسین صاحب حالی۔ شمس العلماء ڈاکٹر مولوی نذیر احمد صاحب۔ شمس العلماء مولوی محمد حسین صاحب آزاد۔ خان بہادر شمس العلماء مولوی محمد ذکاء اللہ صاحب۔ شمس العلماء مولوی محمد شبلی صاحب نعمانی وغیرہ وغیرہ مصنفین کی کتابیں اس بک ڈپو میں موجود ہیں۔ غرضکہ اعلیٰ درجہ کی تصنیفات کے دستیاب ہونے کا یہ کتب خانہ سب سے بہتر ذریعہ ہے اور مبلغ بیس روپے یا زیادہ کے یکمشت خریداروں کو مبلغ پندرہ روپیہ فیصدی کمیشن دیا جاتا ہے۔ اخراجات ڈاک ذمہ خریدار ہیں۔

مدرسۃ العلوم علیگڑھ مسلمانوں کی تعلیم کا مرکز ہوگیا ہے اور اُسکا بک ڈپو عمدہ تصنیفات کا بڑا مخزن ہوتا جاتا ہے۔ ہندوستان کے مسلمان ہر قسم کی اعلیٰ تصنیف کے واسطے اسی بک ڈپو سے رجوع کرتے ہیں۔ اسلیے مصنفین کے لیے بھی اپنی تصنیفات کے شائع کرنے کا یہ بک ڈپو سب سے بہتر ذریعہ ہے۔ جو صاحب اپنی کسی تصنیف کو بشرطیکہ وہ عمدہ قسم کی ہو اس بک ڈپو کے ذریعہ سے فروخت کرانا چاہیں اُنسے ۲۵ سے ۵۰ فیصدی تک کمیشن لیا جاتا ہے اور قیمت کتب فروخت شدہ بعد منہائی کمیشن ہر سہ ماہی یا ششماہی پر حسب خواہش مالکان کتب اُنکی خدمت میں بھیجدی جاتی ہے۔ اعلیٰ قسم کی تصنیفات پر بشرط پسند انجمن ترقی اردو مصنفین کو حق تصنیف کا نقد معاوضہ یا نفع کا کوئی حصہ دیا جاتا ہے اور کتاب اس بک ڈپو کی طرف سے طبع ہوتی ہے۔

اس بک ڈپو کے منافع سے کوئی خاص شخص متمتع نہیں ہوتا بلکہ اُسکی آمدنی کالج کی ملکیت ہے اسوجہ سے بھی یہ کتب خانہ مصنفین و شائقین کتب کی امداد و توجہ کا مستحق ہے۔ امید ہے کہ صاحبان تصنیف و تالیف و تاجران کتب اس بک ڈپو کی طرف توجہ کرینگے اور اُسکو اپنے کاروبار میں نہایت خوش معاملہ پائینگے شرح کمیشن بذریعہ خط و کتابت طے ہو سکتی ہے۔

اس بک ڈپو میں جسقدر کتابیں موجود رہتی ہیں اُن کی ایک مکمل مطبوعہ فہرست ہے جو طلب کرنے پر مفت ارسال ہوتی ہے۔

دعوت اسلام

ترجمہ

دی پریچنگ آف اسلام

مصنفہ

ٹی ڈبلیو۔ آرنلڈ اسکویر۔ بی اے

سابق پروفیسر محمدن اینگلو اورینٹل کالج علی گڈھ

جسکو

محمد عنایت اللہ صاحب بی۔ اے۔ (مدرستہ العلوم علیگڈھ)

نے

بایماے مصنف حسب الارشاد ڈاکٹر سر سید احمد خاں بہادر غفرلہ

اُردو میں ترجمہ کیا

اور

بار دوم میر ولایت حسین صاحب آنریری مینیجر محمڈن کالج بک ڈپو کی فرمایش سے

مطبع فیض عام علی گڈھ میں باہتمام کارپردازان مطبع چھپا

سنہ ۱۹۰۶ء

بسم اللہ الرحمن الرحیم

دیباچہ مترجم

آخر ۱۸۹۶ء میں جس وقت مسٹر ٹی ڈبلیو۔ آرنلڈ پروفیسر مدرسۃ العلوم علی گڈھ کی یہ کتاب پریچنگ آف اسلام انگریزی زبان میں انگلستان سے چھپکر آئی تو جناب ڈاکٹر سر سید احمد خاں بہادر مرحوم و مغفور نے اُس کے اُردو ترجمہ کے لئے مجھ سے فرمایا۔ میں زمانہ طالب العلمی میں بھی جبکہ علی گڈہ کالج میں رہتا تھا اس کتاب کے چند حصے مصنف ممدوح کے قلمی مسودہ سے محمڈن ایجوکیشنل کانفرنس کے لئے ترجمہ کرچکا تھا۔ غالباً یہی وجہ ہوئی کہ اب پوری کتاب کا مترجم بھی مجھی کو مقرر کرنا پسند کیا گیا۔ شروع جنوری ۱۸۹۷ء میں مینے اس ترجمہ کو شروع کیا اور گزشتہ ماہ نومبر میں بجز ضمیموں اور دیباچہ کے کُل کتاب کو ختم کر دیا۔ جس قدر ترجمہ ختم کر کے صاف کر لیتا تھا سید صاحب کی خدمت میں روانہ کرتا جاتا تھا۔ چنانچہ اس وقت میں اسبات کو اپنی بڑی خوش قسمتی سمجھتا ہوں کہ بجز چند اوراق کے یہ کل ترجمہ جناب سید صاحب مرحوم و مغفور کی نظر سے ایک دفعہ گزر چکا ہے۔

انگلستان اور یورپ کے بعض مشہور و معروف مصنفوں اور مضمون نگاروں نے پروفیسر آرنلڈ کی کتاب پر عالمانہ ریویو لکھے ہیں اور خود جناب سید صاحب مرحوم و مغفور نے اس کتاب کے مضامین کی نسبت علی گڈہ انسٹیٹیوٹ گزٹ کے ذریعہ سے اس قسم کی بیش بہا اطلاعیں ملک میں بار بار شائع کی تھیں کہ اگر اس وقت مترجم اُن کی طرف اشارہ کر کے خاموش ہو رہے تو دیباچہ لکھنے کا فرض ادا ہو سکتا ہے۔ لیکن یہ عذر کافی نہیں معلوم ہوتا کیوں کہ جناب سید صاحب کا اخیر والانامہ جو میرے پاس آیا اُس میں ارشاد تھا کہ "جب یہ ترجمہ ختم کر لو تو ایک دیباچہ اپنی طرف سے

ضرور لکھنا اور اُس کو دیکھنے کے لئے میرے پاس بھیجدینا۔" اس خط کے تقریباً دو ہفتے کے بعد آں جناب نے اس دار فانی سے رحلت فرمائی اور میں اُن کی حیات میں اُس ارشاد کی تعمیل نہ کرسکا جس کا اس وقت مجھ کو نہایت افسوس ہے۔ سید صاحب کا قصد تھا کہ اس کتاب پر جب اُس کا ترجمہ ختم ہو جاوے تو ریویو لکھیں اور پروفیسر آرنلڈ کی اس بےمثل تصنیف کے ترجمہ کو بہت دھوم دھام سے ملک میں شائع کریں۔ لیکن افسوس ہے موت نے ان سب منصوبوں کو غارت کر دیا۔

پروفیسر آرنلڈ کی کتاب پر کوئی تقریظ لکھنی مجھ جیسے کم استعداد شخص کا کام نہیں ہے یہ کام اُن عالموں کو شایاں ہے جو قدیم علوم مگر نیئے سکول کے عالم اور اسلامی تاریخ کے ماہر ہیں میں صرف اُن چند باتوں کو سرسری طور پر بیان کرنیکی کوشش کرتا ہوں جو اتنے عرصہ تک اس کتاب کو مطالعہ کرنے کے بعد میرے ذہن میں رہ گئی ہیں۔

پروفیسر آرنلڈ کی کتاب کا مضمون بالکل اچھوتا ہے جس پر اس سے پہلے کسی عالم نے خواہ مسلمان ہو یا عیسائی ایسی وضاحت و ترتیب سے قلم نہیں اُٹھایا۔ مضمون یہ ہے کہ تمام دنیا میں جہاں جہاں مواعظ حسنہ کے ذریعہ سے اسلام پھیلا اُس کی تاریخ لکھی جاوے زمانہ حال کے علما یورپ نے دنیا کے بڑے بڑے مذہبوں کا دو قسموں میں تقسیم ہونا تسلیم کیا ہے۔ ایک مشنری اور دوسرا نان مشنری۔ نان مشنری مذہب وہ ہیں جن کے ماننے والے غیر مذہب والوں کو اپنے دین میں شامل نہیں کرسکتے۔ مشنری مذہب وہ ہیں جن کے ماننے والے غیروں کو اپنے مذہب پر لانا اپنا مذہبی فرض سمجھتے ہیں۔ اب جو مذہب مشنری ہیں اُن کی اشاعت کے دو طریقے ہیں۔ ایک یہ کہ مواعظ۔ ہدایت اخلاق اور نیکی کے بہترین نمونے دکھا کر غیرونکو اپنے مذہب میں داخل کیا جاوے دوسرا طریقہ یہ ہے کہ جب حکومت اور قوت حاصل ہو تو تلوار کے زور سے جبر و تعدی سے غیروں کو زبردستی اپنے مذہب کا معتقد بنایا جاوے۔ دنیا کے بڑے مذہبوں میں صرف تین مذہب مشنری ہیں۔ ایک بدھ مذہب جس سے ہمکو بحث نہیں۔ دوسرا عیسائی مذہب تیسرا اسلام۔ صرف اسلام کی اشاعت کے حالات اور واقعات کو لکھنا پروفیسر آرنلڈ کی کتاب کا مقصد ہے۔

لیکن مقابلہ کی غرض سے اور اس لئے کہ مصنف اپنی کتاب میں زیادہ تر کرسچن یورپ سے مخاطب ہے
کہیں کہیں عیسوی مذہب کی تاریخ کا ذکر بھی پایا جاتا ہے۔ اسلام اور عیسوی مذہب کی تاریخوں
سے معلوم ہوتا ہے کہ اُن کی اشاعت میں دونوں طریقے جو اوپر بیان ہوئے برتے گئے۔
یعنی عیسوی مذہب اور اسلام دونوں کبھی تلوار کے زور سے اور کبھی مواعظ اور ہدایت کے
ذریعہ سے دنیا میں پھیلائے گئے مذہب کے پھیلانے والے ہمیشہ انسان رہے ہیں
اور انسان کی طبائع مختلف ہیں۔ ایک وہ ہیں جنھوں نے مذہب کے احکام سے سرمو تجاوز کرنا
جائز نہ سمجھا اور اپنے مذہب کو فی الحقیقت ترقی دی۔ دوسرے وہ ہیں جنھوں نے مذہب کے
غلط جوش یا حکومت اور قوت کے پندار میں مذہبی احکام کا خیال نہ کیا اور ایسے کام کیئے جنسے
خود ان ہی پر حرف نہ آیا بلکہ مذہب کے پاک چہرہ پر بھی اُنھوں نے سیاہ داغ لگا دیے۔ مذہب
کے پھیلانے میں زور و زبردستی سے کام لینا ہر مذہب کی شان سے خلاف سمجھا گیا ہے اور خاصکر
اس زمانہ تہذیب میں تو وہ بالکل وحشیانہ حرکت سمجھی جاتی ہے۔ عیسائیوں میں یہ بات زبان زد خاص
و عام ہے کہ اسلام صرف تلوار کے زور سے دنیا میں پھیلایا گیا۔ اور احکام قرآن کی رُو سے غیر مذہب
والوں کو بزور شمشیر مسلمان کرنا مسلمانوں پر فرض ہوا۔ اسلام کی نسبت یہ دونوں خیال بالکل غلط
ہیں۔ اگر عیسائیوں کا اعتراض صرف اس حد تک ہوتا کہ بعض مسلمان بادشاہوں یا لڑنے والوں
نے اسلام کی بجبر اشاعت کی تو یہ اعتراض چنداں سخت نہ تھا کیوں کہ جب فریقین پر ایک ہی سا
اعتراض عائد ہو تو وہ ہی اعتراض ایک کے مُنہ سے دوسرے کے حق میں زیادہ کارگر نہیں ہوتا۔
لیکن عیسائیوں کا سب سے سخت اعتراض جو اسلام کی نسبت ہمیشہ سے اُن میں چلا آتا ہے یہ ہے
کہ غیر مذہب والوں کو زبردستی مسلمان کرنا از روئے قرآن مسلمانوں کا فرض ہے۔ پروفیسر آرنلڈ
نے پہلا کام یہ کیا ہے کہ اس سخت اعتراض پر جو واقعات کے خلاف تھا کئی پہلو سے حملہ کیا اور قرآن
شریف کی متعدد آیات اور احادیث نقل کر کے اور تاریخی مثالیں پیش کر کے اُس کو بالکل غلط اور
لغو ثابت کر دیا۔ چنانچہ اس مسئلہ کے بہترین مبصر سمجھ سکتے ہیں کہ مصنف ممدوح کو اس بحث میں

کس قدر اعلیٰ درجہ کی کامیابی ہوئی۔

پروفیسر آرنلڈ نے مذہب اسلام کی تاریخ اشاعت صرف اُس حد تک لکھی ہے جس میں اسلام مواعظ و نصائح کے ذریعہ سے دنیا کے مختلف ملکوں اور جزیروں میں شائع ہوا۔ انھوں نے ایسے واقعات کے لکھنے سے پرہیز کیا ہے جن میں بعض مسلمان بادشاہوں یا لڑنے والوں نے عیسائی بادشاہوں یا لڑنے والوں کی طرح اپنے مذہب کی بجبر اشاعت کی ہو کیوں کہ جن لوگوں نے ایسا کیا یہ اُن کا ذاتی فعل تھا۔ اسلام کی تاریخ اشاعت کو جو اشاعت از روئے اسلام جائز طریقوں سے ہوئی ہو ایسے لوگوں کے ذاتی افعال سے بحث نہیں ہو سکتی۔ مصنف ممدوح نے صرف ایسے واقعات کو قلمبند کیا ہے جن میں وعظ و نصیحت اسباب تمدن۔ اخلاق اور حسن معاشرت سے تبلیغ اسلام کے لئے مسلمانوں نے تمام دنیا میں جہاں کہیں اُن کا قدم پہنچا کوشش کی۔

یہ کہا گیا ہے کہ آغاز اسلام سے لیکر اس وقت تک جو تیرہ سو برس کا زمانہ ہے کوئی کتاب پروفیسر آرنلڈ کی کتاب پریچنگ آف اسلام سے پہلے اسلامی تاریخ میں ایسی نہیں لکھی گئی جس سے بطریق مواعظ اسلام کی اشاعت کا حال ہر ملک و قوم اور زمانہ کی ترتیب سے معلوم ہو۔ اس کا حال فہرست مضامین کی تفصیل و ترتیب کو دیکھکر بخوبی کھلتا ہے۔ مصنف نے اس کتاب کو تیرہ باب اور چار ضمیموں میں تقسیم کیا ہے۔ باب اول مشنری مذہب کی تعریف اور وعظ و نصیحت سے اسلام کی اشاعت ہونے اور ایسی آیات قرآنی اور احادیث وغیرہ کے نقل کرنے میں کہ ہمیشہ مواعظ و نصائح سے اسلام کی تبلیغ کا حکم ملا اور بجبر اسلام کو شائع کرنے کی ہمیشہ سے مسلمانوں کو ممانعت رہی اور مذہب اسلام ابتدا ہی سے کافۂ انام کی ہدایت کے لیے تھا لکھا گیا ہے۔ دوسرے باب میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حالات زندگی جہانتک کہ اُن کو تبلیغ اسلام سے تعلق تھا بیان کئے گئے ہیں۔ اس کے بعد چار باب ایسے ہیں جن میں یورپ افریقہ اور مغربی ایشیا کی صرف عیسائی قوموں اور فرقوں کے مسلمان ہونے کے واقعات نہایت تلاش اور تحقیق سے لکھے گئے ہیں۔ اس کے بعد ایران میں زردشتیوں اور آتش پرستوں وغیرہ کے

اسلام لانے کا ذکر ہی۔ پھر ہندوستان چین افریقہ۔ مجمع الجزائر کی بُدھ مذہب اور بت پرست قوموں کے اسلام لانے کے متعلق ایک ایک باب ہی جو نہایت بیش قیمت معلومات کا خزانہ ہی اخیر میں خاتمہ کا باب ہی جس میں عیسوی اور اسلامی مشن کے طریقوں کا فرق اور دیگر مضامین متعلقہ پر بحث کی گئی ہی۔ پھر چار ضمیمے ہیں جن کی تفصیل فہرست مضامین سے معلوم ہو سکتی ہی۔ پروفیسر آرنلڈ کی کتاب کے مضامین کو اس طرح مختصر لفظوں میں بیان کر دینا بے انصافی ہی کیونکہ جو چیز اس کتاب کے پڑھنے والے کو حیرت زدہ کر دیتی ہی وہ وسعت مضمون ہی۔ تیرہ صدیوں میں دنیا کے تین براعظموں اور متعدد جزیروں پر جو کچھ اسلام کی ترقی اشاعت کے لیئے مسلمانوں نے کوششیں صرف کیں وہ نظر کے سامنے لائی گئی ہیں۔ اس وقت دنیا کا نقشہ ہمارے سامنے ہی اور تیرہ سو برس کا زمانہ ذہن میں۔ دنیا کے تین براعظم اور اُن کے جزیرے ہیں جن پر ہم قلم دوڑا رہے ہیں کہ اسلام یہاں پھیلا اور وہاں پھیلا۔ **براعظم ایشیا** میں عرب۔ شام فلسطین۔ آرمینیا۔ کاکیشیا۔ جرجان۔ طبرستان۔ ایران۔ خراسان۔ افغانستان۔ ہندوستان کشمیر۔ تبت۔ ترکستان۔ سائبیریا۔ چین۔ اور چینی تاتار۔ **براعظم یورپ** میں اسپین اور یورپین روم کے ملک ترکی۔ البانیا۔ بلغاریا۔ سرویا۔ بوسینیا۔ مانٹ نیگرو۔ اور یورپین روس کے بعض حصے **براعظم افریقہ** میں مصر۔ نوبیا۔ حبش۔ شمالی ساحل افریقہ کے ملک طرابلس۔ ٹیونس۔ الجزیرہ۔ موراکو۔ مغربی ساحل اور شرقی ساحل کے ملک۔ وسط افریقہ کے صحرا اور جنوبی حصہ میں کیپ کوسٹ کولونی وغیرہ۔ **جزیروں** میں مال دیپ۔ سمطرہ (سماٹرہ) جاوا۔ ملوکا۔ بورنیو۔ سلیبیز۔ فلپائن۔ زولو۔ نیوگنی۔ کریٹ۔ امریکہ کے بعض جزیرے ملایا اور ملاکا کے جزیرہ نما دنیا کے وہ مقامات ہیں جہاں گزشتہ تیرہ صدیوں میں سے کسی نہ کسی زمانہ میں اسلام کا آفتاب طلوع ہوا اور ابتک اُن کے آسمان پر چمک رہا ہی۔ یہ صرف ملکوں کے نام تھے جن کو یہاں آسانی سے لکھدیا گیا۔ اگر اُن قوموں اور مذہبوں کا شمار کیا جاوے جن کے لوگوں میں اسلام کی اشاعت ہوئی تو اُن کی فہرست بنانی سخت دشوار

ہوگی۔ علم اتھنو لوجی کے عالموں نے بنی نوع انسان کو السنہ کے اصول تقسیم پر چھ نسلوں میں
تقسیم کیا ہی یعنی ایرین۔ سریو عربیک۔ منگولین۔ امریکین۔ نیگرو اور نیگرائٹ اب یہ نسلیں
جُدا جدا متعدد حصوں میں تقسیم کی گئی ہیں جن کی تفصیل کی ضرورت نہیں۔ مختصر یہ سمجھنا چاہیئے
کہ ایرین نسل کی یوروپین اور ایشیائی شاخوں میں غالباً سوائے کیلٹک قوموں کے ٹیوٹانک۔
سلوانک۔ اٹالک۔ الریک۔ ہیلنک۔ ایرانی۔ اور برہمنی اقوام میں کہیں کم اور کہیں زیادہ اسلام کا
چرچا ہوا۔ اسی طرح سریو عربیک نسل میں ایرامک۔ عبری اور عربی قوموں پر اسلام کا تسلط
ہوا۔ اور منگولین نسل کی تورانی شاخوں میں مغل۔ تاتار۔ ترک۔ تبتی اور ملایا وغیرہ کی قوموں میں
کروڑوں مسلمان موجود ہو گئے۔ اسی طرح نیگرو نسل کی صدہا قوموں میں اسلام کی ترقی ہوئی
اور نیگرائٹ کی نسل جو نیگرو نسل سے کسی قدر مشابہ ہی اور شرقی مجمع الجزائر ایشیا کے جزیروں
میں زیادہ تر آبادہی اسلام پھیلا۔ یہ نسلیں وہ ہیں جو تقریباً کل بنی نوع انسان پر محیط ہیں اس سے
ہم سمجھ سکتے ہیں کہ دنیا کی ہزاروں قوموں میں گنتی کی قومیں باقی ہوں گی جن میں اسلام کا
چرچا نہ ہوا ہو۔ یہی حال اُن مذہبوں کا ہی جن کو چھوڑ کر لوگوں نے اسلام قبول کیا۔ برہمنی اور
بدھ مذہب۔ موسوی۔ زردشتی اور عیسوی مذہب کے صدہا فرقوں میں سے لاکھوں آدمیوں
نے وقتاً فوقتاً اسلام قبول کیا۔ لیکن سب سے زیادہ مثالیں بُت پرستی کے مذہبوں سے ملتی
ہیں جن کے شمار میں گھانس پھونس۔ درخت۔ پتھر۔ دریا۔ پہاڑ۔ کواکب۔ روحوں اور موتوں
کے پوجنے والوں سے لیکر مناظر قدرت کے پرستش کرنے والے اور فلسفیانہ بت پرست بھی
شامل ہیں۔ غرض یہ وسعت مضمون ہی جس کی وقعت ہمیشہ کے لئے دل پر نقش ہو جاتی ہی اور
اُس کو دیکھکر پڑہنے والا کھو یا جاتا ہی۔

اس کتاب کی تصنیف میں مصنف کو جو محنت و جانکاہی کرنی پڑی ہو اُسکا اندازہ کرنا مشکل ہی۔
ایک ادنی بات یہ ہی کہ فقط اُن قلمی یا مطبوعہ کتابوں کے نام جن کے حوالے متعدد جگہ دیے گئے
ہیں اصل انگریزی نسخہ میں بڑی تقطیع کے بارہ صفحوں پر باریک ٹائپ میں چھپے ہوئے ہیں۔ گر یکہ

لیٹن۔ جرمن۔ انگریزی۔ اٹالین۔ اسپینش۔ پرتگیزی۔ عربی۔ فارسی اور اُردو زبانوں کی یہ کتابیں ہیں۔ اول تو ان کتابوں کی تلاش اور جمع کرنے میں یورپ اور ہندوستان کے تمام کتب خانے چھان کر کس قدر صرف وقت وزر کرنا پڑا ہوگا پھر اُن سے استنباط اور التقاط میں کیسی دماغ سوزی کی ہوگی اور خون جگر پیا ہوگا۔ ہمکو معلوم ہی کہ پروفیسر آرنلڈ نے اپنی نہایت فیاض نیک اور عزیز زندگی کے نو یا دس برس اس تصنیف کی نذر کئے ہیں اور ابھی بس نہیں کی۔ کیوں کہ آیندہ بھی اس مضمون پر وقت صرف کرنے کا اُنھوں نے وعدہ فرمایا ہی۔ اسلام کی تاریخ اشاعت کے مضمون پر پروفیسر آرنلڈ کی کوششوں کی کوئی حد نہیں رہی ہو۔ تاریخ اسلام کی وسیع سرزمین پر جس کے آثار تیرہ سو برس کی مسافت میں تاریخ کے صفحوں پر پھیلے پڑے ہیں مصنف نے وہ وہ کٹھن منزلیں طے کی ہیں اور ایسے ایسے بر و بحر کو چھانا ہی کہ مصنف ہی کا دل و دماغ خوب جانتا ہوگا۔ دنیا کے پردے پر شاید ہی کہیں مسلمانوں کی کوئی قوم آباد ہوگی جس کی تاریخ اُس کی تیز و دقیق نظر سے بچی ہو۔ فی الحقیقت یہ کتاب لکھکر پروفیسر آرنلڈ نے تمام دنیا کے مسلمانوں اور عیسائیوں پر ایسا احسان کیا ہی کہ جس قدر اس کتاب کی قدر اور مصنف کی شکرگزاری کی جاوے کم ہی۔ مسلمانوں پر تو مصنف کا یہ احسان ہی کہ مصنف کے علم و فضل اور انصاف پسندی اور سچے مسیحی دل نے اسلام کی نسبت ایک اعتراض کو جو خاص کر عیسائیوں کی طرف سے ہوتا رہا ہی غلط ثابت کرکے ایک ایسی بیش قیمت اور بے نظیر تصنیف مسلمانوں کو لکھکر دی جس کا لکھنا علمائے اسلام کا فرض تھا اور عیسائیوں پر مصنف کا یہ احسان ہی کہ اپنے ہم مذہبوں کے دل سے ایک غلط خیال کو جو واقعات سے بطور صحیح نتیجہ کے نہ نکل سکتا تھا رفع کرنے کی کوشش کی۔

یہاں اسبات کا ذکر کرنا بھی ضروری ہی کہ مصنف نے اس کتاب کی تحریر میں طرفداری سے مطلق کام نہیں لیا ہی۔ اعلیٰ درجہ کی مورخانہ قابلیت کے ساتھ جس قدر واقعات اس مضمون کے متعلق مل سکے اُن کو ترتیب سے جمع کیا ہی اور جو نتایج اُن سے پیدا ہو سکے اُنکو ایسی عبارتیں

لکھا ہی جس کے ادنیٰ سے ادنیٰ لفظ کو بھی بدلنا یا گھٹانا بڑھانا مشکل ہی اکثر ملکونکے حالات فرنگستانی اور عیسائی مصنفوں کی کتابوں اور تحریروں کے استناد واستشہاد پر مبنی کیئے گئے ہیں۔ کیوں کہ مشرقی زبانوں کی کتابوں سے زیادہ مدد نہیں مل سکی۔ خاص کر عیسائیوں کے مسلمان ہونے کا جہاں جہاں ذکر ہی وہاں بڑے بڑے پادریوں اور عیسائی عالموں کی عبارتیں نقل کی گئی ہیں اور اُن سے نتائج استخراج کیئے گئے ہیں۔ ان عیسائی عالموں سے جیسا کہ مصنف نے خود بار بار لکھا ہی اسبات کا متوقع ہونا کہ انھوں نے کسی غیر مذہب کی نسبت اور غیر مذہب بھی وہ جس نے لاکھوں عیسائیوں کو اپنا حلقہ بگوش بنایا ہو بے ادبی اور گستاخی کے الفاظ نہ لکھے ہونگے فضول ہی ان عبارتوں میں گو اکثر جگہ اسلام یا بانی اسلام کی نسبت نعوذ باللہ سخت وسست الفاظ استعمال کیئے گئے ہیں لیکن نفس مضمون پر ضرور ان سے عمدہ معلومات حاصل ہوتی ہی۔ مثلاً کسی پادری نے اس رنج اور غصہ میں کہ صدہا عیسائیوں نے عیسائی مذہب چھوڑ کر اسلام قبول کرلیا اسلام کی نسبت سخت وسست لکھا مگر اس کے ساتھ ہی بیان کیا کہ مسلمانوں نے عیسائیوں کو مذہب ترک کرنے پر مجبور نہیں کیا تو ظاہر ہی کہ ایسی عبارتوں کا نقل کرنا مصنف کو مورخ کی حیثیت سے ضروری ہوا کیوں کہ مسلمانوں کی مذہبی مسالمت اور طریق صلح کل پر اُن سے شہادت دستیاب ہوئی گو اُس کے ساتھ مسلمانوں کو چند تلخ باتیں بھی سُننی پڑیں اس قسم کی عبارتیں کتاب میں اکثر جگہ نقل ہیں لیکن ان کو غور سے پڑہنے کے بعد معلوم ہوگا کہ وہ ضرور کسی نہ کسی پہلو سے مسلمانوں کی نسبت عیسائیوں کے کسی اعتراض کو جو غلط واقعات کی بنیاد پر قائم ہی دور کرتی ہیں۔ ناظرین کو اس کتاب کے مطالعہ کے وقت ہمیشہ اسبات کا خیال رکھنا چاہیئے کہ جو عبارتیں نقل کی گئی ہیں انکو مصنف کی عبارت سے خلط ملط نہ کردیں۔ مصنف کے قلم سے کوئی بات جو خلاف انصاف ہو اور واقعات سے بطور نتیجہ کے نہ نکلتی ہو یا جس میں ذاتی خیالات کا رنگ پایا جاتا ہو نہیں نکلی ہی۔

اس کتاب میں علاوہ انگریزی زبان کے اور بہت سی یورپین زبانوں کے نام اور عبارتیں درج ہیں۔ مصنفوں اور کتابوں کے نام ٹرانس لیٹریشن کے قواعد کے مطابق اُردو میں لکھے

گئے ہیں۔ اگر یہ نہ کیا جاتا تو ان ناموں کو چھوڑ دینا پڑتا اور اس طرح نوٹ بھی جن میں مصنفوں اور تصنیفوں کے نام بکثرت ہیں نہیں لکھے جا سکتے تھے جن کے بغیر کتاب کی اصل قیمت اور مصنف کی محنت اور جانکاہی کا ثبوت نہ مل سکتا۔ ان تمام ناموں کو خود پروفیسر آرنلڈ نے اُردو میں اپنے قلم سے لکھ کر میرے پاس بھیجا جس کا میں نہایت مشکور ہوں۔ میں خود ان غیر زبانوں کا تلفظ نہ جاننے کی وجہ سے ان ناموں کو کسی باقاعدہ طریقہ سے اُردو میں نہیں لکھ سکتا تھا۔ کتاب میں نوٹ بکثرت ہیں اور ان نوٹوں کی عبارتیں انگریزی کے علاوہ اکثر یورپین زبانوں میں ہیں جن کا انگریزی ترجمہ بھی صاحب ممدوح نے خود لکھ کر جسکے سو یا ڈیڑھ سو صفحے میرے پاس موجود ہیں بھیجا۔ اور میں نے ان عبارتوں کو اُردو میں ترجمہ کر کے نوٹوں میں درج کیا۔ اس لئے پریچنگ آف اسلام کا اُردو ترجمہ اُن صاحبوں کے لیے بھی مفید ہے جن کے پاس انگریزی کا اصل نسخہ موجود ہو کیونکہ انگریزی نسخہ میں جو عبارتیں انگریزی کے علاوہ یورپین زبانوں سے لی گئی ہیں وہ بجنسہ انھیں زبانوں میں لکھی گئی ہیں۔ انگریزی میں اُن کا ترجمہ موجود نہیں ہے۔

میں نے اس کتاب کے ترجمہ میں جس قدر مجھ سے ممکن تھا محنت کی ہے اور برابر میری یہ کوشش رہی کہ جہانتک ممکن ہو ترجمہ صحیح اور صاف ہو لیکن پھر بھی ضرور ہے کہ غلطیاں رہ گئی ہوں گی۔ مجھ کو ناظرین کتاب سے امید ہے کہ ترجمہ کی دقتوں پر نظر کر کے سہواً جو غلطیاں ہوئی ہوں گی اُن کو معاف فرماویں گے۔

یہاں اسبات کا ذکر کرنا ضروری ہے کہ اگر خود پروفیسر آرنلڈ اس کتاب کے ترجمہ میں میری مدد نفرماتے تو اس ترجمہ کا ختم ہونا مجھ سے غیر ممکن تھا۔ جہاں کہیں جس قسم کی مشکلات مجھ کو درپیش ہوئیں اور وہ مشکلیں کچھ کم نہیں پروفیسر موصوف نے اپنا نہایت بیش قیمت وقت صرف کر کے ہمیشہ میری مدد کی۔ میں مدرستہ العلوم کے اُن خوش قسمت طالب علموں میں سے ہوں جن کو پروفیسر آرنلڈ کی شاگردی کی عزت حاصل ہے۔ پس جس چیز نے اس مشکل

کتاب کے ترجمہ میں میری ہمت کو قاصر نہ ہونے دیا وہ صرف یہ خیال تھا کہ اپنے نہایت شفیق اور مہربان اُستاد سے جو کچھ مشکل پیش آئے گی جب چاہوں گا پوچھ لونگا۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ میں اس وقت اُن تمام تکلیفوں کی معافی چاہتا ہوں جو مسٹر آرنلڈ کو اس ترجمہ کے متعلق میں وقتاً فوقتاً دیتا رہا ہوں اور تہ دل سے اُن کا شکریہ ادا کرتا ہوں۔

میں اپنے پرنسپل جناب مسٹر تھیوڈور بک کا بھی نہایت مشکور ہوں کہ سید صاحب کے انتقال کے بعد یہ صرف صاحب ممدوح کی توجہ تھی کہ اس ترجمہ کا جو کچھ مسودہ باقی رہ گیا تھا وہ مطبع کو روانہ کیا گیا۔ اگر پرنسپل صاحب اس طرف توجہ نہ فرماتے تو یہ ترجمہ کتاب کی صورت میں ظاہر نہو سکتا مولوی سید وحید الدین صاحب سلیم کا شکریہ ادا کرنا بھی مجھ کو اس وقت ضروری ہے مولوی صاحب نے باوجود عدیم الفرصت ہونے کے جب کبھی مجھ کو اُن سے مدد لینے کی ضرورت ہوئی نہایت فیاضی سے میری مدد کی۔

آخر میں میں چاہتا تھا کہ جناب سر سید مرحوم و مغفور کی جو کچھ مہربانیاں اور عنایات مترجم کے حال پر مبذول رہیں اُن کو ظاہر کرتا اور جو تعلق جناب مرحوم کو ہر ایک اسلامی مضمون سے تھا اور جو دلچسپی خاص پروفیسر آرنلڈ کی اس کتاب کے ساتھ اُن کو تھی اُس کا ذکر کرتا۔ لیکن اس خیال ہی سے بے اختیار دل بھر آتا ہے اور سوائے اس کے کچھ بن نہیں پڑتا کہ اس دیباچہ کو جناب مرحوم کی دعائے مغفرت پر ختم کر دوں۔ اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّا اِلَیْهِ رَاجِعُوْنَ۔

سید اندر قوم نقدے بود اندر کیسہ	کیسہ خالی ماندہ و نقد از میاں انداختند
اہل دیں بے یاور و دیں بیکس و بے یار ماند	ہر گہ ایں آوازہ در ہندوستاں انداختند
رفت و باخود رونق بزم مسلمانی ببرد	ملت از مرگش بشہر مرد و مسلمانی ببرد

محمد عنایت اللہ

دہلی ۲۳ جون ۱۸۹۸ء

پریچنگ آف اسلام

کے اصل انگریزی نسخہ کو پروفیسر آرنلڈ صاحب نے
اپنی اہلیہ مسز آرنلڈ صاحبہ کے نام حسب ذیل عربی اشعار
کے ساتھ معنون فرمایا ہے

لَكِ الحُكْمُ فِي أَمْرِي فَمَا شِئْتِ فَاصْنَعِي ... فَلَمْ تَكُ إِلَّا فِيكِ لَا عَنْكِ رَغْبَتِي
وَمُحْكَمُ حُبٍّ لَمْ يُخَامِرْهُ بَيْنَنَا ... تَخَيُّلُ مَيْنٍ وَهُوَ خَيْرُ أَلِيَّةٍ

دیباچہ مصنف

میں اس کتاب کو نہایت تذبذب کی حالت میں چھپوا کر شائع کرتا ہوں۔ جس مضمون سے اس کتاب کو تعلق ہی وہ ایسا وسیع مضمون ہی اور ایسی بے سروسامانی کی حالت میں میں نے اوس کو لکھا ہی کہ کامیابی کی امید کم ہی۔ لیکن جس وقت مجھ کو زیادہ مطالعہ کا موقع ملے گا اور ایسا سامان میسر ہوگا کہ جو حالات اس وقت چھوٹ گئے ہیں اُن کو آیندہ لکھ سکوں تو امید ہی کہ اسلامی تاریخ کی اس شق میں (کہ مسلمانوں کا مذہب دنیا میں کس طرح پھیلا) جس کی طرف کسی نے توجہ نہیں کی ہی یہ کتاب ایک بہتر قسم کا اضافہ ہو سکے گی اور اسی خیال سے میں اُن شائقین علم کا دل سے شکر گزار ہوں گا جن کو اس کتاب کی طرف توجہ ہو اور وہ اُس پر تقریظ لکھیں یا جو غلطیاں ہوں اُن کی تصحیح فرماویں۔ میرے اکثر احباب نے مجھ سے وعدہ کیا تھا کہ اگر میں اس مسئلہ کی تردید میں کہ اسلام کی اشاعت صرف بزور شمشیر ہوئی ہی کوئی مضمون تحریر کروں تو وہ میری مدد کریں گے۔ اس لیے میں نے نمونہ کے طور پر یہ کتاب لکھی ہی کہ اس کو پڑھ کر اس امر کا فیصلہ کریں کہ میں اس کام میں کامیاب ہوا یا نہیں۔ اور مجھے ایسے وسائل بہم پہونچ سکتے ہیں یا نہیں کہ مجھ سے اس کام کا خاتمہ بخوبی ہو جائے گا۔ میں اُن فارسی عربی اردو تواریخ سے مستفید ہو سکتا ہوں جن کا ترجمہ کسی فرنگستانی زبان میں موجود ہو مگر ان کے سوا اور کتب تواریخ کے مطالعہ میں دقت ہی۔ اشاعت اسلام کا بڑا حصہ اولیائے کبار اور فقرائے بزرگوار سے متعلق ہی پس جن کتابوں میں اُن کا ذکر ہو وہ مجھے دستیاب نہیں ہوئیں۔ اگر ہندوستان ہی کے

ملک پر غور کیا جاوے تو یہاں بہت سے خاندان ایسے گزرے ہوں گے جن کی تاریخ اور حالات سے اشاعت اسلام کے واقعات پر علم حاصل ہو سکتا ہی پس جن ارباب علم کی نظر کتب سیر و تواریخ پر ہو اور اُن کو اس قسم کے واقعات پر علم ہو جن سے کہ میں لاعلم ہوں وہ مجھے عنایت فرما کر اطلاع دیں اور میں اُن کا بدل ممنون ہوں گا۔ مجھے خاص ہندوستان کے متعلق اِن امور کی تفتیش زیادہ مدنظر ہی۔

اوّل شیخ بہاؤالدین ملتانی رحمتہ اللہ علیہ۔ شیخ فریدالدین شکرگنج پاک پٹنی رحمتہ اللہ علیہ خواجہ معین الدین چشتی رحمتہ اللہ علیہ۔ شیخ فریدالدین کشمیری رحمت اللہ علیہ نے جو کام اسلام کی اشاعت کے لیے کیے ہوں اور غیر مذہب والوں کی ہدایت اور رہنمائی میں جو سعی کی ہو۔

دوم۔ اِن بزرگوں کے سوائے جو فقراے متاخر نے اشاعت اسلام میں کوشش کی ہو۔

سوم پہلے اس سے کہ خاص ہندوستان میں اسلام کا عَلَم سلطنت قائم ہوا ہو اسلام کی اشاعت کے لیے اہل اسلام نے کیا کام کیے؟

چہارم زمانۂ حال میں غیر مذہب کے لوگوں کو مسلمان کرنے کیلیے جو واقعات پیش آتے ہیں۔

اب اُن ارباب علم کی خدمت میں جن کو امور مذکورۂ بالا پر علم ہو یہ التماس ہی کہ وہ مجھے اُن سے محروم نہ رکھیں اور مجھے یقین ہی کہ جو صاحب اشاعت اسلام کا شوق رکھتے ہیں وہ مجھے ضرور اس قسم کے حالات سے اطلاع دیں گے۔

چونکہ اس کتاب میں ایسے تاریخی واقعات درج ہیں جو اکثر زیر بحث رہ چکے ہیں اور مجھکو خود مورخ ہونے کا دعویٰ نہیں اور نہ جس تاریخ سے اس کتاب کو تعلق ہی اُس کے کسی خاص عہد یا زمانہ کا میں محقق ہوں اس لیے جن کتابوں سے اس طرح کے واقعات لکھے گئے ہیں اُن کا ہر جگہ پورے طور پر حوالہ دیا گیا ہی۔ مجھ کو یہ خیال ہوا کہ کتابوں کا مفصل حوالہ دینے میں زیادتی کرنا اس غلطی سے بہتر ہی کہ جن ماخذوں سے مضامین لیے گئے ہوں اُن کے نام و نشان لکھنے میں کمی کی جاوے چوں کہ میں نے خود اکثر کتابوں کا مجمل حوالہ دیکھ کر اُن کی تلاش

میں سخت پریشانی اُٹھائی ہو اور وقت ضائع کیا ہو اس سلئے میں اپنے ناظرین کو اس پریشانی اور تضیع اوقات سے بچانا چاہتا ہوں شاید وہ لوگ جو سرسری نظر سے کتابوں کو پڑھتے ہیں اس طرح بکثرت حوالہ دینے کو نمود سمجھیں گے لیکن کیا عجب ہو کہ کوئی علم کا شائق ایسا ہو کہ اس کتاب کے کسی مضمون کو تصدیق کرنا چاہیے یا کسی مضمون کو زیادہ تفصیل سے پڑھنے کے سیلئے اصل کتابوں کی طرف رجوع کرے اور میں اُس کو کتاب تلاش کرنے کی زحمت اور پریشانی سے بچادوں۔

اس کتاب کے لکھنے میں مینے اس بات کی احتیاط کی ہو کہ جن مذہبوں کا ذکر اُس میں ہو اُن کے ماننے والوں کے خیالات کو کسی طرح کی تکلیف نہ پہونچے۔ اسیلئے مؤدب زبان میں اُن کا ذکر کیا گیا ہو۔ کسی مذہب کی نسبت ادب کے ساتھ خیالات ظاہر کرنے کا طریقہ انگریزی اور اُردو زبان میں مختلف ہو اس لیئے اس کتاب کے اُردو ترجمہ میں مشرقی آداب کے موافق بزرگان دین اور انبیاء کے ناموں کے ساتھ تعظیمی جملے لکھے گئے ہیں جو اصل انگریزی کتاب میں موجود نہیں ہیں۔

میں اس موقع پر چاہتا ہوں کہ شہزادی ہز ایکسلنسی پرنسس بربیرینی اور ہز ایکسلنسی پرنس کیجی اور موسٹ ریورنڈ ڈاکٹر پال کو تھالز آرچ بشپ آف کلکتہ اور دی رائٹ ریورنڈ فرانس پیٹی بشپ آف الہ آباد اور ریورنڈ ایس۔ ایس آلنٹ آف کیمبرج مشن دہلی اور کتب خانہ ڈاکٹر ولیم (گورڈن اسکوائر لندن) کے ٹرسٹیوں کا شکریہ ادا کروں کہ اِن تمام صاحبوں نے مہربانی فرماکر اپنے اپنے کتب خانوں سے کتابیں دیکھنے کی مجھ کو اجازت دی۔

میں سر سید احمد خاں بہادر کے۔سی۔ایس۔آئی۔ایل ایل۔ڈی کی مہربانی اور ہمدردی کا نہایت مشکور ہوں جو اُنہوں نے اس کتاب کے ساتھ ہمیشہ ظاہر فرمائی بغیر اُن کی توجہ کے یہ کتاب طبع نہیں ہوسکتی تھی اور جو تکلیف اس بارے میں جناب سید صاحب نے گوارا فرمائی اُس کا میں کافی شکریہ ادا نہیں کرسکتا۔ میں اپنے بڑے پیارے دوست شمس العلماء

مولوی شبلی نعمانی کا خاص طور پر احسان مند ہوں جنھوں نے اپنے قدیم اسلامی تاریخ کے خزانۂ علم سے متواتر مہربانیوں کے ساتھ ہمیشہ میری مدد فرمائی۔ اگر وہ اپنے اس وسیع علم سے فیاضی کے میری مدد نہ کرتے تو اس کتاب کے اکثر حصوں میں جو بیش قیمت واقعات درج ہیں اُن سے میں لاعلم رہ جاتا۔ میں چاہتا ہوں کہ اپنے شاگرد سابق مولوی بہادر علی ایم اے کا بھی شکریہ ظاہر کروں جنھوں نے عربی ترجموں سے میری مدد کی۔ اس کتاب کے مترجم اور اپنے پرانے شاگرد محمد عنایت اللہ بی اے کا بھی میں دل سے مشکور ہوں کہ اُنھوں نے نہایت شوق محنت اور احتیاط سے اس کتاب کا ترجمہ کیا۔

اخیر میں سب سے زیادہ مجھ کو اپنی پیاری بیوی کا شکریہ ادا کرنا ضروری ہے۔ اگر وہ نہ ہوتیں تو واقعات غیر مسلسل کا یہ پریشان دفتر کبھی ترتیب پاکر کتاب کی صورت میں ظاہر نہ ہوتا۔ اُن کی ہمدردی اور اس کتاب کو اُن کا پسند کرنا میری محنت کا بہترین صلہ ہے۔

ٹی ڈبلیو آرنلڈ



فہرست مضامین

باب اول

	دیباچہ
۱	تبلیغی مذہب کی تعریف۔ تبلیغی طریقوں یعنی وعظ و نصیحت سے اسلام کی اشاعت۔ اسلام بزورِ شمشیر شائع نہیں کیا گیا۔ قرآن میں کافروں کو مسلمان کرنے کے لیئے وعظ و نصیحت کا حکم ہی جبر و اکراہ یا زبردستی کی ممانعت ہی۔ یہ کتاب وعظ و نصیحت کے طریقوں سے دعوتِ اسلام کی تاریخ ہی ظلم اور جبر کی تاریخ نہیں ہی - - - - - - - - - - - - -
	باب دوم
	پیغمبر خدا صلعم کے حالاتِ زندگی کا مطالعہ واعظ اسلام ہونیکی حیثیت سے
	داعی اسلام کے افضل نمونہ آنحضرت ہیں۔ اشاعت اسلام میں آپ کی ابتدائی کوششوں کا حال اور ہجرت سے پہلے مکہ میں لوگوں کا اسلام قبول کرنا مسلمانوں کی تکلیفیں اور مدینہ کو ہجرت۔ مدینہ میں مسلمانوں کی حالت اسلام میں قومی زندگی کا آغاز۔ اہل عرب اور پھر کافہ خلائق کے سامنے اسلام کا پیش کیا جانا۔ قرآن میں بیان ہونا کہ اسلام کل دنیا کا مذہب ہونا چاہیئے اور یہ وہی قدیم مذہب ہی جو حضرت ابراہیم پر اُترا تھا۔ آنحضرت ایک قومی انتظام کے بانی ہوئے۔ آپ کی لڑائیاں

باب ششم

یورپ کی عیسائی قوموں میں ترکوں کے ذریعہ سے اسلام کی اشاعت

حکومت ترک کے آغاز سے دو سو برس تک عیسائی رعایا کے ساتھ ترکوں کے
تعلقات سلطان محمد ثانی نے یونانی کلیسا کو مذہبی آزادی دی۔ ترکی حکومت کے
فوائد اور اس کے نقصان۔ عیسائیوں کے بچے جو خراج میں لیئے جاتے تھے۔
جزیہ۔ خاص خاص لوگوں کے ظلم۔ جبراً مسلمان کرنے کی مثالیں بہت کم ہیں۔
دعوتِ اسلام میں ترکوں کی کوشش۔ حالات جنھوں نے اسلام کی اشاعت میں
مدد پہنچائی۔ یونان کی کلیسا کی ذلیل حالت۔ یونانی پادریوں کا ظلم۔ ترکوں کا اخلاقی
تفوق۔ فتوحات ترک کا بارعب اثر۔ عیسائی غلاموں کا اسلام قبول کرنا۔ البانیا
میں اسلام کی اشاعت۔ البانیا کی فتح۔ اہل البانیا ملکی آزادی پسند کرتے تھے۔
عیسائی مذہب کا رفتہ رفتہ زوال ہوا۔ اور اس زوال کے اسباب۔ سرویا میں
اسلام کی اشاعت۔ اہل سرویا کا ترکوں سے اتفاق کرنا۔ قدیم سرویا کے علاوہ
سرویا خاص میں خاص کر شرفا و رؤسا کا اسلام لانا۔ مانٹ نیگرو (جبل الاسود)
میں اسلام کی اشاعت۔ بوسینا میں اسلامی اشاعت۔ فرقۂ بگومائل۔ فرقۂ بگومائل کے
عقائد میں جو عیسائیوں کا بدعتی فرقہ تھا اور مسلمانوں کے عقائد میں مشابہت۔ جزیرۂ
کریٹ میں اسلام کی اشاعت۔ نویں صدی عیسوی میں اہل کریٹ کا اسلام
قبول کرنا۔ وینس کی سلطنت کا ظلم۔ ترکوں نے کریٹ کو فتح کیا۔ اہل کریٹ مسلمان ہوئے ١٦١

بابِ دہم
چین میں اسلام کی اشاعت

باب یازدہم

افریقہ میں اسلام کی اشاعت

باب دوازدہم

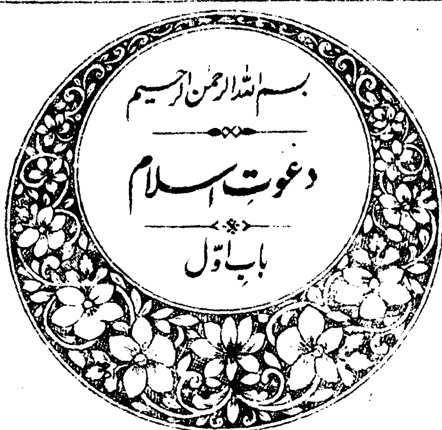
مجمع الجزائر ملایا میں اسلام کی اشاعت



باب سیزدہم

خاتمہ

تمت بالخیر



پروفیسر مکس مولر نے مسیحی مشنوں کی علما کے جلسہ میں جو دسمبر ۱۸۷۳ء میں ویسٹ منسٹرابی میں منعقد ہوا اپنا لکچر دیا جب سے یہ ایک معمولی بات ہوگئی ہو کہ دنیا کے چھ بڑے مذہب تبلیغی اور غیر تبلیغی مذہبوں میں تقسیم کیے جاسکتے ہیں۔ قسم آخر میں یہودی۔ برہمنی۔ اور زردشتی مذہب داخل ہیں اور قسم اوّل میں بودھ مت۔ عیسائی مذہب اور اسلام شامل ہیں۔ پروفیسر مذکور نے تبلیغی مذہب کی تعریف کہ اس سے کیا مراد لینی چاہیئے نہایت خوبی سے یہ کی ہو کہ "تبلیغی مذہب وہ ہو جس میں سچائی کا پھیلانا اور غیر مذہب والوں کو اپنے مذہب میں لانا بانی مذہب یا اس کے جانشینوں نے جو اُس کے قریب زمانہ میں ہوئے مذہبی فرض تک پہنچا دیا ہو ...... یہ ایمان والوں کے دل کی سچائی کا جوش ہوتا ہو جو چین سے نہیں رہتا تاوقتیکہ وہ خیال سے کلام سے عمل سے اپنے تئیں ظاہر نہ کرے اور اُس کو اُس وقت تک چین نہیں آتا جبتک کہ وہ اپنے پیغام کو ہر انسانی روح تک نہ پہنچا دے اور جس چیز کو وہ برحق یقین کرتا ہو اُس کو بنی نوع انسان کا ہر شخص برحق تسلیم نہ کرنے لگے"[۱]

مذہب کی سچائی کا ایسا ہی جوش ہو جس نے مسلمانوں میں روح پھونک دی کہ اسلام کی

۱ مسٹر لائل نے آرٹیکل موسوم بہ "مشنری ریلیجنز" پر ایک نوٹ فورٹ نائٹلی ریویو جولائی ۱۸۷۴ء

خبر کو جس سرزمین میں داخل ہوں اس کے باشندوں کے پاس پہنچائیں۔ اور یہی جوش ہی جس نے مستحق کیا کہ ان کا مذہب ٹھیک ٹھیک اُن مذہبوں میں شمار ہو جن کو ہم تبلیغی یا مشنری مذہب کہتے ہیں۔ اسی تبلیغی سرگرمی کے پیدا ہونے کی تاریخ اور اُس کے برانگیختہ کرنے والی طاقتوں کا حال اور اُس کے عمل کے طریقوں کا بیان ہی جن سے اس کتاب کا مضمون مرتّب ہوتا ہی۔ ستّرہ کروڑ تیس لاکھ مسلمان جو آج دنیا کے پردہ پر موجود ہیں وہ اسی مذہبی حمیت کے کاموں کی شہادت ہیں جو بارہ صدیوں کے زمانہ میں سرانجام ہوئے

وہ سرمدی اور حیات بخشنے والی صداقت یعنی خدائے واحد کی خبر اہل عرب کو ساتویں صدی عیسوی میں اس نبی نے پہنچائی جس کے عَلَم کے نیچے عرب کے منتشر قبیلے جمع ہو کر ایک قوم بن گئے اور اس نئی قومی حیات کی جنبشوں سے پُر ہو کر اور دینی حمیّت اور گرمجوشی کے ساتھ جس نے ان کے لشکروں کو قریب قریب وہ طاقت بخشی جو مغلوب ہونا نہ جانتے تھے دنیا کے تین براعظموں پر سیلاب کی طرح پھیل گئے تاکہ فتح کریں اور محکوم بنائیں۔ شام۔ فلسطین مصر۔ شمالی افریقہ۔ فارس پہلے ملک تھے جنھوں نے اسلامیوں کے سامنے سر تسلیم جھکایا۔ مغرب میں ہسپانیہ کی طرف بڑھ کر اور مشرق میں دریائے سندھ عبور کر کے پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی اُمت نے دیکھا کہ آپ کی وفات کے سو برس بعد وہ ایسی سلطنت کی مالک ہی جو رومۃ الکبریٰ کی شہنشاہی سے بھی جبکہ اُس کی سطوت کا آفتاب نصف النہار پر تھا وسیع تر ہی۔

اگرچہ اس کے بعد اس بڑی اسلامی سلطنت کے حصّے ہو گئے اور اسلام کی پولیٹیکل قوت کم ہو گئی تاہم اس کی دینی فتوحات ویسی ہی بے روک ٹوک جاری رہیں۔ جب مغل کے وحشی گروہوں نے بغداد کو تاراج کیا (۱۲۵۸ء) اور خاندان عباسیہ کی پژمردہ شوکت کو خون میں غرق کر دیا۔ جبکہ فردیننڈ لیونی و قسطیلی نے مسلمانوں کو قرطبہ سے نکال دیا (۱۲۳۶ء) اور غرناطہ نے جو اخیر مستحکم جائے پناہ اسلام کے لیئے ہسپانیہ میں رہ گیا تھا عیسائی بادشاہ کو خراج دیا تو اسلام نے اُسی زمانہ میں جزیرۂ سماٹرا میں اپنا قدم جمایا اور مجمع الجزائر ملیے کے جزیروں

میں وہ اپنی زبردست قوت جاری کرنے والا ہوگیا۔ ملکی تنزل کی ساعتوں میں اسلام نے بعض عظیم الشان کامیابیاں حاصل کیں۔ دو بڑے تاریخی موقعوں پر وحشی کفار نے مسلمانوں کو پامال کیا۔ یعنی سلجوقی ترکوں نے گیارہویں صدی عیسوی میں اور مغلوں نے تیرہویں صدی عیسوی میں۔ لیکن دونوں صورتوں میں فتح کرنے والوں نے جن کو فتح کیا تھا اُنھی کا مذہب اختیار کرلیا۔ دنیوی طاقت سے محروم اور ملکی اغراض سے بے لگاؤ۔ دعاۃ اسلام نے اپنے مذہب کو وسط افریقہ اور ملک چین اور مشرقی جزائر ہند میں پہنچایا۔

آج کے دن اسلام مراکو سے لیکر زنجبار تک اور سارالیون سے سائبیریا اور چین تک اور بوسینیا سے لیکر نیوگنی تک پھیلا ہی۔ ایسی ملکوں کی حدود سے باہر جن کو تخصیص کے ساتھ اسلامی کہہ سکتے ہیں اور ایسی سرزمینوں سے باہر جیسے ممالک چین و روس ہیں جہاں مسلمان کثیر تعداد میں موجود ہیں مسلمانوں کے چند چھوٹے چھوٹے گروہ ایسے بھی ہیں جو منکرین کی کثرت میں اسلام کے شاہد ہیں۔ ان میں پولش زبان بولنے والے مسلمان ہیں جو تاتاری النسل ہیں اور لتھوانیا میں آباد ہیں اور جوکونو۔ دلنو اور گروڈنو کے اضلاع میں رہتے ہیں۔ اور کیپ کولونی کے ڈچ بولنے والے مسلمان ہیں اور ہندوستان کے قُلی ہیں جنھوں نے اسلام کو مغربی جزائر ہند اور برٹش گائنا اور ڈچ گائنا میں پہنچایا ہی۔ قریب ہی کے زمانہ میں چند لوگ انگلستان میں (جہاں نومسلموں کی تعداد [1] ۱۸۹۲ء میں ۱۳۷ تک بڑھ گئی ہی) اور امریکا اور آسٹریلیا میں مسلمان ہوئے ہیں۔

کرۂ ارض کے اس قدر وسیع حصہ پر اسلام کی اشاعت بہت سے اسباب مثلاً سوشل۔ ملکی اور مذہبی کا نتیجہ ہی مگر سب سے قوی سبب اس مہتم بالشان نتیجہ کا ان دعاۃ اسلام کی متواتر محنتیں ہیں جنھوں نے خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کام میں افضل مثال مانکر منکرین کی دعوت میں اپنے تئیں صرف کردیا۔

---

[1] ۔ کلو ۔ جلد ۵ صفحہ ۲۲۳

تاریخ اسلام میں دعوتِ مذہب کا فرض ایسا خیال نہیں ہی جو بعد کو پیدا ہوا ہو بلکہ اُس کی ہدایت ابتدا ہی سے مسلمانوں کو ہوئی ہی جیسا کہ قرآن شریف کی مفصلۂ ذیل آیات سے مستنبط ہوتا ہی۔ یہ آیات اوقات نزول کی ترتیب سے یہاں درج کی جاتی ہیں۔

اُدْعُ إِلَىٰ سَبِيلِ رَبِّكَ بِالْحِكْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ وَجَادِلْهُمْ بِالَّتِي هِيَ أَحْسَنُ سورۃ النحل آیت ۱۲۶ یعنی لوگوں کو دانائی اور نیک نصیحت سے اپنے پروردگار کے رستہ پر بلا اور اُن سے جھگڑا کر مگر ایسے طریقہ سے کہ وہ اچھا ہی۔

وَإِنَّ الَّذِينَ أُورِثُوا الْكِتَابَ مِنْ بَعْدِهِمْ لَفِي شَكٍّ مِنْهُ مُرِيبٍ۔ سورۃ الشوریٰ آیت ۱۴ یعنی جن لوگوں نے انبیاء کے بعد ورثہ میں کتاب پائی ہی وہ اُس کتاب کے مطلب میں بہت شبہ کرتے ہیں۔

فَلِذَٰلِكَ فَادْعُ وَاسْتَقِمْ كَمَا أُمِرْتَ وَلَا تَتَّبِعْ أَهْوَاءَهُمْ وَقُلْ آمَنْتُ بِمَا أَنْزَلَ اللَّهُ مِنْ كِتَابٍ وَأُمِرْتُ لِأَعْدِلَ بَيْنَكُمُ اللَّهُ رَبُّنَا وَرَبُّكُمْ لَنَا أَعْمَالُنَا وَلَكُمْ أَعْمَالُكُمْ لَا حُجَّةَ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمُ اللَّهُ يَجْمَعُ بَيْنَنَا وَإِلَيْهِ الْمَصِيرُ سورۃ الشوریٰ آیت ۱۴ یعنی اس لیے تو اُن کو بلا اور جو تجکو حکم دیا گیا ہی اُس پر مضبوط رہ اور اُن کی خواہشوں کی پیروی مت کر اور کہدے کہ میں اس کتاب پر ایمان لایا ہوں جو خدا نے اُتاری ہی اور مجکو حکم ہوا ہی کہ میں تم میں ٹھیک بات کہوں کہ اللہ ہمارا بھی پروردگار ہی اور تمھارا بھی۔ ہمارے لیے ہمارے عمل ہیں اور تمھارے لیے تمھارے عمل۔ ہم میں اور تم میں کچھ جھگڑا نہیں ہی۔ اللہ ہمکو اور تمکو اکٹھا کرے گا اور اُسی کے پاس جانا ہی۔

ایسے ہی احکام اُن صورتوں میں پائے جاتے ہیں جو مدینہ میں ایسے وقت میں نازل ہوئیں جبکہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے تحت میں ایک بڑا لشکر تھا اور آپ کو سب وقتوں سے زیادہ قوت حاصل تھی۔ اور وہ یہ ہیں۔

وَقُلْ لِلَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ وَالْأُمِّيِّينَ أَأَسْلَمْتُمْ فَإِنْ أَسْلَمُوا فَقَدِ اهْتَدَوْا

وَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّمَا عَلَيْكَ الْبَلٰغُ وَاللّٰهُ بَصِيْرٌ بِالْعِبَادِ - سورۂ الم آلِ عمران - آیت ۱۹- یعنی وہ جن کے پاس کتاب ہی اور جو اَنْ پڑھ ہیں یعنی عرب کے رہنے والے اُن سے پوچھ کہ کیا تم میری بات مانتے ہو-؟ پھر اگر اُنھوں نے مانی تو بیشک ہدایت پر ہیں اور اگر اُنھوں نے نہ مانی تو تیرا کام حکم کا پہنچا ہی دینا ہی اور اللہ اپنے بندونکو خوب پہچانتا ہی-

كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمْ اٰيٰتِهٖ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ - سورۂ الم آل عمران آیت ۹۹ یعنی اسی طرح اللہ تمھارے لیے اپنے حکم کھول کر بیان کر دیتا ہی تاکہ تم ہدایت پاؤ

وَلْتَكُنْ مِّنْكُمْ اُمَّةٌ يَّدْعُوْنَ اِلَى الْخَيْرِ وَيَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ - سورۂ الم آل عمران آیت ۱۰۰ یعنی اور چاہیے کہ تم میں کچھ لوگ ہوں جو لوگوں کو بھلائی کی طرف بُلادیں اور اچھی باتوں کے کرنے کا حکم دیں اور بُری باتوں کے کرنے سے منع کریں اور وہی لوگ ہیں فلاح پانیوالے۔

لِكُلِّ اُمَّةٍ جَعَلْنَا مَنْسَكًا هُمْ نَاسِكُوْهُ فَلَا يُنَازِعُنَّكَ فِى الْاَمْرِ وَادْعُ اِلٰى رَبِّكَ اِنَّكَ لَعَلٰى هُدًى مُّسْتَقِيْمٍ سورۃ الحج - آیت ۶۶- یعنی ہر گروہ کے لئے ہمنے حج کرنے کا طریقہ ٹھیرا دیا ہی اور وہ اُسی طریقہ سے حج کرتے ہیں پھر اس کام میں تو اُنسے جھگڑا مت کر اور اُن کو اپنے پروردگار کی طرف بُلا بیشک تو سیدھے رستہ پر ہی

وَاِنْ جٰدَلُوْكَ فَقُلِ اللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ - سورۃ الحج آیت ۶۷ یعنی اور اگر وہ تجھ سے جھگڑا کریں تو کہدے کہ جو تم کرتے ہو اُس کو اللہ جانتا ہی-

مندرجۂ ذیل آیات سورۂ توبہ سے نقل کی جاتی ہیں جس کی نسبت خیال ہی کہ وہ اخیر سورہ ہی جو نازل ہوئی ہی-

وَاِنْ اَحَدٌ مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ اسْتَجَارَكَ فَاَجِرْهُ حَتّٰى يَسْمَعَ كَلٰمَ اللّٰهِ ثُمَّ اَبْلِغْهُ مَاْمَنَهٗ سورۃ التوبہ آیت ۶- یعنی اگر کوئی مشرک لڑائی میں تجھ سے پناہ مانگے تو اُس کو پناہ دے تاکہ وہ خدا کا کلام سُنے پھر اُس کو اُس کی امن کی جگہ پہنچا دے-

اِن منکروں کی نسبت جنھوں نے اپنے عہد توڑے تھے اور جنھوں نے "اللہ کی نشانیوں کے بدلے تھوڑا مول لیا اور دوسروں کو اُس کے رستہ سے روکا" اور وہ جنھوں نے "کسی مسلمان کے حق میں قرابت مندی اور عہد کی رعایت نہ کی" انکی نسبت کہا گیا فَاِنْ تَابُوْا وَاَقَامُوا الصَّلٰوۃَ وَاٰتُوا الزَّکٰوۃَ فَاِخْوَانُکُمْ فِی الدِّیْنِ وَ نُفَصِّلُ الْاٰیٰتِ لِقَوْمٍ یَّعْلَمُوْنَ۔ سورۃ التوبہ آیت ۱۱۔ یعنی پھر اگر وہ توبہ کریں اور نماز پڑھتے رہیں اور زکوۃ دیتے رہیں تو وہ تمھارے دینی بھائی ہیں اور ہم تفصیل سے تمام احکام اُن لوگوں کو بتا دیتے ہیں جو سمجھتے ہیں۔

پس اسلام اپنے آغاز ہی سے کیا اُصول میں اور کیا عمل میں تبلیغی مذہب رہا ہے کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی خود اسی تعلیم و تلقین کی مثال ہے اور آپ دعاۃِ اسلام کے اُس طویل سلسلہ کے افسر ہیں جس نے منکروں کے دلوں میں اپنے دین کے لیئے رستہ کھول دیا اس کے علاوہ جابر کے ظلم کے اور متعصّب کے قہر و غضب میں تبلیغ اسلام کی شہادتوں کو تلاش کرنا ایسا ہی فضول کام ہے جیسے کہ ایک خیالی شخص کے کاموں میں جس کی نسبت خیال ہو کہ (نعوذ باللہ) ایک اسلامی جنگجو تھا کہ ایک ہاتھ میں قرآن لیئے تھا اور دوسرے میں تلوار اس بات کو ڈھونڈنا عبث فعل ہوگا۔ بلکہ اشاعت اسلام کی تحریک کا نشان دعاۃِ اسلام اور تجار کی خاموش کوششوں میں ملتا ہے۔ جنھوں نے اسلام کو دنیا کے ہر گوشہ میں شائع کیا۔ وعظ اور دعوتِ اسلام میں یہ امن کے طریقے اُسوقت ہی نہیں اختیار کیے گئے جبکہ ملکی حالات نے جبر و اکراہ کو ناممکن یا خلاف مصلحت ٹھیرایا جیساکہ بعض لوگ ہمکو یقین دلاتے ہیں بلکہ قرآن کی آیات میں نہایت تاکید سے انکا حکم ہر حال میں دیا گیا ہے جیساکہ ذیل سے معلوم ہوگا۔

وَاصْبِرْ عَلٰی مَا یَقُوْلُوْنَ وَاهْجُرْهُمْ هَجْرًا جَمِیْلًا سورۃ المزمل آیت ۱۰۔ یعنی جو کچھ وہ کہتے ہیں یعنی تجھ کو جھوٹا بتاتے ہیں اُس پر صبر کر اور نیک دلی کے ساتھ اُنسے

الگ تھلگ ہو جا۔

وَذَرْنِي وَالْمُكَذِّبِيْنَ اُولِي النَّعْمَةِ وَمَهِّلْهُمْ قَلِيْلًا۔ سورۃ المزمل آیت ۱۱ یعنی اور چھوڑ دے مجکو اور اُن دولتمند جھٹلانے والوں کو اور اُن کو تھوڑی سی مہلت دے۔

قُلْ اِنِّيْ لَآ اَمْلِكُ لَكُمْ ضَرًّا وَّلَا رَشَدًا اِلَّا بَلٰغًا مِّنَ اللّٰهِ وَرِسٰلٰتِهٖ سورۃ الجن آیت ۲۴ یعنی کہدے کہ نہ میرے اختیار میں تمکو نقصان پہنچانا ہے نہ فائدہ۔۔ ۔۔۔میں تو خدا کی طرف سے خبر لاتا ہوں اور اُس کا پیغام پہنچا دیتا ہوں۔

قُلْ لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا يَغْفِرُوْا لِلَّذِيْنَ لَا يَرْجُوْنَ اَيَّامَ اللّٰهِ لِيَجْزِيَ قَوْمًا بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ۔ سورۃ الجاثیہ آیت ۱۳۔ یعنی جو لوگ ایمان لا چکے ہیں اُنسے کہدے کہ اُن لوگوں سے درگزر کرو جو خدا کے عذاب کی اُمید نہیں رکھتے تاکہ جو کچھ وہ کماتے تھے خدا اُنکو اُسکی سزا دے۔

وَقَالَ الَّذِيْنَ اَشْرَكُوْا لَوْ شَآءَ اللّٰهُ مَا عَبَدْنَا مِنْ دُوْنِهٖ مِنْ شَيْءٍ نَّحْنُ وَلَآ اٰبَآؤُنَا وَلَا حَرَّمْنَا مِنْ دُوْنِهٖ مِنْ شَيْءٍ كَذٰلِكَ فَعَلَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ فَهَلْ عَلَى الرُّسُلِ اِلَّا الْبَلٰغُ الْمُبِيْنُ۔ سورۃ النحل آیت ۳۷۔ یعنی جو لوگ کہ شرک کرتے ہیں اُنھوں نے کہا کہ اگر خدا چاہتا تو نہ ہم اُس کے سوا کسی چیز کو پوجتے نہ ہمارے باپ دادا اور نہ ہم خدا کے حکم بغیر کسی چیز کو حرام جانتے۔ ان سے پہلوں نے بھی یہی کیا ہے پھر کیا پیغمبروں پر اور کچھ ہے بجز صاف صاف پیغام پہنچانے کے۔

فَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّمَا عَلَيْكَ الْبَلٰغُ الْمُبِيْنُ۔ سورۃ النحل آیت ۸۴۔ یعنی پھر اگر وہ نہ مانیں تو صرف تیرا کام صاف صاف حکم پہنچا دینا ہے

وَلَا تُجَادِلُوْٓا اَهْلَ الْكِتٰبِ اِلَّا بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ اِلَّا الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا مِنْهُمْ وَقُوْلُوْٓا اٰمَنَّا بِالَّذِيْٓ اُنْزِلَ اِلَيْنَا وَاُنْزِلَ اِلَيْكُمْ وَاِلٰهُنَا وَاِلٰهُكُمْ وَاحِدٌ وَّنَحْنُ لَهٗ مُسْلِمُوْنَ۔ سورۃ العنکبوت آیت ۴۵۔ یعنی اور اہل کتاب سے بجز اُن لوگوں کے جنھوں نے اُن میں سے زیادتی کی ہے جھگڑا مت کرو مگر ایسے طریقے سے

جو اچھا ہو اور کہو کہ ہم اُس پر جو ہمارے پاس بھیجا گیا ہی اور جو تمھارے پاس بھیجا گیا ہی ایمان رکھتے ہیں اور ہمارا خدا اور تمھارا خدا ایک ہی اور ہم اُسی کو مانتے ہیں۔

فَاِنْ اَعْرَضُوْا فَمَآ اَرْسَلْنٰكَ عَلَيْهِمْ حَفِيْظًا اِنْ عَلَيْكَ اِلَّا الْبَلٰغُ۔ سورۃ الشوریٰ آیت ۴۷۔ یعنی پھر اگر وہ نہ مانیں تو ہم نے تجھ کو اُن پر گماشتہ بناکر نہیں بھیجا تیرے ذمہ سوائے حکم پہنچا دینے کے کچھ نہیں ہی۔

وَلَوْ شَآءَ رَبُّكَ لَاٰمَنَ مَنْ فِی الْاَرْضِ كُلُّهُمْ جَمِيْعًا اَفَاَنْتَ تُكْرِهُ النَّاسَ حَتّٰى يَكُوْنُوْا مُؤْمِنِيْنَ۔ سورۃ الیونس آیت ۹۹۔ یعنی اگر تیرا خدا چاہتا تو سب لوگ ایک ساتھ ایمان لے آتے۔ کیا تو لوگوں پر دباؤ ڈالتا ہی کہ وہ مسلمان ہو جاویں۔

وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا كَآفَّةً لِّلنَّاسِ بَشِيْرًا وَّنَذِيْرًا۔ سورۃ السبا آیت ۲۷۔ یعنی اور ہم نے تجھ کو نہیں بھیجا مگر اس لیے کہ تو تمام لوگوں کو خوشخبری دینے والا اور ڈرانے والا ہو۔

یہ ہدایتیں مکی سورتوں ہی میں نہیں بلکہ کثرت سے اُن سورتوں میں بھی پائی جاتی ہیں جو مدینہ میں اُتریں

لَآ اِكْرَاهَ فِی الدِّيْنِ۔ سورۃ الم البقرآیت ۲۵۷۔ یعنی دین میں لانے کے لیے جبر کرنا نہیں ہی

وَاَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ فَاِنْ تَوَلَّيْتُمْ فَاِنَّمَا عَلٰى رَسُوْلِنَا الْبَلٰغُ الْمُبِيْنُ۔ سورۃ التغابن آیت ۱۲۔ یعنی خدا کا حکم مانو اور رسول کا حکم مانو پھر اگر نہ مانو تو ہمارے رسول کا کام صرف صاف صاف حکم پہنچا دینا ہی۔

قُلْ اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّمَا عَلَيْهِ مَا حُمِّلَ وَعَلَيْكُمْ مَّا حُمِّلْتُمْ وَاِنْ تُطِيْعُوْهُ تَهْتَدُوْا وَمَا عَلَى الرَّسُوْلِ اِلَّا الْبَلٰغُ الْمُبِيْنُ۔ سورۃ النور آیت ۵۳۔ یعنی کہہ دے کہ خدا کا حکم مانو اور رسول کا حکم مانو پھر اگر تم نے نہ مانا تو اُس کا کام وہ ہی جو اُس کے ذمہ ڈالا گیا ہی اور تمھارا کام وہ ہی جو تمھارے ذمہ ڈالا گیا ہی

اور اگر تم اُس کا حکم مانو گے تو ہدایت پاؤ گے اور رسول کے ذمہ سوائے صاف صاف حکم پہنچا دینے کے کچھ نہیں ہی۔

قُلْ يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنَّمَا أَنَا لَكُمْ نَذِيرٌ مُّبِينٌ۔ سورۃ الحج آیت ۴۸۔ یعنی کہہ دے کہ اے لوگو میں تو تم کو علانیہ ڈرانے والا ہوں۔

إِنَّا أَرْسَلْنَاكَ شَاهِدًا وَمُبَشِّرًا وَنَذِيرًا سورۃ الفتح آیت ۸۔ یعنی ہمنے تجھ کو بھیجا ہی خدا کو برحق بتانیوالا اور لوگوں کو خوشخبری دینے والا اور ڈرانیوالا۔

لِتُؤْمِنُوا بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ وَتُعَزِّرُوهُ وَتُوَقِّرُوهُ وَتُسَبِّحُوهُ بُكْرَةً وَأَصِيلًا سورۃ الفتح آیت ۹۔ یعنی تاکہ تم خدا پر اور اُس کے رسول پر ایمان لاؤ اور اُس کی مدد کرو اور اُس کی تعظیم کرو اور صبح و شام اُس کو یاد کرو۔

وَلَا تَزَالُ تَطَّلِعُ عَلَىٰ خَائِنَةٍ مِّنْهُمْ إِلَّا قَلِيلًا مِّنْهُمْ فَاعْفُ عَنْهُمْ وَاصْفَحْ إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الْمُحْسِنِينَ۔ سورۃ المائدہ آیت ۱۶۔ یعنی اور تو ہمیشہ اُن میں سے چند لوگوں کے سوا اُن لوگوں کی دغابازی کی خبر پاتا ہی۔ تو اُن کو معاف کر اور اُن سے درگزر کر۔ خدا نیکی کرنے والوں کو پسند کرتا ہی۔

ذیل کے صفحوں کا مقصد یہ امر ظاہر کرتا ہی کہ تبلیغ مذہب کے اس اعلیٰ خیال کو تاریخ نے عملی صورت میں کس طرح دکھا اور تبلیغ کے اُصولوں کو دعاۃ اسلام کیونکر عمل میں لائے۔ ناظرین کو پہلے ہی سے سمجھ لینا چاہیئے کہ اس کتاب کا مقصد یہ نہیں ہی کہ مسلمانوں کے جبر و تعدّی کا حال تحریر کرے بلکہ غرض فقط یہ ہی کہ وعظ و نصیحت سے اسلام کی اشاعت کا حال لکھا جاوے یعنی اس کتاب کا یہ مقصد نہیں ہی کہ جو مثالیں جبراً تبدیل مذہب کی ہیں اور اسلامی کتب تواریخ میں جابجا بیان ہیں اُن کو لکھے۔ یورپ کے مصنّفوں نے ایسی مثالوں پر زور دینے میں وہ عرق ریزی کی ہی کہ اُن کو بھول جانیکا خوف پیدا نہیں ہو سکتا۔ لیکن وہ دعوتِ اسلام کے تاریخی دائرہ میں نہیں آتیں۔ مسیحی مشنوں کے حالات میں ہم قدرتی طور پر سینٹ لنڈگر اور

سینٹ ولیہڈ کی کوششوں کی طرف جو اُنھوں نے بُت پرست قوم سکسن کے لیئے کیں زیادہ متوجہ ہوتے ہیں بجائے اُن اصطباغوں کے جو بادشاہ شارلمین نے عیسائی بنانے کے لیئے تلوار کے زور سے اس قوم کو دیئے۔ ملک ڈنمارک کے سچے مشنری سینٹ انسگز اور اُس کے جانشین تھے نہ کہ بادشاہ نٹ جس نے بُت پرستی کو بجبر اپنے ملک سے نکالا[۱]۔ ایبٹ گوڈ فرائڈ اور بشپ کرسچن۔ اگرچہ بُت پرست بروشن لوگوں کو عیسائی کرنے میں کم کامیاب ہوئے لیکن وہ مسیحی مشن کے کام کے بہتر ظاہر کرنیوالے بہ نسبت "برادران شمشیر" اور صلیبی مجاہدوں کے تھے۔ جنھوں نے اپنے کام کو آگ اور تلوار سے ختم کیا۔[۲] فرقۂ سیاہ مسیح کے بہادروں نے،، لو ونیا کے باشندوں کو زبردستی عیسائی کیا۔ لیکن یہ جنگجو مذہب کے پھیلانیوالے نہیں بلکہ منک مائن ہڈ اور تھیوڈ ورک وہ لوگ ہیں جن کی طرف ہم اشارہ کرسکتے ہیں کہ وہ اپنے ملک میں مسیحی مذہب کے سچے مشنری تھے۔ فرقۂ جیسویٹ کے مشنریوں[۳] نے بعض دفعہ جو سخت ظلم کے طریقے اختیار کیئے اُن سے سینٹ فرنسس زیویر اور واعظین مذہب عیسوی کی عزت جس کے وہ مستحق ہیں کم نہیں ہوسکتی اور نہ ولن ٹائن جزیرۂ امبونا میں اس وجہ سے کم درجہ کا مسیحی رسول ٹھیر سکتا ہی کہ ۱۶۹۹ء میں ایک حکم اس جزیرہ کے راجاؤں کے نام جاری ہوا تھا کہ بت پرستوں کی ایک تعداد اصطباغ پانے کے لیئے اُس وقت موجود رہا کرے جبکہ پاسٹر (پادری) اپنے دورہ میں اُن کے پاس پہنچے[۴]۔

اسی طرح سے یہ نہیں ہوسکتا کہ المتوکل۔ الحاکم۔ ٹیپو سلطان کو ایسا داعیِ اسلام مانا جاوے جس سے مثال قایم ہو اور مولانا ابراہیم کو جو جزیرہ جاوا میں ولی ہوئے ہیں اور خواجہ معین الدین چشتی علیہ الرحمۃ کو جو ہندوستان میں بڑے ولی اللہ گزرے ہیں اور بیشمار لوگوں کو جنھوں نے اِن کے طریقوں سے لوگوں کو مسلمان کیا مستثنٰے کردیا جاوے۔

---

[۱] کمبرینالاولڈ یہ کی تاریخ ۱۰۱۶ء "بہت سی لڑائیوں اور قتل عام سے سکسن لوگ برباد ہوئے اور آخرکار انکو عیسائی بنایا گیا اور وہ فرنگ کی حکومت کے محکوم ہوگئے"۔ پیرنا منوست گرلینے ہسٹرا۔ جلد کم صفحہ (۳۴۹)۔ (صفحے ۱۵۷ - ۱۵۹ تک بھی دیکھو)

[۲] مذہب کی اشاعت کے جوش سے مشتعل اُنھے غیر دینی سلطنت پر جہاد کیا اور مفتوح اور محکوم قوموں پر عیسائی مذہب کا جوا رکھدیا (ریویار سوم۔ جیون ۱۹-)

[۳] ہاترن ویسیٹیرڈ دی لاکر ذر۔ ہستویر دو کرستینا نسم دیز اند صفحہ ۵۲۹ - ۵۳۱ (دی ہیگ ۱۸۶۴ء)

[۴] روڈ دی لستو یر دی انجیون جلد یازدہم صفحہ ۹۸۔

باب دوم

حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے حالات زندگی پر واعظ اسلام کی حیثیت سے۔ توجہ

اس باب میں یہ تجویز نہیں ہے کہ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے حالات زندگی پر جو متعدد تصانیف لکھی گئی ہیں اسی قسم کی کوئی تصنیف اضافہ کی جاوے۔ بلکہ مقصد یہ ہے کہ آپ کی زندگی مبارک کی مختلف حالتوں میں سے فقط ایک حالت کو مطالعہ کیا جاوے یعنی وہ حالت جس میں آپ اسلام کے واعظ اور لوگوں میں مذہب جدید کے رسول مبعوث ہو کر ظاہر ہوئے[1]۔ بانی اسلام اور اشاعت اسلام کے شروع کرنے والے کی زندگی سے قدرتی طور پر توقع ہو سکتی ہے کہ اسلام کی تبلیغی کوششوں کی اصلی کیفیت اس سے ظاہر ہوگی۔ اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی معمولی مسلمان کے حق میں اس کے چلن کے لیئے نمونہ اور مثال ہو سکتی ہے تو داعی اسلام کے لیے اس کا مرتبہ اس سے بھی زیادہ ہوگا پس پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی اعلیٰ مثال سے اس جوش اور حمیت مذہب پر کسی قدر علم حاصل ہونے کی امید ہو سکتی ہے جس نے ان لوگوں میں

---

[1] سوائے اُن مقامات کے جہاں خاص طور پر کسی کتاب کا حوالہ دیا گیا ہو اس باب میں جسقدر واقعات بیان ہیں وہ ہیر سوال۔ میور۔ سپرنگر۔ کریل وغیرہ وغیرہ کی تصانیف میں جو آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی سیرت پر لکھی گئی ہیں ملسکتی ہیں۔ جہاں کہیں کلام مجید کی آیات (یا آیات کے حصے) نقل ہیں وہ اوقات نزول کی ترتیب سے ہیں۔

تحریک پیدا کی ہوگی جو اس مثال کی پیروی کے ہمیشہ جویا رہے ہوں گے - اور ان طریقوں کے تحقیق ہونے کی بھی امید ہوسکتی ہے جن کی نسبت متوقع رہنا چاہیئے کہ دعاۃ اسلام نے مذہب کی اشاعت کے لیے اختیار کیے ہوں گے - کیونکہ تاریخ اسلام کا جوش اسلامی تاریخ میں ایسا خیال نہیں ہے جو بعد کو پیدا ہوا ہو بلکہ وہ مذہب میں مذہب کی ابتدا ہی سے شامل ہے اور ذیل کے بیان کا منشا یہ ہی امر ظاہر کرتا ہے - پس رسول اللہ صلعم کی ابتدائے تاریخ کو بیان کرنا یا اُن واقعات کو لکھنا جن میں آپ بعثت کی عمر کو پہنچے یا مدبر ملک اور سالار فوج ہونے کی حیثیت سے آپ کے حالات پر غور کرنا ہمارے مقصد سے زائد ہوگا - ہماری توجہ آپ کے حالات زندگی پر فقط واعظ اسلام ہونے کی حیثیت سے ہے -

جبکہ مدت کے اندرونی اضطراب اور بے چینی اور غار حرا میں شب و روز کے استغراق اور دُعا کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو آخر کار اپنی رسالت کا یقین ہو گیا اور وحی نے یاس و بیم کی حالت سے آپ کو بیدار کیا اور حکم دیا کہ آدمیوں میں اس حق کی منادی کریں جو روز بروز آپ کے دل پر قوت کے ساتھ منکشف ہو رہا تھا تو آپ کی ابتدائی کوششیں اول اپنے ہی خاندان کے لوگوں کی طرف رجوع ہوئیں تا کہ نئے دین کے حق ہونے پر ان کو ترغیب و تحریص فرمادیں - خدا کی وحدانیت کا یقین اور بُت پرستی سے نفرت اور انسان کا فرض کہ خالق کی مرضی پر توکل کرے یہ حقائق تھے جن کا آپ تسلیم ہونا چاہتے تھے - سب سے پہلے جس نے دعوت اسلام کو قبول کیا وہ رسول اللہ صلعم کی ثابت قدم [illegible] بی بی خدیجہ رضی اللہ عنہا تھیں جن کو پندرہ برس ہوئے تھے کہ اپنے غریب رشتہ دار کے ساتھ جس نے مضاربت کے طریقہ پر ان کے مال کی اچھی تجارت کی تھی شادی کر چکیں تھیں اور یہ کلمے کہے تھے "اے میرے قرابتمند میں قرابت کے سبب سے جو ہم میں ہے اور تیری اُس توقیر کے باعث جس سے لوگ تجھ کو دیکھتے ہیں اور تیری

دیانت اور حُسن سیرت اور صداقت کلام کے باعث تجھ سے اُلفت رکھتی ہوں" حضرت خدیجہؓ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو حالت افلاس سے نکالا اور اس قابل کیا کہ آپ اس درجہ اور مرتبہ سے رہیں جس کے بسبب عالی نسب ہونے کے آپ مستحق تھے لیکن یہ باتیں اُس فدائیت اور محبت برتنے کے مقابلہ میں جن سے حضرت خدیجہؓ اپنے شوہر کے تردّدات کو بانٹ لیتی تھیں اور اس دل سوزی اور تقویت کے سامنے جن سے یاس و ناامیدی کی ساعت میں وہ آپ کی معاونت کرتی تھیں کچھ حقیقت نہیں رکھتیں جبکہ ایک دفعہ ایک رویا دیکھنے پر رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم مضطرب اور پریشان خدیجہؓ کے پاس تسلی کے لیئے گئے تو اُنھوں نے آپ کی پریشان طبیعت کو اس طرح بحال کیا "خوف نہ کر۔ کیونکہ تو خوشخبری لایا ہی۔ میں اب سے تجھ کو اپنی قوم کا رسول مانوں گی۔ خوش ہو۔ اللہ تجھ کو شرمندہ نہ کرے گا۔ کیا تو اپنے عزیزوں سے اُلفت نہ رکھتا تھا اپنے ہمسایوں پر مہربان محتاجوں پر فیاض۔ کلام کا سچّا اور ہمیشہ حق کا حامی نہ تھا" اس طرح حضرت خدیجہؓ اپنی وفات تک جو تزوج کے پچیسؔ برس بعد (۶۱۹ سنہ عیسوی میں) ہوئی جب کبھی رسول اللہ صلعم دشمنوں کے ظلم سے ستائے گئے یا افکار سے پریشان ہوئے ہمیشہ ہمدردی کرنے تسلی و تقویت دینے کے لیئے تیار اور مستعد رہیں۔ آنحضرت صلعم کے حالات زندگی کا لکھنے والا لکھتا ہی" اس طرح حضرت خدیجہؓ اُس سچائی پر ایمان رکھتی اور گواہی دیتی تھیں جو خدا کی طرف سے پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئی اس طرح خدا نے پسند کیا کہ اپنے رسول کے بوجھ کو کم کردے۔ کیونکہ اُنھوں نے کوئی بات قوم کے انکار کی جو اُنکے رنج کا سبب ہوئی ہو ایسی نہیں سُنی جسکو حضرت خدیجہؓ سے نہ کہا ہو اور حضرت خدیجہ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی دیتیں پھر یقین دلاتیں اور اُن کی مدد کرتیں۔" سچ یہ ہی کہ زمانہ تاہل کی حسین اور کامل تصویروں میں سے یہ ایک تصویر ہی جو تاریخ ہمارے سامنے پیش کرتی ہی۔

ابتدائی مسلمانوں میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے متبنّٰی زید بن حارثہ اور حضرت علی ابن ابی طالب اور آپکے رفیق دوست حضرت ابو بکر تھے جن کی نسبت پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے بعد کو اکثر فرمایا کہ "میں نے کسی سے اسلام کے لیئے نہیں کہا جسنے تردد اور پریشانی ظاہر نہ کی ہو مگر ابو بکرؓ نے جسنے نہ توقف کیا اور نہ پریشان ہوا جب اسلام کی مینے اس کو خبر دی"۔ حضرت ابو بکرؓ دولتمند سوداگر تھے جنکے متدین خصائل اور ذہانت اور لیاقت کی وجہ سے شہر کے لوگ بہت عزت کرتے تھے۔ اسلام قبول کرنے کے بعد اُنھوں نے اپنی دولت کا بڑا حصہ مسلمان غلاموں کے خریدنے میں صرف کیا جنپر اُنکے آقا اس وجہ سے ظلم کرتے تھے کہ اُنھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تلقین کو تسلیم کر لیا تھا۔ غالباً حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کی کوشش سے پانچ بڑے شخص جو ابتداء زمانہ ہی میں مسلمان ہوئے تھے اہل اسلام کی تعداد میں اضافہ ہوئے۔ ان بزرگ شخصوں کے نام یہ ہیں۔ سعد ابن ابی وقاصؓ جو آیندہ زمانہ میں عجمیوں کے فاتح ہوے۔ زبیر ابن العوامؓ جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور بی بی خدیجہؓ دونوں کے رشتہ دار تھے۔ طلحہؓ جو بعد کو بڑے نامی شجاع ہوئے۔ عبدالرحمن بن عوف جو دولتمند سوداگر تھے۔ اور عثمان بن عفانؓ جو خلیفۂ ثالث ہوے حضرت عثمانؓ کو شروع زمانہ میں بہت ایذائیں اٹھانی پڑیں۔ اُنکے چچا نے انکو پکڑا اور باندھا اور کہا "کیا تو نئے مذہب کو اپنے آبائی دین پر ترجیح دیتا ہی۔ میں قسم کھاتا ہوں کہ جب تک تو اس نئے دین کو جس کی تو پیروی کرتا ہی ترک نہ کر دیگا میں تجکو نہ چھوڑونگا" حضرت عثمانؓ نے جواب دیا "خدا کی قسم میں کبھی اسکو ترک نہ کرونگا"۔ حضرت عثمانؓ کے چچا نے جب یہ دیکھا کہ اُنکو اپنے مذہب کے تعلق میں کیسا استحکام ہی تو انکو چھوڑ دیا۔

ان اضافوں کے ساتھ جو خاصکر غلاموں اور مفلسوں میں سے ہوئے مسلمانوں کی تعداد رسالت سے تین برس کے اندر چالیس کے قریب پہنچ گئی۔ جب ان آپس کی کوششوں میں کامیابی ہونے سے ہمت ہوئی تو رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے دعوت اسلام میں زیادہ عملی طریقوں

کے برتنے کا قصد فرمایا۔ آپ نے اپنے قبیلے کے لوگوں کو جمع کیا اور اُنسے اسلام قبول کرنے کے لیئے فرمایا اور ارشاد ہوا کہ "کسی عرب نے اپنی قوم کو ایسے بیش بہا فوائد پیش نہیں کیے جیسے کہ میں تمہارے لیئے لایا ہوں۔ میں تمکو خوشی اس دنیا میں اور اس زندگی میں جو آنے والی ہی دیتا ہوں۔ کون تم میں سے اس کام میں میری مدد کرے گا۔؟" سب خاموش رہے حضرت علی رضی اللہ عنہ نے لڑکپن کے جوش میں بلند آواز سے کہا۔ "اے اللہ کے رسول میں تیری مدد کرونگا۔" اسپر کُل مجمع ہنستا ہوا برخاست ہوا۔

اس وعظ کی ناکامی پر بغیر مایوس ہوئے آنحضرت نے بار بار ان لوگوں کو آیندہ موقعوں پر جمع کیا لیکن پیغام اور ہدایت کے عوض میں سوائے طعن اور استہزا کے اُنھوں نے کچھ نہ کیا۔ فی الحقیقت یہ ان ہی لوگوں کی مخالفت کا زور تھا جو اس بات کا سبب ہوا کہ رسالت کے چوتھے برس میں آپ ارقم کے گھر میں جا رہے جو شروع زمانہ میں مشرف باسلام ہوئے تھے۔ ارقم کا گھر خانہ کعبہ کے سامنے بیچ کے موقع پر ایسی جگہ تھا جہاں آمد و رفت زیادہ رہتی تھی اور یہاں حالت امن میں بغیر ہرج کے پیغمبر خدا صلعم ان تمام لوگوں کو تلقین فرماتے اور قرآن سُناتے تھے جو تحقیق کے لیئے آپ کے پاس حاضر ہوتے۔ اس طرح مسلمانوں کی تعداد بڑھتی گئی اور دو برس کے اندر پچاس تک پہنچ گئی قریش نے نیئے مذہب کی اس ترقی کو بہت بدظنی اور عداوت کی نظر سے دیکھا۔ انھوں نے ہر طرح کے طریقے اختیار کیئے۔ دہمکیاں دیں وعدہ کیئے بُرا کہا دنیا کی عزت اور اختیار کا لالچ دلایا تاکہ رسول اللہ صلعم اس کام کو ترک کر دیں جو آپنے اختیار کیا تھا۔

قریش مکہ نے ایک ہی مرتبہ نہیں بلکہ کئی بار کوشش کی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا ابو طالب کو اس خیال سے کہ وہ بنو ہاشم کے سردار تھے اور اُسی قبیلے سے آنحضرت صلعم بھی تھے اس بات کی ترغیب دیں کہ آپ کو قریش کے آبائی مذہب پر سخت حملہ کرنے سے منع کریں۔ اور قریش نے دہمکی دی کہ اگر ایسا نہ کروگے تو زیادہ سخت طریقے آپ کے

خلاف اختیار کیئے جاویں گے۔ ابو طالب نے رسول اللہ صلعم سے کہا کہ اپنے اوپر اور اپنے خاندان کے سر پر آفت نہ لاویں مگر آپ نے فرمایا "اگر سورج اتر کر میرے داہنے ہاتھ پر آجاوے اور چاند بائیں ہاتھ پر اور مجھ سے کہا جاوے کہ اس کام کو ترک کر دے یا اس کے حاصل کرنے میں ہلاک ہو جا تو بھی میں اسکو نہ چھوڑونگا" ابو طالب یہ جواب سُنکر حیران رہ گئے اور آنحضرت سے کہا "وعظ کر جو تیری مرضی ہو۔ میں قسم کھاتا ہوں کہ کبھی تجھ کو تیرے دشمنوں کے ہاتھ میں نہ چھوڑونگا۔"

جب اسلام کی ممانعت کے لیئے ایسے امن کے طریقے ناکام رہے تو قریش کا غیظ و غضب دوگنی تیزی کے ساتھ بھڑکا۔ وہ سمجھ گئے کہ اس نیئے مذہب کی کامیابی سے اُنکے قومی مذہب اور قومی پرستش کی بربادی اور خانہ کعبہ کے متولیوں کی دولت و اقتدار کا نقصان مراد ہے۔ رسول اللہ صلعم خود ابو طالب کی حفاظت میں امن سے تھے اور بنی ہاشم اگرچہ کچھ موافقت اُس مذہب سے نہ رکھتے تھے جو انکے قبیلے کا شخص سکھاتا تھا مگر ایک ہی قبیلے سے ہونے کا مستحکم خیال جو اہل عرب کے ساتھ مخصوص تھا اسنے آپ کو ایسے حملوں سے محفوظ رکھا جو آپ کی جان لینے کے واسطے ہوتے گو مخالفین کی طعنہ زنی اور ایذا رسانی سے آپ کو برابر سابقہ تھا۔ لیکن اُن غریبوں کو جنکا کوئی محافظ نہ تھا اور غلاموں کو سب سے زیادہ تکلیفیں اُٹھانی پڑتی تھیں۔ اُنکو قید کیا جاتا تھا اور سخت اذیت دی جاتی تھی کہ اسلام کو ترک کرنے پر مجبور ہو جاویں۔ یہی موقع تھا کہ حضرت ابو بکر نے بلال[1] کو جو حبشی غلام تھے خرید کر آزاد کیا اور پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے اِنکو "حبشہ کا پہلا ثمر" کہا۔ بلال کو نہایت بیدردی سے روز روز اس طرح اذیت دی جاتی تھی کہ جلتی دہوپ میں لٹا کر پیٹ پر بڑا پتھر رکھدیا جاتا اور کہا جاتا کہ یا تو یہاں پڑے پڑے مرجاؤ یا محمد کا دین چھوڑ کر بتوں کو پوجو۔ بلال اسکا ہمیشہ جواب دیتے "احد احد۔ نہیں ہے خدا مگر ایک نہیں ہے مگر ایک۔"

[1] بلال کل اسلامی دنیا میں پہلے مؤذن مشہور ہیں۔

دو شخص اِن تکلیفوں کو سہتے سہتے مرگئے۔ چونکہ رسول اللہ صلعم مظلوم مسلمانوں کو دشمنوں کی ایذاؤں سے رہا نہ کر سکتے تھے اس لیئے آپ نے انکو صلاح دی کہ حبش میں جاکر پناہ لیں اور رسالت کے پانچویں برس میں (۱۵؁ ۶۱ء) گیارہ مرد اور چار عورتوں نے سمندر پار کرکے حبشہ کو ہجرت کی۔ حبشہ کے عیسائی بادشاہ نے مہاجرین کا خیر مقدم کیا۔ اِن میں ایک شخص مُصعب ابن عمیرؓ تھے جنکے حالات قابل غور ہیں۔ کیونکہ ان کو وہ خاص تکلیف اُٹھانی پڑی جو مذہب تبدیل کرنے والے کی سب سے بڑی تکلیف ہوتی ہے یعنی اُن لوگوں کی عداوت کا سامنا ہونا جو اسکو پیارے ہوں اور جنکو یہ کبھی پیارا تھا مُصعب نے ارقم کے گھر میں اسلام کی تلقین کو سُنکر اسلام قبول کیا تھا لیکن وہ اپنے مسلمان ہونے کی خبر کو عام کرنے سے خائف تھے کیونکہ اُنکی ماں اور قبیلے کے لوگ جو اُنکے ساتھ خاص الفت رکھتے تھے اسلام کے سخت مخالف تھے۔ چنانچہ جب ان لوگوں کو مُصعب کا مسلمان ہونا دریافت ہوا تو انھوں نے انکو گرفتار کرکے قید میں ڈالدیا۔ لیکن مُصعبؓ حبشہ کو ہجرت کرنے میں کامیاب ہوئے۔

قریش کی عداوت نے مہاجرین کا تعاقب حبشہ تک نچھوڑا اور ایک سفارت بھیجی جس کا مطلب یہ تھا کہ حبشہ کا بادشاہ مہاجروں کو اپنے ملک سے نکال کر ہمارے پاس روانہ کرے۔ لیکن جب حبشہ کے بادشاہ نے خود مہاجروں کی زبان سے اُنکا حال سُنا تو اُسنے انکار کردیا کہ مسلمانوں کو وہ اپنی حفاظت سے علحدہ نہ کرے گا۔ کیونکہ مہاجرین نے بادشاہ سے یہ کہا تھا کہ ،، ہم جہالت کے اندھیرے میں گھرے ہوئے تھے اور بتوں کو پوجتے تھے۔ خبیث خواہشوں میں مبتلا تھے ہم کوئی قانون زبردست کے قانون کے سوا نہ جانتے تھے جبکہ خدا نے ہماری ہی قوم میں سے ایک شخص کو اُٹھایا جو نسب کا اونچا تھا اور جسکی نیکیوں کی وجہ سے ہم مدت سے اُس کی عزت کرتے تھے۔ اس رسولؐ نے ہم سے کہا کہ توحید کا اقرار کرو اور صرف اللہ ہی کی بندگی کرو اور اپنے آبائی توہمات سے پرہیز کرو

اور لکڑی اور پتھر کے خداؤں سے نفرت کرو۔ اُس نے ہم کو حکم دیا کہ برائی سے بھاگو۔ بات کے سچے وعدے کے پورے رہو ماباپ سے محبت رکھو اور ہمسایہ پر مہربانی کرو۔ عورتوں کو بے عزت اور یتیموں کو لوٹنے سے اُسنے ہم کو منع کیا۔ نماز روزہ اور زکوۃ کا حکم دیا۔ ہم اُسکی رسالت پر ایمان لائے اور ہم نے اُن احکام کو تسلیم کیا جو وہ ہمارے پاس خدا کے پاس سے لایا۔ لیکن ہمارے ملک والے ہمارے خلاف اُٹھ کھڑے ہوئے اور ہمپر ظلم کئے کہ ہم اسلام چھوڑ کر بتوں کی پرستش کریں۔ پس اپنے ملک میں امن نہ پاکر ہم نے تمہارے ملک میں پناہ ڈھونڈھی ہی۔ تمہارے انصاف پر بھروسا کرکے ہم امید کرتے ہیں کہ تم ہمکو ہمارے دشمنوں کے ظلم سے رہا کروگے" بادشاہ نے مہاجروں کی درخواست کو سُنا اور قریش کی سفارت نامراد واپس ہوئی۔ اسی اثنا میں مکہ میں ایک دفعہ اور کوشش کی گئی کہ دولت اور اختیار کی طمع دلاکر رسول اللہ صلعم کو ترغیب دیں کہ آپ اسلام کی تعلیم وتلقین سے کنارہ کریں۔ لیکن یہ کوشش بھی عبث تھی۔

جبکہ مکہ میں سفارت کے نتیجہ کو دریافت کرنے کا جو حبشہ بھیجی گئی تھی بہت انتظار تھا تو اس وقت ایک ایسے شخص نے اسلام قبول کیا جو پیغمبر خدا صلے اللہ علیہ وسلم کے سخت دشمنوں میں سے تھے۔ اور جنھوں نے سخت تعصب اور اصرار کے ساتھ رسول اللہ صلعم کی ہمیشہ مخالفت کی تھی۔ یہ وہ شخص تھے جنکو مسلمان ہر وجہ سے اپنا نہایت سخت اور قہر آگین دشمن یقین کر سکتے تھے۔ لیکن جب وہ ایمان لائے تو اسلامی تاریخ میں اسلام کی سب سے زیادہ زینت دینے والوں میں سے ہوئے۔ یہ شخص عمر ابن الخطاب رضی اللہ عنہ تھے۔ مسلمان ہونے سے پہلے ایک روز پیغمبر خدا صلعم پر غضب ناک ہوکر ہاتھ میں تلوار لئے آپ کے قتل کے ارادے سے نکلے۔ راستہ میں ایک عزیز ملا۔ اس نے پوچھا کہاں جاتے ہو۔ عمرؓ رضی اللہ نے جواب دیا "محمدؐ کو ڈھونڈھتا ہوں تاکہ اُس کو قتل کردوں وہ اپنے شہر کے لوگوں پر مصیبت اور فساد لایا ہی اور ہمارے خداؤں کو اُسنے دشنام

دی ہیں اور ہمارے باپ دادا کی یادگار کو بے عزت کیا ہے" اُس عزیز نے کہا " اپنے ہی خاندان کے لوگوں کو کیوں سزا نہیں دیتا جنھوں نے تیری لاعلمی میں اپنے آبائی مذہب کو ترک کر دیا ہے" عمرؓ نے پوچھا " میرے کنبے میں ایسے کون لوگ ہیں" رشتہ دار نے جواب دیا " تیرا بہنوئی سعید اور تیری بہن فاطمہؓ" عمر ابن الخطاب یہ سنتے ہی بہن کے گھر دوڑے گئے۔ فاطمہؓ گھر میں بیٹھی اپنے شوہر سعید اور خباب ابن الارث کے ساتھ جو صحابہ میں سے تھے اور دونوں کو اسلام کی تلقین کرتے تھے قرآن تلاوت کر رہی تھیں۔ عمرؓ مکان میں گھس گئے اور پوچھا " یہ کیا آواز تھی جو میں سنتا تھا" اُنھوں نے جواب دیا " کچھ نہیں" عمرؓ نے کہا " نہیں تم کچھ پڑھ رہے تھے اور میں نے سُنا ہے تم محمدؐ کے دین میں شامل ہو گئے ہو" یہ کہہ کر عمرؓ سعید پر دوڑے اور اُن کو مارا۔ فاطمہؓ بیچ میں آگئیں تاکہ شوہر کو بچا دیں اور بھائی سے کہا ہاں ہم مسلمان ہیں اور اللہ اور اللہ کے رسول پر ایمان رکھتے ہیں۔ مار ڈالو اگر تمھاری یہی مرضی ہے" اس کشمکش میں عمرؓ کی بہن زخمی ہوئیں اور جب عمرؓ ابن الخطاب نے فاطمہ کے چہرے پر خون دیکھا تو نرم ہوئے اور وہ کاغذ مانگا جس کو وہ پڑھتے تھے۔ کچھ تامل کے بعد فاطمہ نے کاغذ دیدیا۔ اس میں قرآن کی بیسویں سورہ (سورۂ طٰہٰ) لکھی تھی۔ جب عمرؓ نے اس کو پڑھا تو آواز سے کہا " کیسا حسین کلام ہے اور کیسا گرامی خطاب ہے" جوں جوں پڑھتے گئے ایمان سے دل مغلوب ہوا یہانتک کہ بولے " مجھ کو محمدؐ کی خدمت میں لے چلو تاکہ اسلام کا اقرار کروں"

قریب قریب اسی زمانہ میں ایک اور بڑے شخص نے اسلام قبول کیا یعنی حمزہؓ ابن عبدالمطلبؓ نے جو رسول اللہ صلعم کے چچا اور دونوں آپس میں دودھ بھائی بھی تھے۔ حمزہ رضی اللہ عنہ نے جب ایک واقعہ کا حال سُنا جس میں پیغمبر خدا صلعم کو کفار مکہ نے ایذا پہنچائی تھی اور آپ نے صبر فرمایا تھا تو اُن کے دل پر ایسا نشتر لگا کہ رسول اللہ صلعم کی نصرت اور معاونت کا فوراً خیال پیدا ہوا اور دشمن سے پکے دوست بن گئے۔ حمزہ رضی اللہ عنہ ہی کی مثال ایسی نہ تھی

جنکو مسلمانوں کی تکلیفیں دیکھ کر ان کے ساتھ ہمدردی پیدا ہوئی ہو بلکہ اور بہت سی مثالیں اسی قسم کی تھیں اور بلا شبہ بہت لوگ نئے مذہب کے خفیہ طور پر طرفدار تھے جنھوں نے اپنا مسلمان ہونا اُسوقت تک ظاہر نہ کیا جبتک کہ اسلام کو علانیہ کامیابی نہ ہوئی۔

حضرت عمرؓ کا ایمان لانا اسلام کی تاریخ میں ایسا واقعہ ہے جو اُس کی صورت کو بالکل بدل دیتا ہے۔ مسلمان اب اس قابل ہو گئے کہ زیادہ جرات اختیار کریں۔ رسول اللہ صلعم نے ارقم کا گھر چھوڑ دیا اور اہل اسلام نے کعبہ کے سامنے علانیہ ملکر نماز پڑھنی شروع کر دی۔

لیکن اس طرح کی حفاظت تھوڑے عرصہ تک رہی۔ قریش کی سفارت حبشہ سے ناکام واپس آئی۔ کیونکہ وہاں کے بادشاہ نے قطعی انکار کر دیا کہ مہاجروں کو اپنی حفاظت سے علیحدہ نہ کرے گا۔ یہ حالت ایسی تھی کہ رؤسائے مکہ کو اس سے خوف پیدا ہونا واجبی تھا۔ اس لیئے کہ اب انکا ایسے لوگوں سے مقابلہ نہ رہا جو مظلوم اور قوم سے خارج ضعف و آلام کی زندگی کی کشمکش میں رہتے ہوں بلکہ اب مسلمان ایک قوی فریق بن گئے تھے جو شہر کے بارسوخ لوگوں کے شامل ہونے سے اپنی قوت کو بڑھاتے تھے اور مکہ کی عملداری کے استحکام کو ایک زبردست غیر ملک کے بادشاہ کی دوستی سے خطرہ میں ڈال رہے تھے۔

قریش نے یہ حالت دیکھ کر مستقل کوشش کی کہ اپنی عملداری سے اس خطرناک عنصر کو نکال کر نیست و نابود کر دیں۔ انھوں نے بنو ہاشم اور بنو مطلب کے خلاف جو قرابت کی وجہ سے رسول اللہ صلعم کی حفاظت کرتے تھے ایک عہدنامہ جاری کیا جس میں قریش نے اتفاق کیا کہ بنو ہاشم اور بنو مطلب کی عورتوں کو نکاح میں نہ لینگے اور نہ اپنی عورتوں کو انکے نکاح میں دینگے۔ نہ اُنکے ساتھ بیع کرینگے نہ شرا اور یہ کہ اُن سے ہر طرح کے معاملات بند رہینگے۔

اس ظلم کے تشدد نے اور اُن خطروں نے جو اس تشدد میں شامل ہوئے مجبور کیا کہ مسلمان پھر حبشہ کو ہجرت کریں اور اس دفعہ تراسی مردوں اور اٹھارہ عورتوں نے

حبشہ کو ہجرت کی۔

تین برس تک بنی ہاشم شہر کے ایک حصہ میں محصور رہے۔ اور اس عرصہ میں برابر قریش کے عہدنامے کی سختی کے ساتھ پابندی رہی۔ کسی کی ہمت نہ ہوئی کہ موسم حج کے مہینوں کے سوا کہیں باہر نکلتا کیونکہ ان مہینوں میں عرب میں ہر جگہ لڑائیاں بند ہو جاتی تھیں اور یہ چند روزہ امن اس لیئے ہوتا تھا کہ خانۂ کعبہ کی زیارت کے لیئے جو قومی مذہب کا مرکز تھا زائر آسکیں۔

رسول اللہ صلعم کو موسم حج میں مفید موقع ملتا تھا کہ مختلف قبائل عرب کو جو کعبہ معظمہ کی زیارت کے لیئے جوق جوق آتے اور قریب کے میلوں میں جمع ہوتے تھے تلقین اسلام فرمادیں۔ لیکن کچھہ کامیابی نہ ہوتی تھی۔ کیونکہ ابولہب رسول اللہ صلعم کے پیچھے پیچھے چلاتا چلتا کہ "یہ جھوٹا ہی اور چاہتا ہی کہ تم کو تمھارے آبائی دین سے نکال کر اپنے جھوٹے عقائد کی طرف جن کو وہ لایا ہی لاوے۔ اس لیئے اس سے علٰحدہ ہو جاؤ اور اس کی بات نہ سنو" لوگ پیغمبر خدا صلے اللہ علیہ وسلم سے طعن کر کے کہتے "تیرے قبیلے اور خاندان کے لوگ تجھ کو سب سے بہتر جانتے ہیں پھر وہ کیوں تیرا یقین اور پیروی نہیں کرتے"

آخر کار رسول اللہ صلعم اور آپ کے اقارب نے جو سختیاں اور تکلیفیں اُٹھائیں اُن پر قبیلۂ قریش کے ایک حصہ کو ہمدردی پیدا ہوئی اور اُنھوں نے جو عہدنامہ بنی ہاشم اور بنی مطلب کے خلاف جاری کیا تھا اُس کو اُٹھا دیا۔

اسی سال میں جبکہ عہدنامہ منسوخ ہوا حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی وفات نے جو پچیس ۲۵ برس تک رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی مشیر اور ہمدرد رہی تھیں آپ کو اندوہ اور الم میں مبتلا کیا اور اس واقعہ کے بعد ہی ابوطالب کی موت نے آپ کو ایسے معاون سے محروم کر دیا جو ہمیشہ آپ کے قوی محافظ رہے تھے۔ رسول اللہ صلعم کو پھر کفار کے طعن اور تنفر کا سامنا ہوا۔

اہل مکہ کی عداوت اور انکار کے بعد جن کو دس برس تک بغیر زیادہ کامیابی کے اسلام کی خبر سنائی تھی رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے قصد فرمایا کہ دیکھیں اور لوگ بھی ایسے ہیں جو آپکی بات کو سنیں اور جن کے دل میں تخم دین کے لیئے زیادہ قابل اور بارآور زمین ملے۔ اس امید میں آپ طائف تشریف لے گئے جو مکہ سے ساٹھ میل کے فاصلے پر تھا۔ عمائد شہر کی ایک بڑی مجلس کے سامنے توحید اور تبلیغ اسلام کا جو پیغمبر خدا ہونے کی وجہ سے آپ کو پہنچی تھی ذکر فرمایا۔ اور طائف کے لوگوں سے کہا کہ مکہ کے دشمنوں سے آپ کی حفاظت کریں۔ آپ کی تعلیم اور رسالت کے اعلیٰ حقوق (جن کو طائف کے اصنام پرست باشندے سمجھ بھی نہ سکے) اور پھر آپ کی بیکسی کی حالت ایسی غیر متناسب معلوم ہوئی کہ اہل طائف نے مضحکہ کیا اور تحقیر کی اور پتھر مار کر شہر سے نکال دیا۔

طائف سے واپس آکر کامیابی کی تمام صورتوں میں سب سے زیادہ مایوسی ہوگئی اور آپ کے روحانی حزن و ملال نے اس کلام میں اپنے تئیں ظاہر کیا جو نوح علیہ السلام کی زبانی بیان ہوا۔

قَالَ رَبِّ إِنِّي دَعَوْتُ قَوْمِي لَيْلًا وَنَهَارًا ۝ فَلَمْ يَزِدْهُمْ دُعَاءِي إِلَّا فِرَارًا ۝ وَإِنِّي كُلَّمَا دَعَوْتُهُمْ لِتَغْفِرَ لَهُمْ جَعَلُوا أَصَابِعَهُمْ فِي آذَانِهِمْ وَاسْتَغْشَوْا ثِيَابَهُمْ وَأَصَرُّوا وَاسْتَكْبَرُوا اسْتِكْبَارًا ۝ (سورہ نوح۔ ۵-۶) یعنی نوح نے کہا اے خدا میں دن رات اپنی قوم کو بلاتا رہا پھر میرے بلانے سے بجز اس کے کہ وہ بھاگتے رہیں اور کچھ نہ ہوا اور جب میں نے اُن کو بلایا تاکہ تو اُنکو معاف کرے اُنھوں نے اپنے کانوں میں اُنگلیاں دے لیں اور اپنے کپڑے سمیٹ لیئے اور ضد کی اور نہایت سرکشی کی۔

لیکن اس اندوہ و ملال کی حالت میں پیغمبر خدا صلے اللہ علیہ وسلم کی تشفی ایسی صورت سے ہوئی جسکا پہلے خیال تک نہ تھا۔ موسم حج میں آپ کی نظر چھ یا سات آدمیوں کے ایک گروہ پر پڑی جن کو آپ نے پہچانا کہ مدینہ سے آتے ہیں جس کو اُس زمانہ میں یثرب کہتے تھے

رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے اِن آدمیوں سے مخاطب ہوکر پوچھا "تم کس قبیلے سے ہو" اُنھوں نے جواب دیا "قبیلۂ خزرج سے ہیں" آپ نے فرمایا "کیا یہود کے ساتھیوں میں سے ہو" خزرجیوں نے جواب دیا "ہاں" رسول اللہ صلعم نے فرمایا "کیا تم تھوڑی دیر بیٹھ نہ جاؤ گے تاکہ میں تم سے بات کروں" خزرجی بولے۔ "ضرور" اور یہ آدمی رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے ساتھ بیٹھ گئے اور آپ نے اِن کو خدائے برحق کی خبر دی اور اسلام کی تلقین فرمائی اور قرآن اُن کے سامنے پڑھا۔ "پس ایسا ہوا کہ اللہ نے اس میں اسلام کے لیے عجیب کام کیا کہ انکے ملک میں یہود پائے گئے جو توریت رکھتے تھے اور عقل رکھتے تھے جبکہ وہ خود (خزرجی) مشرک اور صنم پرست تھے۔ یہود نے ان کے ہاتھ سے اکثر ظلم اُٹھائے تھے اور جبکہ اُن کے آپس میں لڑائی تھی تو یہود ہمیشہ کہتے تھے کہ "جلد تم میں ایک رسول پیدا ہوگا اور اُس کا وقت قریب ہے اور اُس کی ہم پیروی کرینگے اور اُس کے ساتھ ہو کر تم کو قتل کرینگے عاد اور ارم کا سا قتل" اب جبکہ رسول اللہ صلعم نے ان لوگوں سے باتیں کیں اور خدائے برحق کی ان کو تلقین کی تو اُنھوں نے آپس میں کہا "یقین جانو کہ یہ ہی رسول ہے جسکی نسبت یہود نے ہم کو ڈرایا تھا۔ آؤ جلدی کرو اور اس کے ساتھ شریک ہونے میں اول رہو" پس رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے جو تلقین فرمائی اس پر یہ خزرجی ایمان لائے اور اسلام قبول کیا اور آپ سے عرض کیا کہ "ہمارے ملک والے ایک سخت اور مہلک لڑائی میں مصروف ہیں لیکن اب خدائے برحق تیرے طفیل اور تعلیم سے اِن کو متفق کر دے گا۔ پس ہم اسلام پر اِن کی دعوت کرینگے اور اُس دین سے ان کو آگاہ کرینگے جو ہم کو تجھ سے ملا ہے۔

یہ واقعہ جس کا اوپر ذکر ہوا روایت سے اسی طرح بیان ہوا ہے اور پیغمبر خدا صلعم کی رسالت میں ایسا واقعہ ہے جس پر بہت سے واقعات کو حصر ہوتا ہے۔ اب آپ ایک ایسی قوم سے مل لیے جن کے حالات سابقہ تو ایسے تھے کہ ان کی طبیعتیں آپ کی تعلیم قبول کرنے پر آمادہ تھیں اور اُن کی موجودہ حالت ایسی تھی جیسا آگے چل کر ظاہر ہوا کہ وہ

آپ کے کام میں مدد ہوئی

یثرب کا شہر مدت سے یہود کے قبضے میں تھا یہ یہودی کسی قومی تباہی کے سبب سے جو غالباً بادشاہ ہیدرین کے جور و ظلم سے برپا ہوئی اپنے ملک سے نکل گئے تھے۔ سنہ ۳۰۰ عیسوی کے قریب خانہ بدوش عرب کا ایک گروہ جس میں خزرج اور اوس کے دو قبیلے تھے یثرب میں آیا اور صلاح کے بعد یہود کی عملداری سے ان کو حصہ دیا گیا۔ خزرج اور اوس کے قبیلوں میں جب آدمی بڑھتے گئے تو یثرب کے یہودی فرمانرواؤں سے وہ ملکی اختیارات بھی چھیننے لگے۔ یہاں تک کہ پانچویں صدی عیسوی کے ختم کے قریب یثرب کی عملداری خزرج اور اوس کے قبضہ میں آ گئی۔

بعض عربوں نے یہودیوں کا مذہب اختیار کر لیا تھا اور بہت سے یہودی جو پہلے یثرب کے مالک تھے وہ عرب فاتحین کی ملازمت میں ابتک رہتے تھے۔ پس رسول اللہ صلعم کے زمانہ میں یثرب میں یہودی رعایا کثرت سے رہتی تھی۔ اس طرح یثرب کے لوگ ایک مسیح موعود کا خیال رکھتے تھے اور اس وجہ سے بت پرست اہل مکہ کے مقابلہ میں وہ پیغمبر خدا کی رسالت کو کہ آپ اللہ کے رسول ہیں سمجھنے کی زیادہ قابلیت رکھتے تھے اہل مکہ کے لیے رسالت کا خیال بالکل اجنبی تھا اور قریش کے لیے تو وہ بہت ہی بے لطف تھا کیونکہ قبائل عرب پر قریش کی افسری اور ان کا دنیوی اقتدار صرف اس وجہ سے تھا کہ کعبہ کے مقدس احاطہ میں جو قومی مجموعہ اصنام کا رہتا تھا اس کے وہ موروثی متولی چلے آتے تھے۔

یثرب کا شہر مدت کے مفسدہ سے جو خزرج اور اوس میں زمانہ دراز سے چلا آتا تھا اور جس کے سبب سے ہمیشہ خانہ جنگی رہتی تھی تباہ حالت میں تھا۔ شہر کے لوگ غیر مطمئن اور شبہ کی حالت میں رہتے تھے اور کوئی چیز جو ان دونوں مخالف قبیلوں کو کسی مشترکہ مقصد کے لیے متحد کر دیتی وہ شہر کے حق میں نعمت تصور ہوتی۔ شمالی ملک اٹلی میں زمانہ

وسط کی جمہوری عملداریاں ایک اجنبی آدمی کو اپنے شہروں میں اعلیٰ ترین منصب کے لیے منتخب کرلیتی تھیں تاکہ مخالف فریقین کی قوت میں ہموزنی قائم رہے اور اگر ممکن ہو تو یہ انتظام خانہ جنگی کو روکے جو تجارت اور امن خلائق کی بربادی کا باعث ہوتی تھی۔ اسی طرح اہل یثرب نے اپنے شہر میں ایک غیر شخص کے آنے کو بدگمانی کی نظر سے نہ دیکھا خواہ منصب حکومت کو جو خالی پڑا تھا وہ زبردستی لیتا یا اُن کی اجازت سے حاصل کرتا۔ آپس کے رشک نے جو شہر میں تھا ایسے رشک کو مٹا دیا جو باہر والوں کے آنے سے ہوتا۔

اوپر کے واقعات بہت کچھ ظاہر کرتے ہیں کہ کس طرح رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم ہجرت کے آٹھ برس بعد دس ہزار مسلمانوں کے سردار بنکر اس شہر میں داخل ہوئے جس میں دس برس تک بہت کم نتیجے پیدا ہوئے جہاں آپ نے تبلیغ اسلام میں کوشش فرمائی تھی۔

لیکن یہ بات لکھنی ابھی قبل از وقت ہوگی۔ رسول اللہ صلعم نے قصد فرمایا تھا کہ خزرج کے ساتھ خود یثرب کو تشریف لیجاویں لیکن خزرج نے آپ کو اس ارادے سے اُس وقت تک باز رکھا کہ اُن میں اور اوس میں مصالحت نہ ہو جاوے۔ خزرج نے رسول اللہ صلعم سے عرض کیا "ہم تجھ سے استدعا کرتے ہیں کہ ہم کو اپنے لوگوں میں واپس جانے دے اگر خدا نے ہم میں امن پیدا کر دیا تو ہم تیرے پاس پھر آویں گے اور حج کے موسم کو آیندہ برس میں مقررہ وقت پر ہونے دے۔" اس طرح خزرجی اپنے گھروں کو واپس چلے گئے اور اپنی قوم کی اسلام پر دعوت کی۔ اور بہت لوگ ایمان لائے یہاں تک کہ کوئی کنبہ مشکل سے ایسا تھا جس میں رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کا ذکر نہ ہوتا ہو۔

جب حج کا زمانہ پھر آیا تو ایک جماعت جس میں دس آدمی خزرج اور دو آدمی اوس کے تھے رسول اللہ صلعم کی خدمت میں عہد کے موافق بیعت کی غرض سے جائے مقررہ پر حاضر ہوئے۔ اور آپ پر بیعت کی۔ اس اول بیعت کا مضمون جسکا نام بیعت عقبۃ الاولیٰ

مقام عقبہ کی وجہ سے ہوا جو ملنے کی جگہ تھی یہ تھا کہ " ہم کسی کی بندگی سوائے ایک خدا کے نہ کرینگے۔ ہم چوری نہ کرینگے اور نہ زنا کرینگے اور نہ اپنے بچوں کو قتل کرینگے اور بُرا کہنے اور غیبت سے پرہیز کریں گے ہم اللہ کے رسول کی ہر بات کو جو راست ہو گی تسلیم کرینگے۔ اور اُسی کے تابع رہینگے خوشی اور رنج میں " یہ بارہ آدمی دعاۃ اسلام بنکر یثرب کو واپس چلے گئے۔ یثربیوں کی حالت اسلام قبول کرنے کے لیے اس قدر آمادہ اور پھر ان دعاۃ اسلام نے اپنے کام میں ایسی سرگرمی دکھلائی کہ اسلام بہت جلد ایک گھر سے دوسرے گھر اور ایک قبیلے سے دوسرے قبیلے میں شائع ہو گیا۔

یثرب کو واپسی کے وقت یثربیوں کے ساتھ مُصعب ابن عمیرؓ بھی ہو گئے۔ دوسری روایت یہ ہی کہ ایک تحریر کے بموجب جو یثرب سے آئی رسول اللہ صلعم نے ان کو یثرب روانہ کیا۔ یہ نوجوان شخص شروع زمانہ میں مشرف باسلام ہوئے تھے اور تھوڑا عرصہ ہوا تھا کہ حبشہ سے واپس آئے تھے۔ اس وجہ سے ان کو بہت تجربہ حاصل تھا اور ظلم کے مکتب میں ایذا کی تربیت پا چکے تھے۔ جس نے ان کے جوش مذہب میں متانت ہی نہ پیدا کر دی تھی بلکہ یہ بھی سکھا دیا کہ ظلم کا کس طرح سامنا کیا جاتا ہی اور ان لوگوں سے کس طرح برتاؤ کیا جاتا ہی جو اسلام کی تعلیم کو بغیر سُنے اسلام کو مطعون کرتے ہیں پس رسول اللہ صلعم نے نہایت بھروسہ فرما کر نو مسلموں کی تعلیم و تربیت کے مشکل کام کو اور جوش اور ریاضت اسلام کے تخم کی حفاظت کو جو ڈال دیا گیا تھا اور اُس کی پرورش کو کہ وہ پروان چڑھے مصعب ابن عمیر کے سپرد فرمایا یثرب پہنچکر مُصعبؓ اسعد ابن زرارہ کے گھر میں ٹھہرے اور مسلمانوں کو نماز اور تلاوت قرآن کے لیے کبھی تو اسعد اور کبھی بنی ظفر کے گھر میں جمع کیا کرتے۔ بنی ظفر کا گھر شہر کے ایسے محلے میں تھا جس میں ظفر کا خاندان اور عبد الاشہل کا خاندان مل کر رہتا تھا۔

اس زمانہ میں عبد الاشہل کے خاندان کے سردار سعد ابن معاذ اور اسید ابن حضیر

تھے ایک دن یہ ہوا کہ مُصعب اسعد کے ساتھ بنی ظفر کے گھر میں بیٹھے چند نومسلموں کی تعلیم میں مصروف تھے کہ سعد ابن معاذ نے ان کے ٹھہرنے کی جگہ کا نشان لیکر اسید ابن حضیر سے کہا "اس داعی اسلام اور اس کے ساتھی کو اپنے محلے سے نکال دے" میں تجھکو اس بات کی تکلیف نہ دیتا اگر صلۂ رحم جو مجھ میں اور بنی زرارہ میں ہے اُس شخص کو نقصان پہنچانے کا مانع نہ ہوتا (سعد ابن معاذ اسعد ابن زرارہ کا خالہ زاد تھا) یہ سُنکر اسید نے نیزہ اُٹھایا اسعد اور مُصعب کے پاس پہنچا اور چلاکر کہا "تم کیا کرتے ہو ضعیف رائے والوں کو گمراہ کرتے ہو۔ اگر تم کو اپنی جانیں عزیز ہیں تو ابھی یہاں سے چلے جاؤ" مُصعب نے آہستہ سے جواب دیا "بیٹھ جا اور ہماری بات سُن اگر تو نے ہم سے ایسی بات سُنی جو تجھ کو ناخوش کرے تو ہم چلے جائیں گے" اسید نیزہ زمین میں گاڑ کر بیٹھ گیا اور مُصعب نے اسلام کے ضروری عقائد بیان کیے اور قرآن شریف کی چند آیۂ کریمہ کو پڑہا تھوڑی ہی دیر میں اسید بیتاب ہو کر بولا "کیا کروں جو اس دین میں شامل ہوں" مُصعب نے جواب دیا "پانی سے اپنے تئیں پاک کر اور کلمۂ لا الہ الا اللہ محمد الرسول اللہ کا اقرار کر" اسید نے فوراً اس ہدایت پر عمل کیا اور کلمہ پڑہا اور کہا "میرے بعد ایک اور شخص ہے جس کو تمھیں ایمان پر لانا ہوگا (سعد ابن معاذ سے مراد تھی) اگر وہ ایمان لایا تو بنی اشہل کا کل قبیلہ اس کی مثال کی پیروی کرے گا۔ میں اُس کو تمھارے پاس بھیجتا ہوں"

اسید ابن حضیرؓ یہ باتیں کرکے چلے گئے اور تھوڑی دیر بعد سعد ابن معاذ اسعد پر غصہ کھاتا آیا اور کہا "اگر تو میرا خالہ زاد نہ ہوتا تو تیری جرات پر میں تجھ کو نادم کرتا۔ کس بات سے تیری ہمت ہوئی کہ اپنے دین کے عقائد کو جو ہمارے مذہب کے خلاف ہیں ہم میں لایا" مُصعب نے سعد سے درخواست کی کہ اسلام کو بغیر اس کی تعلیم کے سُنے بُرا نہ کہے۔ اس پر سعد نے اسلام کی باتوں کو سُننا منظور کیا۔ اور مُصعب کے کلام نے جلد سعد پر اثر کیا اور ایمان اُس کے دل میں پیدا کیا اور اسلام قبول کرکے سعد ابن معاذؓ

مسلمان ہوگئے سعد جوش اسلام میں بھرے ہوئے اپنے قبیلے کے لوگوں میں پہنچے اور اُن سے کہا "اے بنی اشہل بتاؤ میں تمھارا کون ہوں" اُنھوں نے کہا "تو ہمارا سردار ہی اور ہم سب سے زیادہ عاقل اور عالی نسب ہی" سعد نے کہا "میں قسم کھاتا ہوں کہ میں کبھی تم میں سے کسی سے بات نہ کرونگا جب تک کہ تم اللہ اور اللہ کے رسول محمد پر ایمان نہ لاؤ گے" اُس دن سے عبد الاشہل کی کل اولاد نے اسلام قبول کیا[1]

ایسے جوش اور حمیّت کے ساتھ تعلیم اسلام کو ترقی دی جاتی تھی کہ ایک سال کے اندر مدینہ کے عربوں میں کوئی گھرانہ ایسا نہ رہا جس میں چند آدمیوں نے مسلمان ہوکر مسلمانوں کی تعداد نہ بڑھائی ہو سوائے قبیلۂ اوس کے ایک حصہ کے جو ابو قیس شاعر کی وجہ سے اسلام سے علحدہ رہا۔

دوسرے برس جب حج کا زمانہ آیا تو مسلمانوں کا ایک گروہ جس میں تہتّر شخص تھے ہم وطن مشرکین کے ساتھ یثرب سے مکہ میں آیا۔ یہ مسلمان مکہ کو اس لیے بھیجے گئے تھے کہ ایک تو رسول اللہ صلعم سے یثرب چلنے کے لیے عرض کریں کہ دشمنوں کے ضرر سے آپ پناہ لیں اور دوسرے اس لیئے کہ آپ کو اللہ کا رسول اور اپنا سردار مان کر آپ سے بیعت کریں۔ وہ تمام لوگ بھی جو پہلے اسلام قبول کر چکے تھے اور انحضرت صلعم سے گزشتہ دو حجوں میں ملے تھے اس موقع پر مکہ کو واپس آئے اور مُصعب بھی جو ان کے معلم دیں تھے ہمراہ تھے۔ مُصعب ابن عمیرؓ مکہ میں پہنچتے ہی رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اُس کامیابی کا حال عرض کیا جو دعوت اسلام میں اُن کو حاصل ہوئی تھی۔ یہ روایت ہی کہ جب مُصعب کی ماں نے بیٹے کے آنے کی خبر سُنی تو یہ کہلا بھیجا کہ "اے نافرمان فرزند کیا تو ایسے شہر میں داخل ہوگا جس میں تیری ماں رہتی ہو اور اُس سے تو پہلے ملنے نہ آسکے" مُصعب نے جواب دیا "نہیں میں

[1] کاسن دہ بیر سوال۔ جلد سوم صفحہ ۳۰۵

کسی کے گھر میں رسول خدا سے پہلے ملنے نہ جاؤں گا۔" جب مُصعب رسول خدا صلعم سے ملازمت حاصل کر چکے تو اپنی ماں کے پاس گئے جس نے کہا" میں سمجھتی ہوں کہ تو ابھی تک ہمارے دین سے بھاگا ہوا ہے" مُصعب نے جواب دیا" میں خدا کے رسول اور برحق ملت اسلام کا پیرو ہوں" ماں نے کہا" کیا تو اُن مصیبتوں سے خوش ہے جو حبشہ کی زمین میں تجھکو اُٹھانی پڑیں اور اب یثرب میں سہنی پڑتی ہیں" مصعبؓ سمجھ گئے کہ ماں پھر مجھکو قید کرنے کی فکر میں ہے۔ اُنھوں نے بلند آواز سے کہا۔" کیا تو جبراً کسی کو اُس کے مذہب سے علٰحدہ کرے گی" اگر تیرا منشا یہ ہے کہ پھر مجھ کو قید کرے تو پہلا شخص جو مجھپر ہاتھ چھوڑے گا اُس کو یقینی قتل کر دونگا" مُصعب کی ماں نے یہ سنکر کہا۔" بس تو میرے سامنے سے چلا جا" اور یہ کہکر رونے لگی۔ مُصعبؓ اس کیفیت سے متاثر ہوئے اور کہنے لگے۔" اے میری ماں۔ میں تجھکو محبت کی مشورت دیتا ہوں کہ گواہی دے کوئی خدا نہیں بجز اللہ کے اور محمدؐ اُس کا بندہ اور رسول ہے" لیکن مُصعب رضی اللہ عنہ کی ماں نے جواب دیا" چمکتے تاروں کی قسم میں تیرے مذہب میں شامل ہو کر اپنے تئیں احمق نہ بناؤں گی۔ میں تجھ سے اور تیری باتوں سے ہاتھ دھوتی ہوں اور اپنے دین سے وابستہ ہوں"

اس خیال سے کہ قریش کی بدظنی اور عداوت کو تحریک نہ ہو عقبہ میں پوشیدہ ملاقات کی تجویز ہوئی جہاں پہلے بھی وہ مسلمان جمع ہوئے تھے جنھوں نے اول بیعت عقبہ سے پہلے برس میں اسلام قبول کیا تھا۔ رسول اللہ صلعم حضرت عباسؓ کے ساتھ جو آپ کے چچا تھے عقبہ میں تشریف لائے حضرت عباسؓ اگرچہ ابھی تک بت پرست تھے مگر وہ اس راز میں شریک کر لیے گئے تھے۔ انھوں نے اس پوشیدہ جلسے میں آغاز سخن اس طریقہ سے کیا کہ پہلے اپنے برادر زادہ کی نسبت کہا کہ وہ اپنے قبیلے میں سب سے زیادہ شریف خاندان کے فرزند ہیں۔ اس قبیلے نے ہمیشہ آپ کو

دشمنوں سے محفوظ و مصئون رکھا گو آپ کی تعلیم سے انکار کیا۔ چونکہ اب آپ یثرب کے لوگوں میں پناہ لینی چاہتے ہیں تو یثربیوں کو چاہیئے کہ حفاظت کی ذمہ داری کو وہ اچھی طرح سوچ لیں کیونکہ جب ایک دفعہ انھوں نے اس کام کو اپنے ذمہ لے لیا تو پھر اپنے عہد سے انکو نہ ہٹنا ہوگا۔ تب برار ابن معرور نے جو قبیلۂ خزرج میں سے تھے اقرار کیا کہ وہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی حفاظت کے ارادے میں مضبوط ہیں۔ پھر انھوں نے پیغمبر خدا صلے اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا کہ جو کچھ آپ ہم سے چاہتے ہیں وہ مفصل بیان فرماویں۔

رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے چند آیات کلام مجید کی پڑھ کر ان سے گفتگو شروع کی اور اُن کو نصیحت فرمائی کہ وہ ہمیشہ اس دین کی تصدیق کریں جس میں وہ اللہ اور اللہ کے رسولؐ پر ایمان لائے ہیں۔ اس کے بعد فرمایا کہ تم میری اور میرے ساتھیوں کی حفاظت دشمنوں سے اسی طرح کرو جیسے تم اپنے اہل وعیال کی کرتے ہو۔ تب برار ابن معرور نے رسول اللہ صلعم کا ہاتھ پکڑ کر کہا "قسم ہے اُس کی جس نے تجھ کو رسول کر کے ہمارے پاس بھیجا اور تیرے ذریعہ سے دین برحق ہم پر ظاہر کیا کہ ہم تیری حفاظت اس طرح کرینگے جیسے اپنے جسموں کی اور ہم تجھکو اپنا سردار مان کر تجھ سے بیعت کرتے ہیں۔ ہم میدان کے مرد اور ہتیاروں کے آدمی ہیں جو ہم نے لائق باپوں سے لائق بیٹوں کی طرح ورثہ میں پایا ہے" اس طرح سب نے باری باری رسول اللہ صلعم کا ہاتھ پکڑ کر بیعت کی۔

جس وقت قریش کو ان پوشیدہ کاموں کی خبر لگی تو مسلمانوں پر اور زیادہ ظلم ٹوٹنے شروع ہوئے یہانتک کہ آنحضرت نے اُن کو مکہ سے ہجرت کا حکم دیا "یثرب کو چلے جاؤ کیونکہ اللہ نے تم کو اُس شہر میں بھائی دیئے ہیں اور گھر دیا ہے جس میں تم کو پناہ ملے" پس مسلمان چپکے چپکے دو دو اور تین تین کر کے یثرب کو ہجرت کرنے لگے جہاں انکا سچے دل سے خیر مقدم ہوا اور یثربیوں نے مہاجرین کی مدارات کی اور اس مدارات میں ایک

دوسرے پر فضیلت حاصل کرنی چاہی اور تمام ضروری اشیأ مہاجرین کے لیے مہیا کیں دو برس کے عرصے میں تقریباً کل مسلمانوں نے سوائے ان کے جنکو گرفتار کرلیا تھا اور قید میں ڈال دیا تھا یا جو حالت اسیری سے بھاگ نہ سکتے تھے مکہ سے یثرب کو ہجرت کی۔ اور ان کی تعداد ایک سو پچاس تھی۔ ان مسلمانوں میں ایک شخص صہیبؓ تھے جن کو رسول اللہ صلعم نے "یونان کا پہلا ثمر" کہا تھا۔ یہ شخص یونانی غلام تھے اور آزاد ہونے کے بعد تجارت کرکے بہت دولت جمع کرلی تھی۔ غرض اُن کا حال یہ بیان کیا گیا ہے کہ جب صہیبؓ مکہ سے ہجرت کرنے کو ہوئے تو اہل مکہ نے اُن سے کہا "تو یہاں اُسوقت آیا تھا جبکہ حاجتمند اور مفلس تھا۔ لیکن ہمارے ساتھ تیری دولت بڑھی یہانتک کہ تو موجودہ ثروت کو پہنچا اور اب تو ہم سے جدا ہوتا ہے فقط اپنے ہی ساتھ نہیں بلکہ اپنے مال کے ساتھ بھی۔ قسم ہے رب کی ایسا نہ ہوگا" اس پر صہیبؓ نے کہا "اگر میں اپنے مال کو چھوڑ جاؤں تو بھی تم مجھکو جانے دوگے" اہل مکہ نے اس بات کو منظور کرلیا اور صہیبؓ نے اپنا سب مال چھوڑ دیا۔ جب یہ حال رسول اللہ صلعم سے عرض کیا گیا تو آپ نے فرمایا "سچ ہے صہیبؓ نے نفع سے معاملہ کیا"

پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی روانگی میں توقف فرمایا (بلاشبہہ اس خیال سے کہ مسلمانوں کی طرف سے لوگوں کا دھیان بٹادیں) یہانتک کہ ایک مشورت سے جو آپ کی جان لینے کے واسطے ہوئی آگاہ کیا کہ زیادہ توقف باعث ہلاکت ہوگا اور آپ نے ایک تدبیر سے یثرب کو ہجرت فرمائی۔

یثرب یا مدینہ میں آکر جس کو اس زمانہ سے مدینۃ النبی کا لقب ملا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو پہلا فکر اس کا ہوا کہ ایک مسجد تعمیر کرائی جاوے تاکہ نماز پڑہنے اور اہل اسلام کے جمع ہونے کے لیے ایک جگہ ہو جاوے۔ کیونکہ اس وقت تک انصار میں سے ایک شخص کا رہنے کا گھر تھا جو ان کاموں کے لیے استعمال ہوتا تھا۔ پہلے نمازی بیت المقدس

کی طرف مُنہ کرکے نماز پڑہتے تھے[1] اور یہ انتظام غالباً اس امید سے ہوا تھا کہ یہود و اُن
اسلام میں شامل کریئے جاویں گے۔ اور رسول اللہ صلعم نے بہت سے طریقوں سے
مثلاً توریت مقدس کے حوالوں سے اور اوسے رسوم مذہب میں آزادی اور اختیارات
ملکی میں مساوی حقوق دیکر یہود کو اپنی طرف لانا چاہا۔ لیکن انھوں نے ان سب مہربانیوں کا
نفرت اور عداوت سے جواب دیا۔ جبکہ یہود سے مواصلت کی تمام امیدیں لاحاصل ثابت
ہوئیں اور یہ صاف ظاہر ہوگیا کہ آپ کی رسالت پر وہ ایمان نہ لاویں گے تو رسول اللہ
صلے اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کو حکم دیا کہ نماز میں کعبۂ معظمہ کی طرف مُنہ رکھیں (سورہ الم البقرہ ۱۴۴)
نماز میں سمت قبلہ کی تبدیلی کے معنی جو بادی النظر میں معلوم ہوں اُن سے زیادہ عمیق
تھے۔ یہ بات فی الحقیقت اسلام کی قومی زندگی کی ابتدا ہوئی۔ اس حکم نے مکہ میں کعبۂ معظمہ
کو اہل اسلام کے لیے اسلامی مرکز بنا دیا جیسا کہ مدت دراز سے وہ قبائل عرب کی زیارتگاہ
چلا آتا تھا ایسا ہی قابل وقعت امر اہل عرب کی قدیم رسم حج کو فرائض اسلام میں شامل کرنیکا
تھا جس سے ہر مسلمان پر عمر بھر میں کم سے کم ایک دفعہ حج فرض ہوا۔[2]

قرآن شریف میں بہت سی آیات ایسی ہیں جو اسی قومی خیال کے آغاز کیطرف
متوجہ کرتی ہیں اور اہل عرب کو اس استحقاق کے سمجھنے پر تاکید کرتی ہیں جو ان کو اس طرح
بخشا گیا کہ اُن ہی کی زبان میں وحی نازل ہوئی اور اُن ہی کے ملک کے ایک آدمی کی زبان سے

[1] یہ ثابت نہیں ہے کہ حضرت ابراہیم یا اُن کی اولاد نے کعبہ کو سمت قبلہ قرار دیا ہو۔ مگر یہودیوں نے بیت المقدس کو سمت قبلہ ٹھیرالیا تھا جب آنحضرت صلعم مدینہ میں تشریف لائے تب بیت المقدس ہی کو سمت قبلہ رکھا اسلیے کہ وہ اہل کتاب کا سمت قبلہ تھا اور مشرکین مدینہ میں اور مسلمانوں میں علانیہ امتیاز ہوتا تھا چنانچہ قرآن شریف میں اسکا ذکر ہے "جس قبلہ پر پہلے تو تھا وہ اسلیے تھا کہ ہم جان لیں کہ کون رسول کی پیروی کرتا ہے اور کون پھر جاتا ہے" (سورہ بقرہ ۱۴۰) مگر جب بعض یہودی بھی ایمان لے آئے تو مسلمانوں اور یہودیوں میں علانیہ امتیاز ہونیکے لیے تحویل قبلہ مکہ کی طرف ہوئی مگر اُسکے ساتھ خدا نے یہ بھی فرمادیا "جس طرف مُنہ کرکے نماز پڑھو اُسی طرف خدا کی ذات ہے" اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ سمت قبلہ کا قرار دینا جماعت کے انتظام کیلیے ہے ۱۲ (مترجم)

[2] ماہ رمضان کے روزوں کا حکم سورۂ البقرہ ۱۷۹ - آیات ۱۸۴) دوسری علامت یہود کی طرز کی اتباع کرنیکی ہے۔ عاشورہ ترک کیا گیا۔

اُس کو ادا کیا گیا۔

اِنَّا جَعَلْنٰہُ قُرْاٰنًا عَرَبِیًّا لَّعَلَّکُمْ تَعْقِلُوْنَ ○ سورۃ الزخرف۔ ۳ یعنی ہمنے اس کتاب کو عربی زبان میں اُتارا تاکہ تم سمجھو۔

وَکَذٰلِکَ اَوْحَیْنَآ اِلَیْکَ قُرْاٰنًا عَرَبِیًّا لِّتُنْذِرَ اُمَّ الْقُرٰی وَمَنْ حَوْلَہَا (سورہ شوریٰ ۵)۔ یعنی اور اسیطرح ہم نے تیرے دل میں عربی کلام ڈالا تاکہ تو مکے والوں کو اور اُسکے آس پاس کے لوگوں کو ڈرا وے۔

وَلَوْ جَعَلْنٰہُ قُرْاٰنًا اَعْجَمِیًّا لَّقَالُوْا لَوْلَا فُصِّلَتْ اٰیٰتُہٗ ءَاَعْجَمِیٌّ وَّعَرَبِیٌّ ۔ (حم السجدہ۔ ۴۴) یعنی اور اگر ہم اس کتاب کو عربی زبان کے سوا دوسری زبان میں اُتارتے تو وہ کہتے کہ اُس کے احکام اچھی طرح کیوں نہیں سمجھائے گئے یہ تو عربی زبان نہیں ہی اور ہم عربی ہیں۔

وَلَقَدْ ضَرَبْنَا لِلنَّاسِ فِیْ ھٰذَا الْقُرْاٰنِ مِنْ کُلِّ مَثَلٍ لَّعَلَّھُمْ یَتَذَکَّرُوْنَ ○ قُرْاٰنًا عَرَبِیًّا غَیْرَ ذِیْ عِوَجٍ لَّعَلَّھُمْ یَتَّقُوْنَ ○ (سورۃ الزمر۔ ۲۸-۲۹) یعنی اور ہم نے لوگوں کے لیے اس کلام میں ہر طرح کی مثال بیان کر دی ہی تاکہ وہ نصیحت پائیں اور یہ کلام عربی زبان کا بغیر ایچ پیچ کے ہی تاکہ وہ خدا سے ڈریں۔

وَاِنَّہٗ لَتَنْزِیْلُ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ..... بِلِسَانٍ عَرَبِیٍّ مُّبِیْنٍ ○ (سورہ الشعرا ۱۹۲-۱۹۵)۔ یعنی اور بیشک قرآن دو جہان کے پروردگار کا بھیجا ہوا ہی ...... صاف صاف عربی زبان میں۔

فَاِنَّمَا یَسَّرْنٰہُ بِلِسَانِکَ لِتُبَشِّرَ بِہِ الْمُتَّقِیْنَ وَتُنْذِرَ بِہٖ قَوْمًا لُّدًّا ○ (سورہ مریم ۹۷)۔ یعنی ہم نے قرآن کو تیری زبان میں ہونے سے آسان کر دیا ہی تاکہ تو اس سے خدا سے ڈرنے والوں کو خوش خبری دے۔ اور ہٹ دھرموں کو ڈرا دے۔

لیکن اسلام کا پیغام صرف ملک عرب ہی کے لیے نہ تھا بلکہ کل دنیا کو اس سے حصہ

لینا تھا چونکہ خدا واحد تھا اس لیے مذہب بھی واحد تھا جس میں شرکت کے لیے سب
آدمی بلائے جاویں اسلام کا یہ استحقاق کہ وہ کُل دنیا کے لیے ہے اور سب آدمیوں اور
قوموں پر حاوی ہے اسکی عملی مثال اُن مکتوبات میں ملتی ہے جو رسول اللہ صلعم نے سنہ ہجری
(۶۲۸ عیسوی) میں اُس زمانے کے بڑے بڑے بادشاہوں کے نام بھیجے۔ اسی سال
میں شہنشاہ ہرقل، شاہ فارس حاکم یمن حاکم مصر اور بادشاہ حبشہ کے پاس ایک ایک نامہ
اسلام قبول کرنے کی ہدایت سے بھیجا گیا۔ ہرقل قیصر روم کے نامہ کی نسبت کہا جاتا ہے
کہ یہ تھا " خدا کے نام سے جو بڑا رحم والا ہے بڑا مہربان۔ محمدؐ جو اللہ کا بندہ ہے اور رسول
ہرقل قیصر روم کے نام۔ اُس پر سلامتی ہو جو سیدھے رستہ پر چلا۔ اس کے بعد میں
کہتا ہوں کہ ہاں میں تجھ کو اسلام پر بلاتا ہوں۔ اسلام قبول کر اور اللہ تجھ کو دوگنا صلہ
دے گا۔ اگر تو اسلام لینے سے پھرے گا تو تجھ پر تیری قوم کے گناہ ہوں گے۔ اے اہل
کتاب اُس کلام کی طرف آؤ جو ہمارے اور تمھارے دونوں کے لائق ہو۔ اور وہ یہ ہے کہ
سوائے اللہ کے کسی کی بندگی نہ کرو اور کسی شے کو اللہ کے ساتھ شریک نہ کرو اور
اوروں کو معبود نہ پکارو۔ پس اے اہل کتاب اگر تم انکار کرتے ہو تو خبردار رہو۔ ہم
مسلمان ہیں اور ہمارا دین اسلام ہے" یہ نامہ اُن لوگوں کو جن کے پاس بھیجا گیا خواہ
کیسا ہی بے معنی معلوم ہوا ہو لیکن زمانہ نے آگے چل کر ثابت کر دیا کہ وہ ایسے جوش
سے نہیں لکھا گیا تھا جو خالی خولی ہوتا۔ یہ مکتوبات جو بادشاہوں کے نام بھیجے گئے
اسلام کے اس استحقاق کو کہ وہ کل دنیا کی قبول کے لیے ہے اور جس کا ذکر بار بار قرآن میں
ہوا ہے کسی قدر زیادہ توضیح اور اعلان سے بیان کرتے ہیں۔

اِنْ هُوَ اِلَّا ذِكْرٌ لِّلْعٰلَمِیْنَ ○ وَلَتَعْلَمُنَّ نَبَاَهٗ بَعْدَ حِیْنٍ (سورہ ص۔
۸۷-۸۸-) یعنی یہ تو صرف ایک نصیحت ہے تمام دنیا کے لوگوں کے لیے اور تم ایک زمانہ
کے بعد اس کی سچائی جانو گے۔

إِنْ هُوَ إِلَّا ذِكْرٌ وَّقُرْآنٌ مُّبِينٌ ۝ لِّيُنذِرَ مَن كَانَ حَيًّا وَيَحِقَّ الْقَوْلُ عَلَى الْكَافِرِينَ ۝ (سورۂ یٰس - ۶۹ - ۷۰) یعنی یہ تو صرف ایک نصیحت اور صاف صاف کلام ہی تاکہ پیغمبر اُن لوگوں کو ڈرا دے جو سمجھ رکھتے ہیں اور کافروں پر حجت پوری ہو۔

وَمَا أَرْسَلْنَاكَ إِلَّا كَافَّةً لِّلنَّاسِ بَشِيرًا وَنَذِيرًا۔ (سورۃ السبا - ۲۷) یعنی اور ہمنے تجھ کو نہیں بھیجا مگر اس لیے کہ تو تمام لوگوں کو خوشخبری دینے والا اور ڈرانے والا ہو۔

هُوَ الَّذِي أَرْسَلَ رَسُولَهُ بِالْهُدَىٰ وَدِينِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهُ عَلَى الدِّينِ كُلِّهِ وَلَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُونَ ۝ (سورۃ الصف - ۹) یعنی وہی ہی جس نے اپنے رسول کو ہدایت اور سچا دین دیکر بھیجا تاکہ اس دین کو تمام دینوں پر غالب کر دے اگرچہ مشرک بُرا جانیں۔

سب سے زیادہ مایوسی کی حالت میں جبکہ اہل مکہ پیغمبر خدا صلعم کی بات کے ماننے سے انکار کرتے تھے۔ (سورۃ النحل - ۲۳ - ۲۴ - ۱۱۱ وغیرہ وغیرہ) جبکہ اُن لوگوں کو جنھیں مسلمان کیا تھا ایسی اذیت دی جاتی تھی کہ وہ اسلام سے پھر جاتے تھے (سورۃ النحل - ۱۰۸) اور مجبور ہوتے تھے کہ ملک چھوڑ کر بھاگیں تاکہ اپنے ظالموں کے ظلم سے بچیں (سورۃ النحل - ۴۳ - ۱۱۱) تو اُس وقت یہ وعدہ کیا گیا وَيَوْمَ نَبْعَثُ مِن كُلِّ أُمَّةٍ شَهِيدًا۔ ایک دن ہم اُٹھاویں گے ہر اُمت سے ایک گواہ (سورۃ النحل - ۸۶)[1]

اسلام کا یہ استحقاق کہ کافۂ خلائق کے قبول کے لیے ہی جس کو رسول اللہ صلعم نے وحی کے ذریعے اوپر کی آیات میں ذکر کیا منصب رسالت سے بھی اس طرح ظاہر ہوا

[1] یہ تعجب کی بات معلوم ہوتی ہی کہ باوجود قرآن شریف کی اُن آیتوں کے جو اوپر نقل ہوئیں بعض لوگوں نے اس بات سے انکار کیا ہی کہ بانی اسلام کا ابتدا ہی سے یہ منشا تھا کہ اسلام کافۂ خلائق کا مذہب ہو۔ سر ولیم میور لکھتے ہیں " یہ خیال کہ اسلام کی میراث ساری دنیا ہی بعد کا خیال ہی۔ اس خیال کو باوجود کثرت احادیث کے خود پیغمبر خدا (صلی اللہ علیہ وسلم) نے اگر بالکل نہیں تو غیر واضح طور پر سمجھا۔ آنحضرت صلعم کی دنیا عرب کا ملک تھا اور اسی ملک کے لیے یہ جدید قانون (یعنی اسلام) نافذ ہوا تھا۔ اول سے اخیر تک اہل عرب ہی کی اسلام پر دعوت کی جاتی تھی اور کسی کی نہیں...... ایسے مذہب کا تخم جو تمام دنیا کے لیے ہو ڈال دیا گیا تھا لیکن اُس کا جڑ پکڑنا حالات پر منحصر ہوا نہ کہ کسی ارادے پر " (کتاب خلافت مؤلفہ سر ولیم میور صفحہ ۴۳ - ۴۴)۔

کہ آپ نے بلال کو حبشہ کا پہلا ثمر اور صہیبؓ کو یونان کا پہلا ثمر فرمایا۔ فارس کا پہلا شخص جو مسلمان ہوا وہ مدینہ میں ایک عیسائی غلام تھا اور ہجرت کے پہلے برس میں اُسنے اسلام قبول کیا تھا۔ علاوہ اس کے ایک حدیث ہی جس میں رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے ملک چین کو تبلیغ رسالت میں شامل فرمایا[1]۔ غرض بہت پہلے اس سے کہ ملک گیری کا خواب تک نظر آیا ہو رسول اللہ صلعم نے صاف ظاہر کر دیا کہ اسلام قوم عرب ہی میں محدود نہ رہے گا۔ ذیل کا بیان دعاۃ اسلام کے بھیجنے کا جو اسلام کی اشاعت کے لیے سب قوموں میں بھیجے گئے اسلام کے اسی قبول عام کے استحقاق کی طرف اشارہ کرتا ہی۔

رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم نے اپنے اصحاب سے فرمایا[2] "تم سب صبح کو میرے پاس آؤ"۔ اور آنحضرت جب صبح کی نماز سے فارغ ہوتے تھے تو کچھ دیر تک جائے نماز پر تسبیح اور دعا میں مصروف رہتے تھے پھر آپ اصحاب کی طرف متوجہ ہوئے اور آپ نے چند صحابیوں کو ایک طرف بھیجا اور چند کو ایک طرف اور اُن سے کہا۔ "کہ تم بندگان خدا کے حق میں خدا کا فرض ادا کرنے میں سچے رہو۔ کیونکہ جس شخص کو لوگوں کا کام سپرد کیا جاتا ہی اور پھر وہ اُس فرض کو سچائی سے ادا نہیں کرتا تو خدا اُس پر بہشت کو حرام کر دیتا ہی۔ جاؤ اور حضرت عیسیٰؑ ابن مریم کے رسولوں نے جیسا کیا ویسا مت کرو۔ کیونکہ وہ پاس رہنے والوں تک پہنچے اور دور رہنے والوں کو اُنھوں نے چھوڑ دیا۔ پھر وہ جن لوگوں کی طرف بھیجے گئے تھے اُن کی زبان بولنے لگے۔ جب اس کا ذکر آنحضرت سے کیا گیا تو آپنے فرمایا خدا کے حقوق جو بندوں کے ذمہ بندوں کے متعلق ہیں اُن میں یہ حق سب سے بڑا ہی[3]۔"

اسلام کے عام ہونے کا ثبوت اور اُس کے اس استحقاق کا ثبوت کہ وہ کافۂ خلائق

---

[1] شیفر صفحہ ۱۳۱۔ [2] ابن سعد فقرہ ۔ [3] یہ قصہ شاید غیر معتبر ہو لیکن کم از کم اس سے یہ ظاہر ہوتا ہی کہ اسلام کے تبلیغی ادعاف ابتدا ہی میں سمجھ لیے گئے تھے +

+ زید ابن ثابت کو آپ نے فرمایا تھا کہ سریانی اور عبرانی زبان سیکھیں۔ اس سے قیاس کیا جاتا ہی کہ جن صحابہ کو جن لوگوں کے پاس بھیجنے کے لیے تجویز کیا تھا اُنھوں نے اُن لوگوں کی زبان سیکھ لی تھی۔

کی قبول کے لیے ہی یہ ہے کہ اسلام ابتدا سے کل بنی نوع انسان کے لیے خدا کی طرف سے مقرر ہوا تھا اور اب از سر نو حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ سے جو خاتم النبیین ہیں (سورۃ الاحزاب - ۴۰) اس طرح ظاہر کیا گیا جیسے اُن سے پہلی نسلوں میں انکے پیغمبروں سے ظاہر ہوا تھا۔

وَمَا كَانَ النَّاسُ إِلَّا أُمَّةً وَاحِدَةً فَاخْتَلَفُوا وَلَوْلَا كَلِمَةٌ سَبَقَتْ مِن رَّبِّكَ لَقُضِيَ بَيْنَهُمْ فِيمَا فِيهِ يَخْتَلِفُونَ ۝ (سورۃ الر۔ یونس - ۲۰) یعنی اور سب آدمی ایک ہی گروہ تھے پھر اُن میں اختلاف ہوا اور اگر پہلے سے تیرے پروردگار کا حکم نہ ہو چکا ہوتا تو جس میں وہ اختلاف کرتے ہیں اُس کا فیصلہ اُن میں کر دیا جاتا۔

قُلْ مَا كُنتُ بِدْعًا مِّنَ الرُّسُلِ۔ (سورۃ الاحقاف - ۸) یعنی کہدے کہ میں پیغمبروں میں کچھ نیا نہیں ہوں۔

كَانَ النَّاسُ أُمَّةً وَاحِدَةً فَبَعَثَ اللَّهُ النَّبِيِّينَ مُبَشِّرِينَ وَمُنذِرِينَ وَأَنزَلَ مَعَهُمُ الْكِتَابَ بِالْحَقِّ لِيَحْكُمَ بَيْنَ النَّاسِ فِيمَا اخْتَلَفُوا فِيهِ وَمَا اخْتَلَفَ فِيهِ إِلَّا الَّذِينَ أُوتُوهُ مِن بَعْدِ مَا جَاءَتْهُمُ الْبَيِّنَاتُ بَغْيًا بَيْنَهُمْ فَهَدَى اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا لِمَا اخْتَلَفُوا فِيهِ مِنَ الْحَقِّ بِإِذْنِهِ وَاللَّهُ يَهْدِي مَن يَشَاءُ إِلَىٰ صِرَاطٍ مُّسْتَقِيمٍ (سورہ الم البقرۃ - ۲۰۹) یعنی اور سب آدمی ایک ہی گروہ تھے پھر اللہ نے نبیوں کو بھیجا جو خوش خبری دیتے اور ڈراتے تھے اور اُن کے ساتھ سچی کتاب اُتاری تاکہ جس میں انھوں نے اختلاف کیا اُس کا فیصلہ اُن میں کر دے اور کسی نے بجز اُنکے جن کو کتاب دی گئی تھی آپس کی ضد سے بعد اس کے کہ اُن کے پاس صاف صاف حکم پہنچ گئے تھے اختلاف نہیں کیا۔ پھر اللہ نے اپنی مہربانی سے ایمان والوں کو وہ ٹھیک راہ بتادی جس میں وہ اختلاف کرتے تھے اور اللہ جس کو چاہتا ہے سیدھی راہ دکھاتا ہے۔

ثُمَّ أَوْحَيْنَا إِلَيْكَ أَنِ اتَّبِعْ مِلَّةَ إِبْرَاهِيمَ حَنِيفًا وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِينَ ۝

(سورۃ النحل - ۱۲۴) یعنی پھر ہم نے تجھ کو وحی کی کہ پیروی کر ابراہیمؑ کے دین کی جو ایک ہی خدا کا ہو رہا تھا اور وہ نہیں تھا شریک کرنے والوں میں سے۔

قُلْ اِنَّنِیْ ھَدٰانِیْ رَبِّیْٓ اِلٰی صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ دِیْنًا قِیَمًا مِّلَّۃَ اِبْرٰھِیْمَ حَنِیْفًا

(سورۃ الانعام - ۱۶۲) یعنی کہدے اے پیغمبر کہ بیشک مجھکو ہدایت کی ہی میرے پروردگار نے سیدھے رستہ کی جو مضبوط دین ہی دین ابراہیم کا جو ایک ہی خدا کا ہو رہا تھا۔

قُلْ بَلْ مِلَّۃَ اِبْرٰھٖمَ حَنِیْفًا وَّمَا کَانَ مِنَ الْمُشْرِکِیْنَ ۝ (سورہ الم البقرۃ - ۱۲۹) یعنی یہود اور نصاریٰ سے کہدے کہ تم ٹھیک نہیں کہتے ہو بلکہ ہم پیروی کرتے ہیں ابراہیم کے دین کی جو ایک ہی خدا کا ہو رہا تھا اور وہ نہیں تھا شریک کرنیوالوں میں سے۔

قُلْ صَدَقَ اللّٰہُ فَاتَّبِعُوْا مِلَّۃَ اِبْرٰھِیْمَ حَنِیْفًا وَّمَا کَانَ مِنَ الْمُشْرِکِیْنَ ۝

(سورہ الم آل عمران ۸۹) یعنی کہدے اے پیغمبر کہ سچ کہا اللہ نے پھر پیروی کرو ابراہیم کے دین کی جو ایک ہی خدا کا ہو رہا تھا اور وہ نہیں تھا شریک کرنے والوں میں سے۔

وَمَنْ اَحْسَنُ دِیْنًا مِّمَّنْ اَسْلَمَ وَجْھَہٗ لِلّٰہِ وَھُوَ مُحْسِنٌ وَّاتَّبَعَ مِلَّۃَ اِبْرٰھِیْمَ حَنِیْفًا وَّاتَّخَذَ اللّٰہُ اِبْرٰھِیْمَ خَلِیْلًا ۝ (سورۃ النساء - ۱۲۴) یعنی اور کون اچھے دین کا ہی اُس شخص سے جس نے جھکا دیا اپنا مُنہ اللہ کے لیے اور وہ اچھے کام کرنے والا ہی اور پیروی کی ابراہیم کے دین کی جو ایک ہی خدا کا ہو رہا تھا اور اللہ نے ابراہیم کو اپنا دوست بنایا تھا

ھُوَ اجْتَبٰکُمْ وَمَا جَعَلَ عَلَیْکُمْ فِی الدِّیْنِ مِنْ حَرَجٍ مِلَّۃَ اَبِیْکُمْ اِبْرٰھِیْمَ ھُوَ سَمّٰکُمُ الْمُسْلِمِیْنَ (سورۃ حج - ۷۷) یعنی خدا نے تمکو چنا اور تم پر دین کی کچھ دقت نہیں ڈالی پیروی کرو اپنے باپ ابراہیم کے دین کی خدا نے تمہارا نام رکھا ہی مسلمان۔

اب اُن حالات کی طرف متوجہ ہونا چاہیے جبکہ رسول اللہ صلعم مدینہ طیبہ میں تشریف رکھتے تھے ہجرت کے بعد جو درجہ آپ کو حاصل ہوا اُس کے سمجھنے کے لیے یہ ضروری ہی کہ عربوں کی خاص تمدنی حالت کو جو اُس وقت میں کم سے کم جزیرہ نمائے عرب کے اِس

حصہ پر تھی یا د کیا جاوے۔ کوئی باقاعدہ صیغۂ نظم و نسق ملکی جس کے بغیر کسی طرح کے طرز حکومت کا آج کل خیال تک نہیں پیدا ہو سکتا موجود نہ تھا۔ ہر قوم اور قبیلہ ایک دوسرے سے جُدا اور بذات خود مختار تھا اور یہ مطلق العنانی قبیلے ہی میں نہ تھی بلکہ قبیلے کے ہر متنفس میں بھی موجود تھی۔ قبیلے کا ہر ایک شخص اپنے سردار کے اختیارات اور افسری کو تسلیم کرتا تھا مگر فقط اس حد تک کہ سردار ایک عام رائے کا ظاہر کرنے والا ہے جس میں یہ بھی شریک ہو۔ مگر وہ آزاد تھا کہ اہل قبیلے کی رائے سے بھی جو رائے سب نے مل کر دی ہو اتفاق کرنے سے انکار کرے۔ علاوہ ان باتوں کے کوئی طریقہ عہدۂ سرداری کے انتقال کا باقاعدہ نہ تھا۔ سرداری کے لیے عموماً وہ شخص پسند کر لیا جاتا تھا جو قبیلے میں سب سے زیادہ دولتمند اور با اختیار خاندان کا سب سے زیادہ معمر شخص ہوتا۔ اور جو اپنی ذات میں یہ وصف رکھتا کہ سب لوگ اس کی عزت کرنے پر مجبور رہوں۔ اگر کوئی قبیلہ بڑھ جاتا تو کئی حصوں میں وہ تقسیم ہوتا تھا جن میں سے ہر حصہ اوروں سے علحدہ اور با اختیار زندگی بسر کرتا۔ ان حالات سے ہم سمجھ سکتے ہیں کہ رسول اللہ صلعم کس طرح مدینہ میں اہل اسلام کی بڑی اور بڑھنے والی جماعت کے سردار ہو گئے جس نے آپ کو اپنا سردار اور ہادی مانکر اور کسی کی حکومت کو تسلیم نہ کیا اور یہ سب باتیں اس طرح پیش آئیں کہ جو لوگ با اختیار تھے اور اُن کے اختیارات عام طور پر تسلیم بھی ہوتے تھے ان کو کسی طرح کی مضرت کا اندیشہ یا اس بات کا خدشہ جیسا کہ قدیم یونان کے کسی شہر میں یا کسی اور باقاعدہ حکومت رکھنے والی قوم میں پیدا ہو جاتا کہ اُس کے اختیارات چھن جائینگے پیدا نہ ہوا۔ رسول اللہ صلعم دنیوی اختیارات اپنے لوگوں پر اسی طرح رکھتے تھے جیسے کوئی خود مختار سردار رکھتا۔ فرق دونوں صورتوں میں فقط یہ تھا کہ خاندان اور نسلی تعلقات کی جگہ مسلمانوں میں دینی رشتہ قائم تھا۔

مورخ فون کریمر لکھتا ہے کہ ”آنحضرت کی یہ خواہش تھی کہ ایک نئے مذہب کی بناڈالیں اور اُس میں وہ کامیاب ہوے۔ لیکن اس کے ساتھ ہی ایک ملکی انتظام بھی اُنھوں نے

پیدا کر دیا جو بالکل جدید اور خاص صورت رکھتا تھا۔ پہلے اُن کی صرف یہ خواہش تھی کہ اپنے ملک والوں کو ایک خدا یعنی اللہ کے ایمان پر لائیں۔ لیکن اس کے ساتھ ہی انھوں۔ نے اپنے وطن کی قدیم طرز حکومت کو بدل دیا۔ اور ایسی عملداری کی جگہ جس میں قبیلوں کے امیر اور سردار حکومت کا کام کریں اور با اختیار خاندان پبلک کے کاموں میں حصہ لیں انھوں نے ایک خالص خودمختار بادشاہی کو قائم کر دیا اور خود اُس کے بادشاہ بطور زمین پر خدا کے نائب کے ہو گئے۔

"آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی وفات سے پہلے ہی تقریباً کل ملک عرب نے ان کی اطاعت قبول کر لی۔ عرب کا ملک جس نے کبھی پہلے ایک بادشاہ کی فرمانبرداری نہ کی تھی اب اُس نے دفعتاً تمدنی اتحاد ظاہر کیا اور ایک حاکم مطلق کی مرضی پر بیعت کی۔ متعدد چھوٹے اور بڑے اور سینکڑوں مختلف اقسام کے قبیلوں کو جو رات دن آپس میں لڑتے رہتے تھے آنحضرت صلعم کے کلام نے ایک قوم بنا دیا۔ ایک ہی مذہب کے خیال نے جو ایک ہی افسر کے تحت میں ہو عرب کے قبیلوں کو ایک ایسے انتظام میں منسلک کر دیا جس نے عجیب اوصاف تعجب خیز عجلت کے ساتھ اپنے میں پیدا کر لیے۔ صرف ایک زبردست اُصول تھا جو یہ نتیجہ پیدا کر سکتا تھا اور وہ ملک عرب میں قومی زندگی کا اُصول تھا۔ قبائل کا سلسلہ اس طرح پہلی دفعہ اگر بالکل مٹ نہ سکا (کیونکہ یہ ناممکن تھا) تو اتنا ضرور ہوا کہ مذہبی اتحاد کے تحت میں آگیا۔ اس عظیم الشان کام میں کامیابی ہوئی اور جب آنحضرت کا انتقال ہوا تو ملک عرب کے بہت بڑے حصے پر خدا کا وہ امن چھایا ہوا تھا جس کو عرب کی قوموں نے جن کو لوٹنے اور انتقام لینے سے عشق تھا کبھی جانا تک نہ تھا یہ اسلام ہی تھا جس نے ایسا ملاپ پیدا کرا دیا،، (انتہی قولہ)[1]

مدینہ پہنچتے ہی رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کو فکر ہوئی کہ کس طرح اس اعلیٰ تمدنی خیال کو

---

[1] اے قون کریمر (۳)۔ صفحہ ۳۰۹-۳۱۰

عملی صورت بخشیں آپ نے مکہ کے مہاجروں اور مدینہ کے انصار میں رشتۂ اخوت قائم کیا اور اس رشتہ سے تمام قبیلوں کے اختلافات معدوم ہوگئے اور ایک مشترک مذہبی زندگی نسلی رشتوں کی جگہ قائم ہوگئی۔ موت کی صورت میں بھی رشتہ داری کے حقوق علٰحدہ کر دئے جاتے تھے اور اسلامی بھائی میت کے کل مال کا وارث ہوجاتا تھا لیکن جنگ بدر کے بعد جبکہ ایسے مصنوعی رشتہ کی ضرورت مسلمانوں کے اتفاق کے لیے نہ رہی تو یہ قاعدہ منسوخ کردیا گیا۔ ایسا قاعدہ صرف اُس وقت تک ضروری تھا کہ مسلمانوں کی تعداد کم تھی اور اسلام کی متحدہ زندگی انوکھی بات خیال کی جاتی تھی اس کے علاوہ رسول اللہ صلعم کو مدینہ میں آئے ہوئے کم عرصہ ہوا تھا کہ اہل اسلام کی تعداد میں جلد افزونی ہوتی گئی یہانتک کہ یہ برادرانہ سوشل انتظام ناقابل العمل ہوگیا۔

یہ پہلے ہی خیال ہوسکتا تھا کہ ایسی جماعت کی ترقی کا انجام جو مہاجرین سے بنی ہو اور مخالفوں کے شہر میں رہتی ہو یہ ہوگا کہ اخیر میں لڑائیاں برپا ہوجائیں گی۔ چنانچہ سب کو معلوم ہی کہ تمام کتب سیر جن میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے واقعات زندگی بیان ہیں ان کا بڑا حصہ دو باتوں میں صرف ہوا ہی ایک تو غزووں اور خونریز لڑائیوں کے ذکر میں جو قریش مکہ اور اہل اسلام کے درمیان جاری رہیں اور جن کا سلسلہ ۶۲۳ء تک ۶۳۰ء میں جبکہ رسول اللہ صلعم فتحیاب ہوکر مکہ میں داخل ہوئے ختم ہوا۔ اور دوسرے اُن مخالفت کے تعلقات کو بیان کرنے میں جو آپ کی وفات کے زمانہ تک آپ میں اور بہت سے قبائل عرب میں رہے۔

ان لڑائیوں کا حال لکھنا اس کتاب کی حد سے باہر ہوگا لیکن یہ بات تحقیق کرنی ضروری ہی کہ تبلیغ اسلام کی ابتدائی تاریخ سے یہ لڑائیاں کیا تعلق اور واسطہ رکھتی تھیں یورپ کے مصنفوں نے اس بات کو اکثر لکھا ہی کہ ہجرت کے وقت سے جبکہ رسول اللہ صلعم مدینہ میں پہنچے تو واقعات زندگی کے متغیر ہونے سے آپ بالکل جداگانہ صورت

میں ظاہر ہوئے۔ اب آپ اسلام کے واعظ اور ناصح اور آدمیوں میں خدا کے بھیجے ہوئے رسول جن کو آپ ایسے دین کے حق پر ترغیب دیتے جو وحی سے آپ پر نازل ہوا تھا نہ رہے بلکہ نعوذ باللہ ایسے غیر محتاط اور متعصب شخص ثابت ہوئے جو قوت کے طریقوں اور مدبرانہ تدبیروں کو جہاں تک میسر آئیں اپنے واسطے اور اپنی رائے کی ترجیح کے لیے استعمال کرنے لگے۔ (نعوذ باللہ)

لیکن یہ فرض کر لینا بالکل جھوٹ ہی کہ جب رسول اللہ صلعم نے مدینہ کو ہجرت فرمائی تو آپ واعظ اسلام نہ رہے یا یہ کہ جب ایک بڑا لشکر آپ کی سرکردگی مین تھا تو آپ نے منکرین کی دعوت اسلام سے کنارہ کیا ابن سعد نے چند مکتوبات اپنی کتاب میں درج کیے ہیں جو رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے مدینہ سے قبائل عرب کے سرداروں کے نام اور اور لوگوں کے نام علاوہ اُن سلاطین کے جو ملک عرب سے باہر سلطنتیں رکھتے تھے دعوت اسلام پر لکھوائے اِس کتاب میں آگے چل کر وہ واقعات معلوم ہونگے جنہیں آنحضرتؐ نے دعاۃ اسلام کو اُن ہی کے قبیلے کے ایسے لوگوں کے پاس جنھوں نے اسلام قبول نہیں کیا تھا تلقین اسلام کے لیے روانہ کیا اور بعض صورتوں میں اِن دعاۃ کی ناکامی ہی ان کی سچی داعیانہ کوششوں پر اور اس بات پر کہ کسی طرح جبر استعمال نہیں کیا گیا دلالت کرے گی۔

پس مدینہ کے زمانہ قیام میں رسول اللہ صلعم کی حالت کو بخوبی سمجھنے کے لیے مفصلۂ ذیل سوالات کے درست جواب ملنے چاہئیں۔ (سوالات یہ ہیں) رسول اللہ صلعم خود کس حد تک لڑائیوں کے برپا ہو جانے کے ذمہ دار تھے؟ آپ خود پہلے حملہ کرتے تھے یا آپ پر پہلے حملہ کیا جاتا تھا[1]؟ جب لڑائیاں شروع ہو گئیں تو فتح کی صورت میں

[1] مدینہ کے زمانہ قیام میں جو لڑائیاں ہوئیں ان سے یہ مراد ہوئی کہ وہ اپنی حفاظت کے لیے تھیں اس مضمون پر خرغونئے کی کتاب ''اسلام'' پڑھنی چاہیئے (دی گذر۔ جون ۱۸۹۶ء صفحہ ۴۶۴)

مسلمان مذہب قبول کرنے کے لیے مفتوحین پر جبر استعمال کرتے تھے یا نہیں یا جیسا بہت لوگوں کو یقین ہی کہ لوگوں کو جبر سے مسلمان کرنا ہی وہ مقصد تھا جس کے لیے مسلمانوں نے ہتھیار اُٹھائے تھے ؟

یہ کل قضیہ اُن حالات سے شروع ہوتا ہی جس کا نتیجہ جنگ بدر ہوا جو اسلامی تاریخ میں پہلی باقاعدہ لڑائی تھی۔

اب اِن حالات کے سمجھنے کی کوشش کرنی چاہیے۔

ایک شخص ترک وطن کئے ہوئے تھا جس نے چند جان نثار رفقاء کے ساتھ ایک اجنبی شہر میں دشمنوں سے پناہ لی تھی۔ برسوں تک کوشش کی کہ وطن یعنی مکے کے لوگ اُس دین کو قبول کریں جس پر یقین تھا کہ خدا کی طرف سے نازل ہوا ہی۔ کوئی شخصی دعویٰ نہ تھا بجز دین برحق کے جس کو وہ سکھاتا تھا اور خدا کے کہے سے کہتا تھا۔

قُلْ اِنَّمَآ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ يُوْحٰٓى اِلَيَّ اَنَّمَآ اِلٰـهُكُمْ اِلٰـهٌ وَّاحِدٌ فَمَنْ كَانَ يَرْجُوْا لِقَآءَ رَبِّهٖ فَلْيَعْمَلْ عَمَلًا صَالِحًا۔ (سورۃ الکہف ۱۱۰) یعنی اے پیغمبر کہدے کہ میں بھی تم جیسا ایک آدمی ہوں مجھکو یہ وحی دی گئی ہی کہ تمہارا خدا ایک ہی خدا ہی۔ پھر جو کوئی خدا سے ملنے کی توقع رکھتا ہی تو اُس کو چاہیئے کہ نیک عمل کرے۔

اوّل خاموش حقارت اور پھر علانیہ عداوت سے لوگوں نے برتاؤ کیا۔ ہر طرح کے تہتک اور گستاخیوں کو برداشت کیا لیکن اس سخت برتاؤ کا تشدد بڑھتا گیا یہانتک کہ ایذا رسانوں نے جان لینے کا قصد کیا۔ اول صحابہ اور اور مسلمان تھے جن پر ظلم کا زور پہلے صرف ہوا۔ دو دفعہ مسلمان مجبور ہوئے کہ حفاظت کے لیے سمندر پار چلے جاویں۔ وہاں بھی دشمنوں کی عداوت نے پیچھا کیا۔ بہت سے مسلمانوں کو سخت سے سخت اذیت پہنچائی جاتی تھی یہانتک کہ بعض مر جاتے اور وہ اُس دین کے شہیدوں میں شمار ہوتے جس کو انھوں نے کسی حالت میں ترک نہ کیا۔ جب ظالموں کے ظلم

برداشت کے قابل نہ رہے اور ایک شہر ایسا ملا جس نے پناہ دینے کا وعدہ کیا تو مسلمانوں نے مدینہ کو ہجرت کی۔ اور ان کے بعد رسول اللہ صلعم ایک تدبیر سے جان سلامت لیکر مدینہ تشریف لے گئے۔

مدینہ میں بھی مسلمانوں کی حالت خطرہ سے خالی نہ تھی۔ اہل مکہ کی خصومت سے یہاں بھی پناہ نہ ملی جنھوں نے مدینہ کے نومسلموں کے تعاقب میں تذبذب نہ کیا اور ان میں سے ایک شخص کو گرفتار کر کے بہت تکلیفیں دیں۱؎۔ خود شہر میں یہ نہ تھا کہ مسلمان بالکل دوستوں میں رہتے ہوں۔ یہودی جو مدینہ میں کثرت سے رہتے تھے رسول اللہ صلعم سے خفیہ عداوت رکھتے تھے اور شہر والوں میں بھی بہت لوگ ایسے تھے جو اس وقت تو بے پروا تھے لیکن اگر غیروں کے آنے سے ان کے شہر پر قریش کے حملہ کا اور اس کی بربادی اور تباہی کا خوف پیدا ہوتا تو قدرتی طور پر وہ مہاجروں کے دشمن ہو جاتے۔ اس لیے مہاجرین کیلیے یہ ضروری تھا کہ قریش کے حملہ سے وہ ہمیشہ خبردار رہیں۔ مہاجرین اپنے عزیزوں کو جن کو مکہ میں مجبور ہو کر چھوڑنا پڑا تھا بھول نہ سکتے تھے جیساکہ اس آیت میں ہے۔

اِلَّا الْمُسْتَضْعَفِيْنَ مِنَ الرِّجَالِ وَالنِّسَآءِ وَالْوِلْدَانِ لَا يَسْتَطِيْعُوْنَ حِيْلَةً وَّلَا يَهْتَدُوْنَ سَبِيْلًا۔ (سورۃ النساء۔ ۱۰۰) یعنی مگر جو مرد اور عورتیں اور بچے اس قدر بے بس ہیں کہ کوئی تدبیر نہیں کر سکتے اور نہ کوئی رستہ پاتے ہیں جنکو ظالم ایذا رسانوں کے رحم پر چھوڑ دیا تھا۔

رَبَّنَآ اَخْرِجْنَا مِنْ هٰذِهِ الْقَرْيَةِ الظَّالِمِ اَهْلُهَا وَاجْعَلْ لَّنَا مِنْ لَّدُنْكَ وَلِيًّا وَّاجْعَلْ لَّنَا مِنْ لَّدُنْكَ نَصِيْرًا۔ (سورۃ النساء۔ ۷۷) یعنی اے ہمارے پروردگار ہمکو اس شہر سے نکال جس کے لوگ ظالم ہیں اور ہمارے لیے اپنے پاس سے کوئی حمایتی بھیج۔ اور ہمارے لیے اپنے پاس سے کوئی مددگار بھیج۔

۱؎ سنہ ہجری میں ایک قریشی سردار نے جسکا نام کرز ابن جابر تھا چند اونٹوں اور گلو نیز جو مدینہ سے چند میل کی فاصلہ پر چر رہے تھے ڈاکا مارا۔

پس اکثر کتابوں میں پڑھتے ہیں کہ بہت سے چھوٹے فوجی گروہ جن میں بہت کم جمعیت ہوتی تھی قریش کی نقل وحرکت کی خبر لگانے کے لیے نکلتے تھے۔ ان میں سے کوئی مہم سوا ایک کے ایسی نہ تھی جس میں کشت وخون ہوا ہو اور فریقین ایک دوسرے کی مذمت اور اپنی تعریف کرکے جو عرب کی قدیم رسم تھی علیحدہ نہ ہو گئے ہوں۔ لیکن ایک موقع پر ۳؁ ہجری میں پیغمبر خدا صلے اللہ علیہ وسلم نے عبد اللہ ابن جحش کو اسی آدمیوں کی جمعیت کے ساتھ روانہ کیا کہ قریش کی نقل وحرکت کی خبر لاویں۔ آپکا تحریری حکم یہ تھا کہ "جب تم اس نامہ کو پڑھو تو بطن نخلہ کی طرف کوچ کرو جو مکہ اور طائف کے درمیان ہے اور وہاں پہنچ کر قریش کے منتظر رہو اور اُن کی خبر ہم کو دو" ابن جحش نے رسول اللہ صلعم کے حکم کو سمجھنے میں اپنی سپاہیانہ طبیعت کی دلیری سے بھی کام لیا اور جب مدینہ کو واپس آئے تو دو قیدی اور ایک کارواں کی غنیمت بھی ساتھ تھی۔ یہ فعل ایسا تھا جس میں ابن جحش نے پیغمبر خدا صلعم کے حکم ہی کے خلاف نہ کیا تھا بلکہ اُس عہد کو بھی توڑا تھا جس کی پابندی حج کے مہینوں میں رسم عرب کے مطابق سب لوگ کرتے تھے۔ جب ابن جحش رسول اللہ صلعم کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپ خفگی سے ملے اور کہا "میں نے تجھکو ماہ حرام میں لڑنے کا حکم نہیں دیا تھا" آپ نے قیدیوں کو رہا کیا اور انکے ایک آدمی کے لیے جو لڑائی میں مارا گیا تھا اپنے پاس سے خوں بہا دیا۔

اوپر کے واقعے سے صاف ظاہر ہے کہ عرب کے مسلمانوں کی تیزی اور جنگجوئی کو روکنے میں جن کو لوٹ مار سے پیدایشی عشق تھا رسول اللہ صلعم کو کیسی دشواری ہوتی تھی۔ عربوں کی قدیم اور جدید معاشرت کا مقابلہ جو آگے بیان ہوگا اس کام کی دشواری کا کافی ثبوت ہے اور قرآن میں جو احکام (سورۃ النسار۔ ۹۶۔ سورۃ النحل۔ ۹۳۔ ۹۶۔ وغیرہ وغیرہ) اس کے متعلق ہیں وہ بھی اس کام کی دشواری کے شاہد ہیں۔ پیغمبر خدا صلے اللہ علیہ وسلم کو جو دقت اس میں پیدا ہوتی تھی کہ عرب کے مسلمانوں کو لوٹ مار سے روکیں اس وقت کو لوگ نہیں سمجھ سکے اور یہی وجہ ہوئی کہ انھوں نے آپ پر کارواں ابوسفیان کو قصداً لوٹنے اور قریش مکہ

کو جنگ بدر پر مجبوراً آمادہ کرنے کا الزام لگایا۔ مسلمان مؤرخوں نے گو خلاف شہادت دی ہی لیکن قرآن سے جس کو یورپ اور ایشیا کے عالم دونوں رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے حالات میں سچی کتاب سمجھتے ہیں ظاہر ہی کہ پیغمبر خدا صلے اللہ علیہ وسلم میں اور آپ کے صحابہ میں اختلاف تھا کہ قریش کے حملہ کے بارے میں کیا کرنا چاہیئے۔

(۵) كَمَا أَخْرَجَكَ رَبُّكَ مِنْ بَيْتِكَ بِالْحَقِّ وَإِنَّ فَرِيقًا مِنَ الْمُؤْمِنِينَ لَكَارِهُونَ
(۶) يُجَادِلُونَكَ فِي الْحَقِّ بَعْدَ مَا تَبَيَّنَ كَأَنَّمَا يُسَاقُونَ إِلَى الْمَوْتِ وَهُمْ يَنْظُرُونَ
(۷) وَإِذْ يَعِدُكُمُ اللَّهُ إِحْدَى الطَّائِفَتَيْنِ أَنَّهَا لَكُمْ وَتَوَدُّونَ أَنَّ غَيْرَ ذَاتِ الشَّوْكَةِ تَكُونُ لَكُمْ وَيُرِيدُ اللَّهُ أَنْ يُحِقَّ الْحَقَّ بِكَلِمَاتِهِ وَيَقْطَعَ دَابِرَ الْكَافِرِينَ ○

(سورۃ الانفال۔ ۵۔ ۶۔ ۷) یعنی جیسا کہ تجھ کو تیرے پروردگار نے تیرے گھر سے سچائی پر نکالا اور بیشک مسلمانوں کا ایک گروہ ناخوش تھا۔ وہ تجھ سے سچی بات پر جھگڑتے تھے بعد اس کے کہ سچی بات ظاہر ہوگئی تھی۔ گویا موت کی طرف ہانکے جاتے ہیں اور وہ اُس کو دیکھ رہے ہیں۔ اور جبکہ خدا نے دو قافلوں میں سے ایک قافلہ کا تم سے وعدہ کیا تھا کہ وہ تمہارے لیے ہی اور تم چاہتے تھے کہ وہ قافلہ تمہارے لیے ہو جس میں کچھ شوکت نہیں ہی اور اللہ چاہتا تھا کہ اپنے حکم سے سچی بات کو قائم کرے اور کافروں کی جڑ بنیاد کاٹ ڈالے۔

ان دونوں گروہوں میں جن کا اوپر ذکر ہی ایک گروہ تو ایک کارواں تھا جو مال اسباب سے بھرا ہوا تیس یا چالیس آدمیوں کی جمعیت سے ابوسفیان کی سرکردگی میں شام سے آتا تھا اور دوسرا گروہ ایک لشکر ہزار آدمیوں کا تھا جس کو قریش مکہ نے اس ظاہری مقصد سے فراہم کیا تھا کہ کارواں ابوسفیان کی محافظت کرے گا جس کی نسبت ان کو خبر پہنچی تھی کہ پیغمبر خدا صلے اللہ علیہ وسلم اُس پر حملہ کرنے کا قصد رکھتے ہیں۔ مؤرخوں نے

لہ اے۔ سپرنگر جلد یکم۔ صفحہ ۱۵ (محمد کی سیرت کا سرچشمہ قرآن ہی) گرگنز۔ محمد ایس کار اگنز بلد۔ (برلن ۱۸۷۱ء) صفحہ ۱۳

عموماً اس افواہی خبر کو سچ مانا ہی لیکن قطع نظر اس سے کہ افواہیں جن کو فریق مخالف دوسرے فریق کے منصوبوں کی نسبت مشہور کرتا ہی سب سے ادنی قسم کے بیانات ہیں جو شہادت میں داخل ہو سکتے ہیں جس وقت ہم ان آیات کے معنی پر غور کرتے ہیں تو اس فرضی بات کی غلطی ظاہر ہو جاتی ہی۔

۱۔ پانچویں آیت کے الفاظ سے یقینی معلوم ہوتا ہی کہ جب اختلاف شروع ہوا تو رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم مدینہ ہی میں تھے۔ اور اس وقت تک کارواں کو راہ میں روکنے کے لیے کوچ نہیں کیا تھا۔ جیسا کہ بہت سے مورخوں نے تسلیم کیا ہی۔ اور یہ کہ بعض صحابہ راضی نہ تھے کہ حملہ قریش کے روکنے کے لیے جو کوچ کرنا تجویز ہوا تھا اس میں آنحضرت کا ساتھ دیتے۔

۲۔ رسول اللہ صلعم کے حکم سے صحابہ کو مخالفت کی وجہ یہ تھی کہ صحابہ سمجھتے تھے "گویا وہ موت کی طرف ہانکے جاتے ہیں اور اپنے مارے جانے کو دیکھتے ہیں"۔ (سورۃ الانفال آیت ۶) وہ چند لوگ جو ابو سفیان کے قافلہ کے ساتھ تھے ان کی وجہ سے کبھی ایسا خوف پیدا نہ ہو سکتا تھا۔ پس ضرور ہی کہ آنحضرت نے لشکر قریش کے مقابلہ کا جو حملہ کرنے والا تھا حکم دیا ہوگا۔

۳۔ اگر رسول اللہ صلعم کارواں پر حملہ کرنے کا قصد رکھتے تو ضرور مدینہ سے شمال کی سمت میں کوچ کرتے تاکہ کارواں کو شام کے رستہ میں روکیں نہ کہ جنوب کی سمت میں بدر کی طرف جاتے جو مکہ اور مدینہ کے رستے پر واقع تھا اور بالکل اُسی سمت میں تھا جس میں آپ کو حملہ قریش کی مدافعت کے لیے جو آپ کے محافظوں کے شہر پر ہونے والا تھا کوچ کرنا ضروری ہوا۔

۴۔ اگر قریش کی غرض فقط یہی ہوتی کہ کارواں ابو سفیان کی مدد کریں تو جب اُنھوں نے رستے میں سنا تھا کہ کارواں مکہ میں سلامت پہنچ گیا تو اس وقت قریش کو واپس چلا جانا چاہیے تھا۔ مگر بجائے اُس کے قریش نے مدینہ کی طرف بڑھ کر اپنا اصلی مقصد ظاہر کر دیا۔

مذکورۂ بالا دلائل اس بات کے ثبوت کے لیے کافی ہیں کہ مکہ میں جو خبر آنحضرت صلعم کی نسبت مشہور ہوئی تھی کہ کارواں ابوسفیاں پر حملہ کرنے کے لیے آپ تیاری کرتے ہیں وہ بالکل بے بنیاد تھی۔ رسول اللہ صلعم کے بعض صحابہ نے شاید ایسا خوف پیدا ہو جانے کا موقع دیا ہو لیکن آنحضرت کو اس بات سے کہ آپ نے قریش کے ناگزیر حملہ سے مسلمانوں کا جلد مقابلہ کرا دیا بالکل بری رکھنا چاہیے۔ اگر یہ تسلیم بھی کر لیا جاوے کہ مکہ سے لشکر کشی کا سبب یہی خبر ہوئی تھی تو بھی لشکر قریش میں اس کثرت سے آدمیوں کا ہونا صاف ظاہر کرتا تھا کہ کارواں کی حفاظت اصلی مقصود نہ تھا بلکہ مدینہ پر حملہ کرنے کی نیت تھی۔ پس پیغمبر خدا صلعم پر اس بات کا الزام نہیں لگایا جا سکتا کہ قریش کے مقابلہ میں آپ نے ایسے شہر کی محافظت کے لیے جس نے آپ کو اور مہاجرین کو پناہ دی تھی کوچ کیا اور اس کو محاصرہ کی سخت بلاؤں سے بچانا چاہا جن میں وہ اپنے موقع اور حالت کی وجہ سے مبتلا ہو کر سخت نقصان اٹھاتا۔[1]

اگر یہ اور اعتراض کیا جاوے کہ معاملات جنگ میں دخل دینا ہی شان رسالت کے خلاف تھا تو یاد رکھنا چاہیے کہ آنحضرت صلعم کی تلقین میں یہ قول شامل نہ تھا کہ "میری بادشاہی اس دنیا کی نہیں ہے"

یہ اس کتاب کی حد سے زائد ہوگا کہ رسول اللہ صلعم کی تمام لڑائیوں کا ذکر اس میں کیا جاوے اور یہ دکھلایا جاوے کہ کسی صورت میں جبراً مذہب تبدیل کرانا ان لڑائیوں میں سے کسی لڑائی کا مقصد نہ تھا۔ یہ مضمون بہت تفصیل و بسط سے اس تصنیف میں بیان ہے جس سے میں نے مذکورۂ بالا دلائل کو اخذ کیا ہے اگر کوئی صاحب اس مضمون کو زیادہ تفصیل سے پڑھنا چاہیں تو میں ان کو اسی تصنیف کا حوالہ دیتا ہوں۔[2]

---

[1] دیکھو ڈیلهوسن "مدینہ کا شہر کہلیانوں اور گاؤں اور مکانات کا جن کے گرد فصلیں ہوتی تھیں مجموعہ تھا (جن میں سے بعض قریب قریب اور بعض دور دور واقع تھے۔) اور یہ سب موقعے کھجوروں کے درختوں اور باغوں اور کھیتوں میں اس طرح واقع تھے کہ کچھ یہاں ہیں اور کچھ وہاں" لکانسکلن اندفوراتین۔ جلد چہارم صفحہ ۴)

[2] سید احمد خاں۔ تفسیر القرآن جلد چہارم (تصانیف احمدیہ حصہ اول جلد ششم) علی گڈھ ۱۸۸۸ء۔

یہاں یہ ظاہر کر دینا کافی تھا کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم جب ایسی اسلامی جماعت کے سردار ہوگئے جو مسلح تھی تو آپ میں کسی طرح کی تبدیلی نہیں ہوئی اور جیسا کہ بعض لوگوں نے یقین کیا ہی آپ ایسے متعصب شخص نہیں ہوگئے کہ ہاتھ میں تلوار لے کر جو ملتا اُس سے اپنا دین قبول کرواتے بلکہ اس کے برخلاف ہجرت کے بعد بھی دعوت اسلام میں کہ بت پرست اہل عرب اسلام قبول کریں بالکل اُسی طرح کی کوششیں جاری رہیں جیسے مکی ضعف کے زمانہ میں صرف ہوتی تھیں۔ اور اس کتاب میں اس قسم کی تحریک اشاعت کی مثالیں کثرت سے جمع کیگئی ہیں

لڑائیوں کے زمانہ میں جبکہ قریش کی عداوت نے رسول اللہ صلعم اور آپ کے صحابہ کو مقابلہ پر مجبور کیا تو دعوت اسلام کا بہت کم موقع ملا۔ البتہ مدینے کے باشندوں اور مکہ کے چند لوگوں میں جو آپ کی خدمت میں حاضر ہوتے اشاعت کی کوششیں جاری رہیں۔ مکہ کے ایک شخص عمیر ابن وہب جو جنگ بدر کے بعد پیغمبر خدا صلعم کو قتل کرنے کے قصد سے مدینہ میں آئے تھے مسلمان کر لیے گئے اور وہ شخص جو اس وقت تک مسلمانوں کے حق میں سخت ظالم رہے تھے اسلام قبول کر کے رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم کے مشہور صحابہ میں سے ہوگئے۔ ہجرت کے چوتھے برس میں (۶۲۵ء) یہ کوشش کی گئی کہ بنو عامر ابن صعصعہ کو اسلام کی تلقین کیجاوے۔ چنانچہ جب بنی صعصعہ کے سردار نے مسلمانوں کو بلایا تو چالیس مسلمان نجد کو روانہ کیے گئے مگر سب کو دھوکا دیکر قتل کیا گیا۔ صرف دو شخص جانیں سلامت لیکر بھاگ سکے۔

لڑائیوں میں مسلمانوں کی فتوحات نے روز بروز مختلف قبائل کے لوگوں کو خاص کر اُن کو جو مدینے کے قریب رہتے تھے اس طرف رجوع کیا کہ مسلمان ہو کر اہل اسلام کی تعداد کو ترقی دیں۔ سر ولیم میور نے لکھا ہی کہ " آنحضرت جس حُسن اخلاق سے قبائل عرب کے وفود سے برتاؤ کرتے اور جس توجہ سے اُن کی شکایتوں کو سنتے اور جس فہم و فراست

۱؎ معلوم ہوتا ہی کہ اس بات کو تو میور نے بھی جہاں بنو اقریظہ (۵ سنہ ہجری) کے قتل کا حال لکھا ہی تسلیم کیا ہی۔ وہ لکھتا ہی کہ " جن ظاہرا وجوہ سے محمد صلے اللہ علیہ وسلم نے کوچ کیا وہ صاف صاف ملکی وجوہ تھیں۔ کیونکہ ابھی تک اُنھوں نے اسلام کو بجبر قبول کروانا یا لوگوں کو اسلام قبول نہ کرنے پر سزا دینی اپنا کام نہ ٹھیرایا تھا" میور (۲) جلد سوم صفحہ ۲۸۲۔

سے اُن کے باہمی نزاع کو فیصل کرتے اور جس تدبیر سے انتظام ملکی اُن کو تفویض فرماتے جو اس بات کا صلہ تھا کہ جلد اسلام کا اقرار کریں ان سب باتوں سے آپ کا نام ہر شخص کو عزیز ہو گیا اور آپ کی شہرت کہ بڑا فیاض بادشاہ ہے کل جزیرہ نمائے عرب میں پھیل گئی (انتہیٰ قولہٗ)[1]

ایسے واقعے شاذ نہ تھے کہ کسی قبیلے کا آدمی پیغمبر خدا صلے اللہ علیہ وسلم کے پاس مدینہ میں حاضر ہو کر مسلمان ہوا اور پھر داعی اسلام بنکر وطن کو واپس چلا گیا تاکہ اپنے قبیلے والوں کو بھی اسلام پر لائے۔ ذیل کا واقعہ ۵ھ ہجری میں اسی طرح ایک عرب کے اسلام قبول کرنے کا ہے۔ اس واقعہ کو ایک شخص نے چشم دید اس طرح بیان کیا ہے۔ "ایک روز جب ہم سب مسجد میں بیٹھے تھے تو ایک بدو اونٹ پر سوار آیا۔ مسجد کے صحن میں اُس نے اونٹ کو بٹھایا اور باندھ دیا۔ تب وہ ہمارے قریب آیا اور پوچھا۔ "کیا محمد تم میں ہیں؟" ہم نے جواب دیا۔ "وہ ہیں جو کہنیوں کو تکیہ پر ٹیکے ہوئے ہیں" بدو نے رسول اللہ صلعم سے پوچھا "کیا تم عبدالمطلب کے بیٹے ہو"، رسول اللہ صلعم نے جواب دیا "ہاں"۔ بدو نے کہا "مجھے یقین ہے کہ چند سوالات پوچھنے سے تم ناراض نہ ہو گے"، رسول اللہ صلعم نے فرمایا۔ "جو تیری مرضی ہو پوچھ"۔ بدو نے پوچھا میں تم کو خدا کی قسم اور اُن کے خداؤں کی جو تم سے پہلے تھے قسم دلاتا ہوں کہ مجھ کو بتاؤ کیا اللہ نے تمکو سب آدمیوں کے لیے بھیجا ہے" رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ "ہاں قسم ہے اللہ کی"۔ بدو نے پھر پوچھا۔ "میں تمکو اللہ کی قسم دلاتا ہوں کیا اللہ نے تمکو حکم دیا ہے کہ دولتمندوں سے دسواں حصہ لو تاکہ مسکینوں میں تقسیم کرو" رسول اللہ صلعم نے جواب دیا "ہاں قسم ہے اللہ کی"، تب بدو نے کہا۔ "میں اس وحی پر جو تمہارے پاس آئی تعلین کرتا ہوں اور میں ضمام ابن ثعلبہ ہوں اور اپنے قبیلے کا فرستادہ ہوں"۔ اس کے بعد ضمام اپنے قبیلے کو واپس گیا اور قبیلے کے سب لوگوں کو مسلمان کیا[2]۔ ایسے ہی داعی اسلام عمر ابن مُرہ تھے جو بنو جہینہ کے قبیلے سے تھے اور یہ قبیلہ بحیرۂ احمر کے ساحل اور مدینہ

---

[1] میور (۲) جلد چہارم۔ صفحہ ۱۰۷-۱۰۸۔ [2] سپرنگر۔ جلد سوم۔ صفحہ ۲۰۲-۲۰۳۔

کے درمیان رہتا تھا۔ عمر ابن مُرّہ کے اسلام لانے کا زمانہ ہجرت سے پہلے تھا اور اپنے مسلمان ہونے کا حال اُنھوں نے اس طرح بیان کیا ہی" ہمارے ہاں ایک بت تھا اور ہم اُس کو پوجتے تھے اور میں اُس کا مجاور تھا۔ جب میں نے رسول خدا کی خبر سُنی تو اُس بت کو میں نے توڑ ڈالا۔ اور مدینہ میں آنحضرت کی خدمت میں حاضر ہوا اور مسلمان ہوگیا اور کلمۂ شہادت پڑھا اور حلال اور حرام کے جو احکام آنحضرت پر نازل ہوئے تھے اُن پر ایمان لایا اور اُس وقت میں یہ اشعار پڑھتا تھا ؎

شهدت بان الله حق وانني	لالهة الاحجار اول تارك
وشمرت عن ساقي الازار مهاجرا	اليك اجوب الوعث بعد الدكادك
لاصحب خير الناس نفسا ووالدا	رسول مليك الناس فوق الحبائك

(ترجمہ۔ میں نے گواہی دی اس بات کی کہ اللہ برحق ہی اور میں پتھر کے خداؤں کو پہلا ترک کرنے والا ہوں۔ اور میں نے اپنے وطن سے جدا ہونے پر کمر باندھی تاکہ میں ریتیلی اور چٹیل میدانوں کو طے کرکے آپکے پاس پہنچوں اور اُس شخص سے جا ملوں جو اپنی ذات اور بزرگوں کے لحاظ سے سب لوگوں سے افضل ہی اور وہ اُس خدا کا رسول ہی جو تمام انسانوں کا بادشاہ آسمانوں پر ہی)

رسول اللہ صلعم نے عمر ابن مُرّہ کو مسلمان ہونے کے بعد اُنکے قبیلے میں دعوت اسلام کے لیے روانہ فرمایا اور آخر کار وہ اپنی کوششوں میں اس قدر کامیاب ہوئے کہ صرف ایک شخص ایسا تھا جس نے عمر ابن مُرّہ کی تلقین کو نہ سُنا۔[1]

صلح حدیبیہ (سنہ ۶ ہجری) کے بعد جب اہل مکہ سے دوستانہ تعلقات ممکن ہوئے تو مکہ کے بہت لوگ جن کو موقع نہ ملا تھا کہ شروع زمانہ رسالت میں پیغمبر خدا صلے اللہ علیہ وسلم کی تعلیم و تلقین سے بہرہ مند ہوتے اب مدینہ میں اس غرض سے آئے کہ اسلام

[1] ابن سعد فقرہ (۱۱۸)

قبول کریں اور اُن میں سے بعض لوگ بہت رسوخ والے تھے۔

اہل مکہ سے متواتر لڑائیاں رہنے کا یہ نتیجہ ہوا کہ جو قبیلے مکہ سے جنوب کی طرف رہتے تھے وہ اب تک اسلام سے بالکل ناواقف اور اُس کے اثر سے محروم تھے۔ لیکن صلح حدیبیہ کے بعد جنوبی عرب سے مراسلت ممکن ہوگئی اور قبیلۂ بنو دوس کے چند لوگ پہاڑوں سے اُتر کر جو مین کی شمالی سرحد قائم کرتے ہیں پیغمبر خدا صلعم کی خدمت میں حدیبیہ میں حاضر ہوئے۔ آپ سے پہلے بنی دوس میں چند لوگ ایسے تھے جنھوں نے ایک ایسے مذہب کی جھلک دیکھی تھی جو بت پرستی کے مذہب سے جس میں وہ مبتلا تھے کسی قدر اعلیٰ تھا اور انھوں نے استدلال کیا تھا کہ دنیا ضرور کوئی خالق رکھتی ہے۔ گو اُن کو یہ معلوم نہ تھا کہ یہ خالق کون ہے۔ اور جب آنحضرت صلعم اُس خالق کے رسول ہوئے تو اُن میں سے ایک شخص جن کا نام طفیل تھا آپ کی خدمت میں یہ تحقیق کرنے کے لیے آئے کہ اس دنیا کا خالق کون ہے۔ رسول اللہ صلعم کے سامنے انھوں نے اپنی تصنیف سے چند نظمیں پڑھیں اور آپ نے قرآن کی تین اخیر سورتیں طفیل کو سنائیں اور ان کو مسلمان کرلیا۔ رسول اللہ صلعم نے یہ کام اُن کے سپرد فرمایا کہ اپنے لوگوں میں جادیں اور اسلام کا وعظ کریں۔ شروع میں طفیل کو کچھ کامیابی نہ ہوئی اور سوا اسے باپ اور بیوی اور چند دوستوں کے جو تحقیق حق میں اُن کے ساتھی تھے کم لوگ مسلمان ہوئے اشاعت کی ناکامی پر مایوس ہوکر طفیل پیغمبر خدا صلے اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا "بنی دوس سخت گردن کے لوگ ہیں اُن کے حق میں بد دعا کیجئے" لیکن رسول اللہ صلعم نے دعا کی "یارب بنو دوس کو سیدھے راستے پر ہدایت کر" آپ نے طفیل کو واپس بھیجا کہ تبلیغ اسلام میں از سر نو کوشش شروع کریں۔ اس مرتبہ طفیل کے ایک دوست نے بھی ان کی مدد کی اور یہ دونوں گھر گھر وعظ کرتے پھرے۔ اور ۵ھ ہجری میں قبیلہ دوس کے بڑے حصہ کو مسلمان کرنے میں کامیاب ہوئے۔ دو برس کے بعد کل

بہ قبیلے نے بت پرستی کے عقائد کو بالکل ترک کر دیا اور سب لوگ مسلمان ہو گئے۔ طفیل[1]
نے اُس لکڑی کے ٹکڑے میں آگ لگا دی جس کی پرستش اس وجہ سے ہوتی تھی۔ کہ وہ
بہ قبیلے کا بُت تھا[2]۔

سنہ ہجری میں پندرہ اور قبیلوں نے رسول مقبول صلے اللہ علیہ وسلم کی اطاعت
قبول کی۔ اور سنہ ہجری میں فتح مکہ کے بعد اسلام کا عروج یقینی ہو گیا۔ اور وہ عرب جو
یہ کہکر علٰحدہ رہے تھے کہ "محمدؐ اور اُس کے قبیلے کے لوگوں کو لڑکر فیصلہ کر لینے دو
اگر اُس کو فتح ہوئی تو بیشک وہ سچا رسول ہو گا[3]" اب اسلام قبول کرنے کے لیے دوڑے
آئے۔ فتح مکہ کے بعد جو لوگ مسلمان ہوئے اُن میں بعض شخص وہ تھے جو شروع زمانہ
رسالت میں رسول اللہ صلعم کے سخت دشمن اور ایذا پہنچانے والے تھے مگر اب آپ نے
تحمل اور عفو سے کام لیکر اخوت اسلام میں ان کو شامل فرمایا۔ اسی سال میں عروہ ابن
مسعود جو اہل طائف کے سرداروں میں سے تھے شہید ہوئے۔ اہل اسلام نے طائف
کو فتح کرنے کی کوشش کی تھی مگر ناکام رہے تھے۔ عروہ ابن مسعودؓ اُس زمانہ میں یمن گئے
ہوئے تھے اور طائف کا محاصرہ اُٹھنے کے تھوڑے عرصہ بعد وہ اس سفر سے مدینہ میں
واپس آئے۔ دو برس پہلے حدیبیہ میں وہ پیغمبر خدا صلے اللہ علیہ وسلم سے شرف ملازمت
حاصل کر چکے تھے اور آپ کی عظمت اُن کے دل میں بیٹھ چکی تھی۔ اب مدینہ میں وہ اس
غرض سے آئے تھے کہ اسلام قبول کریں۔ مسلمان ہونے کے بعد اسلام کا جوش اُنکے
دل میں ایسا موجزن ہوا کہ طائف جانے کا قصد کر لیا تاکہ اہل وطن کو اسلام کی ہدایت
کریں اور باوجود رسول اللہ صلعم کی کوشش کے کہ اُن کو ایسے خطرناک کام سے باز رکھیں
عروہ ابن مسعود اپنے وطن طائف کو واپس چلے گئے اور وہاں پہنچکر علانیہ ظاہر کیا کہ بُت
پرستی میں نے ترک کر دی ہے اور لوگوں سے کہا کہ تم بھی میری مثال کی پیروی کرو۔

[1] سپرنگر۔ جلد سوم صفحہ ۲۵۵ و ۲۵۶ [2] البخاری جس کو اسے فون کریمر نے نقل کیا۔ (۳) صفحہ ۲۱۵۔

جس وقت اسلام کا وعظ کرتے تھے تو ایک تیر اُن کے لگا جس نے کاری زخم پہنچایا
اور خدا کا شکر کرکے کہ اُس نے شہادت کا رتبہ بخشا عروہ ابن مسعود شہید ہو گئے۔ غالباً
ایک برس کے بعد رسول اللہ صلعم کے ایک اور صحابی نے تبلیغ اسلام کے لیے یمن میں
کوشش کی اور اُس میں اچھی کامیابی ہوئی۔ اس واقعہ کا ذکر اس طرح ہوا ہے۔ رسول اللہ نے
الحرث اور مسرح اور نعیم ابن عبد کلال حمیری کو لکھا "تم پر سلامتی ہو جبتک کہ تم خدا اور خدا کے
رسول پر ایمان رکھتے ہو۔ خدا ایک خدا ہے اور اُس کا کوئی شریک نہیں اُس نے موسیٰ کو
اپنی نشانیوں کے ساتھ بھیجا اور عیسیٰ کو اپنے کلمہ سے پیدا کیا۔ یہودی کہتے ہیں کہ عزیز
خدا کا بیٹا ہے اور عیسائی کہتے ہیں کہ خدا تین میں سے ایک ہے۔ اور عیسیٰ خدا کا بیٹا ہے۔"
رسول اللہ صلعم نے عیاش ابن ربیعۃ المخزومی کے ہاتھ یہ نامہ روانہ کیا اور فرمایا "جب تم
اُن کے شہر میں پہنچو تو رات کو نہ جانا بلکہ صبح تک انتظار کرنا۔ تب وضو کرکے دو رکعت نماز
پڑھنا اور اللہ سے دعا مانگنا کہ تم کو کامیابی بخشے اور تمہارا خیر مقدم ہو اور تم ضرر سے امان
میں رہو۔ تب میرا خط اپنے داہنے ہاتھ میں لینا اور اپنے داہنے ہاتھ سے ان کے داہنے
ہاتھ میں دینا اور وہ اُس کو لینگے اور اُن کے سامنے سورۃ البینۃ لَمْ يَكُنِ الَّذِينَ كَفَرُوا
مِنْ أَهْلِ الْكِتَابِ وَالْمُشْرِكِينَ مُنفَكِّينَ حَتَّىٰ تَأْتِيَهُمُ الْبَيِّنَةُ ۝ رَسُولٌ مِّنَ
اللَّهِ يَتْلُو صُحُفًا مُّطَهَّرَةً ۝ فِيهَا كُتُبٌ قَيِّمَةٌ ۝ وَمَا تَفَرَّقَ الَّذِينَ
أُوتُوا الْكِتَابَ إِلَّا مِن بَعْدِ مَا جَاءَتْهُمُ الْبَيِّنَةُ ۝ وَمَا أُمِرُوا إِلَّا
لِيَعْبُدُوا اللَّهَ مُخْلِصِينَ لَهُ الدِّينَ حُنَفَاءَ وَيُقِيمُوا الصَّلَاةَ وَيُؤْ
تُوا الزَّكَاةَ ۚ وَذَٰلِكَ دِينُ الْقَيِّمَةِ ۝ إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْ أَهْلِ الْكِتَابِ
وَالْمُشْرِكِينَ فِي نَارِ جَهَنَّمَ خَالِدِينَ فِيهَا ۚ أُولَٰئِكَ هُمْ شَرُّ الْبَرِيَّةِ ۝ إِنَّ الَّذِينَ
آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ أُولَٰئِكَ هُمْ خَيْرُ الْبَرِيَّةِ ۝ جَزَاؤُهُمْ عِندَ رَبِّهِمْ
جَنَّاتُ عَدْنٍ تَجْرِي مِن تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ فِيهَا أَبَدًا ۖ رَّضِيَ اللَّهُ عَنْهُمْ

وَرَضُوا عَنْهُ ط ذٰلِكَ لِمَنْ خَشِيَ رَبَّهٗ ترجمہ نہ تھے وہ لوگ جو منکر ہیں کتاب والے اور شریک والے باز آتے جبتک کہ پہنچے اُن کو کھلی بات ایک رسول اللہ کا پڑھتا ورق پاک انمیں لکھی کتابیں مضبوط اور پھوٹے جو ہیں جن کو ملی ہی کتاب سو جب آچکی اُن کو کھلی بات اور اُن کو حکم یہی ہوا کہ عبادت کریں اللہ کی نری کر کے اُس کے واسطے بندگی ابراہیم کی راہ پر اور کھڑی کریں نماز اور دین زکوٰۃ اور یہ ہی راہ مضبوط لوگوں کی وہ جو ہوئے منکر کتاب والے اور شریک والے دوزخ کی آگ میں سدا رہیں اُس میں وہ لوگ ہیں بدتر سب خلق کے وہ لوگ جو یقین لائے اور کیے بھلے کام وہ لوگ ہیں بہتر سب خلق کے بدلا اُن کا اُن کے رب کے ہاں باغ ہیں بسنے کے نیچے بہتی اُن کے نہریں سدا رہیں اُن میں ہمیشہ اللہ اُن سے راضی اور وہ اُس سے راضی یہ ملتا ہے اُسے جو ڈرا اپنے رب سے۔

اور جب ختم کر چکو تو کہنا۔ "محمد اس پر یقین کرتا ہی اور میں اس پر ایمان لانے والوں میں پہلا ہوں" اور جو اعتراض وہ تمہارے خلاف کریں گے تم اُس کا جواب دے سکو گے اور جو چمکتی کتاب وہ تمہارے سامنے پڑھیں گے اُس کی چمک جاتی رہے گی اور جب وہ غیر زبان میں بولیں تو کہنا "ترجمہ کرو" اور اُن سے کہو کہ "خدا میرے لیے کافی ہی۔ میں بھیجی ہوئی کتاب پر ایمان رکھتا ہوں اور مجھ کو حکم ہی کہ تم میں انصاف کروں۔ خدا ہمارا رب ہی اور تمہارا رب - ہمارے کام ہمارے ہیں اور تمہارے کام تمہارے - کوئی جھگڑا ہم میں اور تم میں نہیں۔ خدا ہم سب کو ملا دے گا اور ہم سب کو اُسی کے پاس جانا ہی۔ اگر اس کہنے پر وہ اسلام قبول کریں تو اُن سے تین لکڑیوں کی نسبت پوچھو جن کے سامنے وہ جمع ہو کر بندگی کرتے ہیں ان لکڑیوں میں سے ایک لکڑی اَثل یعنی جھاؤ کی ہی جس پر سفید اور زرد داغ ہیں اور ایک بید کی طرح مُڑی ہوئی ہی اور دوسری آبنوس کے مانند سیاہ ہی۔ ان لکڑیوں کو باہر لانا اور اُنکے بازار میں جلا دینا" عیاش نے بیان کیا۔ "پس میں روانہ ہوا۔ تاکہ رسول اللہ صلعم نے جو حکم دیا تھا اُس کی تعمیل کروں۔ جب میں پہنچا تو دیکھا کہ سب لوگوں نے کسی میلے کے لیے آراستگی

کی ہی۔ میں اُن کے دیکھنے کو آگے بڑہا اور آخر کار تین بڑے پردوں کے قریب آیا جو تین دروازوں پر لٹکے ہوئے تھے۔ میں نے پردہ اُٹھایا اور بیچ کے دروازہ سے داخل ہوا۔ در دیکھا کہ مکان کے صحن میں لوگ جمع ہیں۔ میں نے اُن سے کہا کہ میں رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کا بھیجا ہوا ہوں۔ اور میں نے وہی کیا جو رسول اللہ صلعم نے مجھ کو بتایا تھا۔ اور ان لوگوں نے میری بات کا خیال کیا اور ایسا ہی ہوا جیسا کہ رسول صلعم نے کہا تھا"[1]

سنہ ۹ ہجری میں واثلہ ابن اسقع نے جو نئے مسلمان ہوئے تھے یہ کوشش کی کہ اپنے قبیلے کو اسلام کی ترغیب دیں جس کو اُنھوں نے رسول اللہ صلعم سے ملنے کے بعد قبول کیا تھا۔ مگر اس کوشش میں کامیابی کم ہوئی۔ واثلہؓ کے باپ نے یہ کہکر اِن کو علٰحدہ کر دیا "خدا کی قسم میں تجھ سے کبھی بات نہ کرونگا" اور کوئی شخص سوائے اُن کی بہن کے ایسا نہ ملا جو واثلہؓ کی ہدایت پر یقین کرتا۔ اُن کی بہن نے اُن کے لیے سامان مہیا کر دیا کہ وہ رسول اللہ صلعم کی خدمت میں واپس چلے جاویں[2]۔ یہ ہجرت کا نواں سال سنۃ الوفود کہا گیا ہی کیونکہ عرب کے بہت سے قبیلوں اور شہروں نے اپنے آدمی پیغمبر خدا صلے اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں روانہ کیے تاکہ آپ کی اطاعت قبول کریں اہل عرب میں سوشل اتحاد کے نئے اصول یعنی اسلامی اخوت، کے اجرا نے قبیلوں کی بندشوں کے زور کو جس نے سوسائٹی کی عمارت کو نسلی رشتوں کی بنیاد پر قائم کیا تھا ضعیف کرنا شروع کر دیا۔ کسی شخص کا مسلمان ہونا اور اسلامی سوسائٹی میں داخل ہونا اہل عرب کے اصول معاشرت کے ایک ضروری قاعدہ کو توڑنا تھا اور چونکہ ایسی مثالیں کثرت سے پیش آئیں اس لیے یہ مثالیں قبیلوں کے انتظام کی تحلیل کا قوی سبب ہوگئیں۔ اور قبائل کا سلسلہ و سر رشتہ اہل اسلام کی قومی زندگی کے سامنے جس نے مسلمانوں کو مضبوطی کے ساتھ متفق اور متحد کر دیا تھا کمزور رہگیا۔ اسلیے عرب کے قبیلوں کو شوق ہوا کہ رسول اللہ صلعم کی اطاعت قبول کریں صرف اس خیال سے

---

[1] ابن سعد۔ نوٹ ۵۶ [2] ابن سعد۔ نوٹ ۹۱۔

نہیں کہ آپ ملک عرب میں سب سے بڑے فوجی قوت کے سردار ہیں بلکہ اس خیال سے کہ آپ ایسے اُصول معاشرت کے معلم ہیں جس نے اور سب طرح کے سوشل انتظام کو ضعیف اور بے تاثیر کردیا[1] اس طریقہ سے اسلام نے مختلف قبائل کو جو اس وقت تک برابر لڑائیوں میں مصروف تھے متحد کرنا شروع کردیا اور جوں جوں یہ متحد جماعت ترقی پاتی گئی کمزور قبیلے اُس میں شریک ہوتے گئے۔ قبائل عرب کے مسلمان ہونے کے حال میں رسول اللہ صلعم کے اس وعدہ کا بار بار ذکر ہوا ہے کہ اسلام قبول کرنے پر دشمنوں سے ان کی حفاظت کیجاوے گی۔ جب پیغمبر خدا صلے اللہ علیہ وسلم کی دفات کی خبر ایک عرب نے سُنی تو چلا کر بولا "افسوس ہے مجھپر محمدؐ کی وفات کا۔ جبتک کہ وہ زندہ تھا میں اپنے دشمنوں سے حفاظت اور امن میں تھا" اور یہی آواز تمام عرب میں گونج گئی ہوگی۔

یہ بات کہ بہت سے قبائل عرب کا اسلام کے ساتھ تعلق کیسا اوپری تھا اس بات سے ظاہر ہوتا ہے کہ رسول اللہ صلعم کا انتقال ہوتے ہی اُن قبیلوں میں عام طور پر اسلام سے انحراف پیدا ہوگیا۔ اس سے خیال ہوتا ہے کہ ان قبیلوں کا اسلام قبول کرنا بجائے اُس کے کہ روحانی روشنی یا کسی جوش کا نتیجہ ہو اکثر ملکی ضرورت سے یا ظلم کے خوف سے پیش آیا ان قبیلوں نے اپنے تئیں اس منجدھار میں ڈال دیا جو ایک عظیم الشان قومی تحریک کا دریا ہوگیا تھا۔ اور فتح مکہ کے بعد جو لوگ سرد دلی اور نفع کے سوچ بچار سے مسلمان ہوئے انہیں دین کا وہ جوش اور حمیت ہم نہیں دیکھتے جو ابتدائے زمانہ کے مسلمانوں میں تھی۔ لیکن اُنمیں بھی بہت لوگ ایسے ضرور ہوں گے جنھوں نے سچے دل اور جوش اسلام سے متاثر ہوکر اور جیسا ہم نے دیکھا ہے مستعد ہوکر کہ اگر ضرورت پڑے تو بھائیوں کی تعلیم و تلقین میں جانیں تک فدا کردیں سچے دیندار مسلمانوں کی تعداد میں اضافہ کیا ہوگا۔ اگر ایسے دیندار پرجوش مسلمان نہ ہوتے تو اسلام کی وسیع تحریک کبھی سالم نہ رہتی اور یہ تو ہرگز نہ ہوتا کہ بانی اسلام کی وفات

[1] دیکھو سپرنگر جلد سوم صفحہ ۳۶۰ - ۳۶۱ -

کے صدمہ سے نکل کر وہ کبھی بحال ہوتے کیونکہ یہ کبھی نہ بھولنا چاہیئے کہ عرب کے بت پوجنے والے ملک میں اسلام کس قدر صاف طور پر ایک جدید تحریک تھا اور قدیم اور جدید طرز معاشرت کے نمونے کیسے برعکس واقع ہوئے تھے[1]۔ اور ملک عرب میں تبلیغ اسلام سے یہ مراد نہ تھی کہ چند وحشی رسوم اور ظلم کی عادتوں کو مٹا دیا جاوے بلکہ قدیم طرز معاشرت کا قطعاً قلب ماہیت کر دینا مقصود تھا۔

جو باتیں اوپر بیان کی گئیں اُن میں کامل ثبوت اس بات کا ملتا ہے کہ رسول اللہ صلعم کی تلقین و تعلیم میں جو ملت اسلام اور اس پر عمل کرنے کی ہدایت کے لیے ظاہر ہوئے تبلیغی مذہب کے خالص اوصاف موجود ہیں۔ اگستی کونت فلسفی نے دو باتوں میں فرق بیان کیا ہے۔ اوّل تو وہ عالی طبع شخص جو ایک تحریک کو ایجاد کرتا ہے اور اپنی ہی طبیعت کی قوت سے اس تحریک کو زندہ رکھتا ہے۔ دوسرا وہ شخص ہے جو اپنے وقت کے لوگوں کے خیالات اور اغراض کی محض زبان ہوتا ہے۔ یہ فلسفی لکھتا ہے "بعض اوقات عالی طبع شخص پہلے پیدا ہوتا ہے اور اپنی طبیعت کو خاص مقصد پر جماتا ہے اور پھر تمام جزئی قواء کو فراہم کرتا ہے جو اس مقصد کو حاصل کرنے کے لیے ضروری ہوں۔ سوشل تحریکوں کی صورت میں اکثر یہ ہوتا ہے کہ بہت سی مخصوص اغراض کا باہمی میلان خود بخود شروع ہو جاتا ہے یہانتک کہ ایک شخص ایسا پیدا ہوتا ہے جو اس باہمی میلان کے لیے ایک مرکز قائم کر دیتا ہے اور ان کو جمع کر کے ایک کر دیتا ہے[2]"۔ اس مسئلہ پر اکثر بحث ہوئی ہے اور کہا گیا ہے کہ حضرت محمد صلے اللہ علیہ وسلم اخیر قسم کے لوگوں میں تھے۔ اور جس طرح فلسفہ پوزیٹوزم نے کوشش کی کہ پولس رسول کو بجائے عیسیٰ علیہ السلام کے عیسوی مذہب کا بانی قرار دے اسی طرح بعض لوگ عمر رضی اللہ عنہ کو اسی نظر سے دیکھتے ہیں کہ ابتدائے تاریخ اسلام میں اسلام کو توانائی بخشنے والی روح وہی تھے۔ اور آنحضرت

---

[1] یہ بات کسی کتاب میں اسقدر تفصیل اور عمدگی سے بیان نہیں ہوئی ہے جیسے کہ پروفیسر اگناز گولڈزیہر کی تصنیف میں اسکا ذکر ہوا ہے۔ میں نے یہ مضمون اسی تصنیف سے اخذ کیا ہے (محمدانشی ستودیین۔ جلد ۱)

[2] ایڈورڈ کیرڈ۔ دی سوشل فلاسفی اوف کونت صفحہ ۴۲۔ ۴۳ (گلاسکو ۱۸۹۵)

صرف ایک عام تحریک کی زبان تھے لیکن یہ بات صرف ایسی حالت میں سچ ہوسکتی تھی کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم عرب کی تمدنی حالت کو آپ کی تعلیم وتلقین قبول کرنے پر آمادہ پاتے اور اُن کو فقط اس آواز کا منتظر دیکھتے جو ان کے دلوں کی غیر ملفوظ آرزوؤں کو الفاظ میں بیان کردیتی۔ لیکن یہی شوق انتظار تھا جو عربوں میں معدوم تھا۔ خاص کر وسط عرب کے لوگوں میں جہاں رسول صلعم کی ابتدائی کوششیں صرف ہوئیں۔ عرب کے لوگ کسی طرح تیار نہ تھے کہ نئے واعظ کے وعظ کو سنیں اور خاص کر اُس شخص کی تعلیم کو جو پیغمبر بنا ہوکر آیا ہو جسکا کوئی مفہوم ہی انکی سمجھ میں نہ آتا تھا۔ علاوہ اسکے مسلمانوں کو آپس میں درجہ مساوات حاصل ہونا اور انکی عام اخوت جسنے عرب اور غیر عرب۔ آزاد اور غلام کا فرق اسلامیوں کیلیے نہ رکھا ہو ایسی بات تھی جو عربی قبیلوں کے مغرورانہ خیال کے خلاف پڑتی تھی۔ وہ اپنی ذاتی فضیلت کے حقوق کو باپ دادا کی شہرت پر قائم کرتے تھے اور اسی زعم میں وہ خونریز لڑائیاں شروع کردیتے تھے جو ختم ہونا ہی نہ جانتی تھیں اور جو انکی روح کو خوشی دیتی تھیں۔ فی الحقیقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم میں ضروری اصول یہی تھے کہ جو چیزیں عربوں کو سب سے زیادہ عزیز تھیں اُنپر معترض رہیں۔ نو مسلم کو وہ باتیں نیکیاں بتاکر سکھائی جاتی تھیں جنکو مسلمان ہونیسے پہلے وہ نفرت اور حقارت کی نظر سے دیکھتا تھا۔

بت پرست عربوں کے نزدیک دوستی اور دشمنی ایک طرح کا قرضہ تھا جسکو وہ مع سود کے ادا کرنا چاہتے تھے اور بُرائی کا بُرائی سے عوض کرنے پر فخر کرتے تھے۔ اور اُس شخص کو بہت ذلیل سمجھا جاتا تھا جو ایسا نکرے۔ گویا کمال انسانیت اُسی شخص میں ہی جو دیر سویر ہمیشہ دوست پر مہربانی اور دشمن کے ساتھ بُرائی کی فکر میں رہے۔ ایسے آدمیوں کی نسبت رسول اللہ صلعم نے فرمایا اِدْفَعْ بِالَّتِیْ هِیَ اَحْسَنُ السَّیِّئَةَ (سورۃ المومنین ۹۸) یعنی بری بات کو دور کردے ایسی بات سے کہ وہ اچھی ہی۔

وَلْیَعْفُوْا وَلْیَصْفَحُوْا اَلَا تُحِبُّوْنَ اَنْ یَّغْفِرَ اللّٰهُ لَكُمْ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ (سورۃ النور۔ ۲۲) یعنی اور چاہیے کہ معاف کریں اور درگزر کریں کیا تم نہیں چاہتے کہ اللہ تمکو معاف

کرے اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔

وَسَارِعُوْا اِلٰی مَغْفِرَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَجَنَّةٍ عَرْضُهَا السَّمٰوٰتُ وَالْاَرْضُ اُعِدَّتْ لِلْمُتَّقِيْنَ الَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ فِي السَّرَّآءِ وَالضَّرَّآءِ وَالْكٰظِمِيْنَ الْغَيْظَ وَالْعَافِيْنَ عَنِ النَّاسِ وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ۔ (سورۂ آل عمران ۱۲۷-۱۲۸-) یعنی اور تم اپنے پروردگار کی طرف اور ایسی بہشت کی طرف دوڑو جس کی چوڑائی آسمانوں اور زمین کی برابر ہے اور نیک آدمیوں کے لیے تیار کی گئی ہے جو کہ خوشی اور تکلیف میں خدا کی راہ میں خرچ کرتے ہیں اور غصہ کو پی جاتے ہیں اور لوگوں کو معاف کرتے ہیں اور اللہ نیکی کرنیوالوں کو دوست رکھتا ہے۔

وہ عرب جنکو رسول اللہ صلعم نے شروع زمانۂ رسالت میں اسلام کی خبر دی اُنکا حال یہ تھا کہ نماز کے حکم کا بھی مضحکہ کرتے تھے اور سب سے زیادہ دشوار کام جو آپ کو کرنا پڑا وہ یہ تھا کہ عربوں کی طبیعت میں خدا کی تعظیم اور خداپرستی کا جوش پیدا کر دیں اور اس حالت کی تعلیم اسلام اس طرح کرتا تھا جیسے یہودی اور عیسوی مذہب کرتے ہیں لیکن عرب کے بت پرست اس حالت سے بالکل ناآشنا تھے غرض خود بینی کی عادت اور جوش مذہب کا نہ ہونا جس میں قومی تکبر بھی شامل تھا ایسی حالت تھی جس نے اُن کی طبیعتوں کو ایسے نبی کی تعلیم سننے کے لائق بہت کم بنایا تھا جو کہتا تھا:۔

اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰكُمْ (سورۃ الحجرات ۱۳) یعنی بیشک جو تم میں سب سے زیادہ نیک ہے وہ خدا کے نزدیک سب سے بڑا ہے۔ اہل عرب اُن قیدوں سے زیادہ برداشت نہ کر سکے جو اسلام نے اُن کی زندگی کے روزانہ مشاغل پر لگائیں۔ شراب اور عورتیں اور راگ وہ چیزیں تھیں جو اہل عرب کے دل کو سب سے بڑھ کر مرغوب اور عزیز تھیں اور رسول اللہ صلعم نے ان چیزوں میں سے ہر چیز کی نسبت جو احکام جاری فرمائے اُن میں نہایت سختی برتی۔

پس شروع ہی سے اسلام تبلیغی مذہب ہونیکی سند رکھتا ہے اُسکا کام یہ ہے کہ لوگوں کے دلوں کو تسخیر کرے تاکہ وہ مسلمان ہو کر ایمان والوں کی اخوت میں شامل ہوں اور جیسا کہ اسلام کا ابتدا میں حال تھا وہی آج کے دن تک جاری ہے اور اسی بات کو آگے چلکر ظاہر کرنا اس کتاب کا مقصد ہے

باب سوم

مغربی ایشیا کی عیسائی قوموں میں اسلام کی اشاعت

پیغمبر خدا صلے اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد جس لشکر کو آپ نے شام کے لیے مختص فرمایا تھا اُس کو امیر المؤمنین ابُوبکر نے باوجود چند لوگوں کے تعرض کے جو اس نظر سے تھا کہ ملک عرب کی حالت اس زمانہ میں بدنظمی کی تھی حدود شام کو روانہ کیا۔ حضرت ابُوبکرؓ نے معترضین کی شکایتوں کو اس جواب سے خاموش کر دیا کہ ''میں رسول اللہ صلعم کے کسی حکم کو رد نہ کرونگا۔ مدینہ چاہے درندوں کا شکار ہو جاوے لیکن لشکر اسلام آنحضرت صلعم کے ارشاد کی ضرور تعمیل کرے گا'' یہ پہلی لڑائی اُس حیرت خیز سلسلہ محاربات کی تھی جس میں عربوں نے شام۔ فارس اور شمالی افریقہ کو فتح کیا اور سلطنت عجم کا قلع و قمع کر کے رومائی شہنشاہی کو اُسکے بہترین ممالک سے محروم کر دیا۔ ان مختلف لڑائیوں کا حال لکھنا اس کتاب کی حد سے خارج ہی لیکن اس اعتبار سے کہ عرب کی فتوحات سے تبلیغ اسلام میں کامیابی ہوئی ان تمام حالات پر غور کرنا ضروری ہی جن سے ان فتوحات کا ہونا ممکن ہوا۔

ایک بڑے مؤرخ ولنگ[1] نے اسی مسئلہ کو جو اس وقت ہمیں پیش ہی اس طرح بیان کیا ہی وہ کہتا ہی کہ ''کیا یہ خالص دینی جوش تھا یعنی ایک جدید مذہب کی تازہ قوت تھی جس میں پہلی ہی دفعہ یہ پاکیزہ پھول کھلا کہ سپاہ عرب کو ہر معرکہ میں فتح حاصل ہوئی اور ایسے قلیل عرصہ میں جسکا یقین نہیں آتا اہل عرب نے وہ عظیم الشان سلطنت قائم کر دی جس کو دنیا نے شاذ دیکھا تھا؟ لیکن

[1] ولنگ۔ صفحہ ٥-٦-

اس بات کے ثبوت میں شہادت موجود نہیں۔ ایسے لوگوں کا شمار کم تھا جنھوں نے آزادی اور خالص ایمان سے پیغمبر خدا کی تعلیم و اطاعت قبول کی اور اس کے برعکس اُن آدمیوں کی تعداد کثیر تھی جو دبا ؤیا دنیا کے نفع کی امید میں مسلمان ہوئے۔ خالد نے جو خدا کی تلواروں میں سے ایک تلوار تھا زور و تحریص کی ترکیب مرکب کو جس سے وہ خود اور اور قریشی مسلمان ہوئے تھے یہ کہکر بخوبی ظاہر کر دیا کہ خدا نے اِن کو تسخیر کیا اس طرح کہ اُنکے دلوں کو بھی پکڑا اور اُن کے بالوں کو بھی اور مجبور کیا کہ رسول خدا کی پیروی کریں۔ قومیت کے مغرورانہ خیال نے بھی اپنا اثر خوب دکھایا۔ یہ خیال وہ تھا جو اس زمانہ میں (شاید) اہل عرب میں بہ نسبت دیگر اقوام کے سب سے زیادہ قوی تھا اور یہی خیال تھا جس نے ہزاروں آدمیوں سے اس بات کا فیصلہ کرا دیا کہ اپنے ہی ملک والے کو اور اپنے ہی ملک والے کے دین کو غیر معلموں پر ترجیح دیں گے۔ مگر اس سے بھی زیادہ پُر زور کشش اس یقین کی تھی کہ نئے دین کے لیے لڑنے میں کثرت سے غنیمت ہاتھ لگے گی۔ اور موقع ملے گا کہ اپنے اُجاڑ اور پتھریلے جنگلوں کو جن میں گزارے کے لیے ادنی پیداوار ہوتی تھی شام و عجم اور مصر کے پھولے پھلے شاداب ملکوں سے بدل لیں گے۔" (انتہیٰ قولہ)

لیکن تاریخ میں اور قوموں کی بھی مثالیں ہیں (مثلاً ہن اور وندل کی) جو طمع اور آدمی پندار ہی کے باعث سے نہیں بلکہ وطن میں قحط کے رہنے اور حوائج زندگی کی ناپیدی سے تاخت و تاراج کے شوق میں مشرق سے اُٹھکر دوسرے ملکوں پر آن ٹوٹیں۔ مگر ان میں سے کونسی قوم تھی جس نے وہ عظیم الشان سلطنت جو دنیا کی برابری کرے عربوں کی مثل قائم کی اور جس نے قوموں کو فتح کر کے ان کو متفق و متحد کرنے میں عربوں کی طرح کامیابی ظاہر کی؟ کیا اسلامی فتوحات پر غور کرنے کے بعد بھی ان فتوحات سے یہ ظاہر نہیں ہوتا کہ اُن کی کامیابی کس بڑی حد تک اس تعجب انگیز جوش کا نتیجہ تھی جس کی جڑ مسلمانوں کے مذہب اور صرف اُس مذہب میں تھی جس میں اس کی صداقت پر بھروسا تھا۔ جس میں دنیا اور آخرت

کے اجر پر جس کا وعدہ کیا گیا تھا انکو یقین تھا اور جس میں اخوت المومنین کی تعلیم پا کر اُس کے عملی نتائج سے بھی وہ مستفید ہو چکے تھے۔ شاید ایسے لوگ بھی بہت ہوں جن میں دنیا کی غرضوں نے ان بلند روشن خیالات کو سیاہ کر دیا ہو لیکن سوسائٹی کی سرشت یا مزاج کو قائم کرنا جس پر کل کا اطلاق ہو اُن ہی چند لوگوں کا کام تھا جو سچے مومن تھے۔ ڈبلن کے سابق آرچبیشپ[1] نے اپنی فصیح تقریر میں بیان کیا کہ "خالد ہی صرف نہیں بلکہ درحقیقت ہر مسلمان لڑنے والے نے اپنے تئیں سیف اللہ سمجھا۔ جب مسلمانوں نے مقابلہ کیا کہ اب وہ کیا ہیں اور پہلے وہ کیا تھے جب مردہ بتوں کو پوجتے تھے تو محسوس ہوا کہ ایک نئی روحانی فضا میں انکو کوئی لے آیا ہے۔ اب آخر کار وہ سمجھے کہ انسان کی شان اور انسان کا جلال کیا ہے یعنی ایک خدا کا بندہ ہونا جو سب کا خالق اور حاکم ہے۔ اور ایسے بندے مسلمان بنے جنکا کام تھا خدا کی قوت کا اعلان کرنا وہ خود مطیع ہوئے اور اوروں کو مجبور کیا کہ خدا کی مرضی کے مطیع بنیں۔ یہ کیسی سچائی تھی جس نے ہزاروں کے دلوں کو تسخیر کیا۔ کچھ عجب نہیں کہ اسی سچائی کے بل پر بیشمار قبیلے جنھوں نے ہمیشہ اس کے سوا کچھ نہ کیا تھا کہ ایک دوسرے کو کاٹے اور نگل جاوے ایک قوم میں منتظم ہو گئے اور ہزاروں طرح کے بے جوڑ جھوٹ کے پوجنے والے ایسی سوسائٹی میں ترتیب پا گئے جو کلیسیا[2] سے ایک طرح کی مشابہت رکھتی ہے[3]۔

پس یہ تحقیق ہونا محل تعجب نہیں کہ بہت سے عیسائی بدو اس تحریک اعظم کی پُرزور لہر میں بہ نکلے اور عرب کے وہ قبیلے جو صدیوں سے مسیحی مذہب کے پیرو چلے آتے تھے انھوں نے اسلام قبول کرنے کے لیے اپنا مذہب ترک کیا۔ ان قبائل میں بنو غسان کا قبیلہ تھا جو فلسطین کے صحرائی مشرق اور جنوبی شام پر مسلط تھا اور اس قبیلے کے لوگوں کی نسبت کہا گیا تھا کہ "وہ

[1] گرجا کے ایک بڑے عہدہ دار کا نام ہے [2] چرچ جسکا ترجمہ کلیسا کیا گیا ہے دو معنی رکھتا ہے (۱) مکان جس میں عیسائی عبادت کرتے ہیں۔ (۲) جماعت کل عیسائیوں کی۔ یا چند عیسائیوں کی جو عیسوی مذہب میں علٰحدہ فرقہ قائم کرتے ہوں۔ عیسائیوں میں جو علٰحدہ فرقے ہیں وہ اپنی جماعت کو خاص چرچ کلیسا کے نام سے تعبیر کرتے ہیں مثلاً چرچ یونان یا چرچ روما وغیرہ وغیرہ یہاں دوسرے معنی سے مراد ہے ۱۲ مترجم [3] لکچرز آن مِڈل ایول چرچ ہسٹری، مصنفہ ٹرنچ صفحہ ۵۲ (مطبوعہ لنڈن ۱۸۷۷ عیسوی

جاہلیت کے وقت میں سردار تھے اور اسلام کے زمانہ میں ستارے[1]"

حرب قادسیہ (۱۴ھ ہجری) کے بعد جس میں عجمیوں کے لشکر نے جو رستم[2] کے زیر حکم تھا فاش شکست کھائی تو بہت عیسائی بدوی قبیلوں کے جو دریائے فرات کے دونوں کناروں پر آباد تھے لشکر اسلام کے امیر کے پاس آئے اور کہا کہ "جن قبیلوں نے پہلے اسلام قبول کیا وہ ہم سے زیادہ عقل والے تھے۔ اب جو کہ رستم مارا گیا ہے ہم نیا دین قبول کرتے ہیں[3]"

اسی طرح شمالی ملک شام کی فتح کے بعد بہت سے بدوی قبیلوں نے کسی قدر تامل کے بعد اسلام قبول کر لیا[4]۔

اس بات کا فیصلہ کہ جبر وہ شے نہ تھی جس کی وجہ سے یہ عیسائی مسلمان ہوتے یہ ان آشتی کے تعلقات سے ہو سکتا ہے جو مسیحی عربوں اور مسلمان عربوں میں موجود تھے۔ خود رسول اللہ صلعم نے چند مسیحی قبائل سے عہد نامے کئے تھے جن میں آپ نے عیسائیوں کی حفاظت کا اور پابندی مذہب میں انکے آزاد رہنے کا ذمہ اور انکے قسوس کے دیرینہ حقوق و اختیارات کے بحال رہنے کا وعدہ فرمایا تھا[5]۔ اسی طرح کے ایک معاہدہ نے آپکی اُمت کو بھی اپنے ملک والوں کے ساتھ جو زیادہ قدیم مذہب کے پیرو تھے متفق رکھا اور عیسائیوں میں سے بہت لوگوں نے فوجی معرکوں میں اہل اسلام کو اپنی خوشی ورضامندی سے مدد دی۔

معرکہ جسر (۱۳ھ ہجری) میں جبکہ شکست ہونی صاف ظاہر تھی اور خوف زدہ عرب دریائے فرات اور لشکر عجم کے بیچ میں گھر گئے تھے تو اُس وقت قبیلہ طے کا مسیحی سردار اسلامی سالار مثنّی بن حارثہ کے قریب دوڑا آیا کہ کشتیوں کے پل کی حفاظت میں امیر لشکر کی مدد کرے کیونکہ اس پل سے اُتر کر فوج عرب بسہولت اس معرکہ سے علیحدہ ہو سکتی تھی۔ اس لڑائی میں زک اُٹھانے کے بعد جب اس کی پاداش میں نئی فوجیں بھرتی ہونے لگیں تو ملک کیلیے

[1] مسعودی۔ چوتھی جلد صفحہ ۲۳۸ [2] یہ ایک ایرانی جنرل تھا جسنے یزدجرد سوم کو فارس کے تخت پر بٹھانے کی کوشش کی تھی اور قادسیہ کی لڑائی میں ۶۳۶ء میں مارا گیا تھا۔ مترجم [3] میور کی کتاب "خلافت" صفحہ ۱۲۱ و ۱۲۲ [4] میور کی کتاب "خلافت" صفحہ ۱۳۹ [5] میور (۲) دوسری جلد صفحہ ۲۹۹، ۳۰۳۔

جو گروہ ہر سمت سے آئے اِن میں بنو نمر کا عیسائی قبیلہ بھی تھا جو (بائزنتائن) رومی سلطنت کی حدود میں آباد تھا۔ جسر کی لڑائی کے بعد حرب بویب (۱۳ھ ہجری) میں جسوقت عرب کی فوج دشمن پر دھاوا کرنے کو ہوئی تو امیر لشکر مثنیٰ گھوڑے پر سوار نمر کے مسیحی سردار کے پاس آیا اور کہا "ہم تم ایک خون رکھتے ہیں۔ چلو۔ میں دھاوا کرتا ہوں تم بھی ساتھ دھاوا کرو" غرض دونوں کے طوفانی یلغار نے عجمیوں کو میدان سے ہٹا دیا اور اسلامی فتوحات کی پُرشوکت فہرست میں یہ ایک اور فتح لکھی گئی۔ اس معرکے کے دن جو جو شجاعت کے کام ہوئے اُنمیں سب سے بڑھکر ایک مسیحی نوجوان کی جسارت تھی جو صحرا کے ایک دوسرے قبیلہ کا آدمی تھا اور اپنے اسپ فروش بدوؤں کی قلیل جمعیت کو لیکر اسلامی لشکر میں اس وقت داخل ہوا تھا کہ وہ لڑائی کے لیے صف آرائی کرتا تھا۔ مسیحی بدو افواج کے طرفدار ہو کر جنگ میں مصروف ہوئے اور جب گھمسان کی لڑائی جمی تو یہ مسیحی جوان جھپٹ کر عجمی سپاہ کے منجھ میں جا پہنچا اور پہنچتے ہی عجم کے سردار کو قتل کر کے اپنے زرآراستہ گھوڑے کی پیٹھ پر آیا اور گھوڑے کو تیز بھگا کر مسلمانوں کی صفوں میں یہ پکارتا ہوا داخل ہوا کہ "میں بنی تغلب کا آدمی ہوں۔ میں وہ ہوں جس نے سردار کو قتل کیا"[۱]

یہ نوجوان عیسائی جس قبیلے سے ہونے پر فخر کرتا تھا وہ قبیلہ اُن قبائل میں سے تھا جنھوں نے عیسائی رہنا پسند کیا تھا لیکن عراق عرب کے اور مسیحی بدوؤں نے جیسی بنو نمر اور بنی قضاعہ کے قبیلے تھے اسلام قبول کر لیا۔

جب بنو تغلب نے اپنے قدیم مذہب کو ترک کرنے کی نیت ظاہر نہ کی تو حضرت عمرؓ نے حکم دیدیا کہ ان پر کسی طرح کا دباؤ نہ ڈالا جاوے اور وہ اپنے مذہب کی پیروی میں بالکل آزاد ہیں۔ البتہ اُن میں سے اگر کسی نے اسلام قبول کرنا چاہا تو کوئی شخص مزاحمت کا مجاز نہوگا۔ اور نہ وہ ایسے لوگوں کے بچوں کو جو لوگ مسلمان ہو گئے ہوں اصطباغ دے سکیں[۲] گے۔ انکو حکم ہوا

---

[۱] میور کی کتاب خلافت" صفحہ ۰۔۹۰۔ [۲] طبری۔ بِلاذری۔ صفحہ ۲۸۲۔

کہ جزیہ یعنی عیسائی رعایا پر جو محصول تھا دیا کریں۔ لیکن جزیہ دینے میں جو جان و مال کی حفاظت کے عوض میں تھا بنی تغلب نے اپنے غرور کو انکسار میں بدلتے پایا اور امیر المومنین کو عرضی دی کہ جس قسم کا محصول مسلمان دیتے ہیں اُسی طرح کا محصول ہمکو بھی ادا کرنے کی اجازت ہو۔ پس بنو تغلب جزیہ کی جگہ دوگنا صدقہ دیتے تھے جو خیراتی محصول تھا اور مسلمانوں کے کھیتوں اور مویشیوں وغیرہ وغیرہ پر لگایا گیا تھا[1]۔

اسی طرح حیرہ کے لوگوں نے اُن تمام کوششوں کو رد کیا جو خالد نے اس بارے میں صرف کیں کہ انکو اسلام قبول کرنے کی طرف رغبت ہو۔ حیرہ کا شہر تواریخ عرب میں سب سے نامور شہروں میں تھا۔ اسلام کے بہادر ہیرو خالد ابن الولید نے یہ سمجھا تھا کہ شہر کے باشندوں کو فقط اس بات کے جتا دینے سے کہ وہ عرب کا خون اپنی رگوں میں رکھتے ہیں پیغمبر عرب کی امت میں شامل ہونے کی تحریص ہو جاوے گی۔ جب شہر کے قلعہ بند باشندوں نے اسلامی سالار کے پاس سفارت بھیجی کہ شرائط تجویز ہو کر شہر اُسکے حوالہ کیا جاوے تو خالد نے سفیروں سے پوچھا "تم کون ہو۔ عرب ہو یا عجم؟" عدی نے جو سفارت کا خطیب تھا جواب دیا "نہیں۔ ہم عرب العاربہ (یعنی اصلی قدیم عرب) ہیں اور باقی ہم میں عرب المستعربہ (یعنی نو آباد پردیسی) ہیں"۔ خالد نے کہا "اگر تم وہ ہوتے جس کا دعویٰ کرتے ہو تو تم کبھی ہماری مخالفت اور ہمارے مقصد کی تحقیر نہ کرتے"۔ عدی بولا "ہماری صاف عربی زبان میرے قول کا ثبوت ہے"۔ خالد نے کہا "یہ تم سچ کہتے ہو۔ اب ان تین باتوں میں سے کسی ایک بات کو پسند کرلو۔ اول ہمارا دین قبول کرو اور جو کچھ ہمارا ہے وہ خوشی اور رنج میں تمہارا ہو گا خواہ تم دوسرے ملک میں جانا چاہو خواہ اپنے ملک میں رہو۔ دوسرے جزیہ دو۔ تیسرے لڑو۔ کیونکہ قسم ہے خدا کی میں اُن لوگوں کے ساتھ تمہارے پاس آیا ہوں جو مرنے کی ایسی آرزو رکھتے ہیں کہ تم جینے کی نہیں رکھتے"۔

[1] قبیلہ بنو تغلب کا مختصر حال جہاں جہاں مورخان عرب کی تصانیف میں ملا اسکو پیر ھنری لامنس۔ نے اپنی تصنیف میں خوبی اور اختصار سے جمع کر دیا ہے (مے مشافرد سے عمیہ) جے۔ اے۔ سیری ۹۔ توم ۴ صفحہ ۹۷-۹۹ و ۴۲۸-۴۵۹

عدی بولا "نہیں۔ ہم جزیہ دینگے"۔ خالد نے کہا "تمہاری بُری قسمت ہو۔ کفر بے رستہ کا جنگل ہی اور وہ عرب احمق ہی جس کو دو راہ بتانے والے جنگل میں ملیں ایک اُن میں عرب ہو اور دوسرا عرب نہ ہو اور وہ پہلے راہ بتانے والے کو چھوڑ دے اور غیر کی راہ نمائی کو قبول کرے[1]"۔

نومسلموں کی تعلیم و تربیت کے لیے مناسب انتظام کیا گیا کیوں کہ تمام قبیلے جلد اسلام قبول کرتے جاتے تھے۔ اور اس بات کی احتیاط ضروری تھی کہ اصل مذہب یا فروعات مذہب کے سمجھنے میں ایسی غلطی نہو جسکا اندیشہ ناقص التعلیم نومسلموں کی حالت میں ہو سکتا تھا۔ چنانچہ دریافت ہوتا ہی کہ حضرت عمرؓ نے معلمان دین ہر ملک میں مقرر کئے جنکا یہ کام تھا کہ نومسلمون کو قرآن اور فرائض اسلام کا درس دیں۔ قضات کو بھی نگرانی کا حکم تھا کہ آیا سب مسلمان خواہ جوان ہوں یا بڈھے نماز کے لئے اور خاص کر نماز جمعہ اور ماہ رمضان میں حاضر ہوتے ہیں۔ تعلیم دین کی بزرگی اس بات سے ثابت ہی کہ کوفہ کے شہر میں جس معزز عہدہ دار کے سپرد بیت المال تھا اُسی کی نگرانی میں مسلمانوں کی دینی تربیت و تعلیم بھی تھی[2]۔

جو مثالیں اس بات کی اوپر بیان ہوئیں کہ پہلی صدی ہجری کے مسلمان فاتحوں اور اُن کی نسلوں نے عیسائی عربوں کے ساتھ کیسی بے تعصبی اور دینی مسالمت برتی اُن سے یقینی یہ نتیجہ نکلتا ہی کہ جن مسیحی قبائل نے اسلام قبول کیا انھوں نے اپنی مرضی اور آزاد ارادہ سے ایسا کیا۔ آجکل کے عیسائی عرب جو مسلمانوں میں رہتے ہیں اسی مذہبی آزادی اور صلح کل طریق اسلام کی زندہ شہادت ہیں۔ لیرڈ نے لکھا ہی کہ کرک کے قریب بحیرہ مردہ کے مشرق میں ایک خیمہ گاہ سے اُسکا گذر ہوا جو عیسائی عربوں کا تھا اور یہ مسیحی عرب لباس اور آداب معاشرت میں مسلمان عربون سے کسی بات کا فرق نہ رکھتے تھے[3]۔ برخارت کو کوہ سینا کے راہبوں نے بتایا کہ اخیر صدی تک مسیحی بدوؤں کے کئی خاندان جنھوں نے اسلام قبول نہ کیا تھا باقی تھے اور اُن میں سے اخیر

---

[1] طبری، پہلا سیریز۔ صفحہ ۲۰۴۱۔ [2] مسعودی۔ توم ۴۔ صفحہ ۲۵۶۔ [3] سر ہنری لیرڈ "ابتدائی سیر و سیاحت ملک فارس، ساسان اور بابیلونیاس" پہلی جلد صفحہ ۱۰۰ (مطبوعہ لنڈن ۱۸۸۷ء)

خاندان کی ایک بڑھیا ۱۸۵۷ء میں مری اور مسیحی خانقاہ کے باغ میں دفن کی گئی[1] - قریتین کے گاؤں میں جو صحرا میں واقع اور پلمائرہ سے جنوب مغرب میں چوبیس گھنٹے کی پیادہ مسافت پر ہی جن میں سے نصف شامی عیسائی ہیں جو اپنے مسلمان ہمسایوں کے ساتھ غایت درجہ کے ملاپ سے رہتے ہیں اور مسلمانوں کی مثل بدوی لباس ایسا پہنتے ہیں کہ عیسائی اور مسلمان میں کوئی ظاہرا تمیز نہیں ہو سکتی[2]- مشہور قبیلۂ بنوغسان کے بہت سے آدمی جن میں عرب کا خالص خون ہی اور جنھوں نے مسیحی دین چوتھی صدی عیسوی کے قریب ختم اختیار کیا تھا ابتک مسیحی المذہب ہیں - اور دو صدیوں کا زمانہ ہوا جبسے اُنھوں نے روما کے کلیسا کی اطاعت قبول کی ہی عبادات میں عربی زبان استعمال کرتے ہیں[3] -

اگر اب ہم بدوؤں کا حال چھوڑ کر اسلام کے متعلق اُن لوگوں کی حالت کا اندازہ کریں جو شہروں اور قصبوں میں مستقل طور پر رہتے تھے تو دریافت ہوتا ہی کہ فتوحات عرب کے بعد ہی لوگوں نے جلد جلد اسلام قبول نہیں کر لیا - (بائزنتائن) رومی سلطنت کے مشرقی صوبجات کے بڑے شہروں میں جو عیسائی رہتے تھے اُن میں سے اکثر لوگ اپنے آبائی مذہب کے ساتھ وفادار رہے اور ابتک ان میں کے بہت لوگ عیسائی مذہب کے پیرو چلے جاتے ہیں

ان عیسائیوں کی حالت کو سمجھنے کے لیے کہ اسلامی عملداری میں انکا کیا حال رہا اور ایسے حالات کی تحقیق کے لیے جو کبھی کبھی انکے تبدیل مذہب کا سبب ہوئے مختصر طریق پر یہ امر بیان کرنا مناسب ہو گا کہ سلطنت روم (بائزنیتم) کے عیسوی دور حکومت میں جو افواج عرب سے مغلوب ہوئی ان عیسائیوں کی کیا کیفیت تھی -

سَو برس پہلے جسٹینین قیصر روم اس بات میں کامیاب ہوا تھا کہ سلطنت روما میں ظاہری اتفاق واتحاد پیدا کر دے - لیکن اُس کی موت کے بعد ہی سلطنت کے ٹکڑے ہو گئے اور

---

[1] برخارت (۲) صفحہ ۵۶۴ - [2] فون کریمر (۲) صفحہ ۱۹ - [3] پالگریو "مشرقی سوالات پر جواب مضمون" صفحہ ۲۰۶ - ۲۰۸ (مطبوعہ لندن ۱۸۷۲ء)

اب پایۂ تخت اور صوبجات میں کوئی مُشترکہ قومی خیال باقی نہ رہا۔ جب قیصر ہرقل کا زمانہ آیا تو اُسنے ملک شام کو پایۂ تخت میں شامل کرنے کی کوشش کی اور اس میں کسی قدر کامیابی بھی ہوئی لیکن بدقسمتی سے جو مصالحت کے عام طریقے قیصر نے اختیار کئے انھوں نے برفع اختلاف کی جگہ اور مخالفت پیدا کردی۔ قومی خیال کے زندہ قائم مقام فقط مذہبی جذبات رہ گئے تھے۔ ہرقل نے یہ بھی چاہا کہ عیسوی دین کی تفسیر و توجیہ کرکے تمام مناقشات کو جو مخالف فرقوں میں تھے بند کردیا جاوے۔ اور جو لوگ کلیسۂ قدیم (آرتھوڈوکس)[1] سے برگشتہ ہیں اِن کو کلیسہ اور پایۂ تخت کا مطیع کرے کیلسیدون کی مسیحی مجلس (۴۵۱ء) نے اپنا عقیدہ یہ ظاہر کیا تھا کہ حضرت مسیح کو "دو اقنومون میں بغیر خلط ملط اور تبدیلی اور تقسیم اور علٰحدگی کے تسلیم کرنا چاہیئے دونوں اقنومون کا فرق انکے اجتماع سے دور نہ ہوگا۔ بلکہ ہر اقنوم کے خواص برقرار ہیں اور ایک ذات اور ایک جوہر میں شامل ہیں مگر اس طرح نہیں کہ گویا دو ذاتوں میں یہ خواص تقسیم اور جدا ہو سکتے ہیں بلکہ وہی ایک بیٹا ہی اکلوتا مولود کلمۃ اللہ"۔ اس مجلس کو فرقہ مونوفزائٹ نے تسلیم نہ کیا۔ کیونکہ یہ فرقہ مسیح کی ذات میں ایک اقنوم کو مانتا تھا اور کہا جاتا تھا کہ مسیح مرکب ذات ہے جس میں تمام ربانی اور انسانی صفات موجود ہیں لیکن جوہر جس کی یہ صفات ہیں کہ اُس میں دوئی نہیں ہی بلکہ مرکب وحدت ہی۔ اس مسئلہ پر کلیسۂ قدیم (آرتھوڈوکس) کے فرقہ میں اور فرقہ مونوفزائٹ میں جو مصر و شام اور روم کی عیسائی سلطنت کی حدود سے باہر کے ملکوں میں آباد تھا دو صدیوں تک سخت مناظرہ رہا۔ یہانتک کہ اب ہرقل نے مونوتھیلیتزم کے مسئلہ سے فریقین مقابل میں مصالحت پیدا کرنی چاہی۔ اس مسئلہ کا مضمون یہ تھا کہ اقانیم کی دوئی کو مانکر مسیح کی واقعی زندگی میں ذات کی وحدت کو قائم کیا جاوے اور یہ اس طرح کہ اس ایک ذات میں دو قسم کی تحریکوں سے انکار کیا جاوے۔ ایک مسیح اور خدا کا بیٹا نتیجہ پیدا کرتا ہی اُسکا جو انسانی ہی اور

[1] آرتھوڈوکس۔ کے لغوی معنی ہیں "دین میں درست" آرتھوڈوکس کلیسہ سے مراد ہر ایک عیسائی جماعت سے ہوسکتی ہی جو جدا فرقہ ہو لیکن کسی ملک میں جو خاص فرقہ سلطنت کی وجہ سے یا قدامت یا اور کسی وجہ سے ممتاز ہو وہ آرتھوڈوکس کہلاتا ہی اور جو فرقے اسکے خلاف یا اس سے منحرف ہوتے ہیں اُنکو ہیریٹک کہتے ہیں۔ مترجم۔

جو ربانی ہے ایک ربانی انسانی ذریعہ سے یعنی صرف ایک ارادہ ہے مجسم کلام یعنی مسیح میں[۱]۔

لیکن ہرقل کی قسمت کا فیصلہ بھی اُنھیں لوگوں کے ساتھ ہوا جو آیندہ زمانہ میں ان مخالف فرقوں کے اتفاق کے درپے ہوئے۔ کیونکہ اس کا نتیجہ یہی نہ ہوا کہ مناظروں کی آگ اور جل اُٹھی بلکہ ہرقل پر بیدینی کا داغ لگا اور دونوں فرقوں کا مورد عتاب بننا پڑا۔

فی الواقع ہرقل نے رعایا کے دل میں اپنی طرف سے سخت ناراضی پیدا کر لی اور تو ہی دلیل اس بات کے یقین کی دیتی ہے کہ سلطنت روما کی آرتھوڈکس رعایا کا بڑا حصہ جو قیصر کے مفتوحہ صوبجات میں آباد تھا عربوں کا دوست بن گیا قیصر کو بے دین سمجھ کر رعایا نے دشمنی کی نظر سے اپنے بادشاہ کو دیکھا اور یہ خوف پیدا ہوا کہ کہیں اپنے مونوتھیلیٹک عقائد کو زبردستی جاری کرنے میں ہم پر ظلم نہ کرنے لگے[۲]۔ پس عیسائی رعایا نے بلا تامل بلکہ شوق سے اپنے نئے حاکموں کا خیر مقدم کیا جنھوں نے اُنکے دین کے سلامت رکھنے کا وعدہ کیا اور راضی ہو گئے کہ عیسائیوں کے مذہبی مراتب اور قومی آزادی میں مناسب اندازہ قائم کر دینگے بشرطیکہ موجودہ خطرے سے وہ اپنے تئیں بچالیں۔ چنانچہ جب ہرقل کی فوج حمص کے شہر کے قریب آئی تو شہر والوں نے فصیل کے دروازے بند کر لئے اور مسلمانوں سے کہا کہ تمھاری حکومت اور تمھارے انصاف کو یونانیوں کی بے انصافی اور ظلم کے مقابلے میں بہتر جانتے ہیں[۳]۔

۶۳۳ء سے ۶۳۹ء تک کے معرکوں میں جن میں عربوں نے روما کے لشکر کا حدود شام سے رفتہ رفتہ استیصال کیا شامی عیسائیوں کے خیالات اس طرح کے تھے جیسے اوپر بیان ہوئے۔ اور ۶۳۷ء عیسوی میں جب دمشق کے باشندوں نے عربوں سے شرائط منظور کرانے کی مثال قائم کی اور لوٹ سے حفاظت کا ذمہ اور اور مفید مطلب عہد و پیمان

[۱] اَی۔ اے۔ ڈورنر۔ اے ہسٹری آف کرسچن ڈوکٹرن" جلد سوم صفحہ ۲۱۔۲۱۶ (مطبوعہ لندن ۱۸۵۳ء)۔ جے۔ سی۔ رابرٹسن "ہسٹری آف دی کرسچن چرچ" دوسری جلد صفحہ ۲۲۶ (مطبوعہ لندن ۱۸۷۵ء) [۲] اصلاح کا خوف کچھ بیجا نہ تھا کیونکہ ۶۲۰ء میں جب ہرقل مجبوراً شکست کھا کر ملک شام سے گزرا تو فرقہ مونوفزائٹ کے ساتھ اسنے تعصب کا برتاؤ کیا۔ (دیکھو میکل دے گرنیند صفحہ ۱۲) [۳] بلاذری صفحہ ۱۳۷۔

حاصل کیے تو ملک شام کے باقی شہر اس مثال کی پیروی میں سست قدم نہ رہے۔ حمص، شیزر، منبج کے شہروں نے بھی عہدنامے لکھوالیے اور عربوں کے ماتحت بن گئے۔ اسی طرح کی شرائط حفظ و امن کے ساتھ بطریق بیت المقدس نے بھی شہر کو مسلمانوں کے حوالے کیا۔ بیدین قیصر کے خوف سے کہ مذہب میں جبر و اکراہ استعمال کریگا اور مسلمانوں کے اس وعدہ سے کہ دین کی باتوں میں سلامتی اور صلح کُل کا طریق برتا جاویگا عیسائیوں کو بہ نسبت رومائی مسیحی حکومت کے اہل اسلام کی طرف زیادہ کشش محسوس ہوئی۔ علاوہ اسکے لڑائیوں کے زمانہ میں اسلامی فاتحوں کا ضبط طبیعت اور رحم ایسا تھا جس نے لوگوں میں اہل اسلام کا نہایت وقار پیدا کیا ہوگا[۱] اور اُنپر فرض کردیا ہوگا کہ لشکر اسلام کے استقبال کیلیے بڑھیں۔ یہ لشکر اُن انصاف و اعتدال کے اصولوں کا پابند تھا جن کو حضرت ابوبکر رضؓ نے اوّل معرکہ شام میں پابندی کے لیے اس طرح ہدایت فرمایا تھا کہ "انصاف کرنا جو وعدہ کرو اُسکو نہ توڑنا۔ کسی کے اعضا ر نہ کاٹنا۔ بچوں بڈھوں اور عورتوں کو نہ قتل کرنا۔ کھجور کے درختوں کو نقصان نہ پہنچانا اور نہ آگ سے اُن کو جلانا۔ جن درختوں میں پھل لگے ہوں اُن کو نہ کاٹنا۔ ریوڑوں گلوں اور اونٹوں کو کھانے کی ضرورت سے سوا نہ مارنا۔ اگر اتفاق سے اُن لوگوں پر گذر ہو جو کنیسوں میں گوشہ نشین ہیں تو اُن سے اور اُن کے کاموں سے پرہیز کرنا زمین کے رہنے والے جو کھانا اپنے برتنوں میں لائیں خدا کا نام اُس پر لیکر اُس میں سے کھانا اور تمھارا گذر اُن لوگوں پر ہوگا جن کے سر منڈے ہوں گے اور تم اُن کو چھوٹا تلوار کے چپٹے رخ سے[۲]۔ خدا کے نام سے اب جاؤ اور لڑائی اور وبا میں خدا تمھارا محافظ ہوو سے[۳]۔ روم کی عیسائی سلطنت کے صوبجات میں جن کو مسلمانوں کی قوت نے جلد محکوم کرلیا عیسائیوں کو اس نظر سے کہ وہ نسطوری اور مونوفزائٹ عقائد کے پابند تھے اسلامی دور حکومت میں

---

[۱] برخلاف اسکے بائزنتائن سلطنت کے سپاہیوں نے کیا دوسیا میں قسطانس دوم کے عہد حکومت (۶۶۸–۶۴۲ء) میں اپنے ہم مذہب عیسائیوں پر سخت جور و ظلم کیا۔ دیکھو مکلیے گرینڈ صفحہ ۲۳۴۔ [۲] "فاخفقوہم بالسیف خفقاً" کے لفظی معنے ہیں کہ چھوؤ اُنکو ایک چھونا تلوار سے اس عبارت کا غلط ترجمہ اکثر یہ بیان ہوا کہ "اُنکو مار ڈالو" لیکن لفظ خفق کے لغوی معنے ہیں "اسطرح مارنا کہ ہلکی آواز ہو" جب تلوار کے ساتھ یہ لفظ آئے تو اسکے معنے ہوتے ہیں چپٹے رخ سے تلوار مارنا۔ اور یہ اسبات کی علامت تھی کہ اسکے بعد مسلمان انپر حکومت رکھینگے (مترجم) جو نوٹ کہ مصنف نے لکھا ہے ہم اُسپر کچھ اور زیادہ کرنا چاہتے ہیں۔ طبری اور کامل ابن اثیر میں الفاظ ہیں "فاخفقوہم بالسیف خفقاً"

ایسی مذہبی آزادی ہوئی کہ جس کا تجربہ پہلے اُن کو صدیوں میں بھی نہ ہوا تھا۔ اُن کو اجازت تھی کہ قطعی آزادی کے ساتھ اور بغیر کسی کی مزاحمت کے اپنے مذہب کی پیروی کریں۔ صرف چند قیدیں البتہ اُن پر لگائی گئی تھیں جن کا منشا فقط یہ تھا کہ ادیان مقابل کے معتقدوں میں اگر کوئی نزاع اُٹھ کھڑی ہو تو اس کا انسداد ہو سکے یا مذہبی نشانات کی عام نمایش سے جو مسلمانوں کو سخت ناگوار تھی کوئی تعصب کا ہنگامہ نہ برپا ہو سکے۔ مسلمانوں کی بے تعصبی اور مذہبی آزادی کی وسعت جو ساتویں صدی عیسوی کی تاریخ میں نہایت بیّن ہے اُن شرائط سے پایہ ثبوت کو پہنچتی ہے جن کو اہل اسلام نے بلاد محروسہ کے حق میں منظور کیا۔ اور جس میں جان و مال کی حفاظت اور عقاید مذہب کی پیروی میں آزادی کو صرف اطاعت اور جزیہ قبول کرنیکے عوض میں دیا[۵]۔

دمشق کی نسبت لکھا ہے کہ ایک حصّہ اُس کا حملہ کر کے فتح ہوا اور دوسرے حصّہ نے خود اپنے تئیں مسلمانوں کے حوالہ کر دیا یعنی ایک اسلامی سردار تو شہر کے مشرقی دروازہ سے بزور شمشیر داخل ہوا اور دوسرا سردار مغربی دروازہ سے شہر میں گیا کہ حاکم دمشق اُسکے سامنے اقبال اطاعت کرے۔ چونکہ دمشق پر ان دو طریقوں سے قبضہ ہوا اسلیے جس قدر گرجا شہر میں تھے وہ عیسائیوں اور مسلمانوں میں برابر تقسیم ہو گئے۔ سینٹ یوحنّا کا کلیسہ بھی آدھا آدھا تقسیم ہوا اور اسی برس تک عیسائیوں اور مسلمانوں نے ایک چھت کے نیچے خدا کی عبادت کی خلیفہ عبدالملک

(بقیہ صفحہ ۱۔ جنکا مصنف نے انگریزی میں جو ترجمہ کیا ہے اُسکے معنی یہ ہیں کہ تم اُن کو چھوٹا تلوار کے چھپے رخ سے"۔ اور فتوح الشام ازدی میں فخفقوہم کی جگہ فاخذوہم مانخصومن وسہم بالسیف کا لفظ ہے جسکے معنے ہیں کہ تم ما۔ و اُن کے منڈے ہوئے سروں کو تلوار سے۔ اور فتوح الشام واقدی میں یہ الفاظ ہیں "فاعلوہم بسیوفکم اوساط روسہم یعنی تم اونچی کرو اپنی تلواریں اُنکی چندیا پر۔

اسکے بعد فتوح الشام ازدی میں یہ فقرہ بھی ہے حتی ینیبوا الی الاسلام او یودوا الجزیۃ عن ید وہم صاغرون یعنی یہاں تک کہ وہ اسلام کیطرف رجوع کریں یا عاجز ہو کر جزیہ دینا قبول کریں اور فتوح الشام واقدی میں یہ الفاظ ہیں حتی یرجعوا الی الاسلام او یودوا الجزیۃ عن ید وہم صاغرون یعنی یہانتک کہ وہ اسلام کی طرف رجوع کریں یا عاجز ہو کر جزیہ دینا قبول کریں۔ مگر طبری اور ابن اثیر میں آخری فقرہ جو فتوح الشام ازدی اور واقدی میں ہے نہیں ہے پس اس اختلاف الفاظ کے سبب جو طبری اور ابن اثیر میں فخفقوہم ہے اور فتوح الشام ازدی میں فاخذوہم بالسیف کا لفظ اور فتوح الشام واقدی میں فاعلوہم بسیوفکم اوساط روسہم۔ انگریزی مؤرخوں نے فاخفقوہم کے معنے فاقتلوہم یعنی اُنکو مار ڈالو لیے ہیں مگر ان تینوں لفظوں میں سے کسی لفظ کو اختیار کرو اُس سے فاقتلوہم کے معنے یعنی اُنکو قتل کر ڈالو نہیں نکلتے بلکہ اسکا مطلب یہی نکلتا ہے کہ اگر وہ لڑیں تو تم بھی اُنکو مارو اور اُن سے لڑو۔ اور فتوح الشام واقدی و ازدی میں جو یہ الفاظ ہیں کہ جبتک کہ وہ مسلمان ہوں یا جزیہ دیں صاف لڑنے پر دلالت کرتی ہیں نہ اُنکے قتل کرنے پر۔ انگریزی مؤرخوں نے جو فاخفقوہم یا فاخذوہم یا فاعلوہم بسیوفکم کا ترجمہ اسطرح کیا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اُنکو قتل ہی کرنیکا حکم تھا یہ ترجمہ صحیح نہیں ہے۔ [۵] بلاذری صفحہ ۱۲۳-۱۲۴۔

سے نے چاہا کہ کُل گرجا کو مسجد بنالے لیکن عہدنامہ کی شرائط کو دیکھکر اس قصد سے باز رہا۔ چونکہ گرجا میں عیسائی بلند آواز سے گایا کرتے تھے جس سے مسلمانوں کو بہت پریشانی ہوتی تھی اسلیے اور خلفا نے بھی کثیر رقوم معاوضہ میں پیش کرکے کُل گرجا پر قبضہ کرنا چاہا لیکن کامیابی نہوئی۔ مگر ۹۰سنہ ہجری میں خلیفہ ولید نے وہ بات جبر سے حاصل کرلی جس کو اور خلفا راستی سے حاصل نہیں کرسکتے تھے۔ چند سال کے بعد ہی خلیفہ عمر ثانی نے عیسائیوں کی فریاد کو سُن کرکہ اُن کے ساتھ کیسی بے انصافی ہوئی ہے دمشق کے تمام گرجاؤں کو جو لڑائی کے زمانہ میں ضبط ہوئے تھے عیسائیوں کیلیے واگذاشت کردیا۔

جب بیت المقدس امیرالمومنین عمرؓ ابن الخطاب کا فرمان پذیر ہوا تو ذیل کی شرائط منظور ہوئیں۔
"بسم اللہ الرحمن الرحیم صلحنامہ کی یہ شرائط ہیں جن کو میں عمر خدا کا بندہ اور مومنوں کا امیر بیت المقدس کے باشندوں کے لیے منظور کرتا ہوں۔ میں حفاظت دیتا ہوں اُن کی جان و مال اور اُن کی اولاد کو۔ انکے گرجاؤں اور صلیبوں کو اور جو کچھ اُن کے ساتھ پیوستہ ہے۔ میں حفاظت دیتا ہوں اُنکی زمینوں کو اور سب باشندوں کو اُنکے مذہب پر۔ اُن کے گرجا جو بیت المقدس میں ہوں گے اُن کا مال نہ لیا جاویگا اور نہ وہ مسمار کیے جاوینگے اور نہ ان میں سے کسی گرجا کو اور اُنکی جائداد کو اور نہ اُنکے مرتبہ کو اور نہ اُنکے مال کی کسی چیز کو نقصان پہنچایا جاویگا اور نہ بیت المقدس کے باشندوں پر مذہب کی پیروی میں جبر ہوگا اور نہ اُن میں سے کسی کو مضرت دی جاویگی"[۱]۔ بیت المقدس کے باشندوں پر محصول اس شرح سے لگایا گیا کہ پانچ دینار دولتمندوں پر اور چار دینار متوسط الحال لوگوں پر اور تین دینار کم استطاعت لوگوں پر مقرر ہوئے۔ بطریق بیت المقدس کے ہمراہ حضرت عمرؓ نے آثار مقدسہ کی زیارت کی اور یہ کہا گیا ہے کہ جس وقت بطریق اور امیرالمومنین کنیسۃ القیامۃ میں تھے تو نماز کا وقت ہوا۔ بطریق نے حضرت عمرؓ سے کہا کہ کنیسہ ہی میں نماز پڑھ لیں لیکن امیرالمومنین نے دوراندیشی سے

[۱] "دربیت المقدس کی تاریخ کا عربی سے ترجمہ۔ جے نیلڈ" صفحہ ۱۶۸-۱۶۹- مطبوعہ لندن ۱۸۳۶ء)

انکار کیا اور کہا اگر میں نے ایسا کیا تو اہلِ اسلام اس گرجا پر آیندہ دعوی کرینگے کہ وہ اسلامی معبد ہی۔

ایسی دوراندیشی کی مثال جیسی حضرت عمرؓ سے ظاہر ہوئی عیسائیونکی تاریخ میں جو اسلامی دور حکومت میں گذری دریافت ہونی مشکل ہی۔ اور نہ امیر معاویہ (سنہ ۶۶۱ء) کی فیاضی کی نظیر مل سکتی ہی جنھوں نے الرہا کے گرجا کو عیسائی رعایا کی درخواست پر دوبارہ تعمیر کرادیا[۱]
لیکن پھر بھی عام قاعدہ یہی تھا کہ خلفائے نے عیسائیوں کے ساتھ بے تعصبی اور آزادی مذہب کے اُصول کو اپنا ضابطہ رکھا اور اگر ہم ایسے وقتوں کو مستثنی کردیں جنمیں عیسائیوں پر ظلم ہوے جیسے خلیفۂ متوکل کا زمانہ تھا تو) عیسائیوں پر جو کچھ قیود تھیں اُن کا نشان صرف اُس ''امان'' میں ملتا ہی جس کو حضرت عمرؓ کی طرف منسوب کیا جاتا ہی۔

یہ بات مشہور ہی کہ جس کسی عیسائی شہر نے مسلمانوں کی اطاعت قبول کی اُس نے امان عمرؓ کے مضمون کو اختیار کیا۔ لیکن زمانۂ قدیم کے مؤرخوں نے اس کا کچھ ذکر نہیں کیا ہی اور سر ولیم میورؔ[۲] نے بھی اُس کی صحت میں شبہ ظاہر کیا ہی اور سمجھا ہی کہ امانِ حضرت عمرؓ میں ایسی سخت شرائط ہیں جو حضرت عمرؓ کے بے تعصب عہدِ خلافت کی نہیں معلوم ہوتیں بلکہ زمانۂ مابعد کی خصوصیتیں اُن میں پائی جاتی ہیں۔ امان کا مضمون یہ تھا "بسم اللہ الرحمن الرحیم۔
یہ مکتوب ہی فلاں فلاں شہر کے عیسائیوں کیطرف سے عمر ابن الخطابؓ کے نام جب تم نے ہمارے خلاف کوچ کیا تو ہم نے تم سے اپنے لیے اور اپنے کنبوں کیلیے اور اپنے مال اور اپنے ہم مذہبوں کے لیے حفاظت چاہی اور ہم نے تم سے یہ شرط کی کہ ہم اپنے شہر یا حوالی شہر میں کوئی

[۱] فنلی - پہلی جلد صفحہ ۴۲۸ [۲] ''امان عمر'' کا ذکر جس کے بموجب کل قلمرو اسلامیہ میں عیسائی قوموں کیحالت قائم ہوتی تھی اخیر زمانہ میں دیکھنے میں آتا ہی۔ لیکن حضرت عمر جیسے صلح کل فرمانروا کے ساتھ ''امان'' کی شرائط میں سے اکثر کی پابندی کو منسوب کرنا اس فرمانروا پر بہتان باندھنا ہی۔ اس سخت امان میں جو شرائط ایسی ہیں کہ سب سے زیادہ مخل آزادی عیسائیوں کے حق میں ہوئیں اُنپر عملدرآمد صرف اخیر وقت میں ہوا۔ (''خلافت'' صفحہ ۱۴۶ - ۱۴۷) آٹھویں صدی ہجری سے پہلے اس ''امان'' کا ذکر کسی مستند ذریعہ سے بیان نہیں ہوا۔ (ستیسشبندر صفحہ ۱۶۵ - ۱۸۷)

نیا کنیسہ گرجا۔ حجرہ یا خانقاہ تعمیر نہ کرینگے[۱]۔ اور ایسے مکانات میں سے اگر کوئی گرجا ئے گا تو اُس کی مرمت نہ کریں گے اور اُن کو جو مسلمانوں کے محلوں میں ہونگے تو تعمیر نہ کریں گے۔ ہم مسلمانوں کو دن کیوقت یا رات کے وقت اپنے گرجاؤں میں داخل ہونے سے منع نہیں کرینگے۔ اور ہم گرجاؤں کے دروازوں کو غریبوں اور مسافروں کیلیے چوپٹ کھلا رکھیں گے۔ ہم مسلمان مسافر کو خواہ وہ کوئی ہو اپنے گھروں میں آنے دینگے اور تین راتوں تک اُسکو روٹی اور ٹھکانا دیں گے۔ ہم کسی مخبر کو اپنے گرجاؤں یا گھروں میں نہیں رہنے دینگے اور نہ مسلمانوں کے کسی دشمن کو چھپا رکھیں گے۔ ہم اپنے بچّوں کو قرآن نہیں پڑھوائیں گے[۲]۔ ہم عیسائی مذہب کی نمائش نہ کرینگے اور نہ کسی کو اپنا مذہب قبول کرنے پر بُلائیں گے۔ ہم اپنے کسی عزیز کو اگر وہ خواہش کریگا اسلام قبول کرنے سے نہ روکیں گے۔ ہم مسلمانوں کی عزت کرینگے اور جب کبھی وہ ہمارے جلسوں میں بیٹھنا چاہیں گے تو اُن کیلیے کھڑے ہو جایا کرینگے۔ ہم اپنے لباس میں اُنکی نقل نہیں کرینگے۔ نہ ٹوپی میں نہ عمامہ میں نہ جوتی میں اور نہ مانگ نکالنے میں۔ ہم اُنکی زبان کے جملوں کو استعمال نہ کرینگے اور نہ ان کا لقب اختیار کرینگے ہم زین پر سوار نہ ہونگے اور نہ تلواریں کمر میں باندھیں گے اور نہ ہتیار رکھیں گے اور نہ اُن کو لگائیں گے اور نہ اپنی انگوٹھیوں پر عربی عبارت کندہ کریں گے۔ ہم شراب نہ بیچیں گے۔ ہم اپنے سروں کے سامنے کا حصّہ مونڈا کریں گے ہم اپنا ہی طرز لباس برقرار رکھینگے جہاں کہیں ہم ہوں۔ ہم پیٹیاں اپنی

۱ـ بعض مستند فقہاء اسلام نے لکھا ہے کہ یہ قاعدہ گاؤں اور بستیوں میں جاری نہ تھا کیونکہ وہاں گرجاؤں کی تعمیر کی ممانعت جائز نہ تھی (ہدایہ دوسری جلد صفحہ ۲۱۹)

۲ـ "(منکروں کی)" تعلیم قرآن کے مسئلہ میں علماء میں اختلاف ہے۔ فرقہ مالکیہ نے اس کو ممنوع رکھا ہے۔ لیکن فرقہ حنفیہ نے اس کی اجازت دی ہے۔ اور امام شافعی نے اس مسئلہ کے متعلق دو رائیں ظاہر کی ہیں پہلی رائے میں تعلیم قرآن کے وہ موافق ہیں کہ اس سے اسلام کی طرف میلان ظاہر ہوتا ہے۔ دوسری رائے میں تعلیم قرآن کو اُنہوں نے ممنوع قرار دیا ہے اس خوف سے کہ منکر جو قرآن پڑھتا ہے ابھی تک ناپاک ہوتا ہے اور شاید اُس کا مقصد قرآن پڑھنے سے صرف مضحکہ ہو۔ کیونکہ وہ اللہ اور رسول کا جس نے کتاب لکھی ہے دشمن ہے چونکہ یہ دونوں رائیں متناقص ہیں پس امام شافعی نے کوئی قطعی رائے اس مسئلہ پر قائم نہیں کی (مبین صفحہ ۵۰۰) چونکہ ان بزرگ اماموں کا جو تین بڑے فرقوں کے مجتہد ہیں اس مسئلہ میں اتفاق نہیں ہے تو اسی عدم اتفاق سے شبہ پیدا ہو سکتا ہے کہ امان کی شرائط ایسے قدیم زمانہ کی نہیں ہیں جیسے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا زمانہ تھا۔

۳ـ جیسے سلام وغیرہ کے جملے ہوتے ہیں جو صرف اہل اسلام کیلیے مخصوص ہیں۔

کمر میں لگائیں گے۔ ہم اپنے گرجاؤں پر صلیب ظاہر نہ کرینگے اور نہ اپنی صلیبوں اور مقدس صحیفوں کو مسلمانوں کے محلوں یا بازاروں میں دکھائیں گے[۱]۔ ہم اپنے گرجاؤں کے ناقوس[۲] ہلکے ہلکے بجائیں گے۔ جب کوئی مسلمان موجود ہوگا تو ہم بلند آواز سے اپنی نماز نہ پڑھیں گے ہم کھجور کے پتوں اور مورتوں کو قطار سے بازاروں میں نہ نکالیں گے۔ اپنے مردوں کی تدفین کیوقت ہم زور سے نہ گائیں گے اور نہ روشن شمعیں مسلمانوں کے محلوں اور بازاروں سے لیکر گذرینگے۔ ہم ایسے غلاموں کو نہ لیں گے جو مسلمانوں کے قبضہ میں ہوں گے اور نہ اُن کے گھروں میں مخبری کریں گے۔ ہم کسی مسلمان کو نہ مارینگے۔ ان سب باتوں کی پابندی کا ہم اپنی طرف سے اور اپنے ہمدینوں کی طرف سے اقرار کرتے ہیں اور اس کے عوض میں تم سے حفاظت حاصل کرتے ہیں۔ اور اگر ہم اس امان کی کسی شرط کو توڑیں تو تم اپنی حفاظت کو ضبط کرلینا۔ اور پھر تم کو اختیار ہوگا کہ ہم کو دشمن اور باغی سمجھ کر ہمارے ساتھ برتاؤ کرو[۳]"۔

لباس وغیرہ کا فرق جس کو مشرق کی اقوام مختلف قدرتاً اور از خود اختیار کرتی ہیں ایسا فرق ہی جسے ہمارے یورپین ناظرین بمقتضای عادت سمجھ نہ سکیں گے۔ اور مذکورۂ بالا احکام کو اس نظر سے دیکھیں گے کہ وہ کسی شخص کی شخصی آزادی میں ناجائز خلل ڈالتے ہیں۔ لیکن اخوت المومنین جس کو آج کل کے بعض مصنف بڑے شوق سے اسلام کی فریمیسنری[۴] کہتے ہیں اگر فی الواقع کوئی اخوت ہونیوالی تھی تو اس کو خارج میں بھی ایک ظاہر طرز کی ضرورت ہوئی اور یہ لازم آیا کہ جن لوگوں نے حلقۂ اسلام میں شامل ہونے سے انکار کیا اُن کو عربوں کی وضع اور لباس اور زبان کی تقلید سے جس کی طرف نومسلموں کو بہت میلان خاطر تھا باز رکھا جاتا[۵]۔ جو قیود مذہبی نشانات یا

[۱] ابو یوسف لکھتے ہیں کہ شہر کے اندر جہاں مساجد ہوتی تھیں وہاں تو نہیں لیکن شہر کے باہر سال بھر میں ایک مرتبہ عیسائیوں کو اجازت تھی کہ صلیبوں کو قطار میں نکالا کریں لیکن علم نکالنے کی اجازت نہ تھی [۲] ناقوس لکڑی کا ایک مستطیل ٹکڑا ہوتا تھا جس کو ڈنڈے سے بجاتے تھے۔ [۳] ماکر۔ انکرئی ادکتورس ہیبرڑی ایکسپوگناتیونی ممپدس آیت الکساندیئی صفحہ ۶۶ و ۲۱۵ (مطبوعہ ۱۸۲۵ء) ملگدیئی بامادرم فون کریمر (۱) پہلی جلد صفحہ ۱۰۲-۱۰۴۔ جورنال ایشیاٹیق۔ سیری ۴۔ توم ۱۸ صفحہ ۴۹۵-۴۹۹۔ [۴] فریمیسنری کے معنے ہیں فرمیسنون کی جماعت۔ فریمیسن وہی لفظ ہی جس کو محاورہ عالم میں فراموشن کہتے ہیں۔ مترجم۔ [۵] گولڈزیہر۔ پہلی جلد۔ صفحہ ۱۰۹-۱۳۳۔

رسوم کی عام نمائش کے بارے میں تھیں وہ انتظام اور امن خلائق کے لیے ضروری اور ایسے تعصبی فتنوں کے انسداد کے لیے ضروری تھیں جو اسلامی رعایا میں برپا ہو جاتے کیونکہ کوئی بات جس میں بت پرستی کی بو تک آتی ہو مسلمانوں کو خاص کر شاق گذرتی تھی۔ اگر ان احکام کی ہمیشہ پابندی ہوئی ہوتی تو بہت سے ایسے فتنے اور ہنگامے بند رہتے جن میں عیسائیوں کی جان اور مال کا نقصان ہوا۔ فی الواقع پابندی کے ساتھ ان کی تعمیل نہیں ہوئی بلکہ ان کے اعادہ کیلیے ہمیشہ اس کی ضرورت ہوتی تھی کہ تعصب کا کوئی نیا فساد اُٹھے۔

یہ بات کافی طور پر بیان کردی گئی کہ اسلامی فتوحات کے ابتدائی زمانہ میں عیسائیوں کو اس بات کی شکایت کا موقع نہ تھا کہ مذہب میں آزادی اُنہیں حاصل نہ تھی یہ سچ ہے کہ اپنے قدیم مذہب سے وابستہ رہنے کی حالت میں جزیہ دینا اُن کو سخت ناگوار تھا۔ لیکن اس محصول کی رقم ایسی قلیل تھی کہ اس کو بار نہیں تصوّر کیا جاسکتا۔ خاص کر ایسی صورت میں جبکہ جزیہ دینا عیسائیوں کو فوجی خدمات سے جو اہلِ اسلام پر لازمی تھیں بری کردیتا تھا۔ اسلام قبول کرنے میں کسی قدر روپیہ کا فائدہ یقینی ہوتا تھا۔ لیکن اگر کسی عیسائی نے صرف جزیہ سے بچنے کے لیے اپنا دین چھوڑا تو دین کا بہت ہی کم قابو اُس پر ہوگا۔ خاص خاص صورتوں میں خراج یعنی محصول اراضی کے عوض میں پیداوار میں سے دسواں حصہ دینے کی ایسے عیسائی کو جو مسلمان ہو جاتا اجازت مل جاتی تھی لیکن باقی صورتوں میں اسلام قبول کرنیکے بعد بھی خراج لگایا جاتا تھا[۱]۔ مگر جزیہ کی جگہ نومسلم کو زکوٰۃ ادا کرنی ہوتی تھی جو بہت قسم کے مال منقولہ اور غیر منقولہ پر سالانہ شرح سے لگائی جاتی تھی[۲]۔

[۱] فون کریمر۔ پہلی جلد صفحہ ۳۴۔ ۳۸ و ۴۸، ۱۱۷ "اسلام قبول کرنیکے بعد چاہیے تھا کہ جزیہ کی موقوفی کا حکم ہو جاتا لیکن چونکہ سلطنت کی آمدنی کا دارمدار خراج اور جزیہ پر تھا جنکو منکر ادا کرتے تھے۔ اسلیے مسلمان ہو جانیکی حالت میں بھی ان پر یہ محصول جاری رہے۔ آخر کار جب یہ پرانا قاعدہ متروک ہوا کہ کوئی مسلمان اراضی یا اور طرح کی جائداد غیر منقولہ پیدا نہیں کرسکتا تو صحیح النسل عرب اور اُن لوگوں میں جو مسلمان تھے تمیز قائم کیگئی اور جو لوگ مسلمان نہ تھے وہ اگر اسلام قبول بھی کرلیتے تھے تو بھی خراج اور ایک حد تک جزیہ انکو ادا کرنا ہوتا تھا لیکن عربوں کو صرف عشر کی قلیل رقم دینی پڑتی تھی۔"

[۲] گولڈزیہر۔ پہلی جلد صفحہ ۵۰ - ۵۵، ۴۲۷ و ۴۳۰۔

جزیہ کی شرحیں جو قدیم فاتحوں نے مقرر کیں وہ یکساں نہ رہیں۔ چنانچہ اسلام کے بڑے فقیہ امام ابوحنیفہ اور امام مالک مضمون جزیہ کی فروعات[۱] میں متفق نہیں ہیں۔ ذیل کی شرحیں کتاب الخراج سے نقل کیجاتی ہیں جسکو قاضی ابویوسف نے خلیفہ ہارون الرشید (۷۸۶-۸۰۹ء) کی درخواست پر تیار کیا۔ اس کتاب کی نسبت خیال ہو کہ دورِ خلافت میں محصولات کے متعلق وہ اسلامی ضابطہ ہوگا۔ دولتمندوں کو ۴۸ درہم[۲] سالانہ اور متوسط الحال لوگوں کو ۲۴ درہم سالانہ ادا کرنے ہوتے تھے لیکن مفلسوں سے جیسے کھیتوں کے مزدور اور دستکار ہوتے ہیں ۱۲ درہم سالانہ لیے جاتے تھے۔ یہ محصول یعنی جزیہ اگر خواہش کیجاتی تھی تو جنس میں بھی ادا ہو سکتا تھا۔ مویشی۔ تجارت کا مال۔ گھر کا اسباب یہانتک کہ سوئیاں بھی روپیہ کے عوض میں قبول ہو سکتی تھیں لیکن سور۔ شراب اور مردہ جانور نہیں لیے جاتے تھے۔ جزیہ فقط صحیح الجثہ مردوں پر جاری تھا نہ کہ عورتوں اور بچوں پر۔ ایسے تنگدست جن کی روزی خیرات پر تھی اور ایسے مفلس جو زیادہ عمر کے ہوتے اور کام نہ کر سکتے خاص طور پر جزیہ سے مستثنےٰ تھے۔ اسی طرح اندھے۔ لنگڑے لولے لاعلاج مریض اور دیوانے اگر وہ دولت مند نہ ہوتے تو وہ بھی اس محصول سے بری رہتے۔ یہ ہی شرط قسیسوں اور عیسائی عالموں کے ساتھ تھی کہ اگر امیروں کی خیرات پر اُن کا گذر ہوا تو جزیہ سے مستثنےٰ رہے لیکن اگر مقدور والے ہوئے تو اُن سے جزیہ وصول کیا جاتا تھا۔ عمال جو جزیہ وصول کرتے تھے اُن کو خاص ہدایت تھی کہ رعایت کریں اور وصول نہ ہونے کی حالت میں سختی یا جسمانی سزا سے بالکل پرہیز کریں[۳]۔

بعض لوگ ہمارے دل میں یہ خیال پیدا کرتے ہیں کہ جزیہ عیسائیوں پر اس جرم کی سزا میں تھا کہ اُنھوں نے اسلام قبول کرنے سے انکار کیا تھا۔ لیکن یہ درست نہیں ہو۔ جہاں اور ذمی اپنے مذہب کے باعث فوجی خدمات سے مستثنیٰ ہو کر جزیہ دیتے تھے اسی طرح عیسائیوں کو بھی اپنی حفاظت کے معاوضہ میں جو اسلامی سپاہ کرتی تھی جزیہ دینا ہوتا تھا۔ جب حیرہ کے

[۱] دیکھو سیل کا ترجمہ قرآن مجید۔ سورۃ التوبہ۔ آیت ۲۹۔ نوٹ اور دیکھو فون کریمر (۱) پہلی جلد صفحہ ۶۰ و ۴۳۶ [۲] ایک درہم قریب پانچ پینس کے ہوتا ہے یعنی تین آنے ۴ پائی کے برابر [۳] ابویوسف صفحہ ۶۹ - ۷۱۔

باشندوں نے جزیہ کی رقم قرار داد ادا کی تو خاص طور پر بیان کر دیا کہ جزیہ کی یہ رقم ہمنے اس شرط سے دی ہی کہ "مسلمان اور مسلمانوں کا امیر ہماری حفاظت اُن لوگوں سے کرے جو ہمکو ستائیں خواہ وہ مسلمان ہوں یا کوئی اور[1]" جب حیرہ کے متصل شہروں سے خالد ابن ولید نے عہدنامہ کیا تو لکھا "اگر ہم تمہاری حفاظت کریں تو جزیہ تم پر واجب الادا ہو گا اگر ایسا نکریں تو واجب الادا نہیں ہی[2]" یہ امر کہ جزیہ کے ساتھ شرط حفاظت کو مسلمان کس قدر واضح طریق پر سمجھے ہوے تھے اسکی تصدیق ذیل کے واقعہ سے ہو سکتی ہی جو حضرت عمرؓ کے عہد خلافت میں پیش آیا ہرقل قیصر روم نے ایک بڑا لشکر فراہم کیا تاکہ حملہ آور عساکر اسلام کی مدافعت کرے۔ مسلمانوں نے بھی اپنی تمام قوتیں اس محاربہ عظیم کے لیے جمع کیں۔ امیر لشکر ابو عبیدہ نے شام کے بلاد مفتوحہ کے حاکموں کے نام مکتوب روانہ کیے کہ جزیہ کی کل رقوم جو شہروں سے وصول کیگئی تھیں واپس کردی جاویں اور اُن شہروں کے باشندوں کو لکھ بھیجا کہ "جو روپیہ ہم نے تم سے لیا تھا اُسکو واپس کرتے ہیں کیونکہ ہم کو خبر پہنچی ہی کہ ایک جری لشکر ہمارے مقابلہ کے لیے کوچ پر ہی۔ ہم میں اور تم میں یہ وعدہ تھا کہ ہم تمہاری حفاظت کرینگے۔ چونکہ یہ بات اب ہماری قدرت میں نہیں ہی اسلیے جو کچھ ہمنے تم سے لیا تھا تم کو واپس کرتے ہیں۔ لیکن اگر ہم فتحیاب ہوئے تو ہم اُن ہی قدیم شرائط کا اپنے تئیں پابند سمجھیں گے جو از روئے عہدنامہ ہمارے مابین ہیں" اس حکم کے بموجب بیت المال سے بڑی بڑی رقمیں عیسائیوں میں واپس تقسیم کی گئیں اور عیسائیوں نے مسلمانوں کو دعائیں کہ "خدا تم کو پھر ہم پر حکومت دے اور رومیوں پر تم کو فتحیاب کرے۔ رومی ہوتے تو وہ ہم کو کچھ واپس نہ دیتے بلکہ جو کچھ ہمارے پاس ہوتا اُسکو بھی لے لیتے[3]"

جیسا کہ اوپر بیان ہوا جزیہ صحیح الجثہ مردوں پر فوجی خدمتوں کی عوض میں جو مسلمان ہونے کی صورت میں لازمی ہوتی تھیں جاری کیا گیا تھا۔ یہ امر نہایت درجہ قابل وقعت ہی کہ جب کوئی عیسائی گروہ اسلامی فوج میں داخل ہوتا تو وہ جزیہ سے بری کر دیا جاتا۔ چنانچہ قبیلہ جراحمہ

[1] طبری۔ بلاذری صفحہ ۵۵ [2] طبری۔ بلاذری صفحہ ۲۰۵۰ [3] ابو یوسف صفحہ ۸۱۔

کے ساتھ جو ایک مسیحی قبیلہ انطاکیہ کے قرب و جوار میں آباد تھا ایسا ہی واقعہ گذرا۔ جراجمہ کے لوگوں نے مسلمانوں سے صلح کر لی اور وعدہ کیا کہ وہ ہمیشہ مسلمانوں کے دوست رہیں گے اور لڑائی میں اُن کے طرفدار بنکر لڑینگے مگر اس شرط سے کہ اُن کو جزیہ نہ دینا پڑے اور اموال غنیمت میں سے مناسب حصہ ملا کرے[1]۔ ۲۲ ہجری میں جس وقت عرب کے معرکے فارس کے شمال میں بڑھے تو اسی قسم کا عہد نامہ ایک سرحدی قبیلہ سے ہوا جس نے فوجی خدمات قبول کیں اور اسکے صلہ میں جزیہ سے بری ہوا[2]۔

جزیہ کی منسوخی کی مثالیں جو ایسی صورتوں میں پیش آئیں کہ عیسائیوں نے مسلمانوں کی فوجی اور بحری خدمات قبول کر لیں سلطنت ٹرکی میں بھی گذر چکی ہیں۔ مثلاً مگارس کے باشندے جو البینی عیسائیوں کے گروہ سے تھے جزیہ سے اس شرط پر بری ہوئے کہ مسلح آدمیوں کی ایک جمعیت کوہ ستھران اور کوہ گرانیا کی حفاظت کیلیے جن سے خاکنائے کورنتھ میں داخل ہوتے ہیں مہیا کریں۔ اسی طرح ہائیدرا کے عیسائی باشندوں نے سلطان ٹرکی کو فی نفسہ کوئی محصول نہیں دیا بلکہ اس کے عوض میں دو سو پچاس صحیح الجثہ بحری سپاہیوں کی ایک کنٹنجنٹ ٹرکی بیڑے کیلیے مہیا کر دی جسکو مقامی خزانہ سے اخراجات ملتے تھے[3]۔ فرقہ مردت جو رومن کیتھولک البینی لوگوں میں سے تھا اور سقطرائی سے شمال کے پہاڑوں میں آباد تھا جزیہ سے اس شرط پر مستثنی ہوا کہ لڑائی کے وقت ایک مسلح کنٹنجنٹ دیا کرے[4]۔ اور یہ ہی معنی تھے کہ جو خدمات سلطنت کی ادا کی گئیں اُنکے معاوضہ میں یونانی عیسائیوں کو جزیہ کی رقم قرار داد سے معاف کر دیا گیا کیونکہ یہ لوگ اُن حوضوں کے نگران رہے جن سے قسطنطنیہ میں پینے کا پانی مہیا ہوتا تھا[5]۔ اور ان مثالوں کے برعکس یہ ہے کہ جب مصری کاشتکار فوجی خدمتوں سے مستثنی ہوئے تو اُن پر اسی طرح کا محصول لگا دیا گیا جیسا عیسائیوں پر تھا[6]۔

---

[1] بلاذری صفحہ ۱۵۹ [2] طبری پہلا سیری صفحہ ۲۶۶۵ [3] فنلے چھٹی جلد صفحہ ۳۰-۳۳ [4] دی لاجونقیر صفحہ ۱۴۔
[5] ٹامس سمتھ صفحہ ۳۲۴ [6] دی لاجونقیر صفحہ ۲۶۵۔

پس اس طرح جان و مال کی حفاظت اور مذہبی آزادی کے ساتھ رہ کر عیسائی قوموں نے اور خاص کر اُن عیسائی قوموں نے جو شہروں میں آباد تھیں ابتدائی دور خلافت میں نہایت آسایش اور ترقی سے زندگی بسر کی۔ خلفار کے دربار میں اکثر عیسائی مناصب جلیلہ پر ممتاز ہوئے چنانچہ ایک مسیحی عرب جس کا نام اخطل تھا دربار کا شاعر تھا۔ اور سینٹ یوحنا دمشقی کا باپ خلیفہ عبد الملک (۶۸۵-۷۰۵ء) کا مشیر گذرا ہے۔ خلیفہ معتصم (۸۳۳-۸۴۲ء) کی خدمت میں دو عیسائی بھائی رہتے تھے جو خلیفہ کے سب سے زیادہ معتمد تھے۔ ان میں سے ایک کا نام سلمویہ تھا۔ دریافت ہوتا ہے کہ اس کو تقریباً وہی منصب حاصل تھا جو آج کل سکرٹری آف سٹیٹ کا ہوتا ہے۔ کوئی شاہی مکتوب اُس وقت تک مستند تصور نہ ہوتا تھا جبتک کہ سلمویہ کے بھی دستخط اُس پر نہ ہوتے دوسرے بھائی ابراہیم کے سپرد مہر خلافت تھی اور صیغہ بیت المال بھی اُسی کی نگرانی میں تھا۔ یہ عہدہ بیت المال کے روپیہ اور صرف کے لحاظ سے ایسا تھا جسکی نسبت توقع ہو سکتی تھی کہ اس پر ہمیشہ مسلمان مقرر ہوتا لیکن ایسا نہ تھا۔ معتصم کو ابراہیم کے ساتھ ایسا اُنس تھا کہ جب ابراہیم بیمار پڑا تو خلیفہ اُس کی عیادت کو گیا اور اُسکی موت پر سخت رنج کیا۔ ابراہیم کی تدفین کے دن حکم دیا کہ جنازہ قصر شاہی میں لایا جاوے اور تمام مسیحی رسوم میت نہایت ادب سے وہاں ادا کی گئیں[1]۔ نصر ابن ہارون جو عضد الدولہ بویہ خاندان عجم کے بادشاہ کا وزیر اعظم تھا عیسائی مذہب رکھتا تھا اور بہت کلیسا اور خانقاہیں تعمیر کر چکا تھا[2]۔ مدت تک سلطنت کے عہدے خاصکر صیغہ بیت المال کے عیسائیوں اور مجوسیوں سے معمور ہوتے رہتے[3]۔ اور اس زمانہ کے بعد مصر میں بھی یہی حال ہوا کہ بعض اوقات ان ممتاز عہدوں پر عیسائی کلیتاً متصرف ہو گئے[4]۔ خاصکر پیشہ طبابت میں عیسائیوں نے اکثر دولت جمع کر لی اور امیروں رئیسوں کے گھر میں انکی عزت ہونے لگی۔ خلیفہ ہارون الرشید کا طبیب خاص جسکا نام جبریل تھا نسطوری عیسائی تھا۔

---

[1] ابن ابی اصیبعہ۔ طبقات الاطباء پہلی جلد صفحہ ۱۶۴ (مطبوعہ قاہرہ ۱۲۹۹ سنہ ہجری) [2] ابن الاثیر جلد ہشتم صفحہ ۲۸۱ [3] فون کریمر (۱) پہلی جلد صفحہ ۱۶۸-۱۷۰ [4] رنودو۔ صفحہ ۴۳۰-۵۴۰۔

اور علاوہ ذاتی جائداد کے جس کی آمدنی آٹھ لاکھ درہم سالانہ تھی دو لاکھ اسّی ہزار درہم سالانہ خلیفہ کی ملازمت کے صلہ میں ملتے تھے۔ دوسرا عیسائی طبیب بھی بائیس ہزار درہم سالانہ تنخواہ پاتا تھا۔[1] تجارت اور سوداگری سے بھی عیسائیوں نے بڑی ثروت پیدا کی۔ اور فی الواقع یہی دولت اکثر اس بات کا سبب ہوئی کہ عام لوگوں کی طمع زر کو اس سے اشتعالک ہوئی اور موقع متعصب لوگوں کو ملا کہ عیسائیوں پر ظلم کریں اور اُن کو گزند پہنچائیں۔ علاوہ اسکے جو قومیں مسلمان نہ تھیں وہ اپنے انتظام میں خود مختار تھیں جس کی وجہ یہ تھی کہ جو معاملات ان کے باہمی ہوتے انکے انصرام کا قطعی اختیار سلطنت بالا کی طرف سے ان کو حاصل تھا۔ اور اُن کے مذہبی پیشوا ایسی صورت میں جبکہ کسی معاملہ میں فریقین ان کے ہم مذہب ہوں مالی مقدمات کے فیصلہ کرنے میں پورے اختیارات رکھتے تھے۔[2] اُنکے گرجاؤں اور خانقاہوں میں کسی کو دخل نہ تھا۔ البتہ ایسے گرجا اور خانقاہیں جو بڑے شہروں میں تھیں ان میں سے بعض کو مسجد بنا لیا تھا۔ مگر یہ انتظام ایسا تھا جس پر اعتراض اس خیال سے نہیں ہو سکتا کہ جس قدر مسلمانوں کی تعداد میں ترقی ہوئی تھی اُسیقدر عیسائیوں کے شمار میں کمی ہوئی تھی۔ عیسائیوں کو نئے کلیسا اور خانقاہیں بنانے کی اجازت بھی تھی۔ پہلی صدی ہجری کے ختم پر اگر خلیفہ عمر ثانی (۲۰-۷۱۷ء) کو نو تعمیر گرجاؤں کی مسماری کا حکم دینا پڑا اور ایک صدی بعد متعصب خلیفہ متوکل نے (۶۱-۸۴۷ء) میں اس حکم کا اعادہ کیا تو ان ہی واقعات سے ثابت ہوتا ہے کہ نئے گرجاؤں کی تعمیر کے امتناعی حکم کی کسقدر کم پابندی ہوتی تھی۔[3] متعدد واقعات عیسائی اور مسلمان مورخوں سے دریافت ہوتے ہیں کہ نئے گرجا تعمیر ہوئے۔ چنانچہ خلیفہ عبدالملک (۷۰۵-۶۸۵ء) کے عہد خلافت میں الرہا کے شہر میں ایک نیا گرجا بنا اور دو اور گرجا مصر کے شہر الفسطاط میں تعمیر ہوئے

---

[1] فون کریمر (۱) دوسری جلد صفحہ ۱۹۰-۱۸۱ [2] فون کریمر پہلی جلد صفحہ ۱۸۳ [3] جرنل ایشیاٹیق۔ سیری ۴ توم ۱۸ (۱۸۵۱) صفحہ ۴۳۳-۴۵۰۔

[1] ایک گرجا جو سینٹ جارج کے نام سے بنایا گیا حلوان میں جو الفسطاط کے قریب گاؤں ہے تعمیر ہوا[2]۔ ۷۱۱ء میں ایک یعقوبی کلیسا انطاکیہ میں خلیفہ ولید (۷۰۵-۷۱۵ء) کے حکم سے تعمیر ہوا[3]۔ اس زمانہ کے بعد خالد القسری نے جو عیسائی تھا اور ۷۲۴ء عیسوی سے ۷۳۸ء تک عراق عرب و عراق عجم کا حاکم رہا تھا اپنی ماں کے لیے ایک کلیسہ تیار کیا[4]۔ ۷۵۱ء میں نصیبین میں ایک گرجا کی تعمیر ختم ہوئی جس پر مطران نے چھپن ہزار دینار کی رقم صرف کی[5]۔ آٹھویں صدی عیسوی ہی میں ابو سرجہ کے کلیسہ کی تعمیر کو شمار کرنا چاہیے جو قدیم قاہرہ کے رومی قلعہ میں بنایا گیا[6]۔ خلیفہ مہدی (۷۷۵-۷۸۵ء) کے عہد حکومت میں ایک گرجا عیسائی قیدیوں کے لیے بغداد میں تعمیر ہوا۔ یہ قیدی اُسوقت میں قید ہوئے تھے کہ اہل اسلام کی لڑائیاں روم کی عیسائی سلطنت سے ہو رہی تھیں[7]۔ بغداد میں دوسرا کلیسہ خلیفہ ہارون الرشید (۷۸۶-۸۰۹ء) کے زمانہ خلافت میں تعمیر ہوا۔ اور اُسکو سماکو کے باشندوں نے بنایا جنھوں نے خلیفہ کی اطاعت اور خلیفہ نے اُن کی سرپرستی منظور کی تھی[8]۔ خلیفہ ہارون الرشید کے زمانہ میں ایک بڑا عالیشان گرجا بابل میں تیار ہوا جس میں دانیال رسول اور حزقیل رسول کے تابوت رکھے گئے[9]۔ جب خلیفہ مامون الرشید (۸۱۳-۸۳۳ء) مصر میں تھا تو اپنے دو معززین دربار کو اجازت دی کہ مقطم کی پہاڑی پر جو قاہرہ کے قریب تھی گرجا بنائیں اور اسی خلیفہ کی اجازت سے ایک دولتمند عیسائی نے جسکا نام بکام تھا کئی خوبصورت گرجا بورہ میں تعمیر کرائے[10]۔ نسطوری بطریق تموتھیس نے جو ۸۲۳ء میں مرا ایک گرجا تکریت میں اور ایک خانقاہ بغداد میں تعمیر کی[11]۔ دسویں صدی عیسوی میں ابو سیفین کا خوشنما قبطی گرجا الفسطاط میں تعمیر ہوا[12]۔

---

[1] ہیکل سے گرینڈ صفحہ ۲۴۷۔ نودو صفحہ ۱۸۹ [2] ادکیوس توم ۲ صفحہ ۳۶۹ [3] فون کریمر (۱) دوسری جلد صفحہ ۱۷۵۔ [4] ابن خلکان۔ پہلی جلد صفحہ ۴۸۵ [5] الیاس نصیبی صفحہ ۱۲۸ [6] بٹلر "مصر کے قدیم مصری کلیسا" پہلی جلد صفحہ ۱۸۱ (مطبوعہ اکسفورڈ ۱۸۸۴) [7] یاقوت دوسری جلد صفحہ ۶۶۲ [8] یاقوت دوسری جلد صفحہ ۶۷۰ [9] کرونیق دے ہیکل سے گرینڈ صفحہ ۲۶۶ [10] ادکیوس صفحہ ۴۳۰-۴۳۲ [11] فون کریمر (۱) دوسری جلد ۱۷۵-۱۷۶ [12] بٹلر "مصر کے قدیم قبطی گرجا" پہلی جلد صفحہ ۸۴۔

اور اسی صدی میں جبکہ عضد الدولہ بویہ (۹۴۹-۹۸۲ء) جنوبی فارس اور عراق پر مسلط تھا تو اسکے مسیحی المذہب وزیر اعظم نصر ابن ہارون نے متعدد گرجا اور خانقاہیں تعمیر کیں[۱]۔ فاطمی خاندان مصر کے ساتویں خلیفہ الظاہر (۱۰۲۰-۱۰۳۵ء) کے عہد میں ایک نیا گرجا تیار ہوا[۲]۔ نئے گرجا اور خانقاہیں عباسی خلیفہ مستضی (۱۱۷۰ء) کے زمانہ میں بھی تعمیر ہوئیں[۳]۔ ۱۱۸۵ء میں فسطاط کے شہر میں ایک گرجا تعمیر ہوا اور "لیڈی دی پیور وَرجن"[۴] کے نام سے موسوم ہوا[۵]۔

اسلامی سلطنت کے قیام سے بجائے اس کے کہ مسیحی کلیسا کی ترقی میں نقصان پیدا ہوتا نسطوری عیسائیوں کی تاریخ سے ظاہر ہوتا ہے کہ جب سے وہ مسلمانوں کی رعایا بنے اُن میں مذہبی زندگی اور دینی جوش دفعتاً زور شور سے پیدا ہو گیا۔ اسلامی حکومت سے پہلے نسطوریوں کی یہ حالت تھی کہ ملک عجم میں جہاں اس فرقہ کے لوگ کثرت سے رہتے تھے عجمی بادشاہوں کے گاہے لطف و گاہے غضب سے اُن کی زندگی بڑی دُکھ میں بسر ہوتی تھی۔ اور جب عجمیوں اور رومیوں میں لڑائیاں برپا تھیں تو اُن کو سخت آزار اس بدگمانی سے پہنچتا تھا کہ وہ مسیحی غنیم سے سازش رکھتے ہیں۔ لیکن خلفاء کے دور حکومت میں اُن کو اپنے وطن اور ملک میں ایسی حفاظت میسر آئی کہ مسیحی مشن کے کاموں کو بھی بڑی دھوم دھام سے بیرونی ممالک میں اُنھوں نے جاری کیا۔ چین اور ہندوستان کو اپنی مشنری روانہ کئے اور آٹھویں صدی عیسوی میں اُن دونوں ملکوں میں مطران کے علاقے قائم کر دیے اُسی صدی میں نسطوریوں نے مصر میں اپنا قدم جمایا[۶] اور

---

[۱] ابن الاثیر۔ جلد ہشتم۔ صفحہ ۵۰۹ [۲] رنودو صفحہ ۳۹۹۔ [۳] بیکل بے گرینڈ صفحہ ۳۲۳ [۴] اسکے معنی ہیں ہماری خاتون جو پاک ہوا اور کنواری ہو حضرت مریم سے مراد ہے [۵] ابو صالح صفحہ ۱۰۹ [۶] ملک فارس کے ایک ڈومینکن راہب نے جس کا نام کولد مونٹی کروسس تھا تیرھویں صدی عیسوی کے ختم اور چودھویں صدی عیسوی کے شروع میں مشرق کی سیر کی۔ اس راہب نے لکھا ہو کہ پیروی مذہب میں جو آزادی نسطوریوں کو اسلامی حکومت میں حاصل ہوئی وہ اُسکے زمانہ سفر تک قایم اور برقرار تھی راہب لکھتا ہے۔ "وہیں نے سارا سین کی قدیم اور مستند تواریخ سے دریافت کیا کہ نسطوری محمد کے دوست تھے اور وہ محمد کا ساتھ دیتے تھے اور خود محمد صلعم نے اپنے خلفاء کو حکم دیا کہ نسطوریوں کی سب سے زیادہ توقیر کریں اور اس حکم کی آج کے دن تک سارا سین بہت پابندی کرتے ہیں (لارنٹ صفحہ ۱۲۸)

اسکے بعد بر اعظم ایشیا کے دوسرے سرے پر اپنے مذہب کو شائع کرنے لگے اور گیارھویں صدی عیسوی میں تاتاریوں میں سے بہت لوگوں کو عیسائی کرلیا۔

اگر اور مسیحی فرقوں سے ایسی سرگرم کوششیں ظاہر نہیں ہوئیں تو اس میں مسلمانوں کا کچھ قصور نہ تھا۔ سلطنت اسلامیہ نے سب فرقوں کو مذہبی آزادی دے رکھی تھی اور اس سے بڑھکر یہ کیا تھا کہ ایک فرقہ دوسرے فرقہ پر ظلم نہ کرسکتا تھا۔ پانچویں صدی عیسوی میں برسمس نے جو نسطوری بشپ تھا مجوسی بادشاہ فارس کے سامنے یہ ظاہر کرکے کہ نسطورس کے عقائد جو فرقہ نسطوری کا بانی تھا مجوسیوں کے دین سے قریب کا واسطہ رکھتے ہیں بادشاہ کو ترغیب دی کہ ارتھودوکس کلیسہ کے عیسائیوں پر سخت ہنگامہ کیا جاوے۔ چنانچہ نتیجہ یہ ہوا کہ ساٹھ ہزار آٹھ سو بیس اور اُن کے ساتھ متعدد عیسائی اس ہنگامہ میں قتل ہوئے[۵۱]۔ اس واقعہ کے ایک سو پچاس برس بعد اسی طرح کا ایک ظلم فارس کے مجوسی بادشاہ نے ارتھودوکس عیسائیوں پر اپنے عیسائی طبیب کے اشارے سے کیا۔ یہ طبیب یعقوبی مسیحی تھا اور بادشاہ کو اُس نے بہکا دیا تھا کہ ارتھودوکس فرقہ ہمیشہ رومی عیسائیوں کی طرفداری کریگا[۵۲]۔ لیکن اہل اسلام میں جو اُصول مذہبی آزادی کے تھے وہ ایسی بے انصافیوں کو روا نہ رکھ سکتے تھے۔ بلکہ دریافت ہوتا ہے کہ مسلمانوں کی یہی کوشش رہی کہ اپنی تمام عیسائی رعایا کے ساتھ ایمانداری سے پیش آئیں۔ چنانچہ اس کی مثال موجود ہے۔ فتح مصر کے بعد یعقوبی فرقہ کے عیسائیوں نے رومی حکام کی برطرفی کیوقت موقع پایا کہ ارتھودوکس عیسائیوں کے گرجاؤں پر قبضہ کرلیں۔ لیکن کچھ عرصہ کے بعد جب ان گرجاؤں کے حقدار پیدا ہوئے اور اُنہوں نے اپنا حق ثابت کردیا تو مسلمانوں نے یہ گرجا اُن کو دلوا دیے[۵۳]۔

جب اس طرح کی مذہبی آزادی عیسائیوں کو مسلمانوں سے اُنکے ابتدائی دورِ حکومت میں ملی تو یہ عام دعویٰ کہ تلوار تبدیل مذہب کا باعث ہوئی مشکل سے قابلِ اطمینان معلوم ہوتا ہے اور ہم مجبور ہوتے ہیں کہ جبر و اکراہ نہیں بلکہ اور اسباب کو جو تبدیل مذہب کا موجب ہوئے

[۵۱] ہیکل۔ بے گرینڈ صفحہ ۲۳-۲۱۰۷ [۵۲] الکمن صفحہ ۱۲ [۵۳] رنودو۔ صفحہ ۱۶۹۔

تلاش کریں۔ لیکن بدقسمتی سے یہ مضمون بہ تفصیل کہیں دیکھنے میں نہیں آتا۔ اور ہم مجبور ہوتے ہیں کہ قیاس سے کام لیں[1]۔ بہت سے مسیحی علماء[2] نے فرض کیا ہے کہ زمانہ عروج اسلام میں مشرقی کلیسہ کی اخلاقی اور روحانی ذلیل حالت نے بہت لوگوں کے دلوں کو مسیحی مذہب سے اُچاٹ کر دیا اور اُن کو ہانک دیا کہ ایسے دین کی زیادہ صحت اور روحانی آب و ہوا کو تلاش کریں جو اپنے نوخیز جوش اور طاقت سے ان تک پہنچا تھا[3]۔ چنانچہ ڈین ملمین[4] نے سوال کیا ہے کہ "اُن ملکوں میں مسیحی دنیا کی کیا حالت تھی جن کو اسلام کے پہلے حملوں کا سامنا ہوا؟ ایک فرقہ دوسرے فرقہ کی مخالفت میں اور ایک مسیحی عالم دوسرے عالم سے دینی مسائل کے ادق فلسفی نکات پر مباحثہ اور مناظرہ میں مصروف تھا۔ ارتھودوکس۔ نسطوری۔ آنکنوی اور یعقوبی فرقے ایک دوسرے پر انتہائی دشمنی سے ظلم کرتے تھے۔ مذہبی مناظروں کی نسبت یہ فیصلہ کرنا زیادہ قبیح تصور نہیں ہو سکتا کہ بہت لوگوں نے اس بات کی جگہ کہ کل مسیحی دین کو سب کے لیے مقصد واحد قرار دیکر اس کی حمایت کرتے حریف مقابل کی تذلیل کو جب وہ کافروں کے جوے کے نیچے آگیا ہوگا خوشی کی نظر سے دیکھا ہوگا۔ کس قدر لوگوں میں ان متواتر مباحثوں نے دین کی بنیاد کو ہلا ڈالا ہوگا! تعجب تو اس بات پر ہوتا اگر ان ہمیشہ کے مناظروں اور پریشان رکھنے والے جھگڑوں سے بیزار اور پریشان ہو کر ہزار دل آدمی توحید کے سیدھے اور صاف سمجھ میں آنے

[1] فون کریمر نے خوب لکھا ہے کہ "ہم مورخان عرب کی محنت شاقہ کے مشکور ہیں کہ اُنہوں نے قدیم زمانہ اسلام کی ملکی اور جنگی معلومات کے ذخیرے ہمارے علم کے لیے جمع کر دیے جو بارہ صدیوں کے گذرنے کے بعد بھی ایسے مکمل ہیں جیسا مکمل ہونا ممکن تھا لیکن اس حیرت خیز زمانہ کی اندرونی تاریخ یا اس بات کا حال کہ ایک نئے اور سخت مذہب کا دوسرے قدیم شائستہ بلکہ حد سے زیادہ شائستہ دین سے کیونکر مقابلہ ہوا اتنا بھی دریافت نہیں ہوتا کہ اسکا سرسری نقشہ بھی معلوم ہو جائے" (فون کریمر (۲) صفحہ ۱-۲) [2] علاوہ اُن عبارتوں کے جو آگے بیان ہونگی مفصلہ ذیل تصانیف کی عبارتوں سے بھی مقابلہ کرو۔ گلٹونس اور سٹرڈنگ کی سائیکلوپیڈیا۔ سب آرٹ۔ محمڈنزم۔ جلد ششم صفحہ ۴۲۰ جیمس فری مین کلارک کی کتاب "دوس بڑے مذہب" دوسرا حصہ صفحہ ۵، (مطبوعہ لندن ۱۸۸۳ء) [3] مورخ طبری نے ہرقل قیصر روم کو اسلام کی نسبت یہ کہتے ہوئے ظاہر کیا ہے کہ "انکا دین نیا دین ہے جو انکو نیا جوش دیتا ہے"۔ صفحہ ۲۱۰۲ [4] ہسٹری آف لیٹن کرسچینٹی۔ دوسری جلد صفحہ ۲۱۶-۲۱۷۔

کلمۂ برحق کی پناہ نہ ڈھونڈتے گو اس چیز کو محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کا اقرار کرکے خریدنا ہوتا تھا"۔ اسی طرح کنان ٹیلر کہتا ہے[۱] "اس بات کا سمجھنا آسان ہے کہ کیوں یہ اصلاح شدہ یہودی مذہب (یعنی اسلام) اس قدر جلد افریقہ اور ایشیا میں شائع ہوگیا۔ افریقی اور شامی علماء نے مسیح علیہ السلام کے دین کی جگہ دشوار فلسفی مسائل پیدا کر دیے اپنے زمانہ کی بدکاری کا مقابلہ اُنھوں نے اس طرح کیا کہ تجرد کی آسمانی خوبیوں کو اور کوارپنے کے ملکی اوصاف کو پیش کیا۔ ترک دنیا تقدس کی راہ ٹھہری اور میلی مٹی رہبانی پاکیزگی کا خاصہ سب لوگ شرک تھے۔ شہیدوں اور ولیوں کو پوجتے اور ملائکہ کی پرستش کرتے تھے۔ بڑے درجہ کے لوگ عیش پرست اور بدراہ تھے اور اوسط درجہ کے آدمی محصولوں کے بوجھ میں دبے[۲] تھے۔ غلام ایسے تھے جنکو حال اور استقبال دونوں سے مایوسی تھی۔ گویا خدا کی جھاڑو سے اسلام نے ان مزخرفات اور اوہام کے کوڑے کو جھاڑ دیا۔ اسلام ان خالی خولی مناظروں کے خلاف ایک ہنگامہ تھا۔ اسلام تجرد کے پُرزور دعوے کے مقابلہ میں کہ وہ تقدس کا تاج ہے ایک مردانہ اعتراض تھا۔ اسلام نے دین کے لازمی اُصولوں کو یعنی توحید اور خدا کی بزرگی کو اُس کے رحم اور انصاف کو اور اس بات کو کہ وہ اپنی مرضی پر سب کی اطاعت یعنی توکل اور ایمان چاہتا ہے سب کے سامنے پیش کیا۔ اسلام نے انسان کی ذمہ داری کا اعلان کیا۔ آینوالی زندگی کو اور انصاف کے دن کو اور سخت عذاب کو جو گنہگاروں پر ہوگا پکار کر بتا دیا۔ نماز روزے اور زکوٰۃ اور سخاوت کے فرائض کا فرمان جاری کیا۔ بناوٹ کی نیکیوں اور دینی فریبوں اور منقلب اخلاقی خیالات کو اور کٹھ حجتیوں کی باریک لفظی حجتوں کو اسلام نے دھکے دیکر نکالدیا۔ رہبانیت کی جگہ مردانہ روش پیدا کردی۔ غلام کو اُمید بخشی۔ بنی نوع انسان کو اخوت دی۔ اور انسانی فطرت کے اصلی شرائط کو پہچانا"۔

---

[۱] ایک مضمون جو چرچ کانگریس بمقام وولورہیمپٹن ۷ اکتوبر ۱۸۸۷ء کو پڑھا گیا۔

[۲] محصولی انتظام کی سختیوں کا حال پڑھنا ہو جو بائزنٹاین حکومت میں تھا تو ہیزنٹنٹ گشیحتن مصنف فرور کو دیکھو۔

اسلام کی نسبت یہ بھی بیان ہوا ہی کہ جو اکلیزیاسٹیرم[۵۱] یعنی محکمہ مسیحی عالموں اور ملاؤں وغیرہ
تھا اسلام اس کا رد کرنیوالا تھا۔ یہ محکمہ قیصر کے دربار کو خدا کے آسمانی دربار کی نقل سمجھتا تھا اور قیصر
عیسوی دنیا کا سب سے بڑا دنیوی سردار ہی نہیں بلکہ مذہب کا سب سے بڑا پیشوا مانتا تھا[۵۲]۔ جستینین کے
عہد حکومت میں اس محکمے نے وہ زور پکڑا کہ مطلق العنانی کے درجہ کو پہنچگیا اور بوجھل لوہے کی طرح
سبکو دبا یا۔ ۵۳۲ء میں جو عام ناراضی قسطنطنیہ میں کلیسا اور سلطنت کیطرف سے پیدا ہوئی وہ جستینین
کی حکومت کے خلاف بغاوت میں پھٹ پڑی۔ چنانچہ پینتیس ہزار آدمیوں کے قتل کے بعد یہ
بغاوت فرو ہو سکی۔ باغیوں نے جنکو گرین کہتے تھے تماشا گاہ میں جاکر قیصر کے ظلم و ستم پر سختی کے
ساتھ علانیہ اعتراض کیا اور پکار کر کہا "انصاف دنیا سے اٹھ گیا اور اب وہ نہیں ملسکتا۔ مگر ہم یہودی
ہو جائیں گے یا یہ ہوگا کہ پھر یونان کی بت پرستی اختیار کریں[۵۳]"۔ ایک صدی کے زمانہ میں بھی جو اس
واقعہ کے بعد گذرا ناراضی کے اسباب میں سے جس ناراضی نے اسقدر سختی کے ساتھ اپنا اعلان
کیا تھا کوئی سبب دور نہ ہو سکا۔ البتہ (بائزنٹائن) رومی حکومت کے زبردست ہاتھ نے دوبارہ اس
بغاوت کے برپا ہونیکا انسداد کر دیا جیسے کہ ۵۳۲ء عیسوی میں ہوئی تھی۔ اور باغیوں کو مجبور کیا کہ اپنی
ناخوشی کا اخفا کریں۔ اگرچہ ۵۶۲ء میں بعض لوگ جو خفیہ بت پرست تھے قسطنطنیہ میں گرفتار ہوئے
اور اُن کو سزا دیگئی[۵۴]۔ بہرکیف دار الخلافہ قسطنطنیہ سے دور سلطنت کی سرحد پران باغیونکو زیادہ حفاظت
میسر آئی اور مظلوم (ہیرتک یعنی بدعتی) فرقوں اور عیسائیوں نے جو روم کے شاہی کلیسا سے
ناراض تھے مشرق میں پناہ لی۔ اور یہاں اُن عیسائیونکی اولاد نے عساکر اسلامیہ کے خیر مقدم
انتظار کیا ہوگا جنھوں نے سو برس پہلے اپنے مسیحی دین کو دوسرے مذہب سے تبدیل کرنیکی خواہش ظاہر کی
تھی۔ علاوہ ان باتوں کے جو اوپر بیان ہوئیں کل قلمرو خلافت میں خصوصاً بڑے شہروں اور ایسے

[۵۱] مذہب اسلام جستینین کی اس بد سلوکی کی مکافات تھا جو قیصر نے بنی نوع انسان کے ساتھ اور بالخصوص عیسوی مذہب کے ساتھ
کی جسکی روحانی اور دنیوی سرداری کا وہ اپنے تئیں مستحق جانتا تھا۔ محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم جو عیسوی سن کے پانچسو اکترویں سال میں پیدا ہوئے
انکو اپنے دین میں بمشکل کامیابی ہونیکا زیادہ تر یہ سبب تھا کہ جو قومیں روم کی عیسائی سلطنت کی حدود یا قرب و جوار میں رہتی تھیں انکو
قیصر کے جور و عقوبت پر جو اسنے شروع زمانہ حکومت میں کیئے سخت نفرت پیدا ہوگئی تھی"۔ فرو ربیز اسٹے گشنختن جلد دوم صفحہ ۲۴
[۵۲] ایضاً ایضاً صفحہ ۲۹۶-۳۰۶ [۵۳] دیکھو نوٹ نمبر ۴۲ بزانتشے گشنختن۔ دوسری جلد صفحہ ۴۲۵

مقامات میں جہاں رعایا کثرت سے رہتی تھی عربی زبان کا عموماً رواج پانا اور عربی اطوار و مراسم کا بتدریج قبول ہو جانا جسکی وجہ سے تقریباً دو صدی کے عرصہ میں اکثر اقوام محکومہ کی معاشرت فاتحین کی قومی زندگی میں شیر و شکر ہو گئی ایسے واقعات ہیں جن سے اکثر ذمیوں کی دینی اور علمی زندگی میں بھی اسلامی چربے اُتارے گئے ہونگے۔ اس تحریک نے بھی کہ از روئے عقل عقائد دین کو تسلیم کیا جاوے دوسری صدی سے پانچویں صدی عیسوی تک اسلام پر اسقدر قوت سے اثر پہنچایا کہ مسیحی علما کا بھی اس سے متاثر ہونا اور ایسے دین سے انحراف کرنا ممکن ہی جسکی دینیات کا مروجہ اصول اس وقت میں بھی تحقیق ہوتا ہی کہ ناممکن بات کو اس لیے کہ ناممکن ہی موجب یقین سمجھا جائے۔ چوتھی صدی کے ایک مسلمان مورخ نے ایک مصری عیسائی کی تقریر ہمارے لیے ابتک محفوظ رکھی ہی اور یہ تقریر ایسی ہی جسکی نسبت بلا عذر یہ خیال ہو سکتا ہی کہ اُس زمانہ میں باقی مشرقی کلیساؤں کا خیال بھی دین کی طرف سے ایسا ہی ہو گا جیسا اس تقریر سے ظاہر ہوتا ہی۔ تقریر حسب ذیل ہی۔

"عیسائی مذہب کے صحیح ہونیکی میرے پاس یہ دلیل ہی کہ میں اُس میں پورا تناقض پاتا ہوں جس کو عقل تسلیم نہیں کر سکتی اور اُسکے باہم متناقض ہونے سے لوگوں کے دل اُس سے نفرت کرتے ہیں اور اگر عقل و حواس کے ذریعہ سے اُسپر غور کریں اور اُسکی تحقیق کریں تو نہ مقدمات کی کسی ترتیب سے اُس کو مدد پہنچتی ہی نہ کوئی دلیل اُسکی تائید کرتی ہی اور نہ کوئی طریقہ بحث اُسکو صحیح ثابت کر سکتا ہی باوجود اسکے میں دیکھتا ہوں کہ دنیا کی بہت سی قومیں اور بڑے بڑے صاحب علم اور صاحب رائے بادشاہ اس مذہب کے مطیع ہیں اور اُس کی پیروی کرتے ہیں۔ اسلیے میرے نزدیک باوجود اُس عقلی تناقض کے جو اس مذہب میں پایا جاتا ہی اور جسکا میں نے ذکر کیا ضرور خاص دلائل ہونگے جنکو اس مذہب کے قبول کرنے والوں نے پا لیا ہو گا اور خاص نشانیاں ہونگی جنکو وہ جانتے ہونگے اور خاص معجزے ہونگے جنکو وہ دیکھ چکے ہونگے اور وہ اسی سبب سے عیسائی مذہب کے قبول کرنے پر مجبور ہوئے ہونگے۔[1]"

---

[1] مسعودی۔ دوسری جلد صفحہ ۳۸۷۔

برخلاف اسکے یہ بھی یاد رکھنا چاہیے کہ زمانہ کے رشنیل اسٹک رنگ سے یعنی ایسے عام میلان
طبیعت سے متاثر ہوکر جو مذہب کو ازروی عقل تسلیم کرنے کا تھا جن عیسائیوں نے اپنا مذہب
چھوڑکر اسلام اختیار کیا اُن کو اسلامی دینیات کے معتزلی مسائل میں قریب قریب وہی جھگڑے
دریافت ہوئے جو دونوں مذہبوں میں مشترک تھے۔ پس جس حد تک دینی مسائل سے بحث اور دینیات
کے اکثر مضامین کے متعلق عام ذہنی کیفیت تھی عیسائی سے مسلمان ہوجانے میں کوئی ایسی
تبدیلی جسکو سخت فرض کیا جاوے پیش نہ آئی ہوگی۔ اگر ایسے متعدد ضروری مسائل اسلام کو نظر
انداز کیا جاوے جن کو وہ لوگ بھی خیال کرسکتے ہیں جو کہ رسول اللہ صلعم کی تعلیم سے قلیل آگاہی رکھتے
ہیں تو بھی اور بہت سے مسائل مشترکہ ایسے موجود تھے جو خلفای بنی اُمیہ کے عہد میں اور اسکے بعد
دمشق کے مسیحی اور اسلامی علماء کے باہمی تعلقات کا صریح نتیجہ تھے کیونکہ اس امر کا اعتراف کیا
گیا ہے کہ مسلمانوں کے علم کلام کی تدریجی اور باقاعدہ ترقی پر سلطنت روم کے مسیحی عالموں کا
اثر پڑا۔ یہانتک کہ عربی زبان میں فقہ کی سب سے قدیم کتاب فقہ اکبر جس صورت اور ترتیب میں ہے
اس کو سینٹ یوحنا دمشقی اور دیگر مسیحی آبا کی ایسی ہی تحریروں سے مقابلہ کرنیکا خیال پیدا ہوتا
ہے[1]۔ عرب کا سب سے قدیم تصوف جس کا میلان محض رہبانی زندگی کی طرف تھا اور جو بعد
کے تصوف سے جس کی ترقی ہندوستان کے خیالات سے ہوئی جداگانہ تھا) زیادہ تر مسیحی
خیالات کے اثر سے پیدا ہوا[2]۔ اور اس اثر کا پتہ بعض معتزلی فرقوں[3] کے مسائل سے خاص کر چلتا
ہے جو روم کے عیسائی عالموں کی طرح ربانی فطرت کے اوصاف کی تحقیق و تدقیق میں مصروف
ہوگئے۔ فرقہ قدریہ نے قدر کے مسئلہ کو براہِ راست مسیحی مذہب سے اختیار کیا۔ فرقہ مرجیہ کا مسئلہ
جس میں ہمیشگی عذاب سے انکار کیا گیا اور جو مسلمانوں[4] کے عام عقیدے کے خلاف تھا
مشرقی کلیسہ کی تعلیم سے اتفاق رکھتا تھا۔ برخلاف اسکے منکروں کے تبدیل مذہب میں گزشتہ

[1] فون کریمر (۲) صفحہ ۸ - [2] فون کریمر صفحہ ۴۵ وغیرہ وغیرہ (۳) صفحہ ۳۲ - [3] محمد ابن الہذیل کی نسبت جو علمای معتزلہ میں سے تھا اور مامون الرشید کا اُستاد تھا کہا گیا ہے کہ اس نے تین ہزار آدمیوں کو مسلمان کیا۔ المرتضیٰ - [4] فون کریمر (۲) صفحہ ۳-۷-۸-

مجتہدین اسلام نے اپنا جو اثر دکھلایا اس کی شہادت روایت سے اس طرح ملتی ہو کہ جب امام ابن حنبل کا انتقال ہوا تو بیس ہزار عیسائی اور یہودی اور مجوسی اُن کی ہدایت سے مسلمان ہو چکے تھے[۱]۔ حنبلی فرقہ کے بڑے فقیہ ابو الفرج ابن الجوزی (۱۲۰۰-۱۱۱۶ء) جو اپنے وقت کے سب سے بڑے عالم اور واعظ اور صاحب تصنیف تھے۔ اُن کی نسبت کہا گیا ہو کہ وہ فخر کیا کرتے تھے کہ اسی قدر لوگوں (بیس ہزار) نے ان کی کوشش سے بھی اسلام قبول کیا[۲]۔

علاوہ اسکے افواج اسلام کی وسیع اور بیّن کامیابی نے اُن مسیحی قوموں میں مذہب کو متزلزل کر دیا جو اہلِ اسلام کی محکوم نہیں اور جنھوں نے اسلامی فتوحات میں خدا کے ہاتھ کو دیکھا[۳]۔ دنیا کی اقبالمندی کو خدا کی مہربانی کا نتیجہ جاننا اور لڑائی کے خدا کو سمجھے کہ جن بندوں پر اپنا لطف ظاہر کیا ہو اُن ہی کو لڑائی میں بھی فتح دیگا پس مسلمانوں کی کامیابی ہی وہ شے نظر آئی جس نے اُنکے مذہب کی سچائی کو ثابت کیا۔

مومنین کی اخوت جس میں سب مسلمان شامل ہوں ایسا افضل خیال دینِ اسلام کا تھا کہ اس نے سب کو اپنی طرف کھینچا اور گو عربوں کے پندار نسب نے کئی نسلوں تک کوشش کی کہ نومسلموں کو فرمانروا قوم کے اختیارات نہ ملنے پاویں مگر کچھ زمانہ کے بعد قبائل عرب کے "موالی" رہکر جن میں وہ پہلے شامل کرلیے جاتے تھے ان نومسلموں کو قوم میں مسلم کا رتبہ دیا گیا اور پہلی صدی ہجری کے خاتمہ پر ان مسلمانوں نے اخوت اسلام کو دینیات میں ممتاز رتبہ دیا اور اسکی صورت ایسی کر دی کہ سلطنت اسلامیہ نے بھی اسکو کم از کم اصول میں تسلیم کیا[۴]۔

عیسائیوں کی حالت ہمیشہ ایسی مذہبی آزادی کی نہ رہی جیسی قدیم خلفاء کے عہد میں تھی بعض اوقات مسلمانوں کو فائدہ پہنچانے کی نظر سے ذمی رعایا پر (جنکو ذمی اس وجہ سے کہتے تھے کہ اُن کی حفاظت کا ذمہ لیا جاتا تھا) مضر شرائط لگائی گئیں تاکہ مسلمانوں کو زیادہ سوشل فوائد میسر رہیں۔ کئی خلفاء نے کوشش کی کہ ذمیوں کو ملکی عہدوں سے محروم کردیں لیکن کامیابی نہوئی خلیفہ متوکل (۸۶۱-۸۴۷ء) اور مقتدر (۹۳۲-۹۰۸ء) اور مصر میں فاطمی خلیفہ امیر (۱۱۳۰-۱۱۰۱ء) نے اور

[۱] ابن خلکان پہلی جلد صفحہ ۴۵ [۲] ووستنفلد صفحہ ۱۰۳ [۳] میکل بے گرینڈ صفحہ ۲۳۱ [۴] گولڈزیہر پہلی جلد۔ باب ۴۰

چودھویں صدی عیسوی میں مملوکی سلاطین نے اسی بارے میں فرامین جاری کیے[۱] لیکن ان احکام کا اس طرح بار بار نافذ ہونا ہی ایسے غیر صلح کل انتظام کے اجرا اور مسلسل تعمیل کے عدم کی علامت تھا۔ درحقیقت ان احکام کا سبب عموماً یہی دریافت ہوتا ہی کہ عیسائی عہدہ دار سختی اور گستاخانہ برتاؤ سے عام ناراضی پیدا کردیتے تھے[۲]۔ یا تعصب کے نزاع برپا ہوجاتے جو سلطنت کو تشدد پر مجبور کرتے تھے لیکن چونکہ یہ تشدد اسلامی حکومت کے اُصول کے خلاف تھا اسلیے جس قدر جلد ممکن ہوتا اُس پر عملدرآمد بھی بند ہوجاتا۔

دیسی عیسائیوں کے ساتھ سخت برتاؤ کا ہونا ہارون الرشید (۷۸۶ء-۸۰۹ء) کے عہد خلافت سے شروع ہوتا ہی۔ اس خلیفہ نے عیسائیوں کو حکم دیا کہ خاص لباس پہنا کریں اور جن ملکی عہدوں پر وہ مامور ہوں مسلمانوں کیلیے خالی کردیں۔ پہلے حکم سے ظاہر ہوتا ہی کہ امان حضرت عمرؓ کے احکام میں سے کم از کم ایک حکم کی کس قدر کم پابندی ہوئی۔ ہارون الرشید کے احکام محض مذہبی خیال کا اسقدر نتیجہ نہ تھے جس قدر کہ ملکی حالات کا نتیجہ تھے۔ اسلامی حکومت میں عیسائیوں نے اسوجہ سے اکثر نقصان اُٹھایا کہ غیر ملکوں کی عیسائی عملداریاں اسلامی سلاطین سے تعلقات میں بے ایمانیاں کرتی تھیں۔ اور اس موقع پر قیصرِ روم نیکفورس کی دغابازی تھی جس کا یہ نتیجہ ہوا کہ عیسائی کے نام تک سے ہارون الرشید ملدر ہوجاتا تھا[۳]۔ اکثر ظلم جو عیسائیوں پر اسلامی ملکوں میں ہوئے اُن کا سبب یہی دریافت ہوتا ہی کہ غیر ملکوں کے عیسائی اور اسلام کے دشمن رخنے ڈالکر اور سازشیں پھیلا کر یا تو عیسائیوں کی خیرخواہی کیطرف سے بے اعتباری پیدا کرادیتے یا مسلمانوں کے ساتھ دغابازی کرکے اور اپنی جلادی دکھاکر عیسائیوں کی طرف سے مسلمانوں کے دل میں دشمنی ڈالدیتے تھے لیکن مذہبی تعصب بھی ان ظلموں میں سے اکثر کا ذمہ دار ہی جیسے خلیفہ متوکل (۸۴۷ء-۸۶۱ء) کے دورِ خلافت میں ہوئے جن میں عیسائیوں پر سختی اضافہ کیگئی۔ متوکل کے عہد خلافت میں مذہب میں آزادخیالی اور اعتزال سے جو خلفای سابقہ کے زمانہ میں اسلام میں خوب رائج ہوگئے تھے مسلمانوں کو نفرت پیدا ہوئی۔ اور خلیفۂ وقت نے موقع حاصل کیا کہ

[۱] انیر کونشس عیسائیونکو ملکی عہدوں سے محروم کرنیکی اُسوقت ہوئی جبکہ عیسائیونکا یہ منصوبہ کھل گیا کہ وہ قاہرہ کے شہر کو جلانا چاہتے تھے (دے گوین چوتھی جلد صفحہ ۲۰۲-۲۰۵) (جورنال ایشیاتیق - چوتھا سیری - توم ۱۰ (۱۸۵۱ء) صفحہ ۴۵۴ و ۴۵۵ و ۴۸۳ و ۴۸۴ و ۴۹۱ -
[۲] آسمانی توم ۳ فقرہ ۷ - رنودو صفحہ ۴۳۲ و ۴۰۳-۴۰۷ [۳] سر ولیم میور "خلافت" ۴۷۵ صفحہ -

فرقۂ سنت وجماعت کا حامی بن کر میدان میں آئے جس میں طبقۂ اعلیٰ کے لوگوں[۱] کے سوا سب مسلمان شامل تھے۔ یہ مسلمان خود ان ایذاؤں کے انتقام کے منتظر تھے جو پہلے دو خلفاء کے زمانہ میں ان کو پہنچی تھیں[۲]۔ متوکل نے اہلِ سنت وجماعت کو اس طرح خوش کرنا چاہا کہ معتزلیوں پر ظلم کیے حدوث قرآن کے مسئلہ کو کفر بتا کر قرآن پر زیادہ بحث کی ممانعت کر دی۔ شیعوں کو قید کیا اور مارا۔ حضرت امام حسین علیہ السلام کے روضہ کو جو کربلائے معلی میں تھا مسمار کیا اور ممانعت کر دی کہ زائرین کربلا اس جگہ کی زیارت کو بھی نہ جاویں۔ جب اسلامی فرقوں پر یہ ظلم ہوئے تو عیسائیوں کو بھی اس سے حصہ ملا۔ جو احکام ذمی اور مسلمان کے فرقِ لباس کے جاری ہوئے تھے۔ خلیفہ نے سختی سے ان کی پابندی کا حکم دیا اور کہدیا کہ آیندہ ملکی عہدوں پر عیسائی مقرر نہ ہوں۔ جزیہ کی رقم کو دوگنا کر دیا اور ذمیوں کو ممانعت کی کہ مسلمان غلام نہ رکھ سکیں اور اُن حماموں میں غسل نہ کریں جن میں مسلمان نہاتے تھے۔ اور ایسی ہی اور سخت شرطوں سے عیسائیوں کو ستایا۔ متوکل کے بعد مقتدر (۹۰۸-۳۲ء) نے ان ہی احکام کو ازسرنو جاری کیا لیکن نصف صدی کے بعد ان کی پابندی بھی جاتی رہی۔ فی الواقع یہ سخت احکام فوراً کسی موقع پر اختیار کر لیے جاتے تھے اور اُن پر ہمیشہ پابندی سے عمل نہ ہوتا تھا۔ اس کا ثبوت یہ ہی کہ آیندہ جو خلفاء آئے اُن کو بار بار ان حکموں کا اعادہ کرنا پڑا۔ علاوہ اسکے ایسا ظلم صلح کل طریق اسلام اور پیغمبر خدا صلعم کی تعلیم وشعار کے خلاف تھا۔ کیونکہ آپ نے فرمایا تھا "جو ذمیوں کو تکلیف دیتا ہی وہ مجھکو تکلیف دیتا ہی[۳]"۔ یہ متعصب لوگوں کی خواہش تھی کہ ان سخت احکام کی پابندی اہلِ ذمہ کی تذلیل کیلیے برابر جاری رہی۔ چنانچہ لکھا ہی "علماء اس حالت پر غور کرتے ہیں۔ وہ چپ چاپ روتے اور کراہتے ہیں اور بادشاہ جن میں ان مجرمانہ افعال کو بند کرنے کی قدرت ہی اپنی آنکھیں انکی طرف سے بند کیے ہیں[۴]"۔ قوانین جو کسی مذہب کے متعصب ملّا غیر مذہب والوں کی

[۱] فون کریمر (۳) صفحہ ۲۴۶ [۲] میور (۱) صفحہ ۵۰۸ و ۵۱۶-۵۱۷ [۳] المکین۔ صفحہ ۱۱۔ [۴] جورنال اسائتق چوتھا سری توم ۱۹۔ صفحہ ۱۰۹ (مطبوعہ پیرس ۱۸۵۲ء)۔

سرزنش کے لیے تیار کریں وہ ہمیشہ ایسے نہیں ہوتے کہ سول گورنمنٹ میں عمل درآمد کے لیے اُن کو معیار قرار دیا جاوے اور یہی بات ہے جس کو لوگ سمجھ نہ سکے اور اسلامی حکومت میں عیسائیوں پر ظلم ہونے کی شوخ رنگ تصویریں اُن مصوّروں نے تیار کر دیں جنہوں نے فرض کر لیا کہ دو چار ملّاؤں نے جو قانون گھڑ دیا وہ گویا عمل درآمد کیلیے دوامی ضابطہ ہو گیا۔ بعض دفعہ ان ظلموں کے ہنگاموں کی اس وجہ سے اشتعالک ہوتی تھی کہ سلطنت اسلامیہ میں جو عیسائی جلیل القدر مناصب پر ممتاز ہوتے تھے وہ جیسا کہ دعوی کیا جاتا تھا اپنے اختیارات کا ناروا استعمال کرتے تھے۔ اور مسلمانوں پر ظلم کر کے سخت مخاصمانہ خیالات اپنی طرف پیدا کر لیتے تھے۔ اور یہ کہا گیا ہو کہ بڑے عہدوں پر ماموری کی حالت میں مسلمانوں کو لوٹ کر اور آزار پہنچا کر اور اُن کے ساتھ سخت اور وحشیانہ برتاؤ کر کے اور اُن کی زمینوں اور دولت کو برباد کر کے یہ عیسائی اپنا ذاتی نفع مرتب کر لیتے تھے۔ خلیفہ منصور (۷۵۴-۷۷۵ء) خلیفہ مہدی (۷۷۵-۷۸۵ء) - مامون الرشید (۸۱۳-۸۳۳ء)۔ المتوکل (۸۴۷-۸۶۱ء) اور مقتدر (۹۰۸-۹۳۲ء) اور دیگر خلفاء کے سامنے جو ان کے بعد سریر خلافت پر بیٹھے عیسائیوں کی ایسی ہی شکایتیں پیش ہوئیں[1]۔ عیسائیوں نے اس وجہ سے اور مسلمانوں کو اپنی طرف سے بدظن کر لیا کہ وہ خلفائے عباسیہ کے مخبر تھے اور خاندان امیہ[2] کے طرفداروں کو ڈھونڈ ڈھونڈ کر گرفتار کرتے تھے۔ اس زمانہ کے بعد یہ ہوا کہ جنگہائے صلیب کے زمانہ میں صلیبی مجاہدوں[3] سے باغیانہ خط و کتابت رکھنے کے الزام میں عیسائی مبتلا ہوئے اور اُن کے خلاف ایسی سخت قیود جاری ہوئیں جن کو مذہب کی وجہ سے کسی طرح کا ظلم نہیں کہا جا سکتا۔

محکوم رعایا کی زندگی جس نسبت سے دشوار ہوتی گئی اسی نسبت سے یہ شوق بھی بڑھتا گیا کہ کلمہ لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ پڑھ کر سب مصیبتوں سے چھٹکارا لے لیں۔ جب سلطنت اسلامیہ

---

[1] بیلن۔ صفحہ ۴۳۵-۴۴۰ و ۴۴۲ و ۴۴۸ و ۴۵۶ و ۴۵۹-۴۶۱ و ۴۷۹ و ۴۸۰۔
[2] ایضاً۔ صفحہ ۴۳۵ نوٹ ۲۔
[3] ایضاً۔ صفحہ ۴۷۸۔

کو روپیہ کی ضرورت ہوتی اور یہ ضرورت بڑھتی ہی جاتی تھی تو محکوم رعایا پر محصول کا بوجھ اور ترقی پکڑتا جاتا تھا یہاں تک کہ ذمیوں کی حالت ناقابل برداشت ہوگئی اور اسی نسبت سے تبدیل مذہب کی مثالیں بھی زیادہ وقوع میں آگئیں۔ عیسائی رعایا کی کمی کا دوسرا سبب یہ ہوا کہ جو عورتیں لڑائیوں میں گرفتار ہوتی تھیں وہ مسلمانوں کی حرم سراؤں میں لائی جاتی تھیں۔ اور جو اولاد اُن سے پیدا ہوتی تھی وہ اپنے باپ کے مذہب پر اُٹھائی جاتی تھی۔ ایک اور سبب یہ تھا کہ عیسائی غلاموں کو اُن کے مہربان آقاؤں سے ہمیشہ اس بات کی ترغیب ہوتی تھی کہ اسلام قبول کرکے آزاد ہو جاویں۔ مگر کوئی باقاعدہ کوشش اس بات کی کہ لوگوں کو بجبر مسلمان کیا جائے یا کوئی ظلم و تعدی کا ایسا مستقل محکمہ دریافت نہیں ہوتا جو عیسوی مذہب کے استیصال کے لیے ہوتا۔ اگر ان دونوں باتوں میں سے ایک بات کو بھی خلفائے اسلام جی میں ٹھان لیتے تو اپنی قلمرو سے مسیحی دین کو اس طرح سے ملیامیٹ کر دیتے جیسے بادشاہ فرڈنند اور ملکہ ازبلہ نے اسلام کو ہسپانیہ سے نکالا تھا یا لوئی چہاردہم بادشاہ فرانس نے پروٹسٹنٹ مذہب کو اپنے ملک میں قانونی جرم قرار دیا تھا یا جس طرح ساڑھے تین سو برس تک سلطنت انگلستان نے یہودیوں کو اپنے ملک میں داخل نہیں ہونے دیا تھا۔ مشرقی کلیسا جس قدر ایشیا میں تھے اُنکو باقی مسیحی دنیا سے بالکل قطع تعلق ہوگیا تھا اور اس میں کوئی شخص ایسا نہ ملتا جو اُن کی طرفداری میں اُنگلی تک اُٹھاتا کیونکہ مشرقی کلیساؤں کو اصل دین سے منحرف سمجھا جاتا تھا۔ پس ان کلیساؤں کا آج کے دن تک زندہ رہنا ہی پکا ثبوت اس بات کا ہے کہ اسلامی حکومتوں نے عموماً مذہبی آزادی کا طریق ان سے برتا۔[۱]

[۱] الحاکم خلیفہ مصر (۹۹۶–۱۰۲۰ء) نے درحقیقت تمام یہودیوں اور عیسائیوں کو حکم دیدیا تھا کہ مصر سے نکلکر روم کی عیسائی سلطنت میں چلے جاویں۔ لیکن جب عیسائیوں نے منت سماجت کی تو خلیفہ نے یہ حکم منسوخ کر دیا۔ (مقریزی (۱)، صفحہ ۹) خلیفہ الحاکم کے نزدیک بالکل ممکن تھا کہ اس حکم کو سلیم اوّل کی طرح چلاتا۔ ظالم سلیم (۱۵۱۲–۱۵۲۰ء) نے یہ تجویز کی کہ اپنی قلمرو سے مذہبی تفرقات کو قطعاً نیست و نابود کر دیا جاوے۔ چنانچہ اس خیال سے چالیس ہزار شیعوں کو اس نے اپنی سلطنت میں قتل کیا۔ اگر یہ خلیفہ اپنی تجویز کی بالکل ہی تکمیل چاہتا تو سب عیسائیوں کو بھی کالعدم کر سکتا تھا لیکن ایسے فعل سے باز رہنے میں سلیم نے فی الواقع اس عام اصول کی پابندی کی جسکو مسلمان سلاطین نے اپنی عیسائی رعایا کیلیے اختیار کیا تھا (فنلے پانچویں جلد صفحہ ۲۹–۳۰)

سنہ ۱۸۸۸ء میں انطاکیہ کی بطریقی میں اسی ہزار عیسائی اور فلسطین کی بطریقی میں پچاس ہزار اور مغربی شام کے یعقوبی کلیسا میں چار لاکھ اور مشرقی شام کے اسیرین کلیسا میں دو لاکھ عیسائی موجود تھے۔ ان کے علاوہ مارونی کلیسا لبنان کا ہے اور یونیٹ کلیسا مشرق میں ہیں جنہوں نے روما کے کلیسہ کی عبادت قبول کر لی ہے[۱]۔ بڑا تعجب اس بات کا ہے کہ لڑائیوں اور وباؤں اور قحطوں[۲] کے غارتگر حملوں کے بعد اور ایسے ملک کی بود و باش میں جو صدیوں تک میدان کارزار بنا رہا ہو جس پر ترک و مغل اور صلیبی مجاہد[۳] مسلط رہ چکے ہوں یہ علیحدہ علیحدہ منتشر مسیحی گروہ کیونکر ابھی تک زندہ و سلامت ہیں۔ ماسوا ان امور کے یہ بھی یاد رکھنا ہے کہ اسلامی قانون کی رو سے عیسائیوں کو ممانعت تھی کہ اپنی کم تعداد کو ترویج مذہب سے پورا نہ کرسکیں لیکن عیسائیوں کو اس بات کی پرواہ ہی نہ ہوئی ہو گی کیونکہ دریافت ہوتا ہے کہ اسلامی فتوحات سے پہلے ہی سوائے (نسطوریون) کے مشرقی عیسائیوں میں سے اشاعت مذہب کا جوش مفقود ہو چکا تھا۔ جس کے بغیر تواریخ سے ثابت ہے کہ کوئی کلیسا صحت کی زندگی نہیں جی سکتا۔ یہ خیال بھی ظاہر کیا گیا ہے کہ ترک دنیا کا رہبانی خیال جو مشرق میں بہت شائع تھا اور عیسائیوں میں ایک بیوی کرنے کا دستور اور پھر بے حفاظتی اور محکومی کی حالت کا خیال ایسے اسباب تھے جنہوں نے عیسائی رعایا کی تعداد کو بڑھنے نہ دیا[۴]۔

مشرق میں عیسوی مردمشماری کا انحطاط ایسے ہی کچھ اسباب سے تھا جو اوپر بیان ہوئے اور جن میں ایک سبب یہ بھی شمار ہونا چاہیے کہ عیسائی برابر اسلام قبول کرتے رہتے تھے لیکن مذہب کی وجہ سے ظلم جو مسلمان فرمانرواؤں کی طرف سے ہوتا اس کمی کا موجب نہ تھا۔

تبدیل مذہب کے واقعات جن کے سبب سے اسلام قبول کیا گیا ہو اور جو تفصیل بیان ہوں نہیں

---

[۱] ہنگسٹن۔ رلی "سائنو پسس آف اورئنٹل چرچز" (دی گارڈین۔ ۲۷ جون ۱۸۸۸ء) [۲] دیکھو آفون کریمر (۱) دوسری جلد صفحہ ۴۹۰۔ ۴۹۲ [۳] جو برتاؤ رومن کیتھولک مذہب والے مشرقی عیسائیوں کے ساتھ کرتے تھے اسکی مثال ۱۲۰۴ء کے واقعہ سے معلوم ہوتی ہے جبکہ صلیبی مجاہدوں نے قسطنطنیہ کو تاراج کیا۔ ابو الفدح نے شکایت کی ہے کو ئنٹ گو سکیلین نے جو الرہا کا سردار تھا دیر جوران پر اسطرح حملہ کیا اور اسکو لوٹا کہ گویا یہ سردار سارا سین یا ترک تھا۔ ابو الفدح (۱)۔ جلد دوم صفحہ ۵۰۶۔ ۵۰۸ [۴] ملین دوسری جلد صفحہ ۲۱۸

دریافت ہوتے جس وقت پہلی ہی دفعہ عربوں کا تسلط عیسائیوں کے ملک پر ہوا تو معلوم ہوتا ہی کہ بہت عیسائیوں نے اسلام قبول کیا[1]۔ ملک عراق میں جو لوگ مسلمان ہوئے اُنکی تعداد کا کسیقدر اندازہ اس طرح ہوتا ہی کہ حضرت عمرؓ کے عہدِ خلافت میں جزیہ کی آمدنی دس کروڑ سے لیکر بارہ کروڑ درہم کی تھی۔ اور تقریبًا پچاس برس بعد خلیفہ عبدالملک کے زمانہ میں صرف چار کروڑ رہگئی حاصل ملک میں یہ کمی گو زیادہ تر اس سبب سے ہوئی کہ لڑائیوں اور بغاوتوں سے بربادی ہوئی تھی لیکن خاص وجہ یہ تھی کہ نہایت کثرت سے عیسائیوں نے اسلام قبول کرلیا اور اُن پر جزیہ واجب لادا نہ رہا[2] اسی زمانہ میں ملک خراسان میں عیسائیوں کا کثرت سے مسلمان ہونا یعقوبی بطریق یسوعیب سوم کی تحریر سے جو سائمن کے نام اُسی زمانہ میں لکھی گئی دریافت ہوتا ہی۔ سائمن فارس کا پرائمیٹ[3] اور ریوردشر کا مطران تھا۔ چونکہ پہلی صدی ہجری کے مسیحی مکتوبات بہت کم موجود ہیں اور یسوعیب کی تحریر سے واضح شہادت اس امر کی ملتی ہی کہ اسلام امن کے طریقوں سے خراسان میں شائع ہوا اور چونکہ زمانۂ حال کے مورخوں نے اس تحریر کیطرف کم توجہ کی ہی اسلیے اُس کو یہاں تمامتر نقل کرنا مناسب معلوم ہوتا ہی۔ یسوعیب لکھتا ہی "کہاں ہیں تیرے بیٹے اے باپ"۔ "جو بیٹوں سے محروم ہوگیا۔ کہاں ہیں مرو کے برگزیدہ باشندے جنھوں نے گو تلوار اور آگ اور اذیت کو نہ دیکھا"۔ "مگر نصف مال کی محبت میں احمقوں کی طرح سچے رستے سے بھٹک کر بے دینی کے غار میں جہاں ہمیشہ کا عذاب ہی وہ سر کے بل جا کودے اور بالکل نیست کردیے گئے۔ صرف دو قسیس (جو نام کو قسیس کہلاتے تھے) کفر کے غارتگر شعلوں سے اس طرح بھاگ سکے جیسے جلتی آگ سے 'وجلتی لکڑیاں نکالی جاویں'۔ حیف حیف اتنے ہزاروں میں سے جو مسیحی کا نام رکھتے تھے ایک گنہگار بھی سچے دین کیلیے اپنا خون بہا کر خدا کی راہ میں پاک نہ بنا۔ کہاں ہیں کرمان اور تمام فارس کے عبادت خانے

---

[1] جے۔ بی۔ بری "سلطنت رومائے اخیر عہد کی تاریخ" دوسری جلد صفحہ ۲۶۶ (مطبوعۂ لندن ۱۸۸۹ء)

[2] اے فون کریمر (۱) پہلی جلد صفحہ ۱۷۲ [3] کلیسا کا بڑا عہدہ ہی۔ مترجم۔

یہ شیطان کا دنیا میں آنا نہ تھا۔ یہ زمین کے بادشاہوں کے ایلچیوں کا آنا نہ تھا۔ یہ صوبوں کے حاکموں کے فرامین کا آنا نہ تھا جس نے انکو برباد کیا اور کھنڈر بنا دیا یہ کمزور سانس ایک حقیر چھوٹے بھوت کا (نعوذ باللہ) آنا تھا جس کو بھوت پنے کی عزت کے قابل بھی اُن بیوقوفوں نے نہ سمجھا (نعوذ باللہ) جنھوں نے اُس کو اُسکے پیغام کے ساتھ بھیجا جس کو شیطان بہکانے والے نے اپنا شیطانی فریب بھی نہ دیا (نعوذ باللہ) لیکن اُس نے اپنے حکم کے اشارے سے تمہارے فارس کے تمام کلیساؤں کو ڈھا دیا۔۔۔۔ اور عرب جنکو خدا نے اسوقت دنیا کی سلطنت دے رکھی ہے۔ دیکھو وہ تم میں ہیں جیسا کہ تم بھی جانتے ہو۔ لیکن وہ مسیحی دین پر حملہ نہیں کرتے بلکہ وہ ہمارے مذہب پر مہربانی کرتے ہیں اور گرجاؤں اور خانقاہوں کو فائدہ پہنچاتے ہیں۔ پھر کیوں تمہارے مرو کے باشندوں نے ان عربوں کی خاطر اپنا مذہب چھوڑ دیا؟ اور مذہب بھی ایسی حالت میں چھوڑتے ہیں اور مرو کے باشندے خود بھی اس بات کو کہتے ہیں کہ عربوں نے ان کو اپنا دین چھوڑنے پر مجبور نہیں کیا۔ اگر اپنے مال کا نصف حصہ وہ عربوں کو دیدیں تو عرب اُن کو اجازت دیتے ہیں کہ اپنے دین کو امن سے اور بغیر ناپاک ہوئے رہنے دیں۔ لیکن مرو کے لوگ اپنے دین کو چھوڑ کر جو اُن کو ہمیشہ کی نجات دیتا ہے اپنے مال کے ادھواڑسے چمٹے رہتے ہیں جو گذرنیوالی دنیا کا مال ہے وہ دین جس کو تمام قوموں نے اپنا خون بہا کر خریدا اور جس کو آج کے دن تک اپنا خون بہا کر خریدا جاتا ہے اور حیات جاوید اس سے حاصل کی جاتی ہے تمہارے مرو کے باشندے راضی ہو گئے کہ اس کو مال کی ادھواڑیا اس سے کم مول پر بیچ ڈالیں[۵۱]۔"

خلیفہ عمر ثانی یعنی خلیفہ عمر ابن عبد العزیز (۷۱۷ء-۷۲۰ء) کا زمانہ خلافت تبلیغ اسلام کی وسعت کے اعتبار سے بالخصوص ممتاز تھا۔ خلیفہ وقت نے اشاعت اسلام کیلیے باقاعدہ تحریک شروع کی۔ اور اقوام محکومہ کو ہر طرح کی ترغیب دی کہ اسلام قبول کریں ۸۰۰ء عیسوی میں

[۵۱] آسمانی توم ۲۔ پہلا حصہ۔ صفحہ ۱۳۰-۱۳۱-

جو احکام اس نظر سے جاری ہوئے تھے کہ بیت المال میں روپے کی قلت نہ ہونے پاوے اور جن کے بموجب نو مسلم جزیہ سے بری نہ ہوتا تھا بلکہ بدستور ادا کرتا رہتا تھا ان احکام کو خلیفہ نے منسوخ کیا۔ جو مالکان اراضی مسلمان ہوتے تھے اُن سے خراج لینا بند کر دیا اور اُن پر عُشر لگا دیا جو خفیف محصول تھا۔ یہ انتظام مالی اعتبار سے گو نہایت مضر تھا لیکن جس نیت سے نیک نفس خلیفہ نے اسکو جاری کیا اس میں کامیابی ہوئی اور کثرت سے لوگ مسلمان ہو گئے[۱]۔

بہرکیف یہ فرض نہ کر لینا چاہیے کہ فقط دنیا کا نفع اُس اثر کو مرتب کرتا تھا جس سے عیسائیوں نے اسلام قبول کیا۔ پہلی صدی ہجری میں سینٹ یوحنا دمشقی کی مناظرانہ تصانیف سے پتہ چلتا ہے کہ پرجوش مسلمان دلائل پیش کر کے مسیحی دین کی بیخکنی میں کیسے ساعی تھے۔ مکالمات کی صورت میں ان تصانیف کے لکھے جانے سے اور ایسے جملوں کی تکرار سے کہ اگر "سار اسین پوچھے۔ اگر سار اسین کہے .... تو بتانا" ظاہر ہوتا ہے کہ گویا وہ اصلی مکالمے تھے اور ان کا مقصد یہ تھا کہ عیسائی ایسی کتابوں سے مہیا رہیں جن میں عیسوی مذہب پر مسلمانوں کے اعتراضات کا جواب فوراً مل سکے[۲]۔ ان مکالمات میں اسلامی حریف مقابل کو ایسا دکھایا ہے جو بحث میں پہلے اعتراض اُٹھاتا ہے۔ اور یہی بات ہونی قرین قیاس بھی تھی۔ کیونکہ مسیحی عالم یوحنا کا مقصد یہ نہ تھا کہ اسلام سے معذرت کرے اور اس معذرت کو اپنی تصانیف میں محفوظ کر جاوے۔ یوحنا دمشقی کے شاگرد بشپ تھیوڈور ابو قرہ نے بھی اکثر مکالمے اہل اسلام کے ساتھ لکھے ہیں[۳] اور ان میں بھی دونوں مذہبوں کی بحث طلب باتوں پر مناظرہ کیلیے مخالف فریق قایم کیے ہیں۔ اور مسلمان بدستور سابق ان میں بھی حملے اور اعتراض کیلیے پہلے عصا اُٹھاتے ہیں۔ ان باتوں سے کسیقدر اندازہ ہوتا ہے کہ اس زمانہ میں اسلام کی برتری کیلیے کیسے جوش اور صرف ہمت سے کام لیا جاتا تھا۔

---

[۱] دگست مولر۔ پہلی جلد صفحہ ۴۴۰ [۲] مین۔ توم ۹۶۔ صفحہ ۱۳۳۶-۱۳۴۰ - [۳] مین۔ توم ۹۷۔ صفحہ ۱۵۲۸-۱۵۲۹ و ۱۵۴۸-۱۵۶۱۔

بشپ ابو قرہ لکھتا ہی" ہاجرین کے خیالات اور جوش اس طرف رجوع ہیں کہ کلمۃ اللہ یعنی حضرت عیسیٰ کی اُلوہیت سے انکار کریں اور وہ اپنی تمام ہمتیں اسی مقصد میں صرف کرتے ہیں[۱]"

مذکورۂ بالا واقعات جو ہجرت کی پہلی دو صدیوں سے بیان ہوئے بہت قلیل ہیں۔ ایسے فقط اس قدر معلوم ہوتا ہے کہ تبلیغ اسلام میں کوشش کی جاتی تھی لیکن کوئی معین واقعہ ترویج اسلام کے بارہ میں ان سے تحقیق نہیں ہوتا۔ ایسے واقعہ کی پہلی دستاویز جو بیّن طور پر تبلیغی حیثیت رکھتی ہی اس کا زمانہ ماموں الرشید (۸۱۳-۸۳۳ء) کے عہد خلافت میں دریافت ہوتا ہی یہ دستاویز خط کی شکل میں ہی[۲]۔ جس کو ماموں کے ایک عزیز (الہاشمی) نے اپنے عیسائی دوست کے نام لکھا جو شریف النسب عرب تھا اور دربار ماموںی میں بڑا اعزاز رکھتا تھا اور خود خلیفہ اس کی بڑی توقیر کرتا تھا۔ اس خط میں الہاشمی نے نہایت محبت سے اور ایسے الفاظ میں جو شاہد ہیں کہ مسلمانوں کا مسیحی کلیسہ کے ساتھ کیسا مذہبی آزادی کا طریق تہا اپنے دوست سے درخواست کی کہ اسلام قبول کرے۔ اشاعت اسلام کی ابتدائی تاریخ میں اس خط کو بےمثل رتبہ حاصل ہی اور اس لیے اس کتاب کے ضمیمہ میں اس کو تمام تر نقل کیا گیا ہی[۳]۔ اسی نامہ میں ایک تقریر نقل ہی جو خلیفہ ماموں الرشید نے اہل دربار کے سامنے کی اور جس میں ان لوگوں کا سخت تحقیر سے ذکر کیا جنھوں نے دنیا کے نفع اور خودغرضی سے اسلام قبول کیا اور انکی مثال اُن منافقین سے قائم کی جنھوں نے یہ ظاہر کرکے کہ پیغمبر خدا صلعم کے دوست ہیں آپکی ہلاکت کیلیے سازش کی۔ لیکن جس طرح خدا کے رسول نے بُرائی کا بدلا نیکی سے کیا اسی طرح خلیفہ نے بھی ارادہ کرلیا ہی کہ ان لوگوں کے ساتھ خلق و تحمل سے پیش آئے گا جبتک کہ خدا ان میں انصاف کرے[۴]۔ خلیفۂ وقت کی زبان سے ایسی شکایت کا بیان ہونا قابل وقعت ہی کیونکہ اس سے ثابت ہوتا ہی کہ نومسلموں کی نسبت یہ خیال تھا اور جستجو تھی کہ بے لوث اور

[۱] مین۔ توم ۷، وصفحہ ۱۵۵۔ [۲] رسالہ عبداللہ بن اسمعیل الہاشمی الی عبدالمسیح بن اسحاق الکندی صفحہ ۱-۳۷ مطبوعہ لندن ۱۸۸۰ء [۳] ضمیمہ نمبر ۲۔ مسلمانوں کی مناظرانہ تحریریں کو دیکھنا ہو تو ضمیمہ نمبر ۳ دیکھو۔ [۴] الکندی صفحہ ۱۱۱-۱۱۳-

خالص ایمان سے اسلام قبول کریں۔ اگر یہ دریافت ہو جاتا تھا کہ جب دنیا یا نازیبا اغراض سے وہ مسلمان ہوئے ہیں تو اُن پر سخت ملامت ہوتی تھی۔

مامون الرشید خود اسلام کی اشاعت میں بہت سرگرم تھا اور قلمرو خلافت کے دور دراز صوبجات ماوراءالنہر اور فرغانہ میں ان لوگوں کو جو مسلمان نہ تھے مراحم خسروانہ سے اسلام پر مدعو کیا۔[1] لیکن اپنی شاہانہ سطوت کا ناجائز استعمال اس طرح نہیں کیا کہ لوگوں کو زبردستی مسلمان کرتا جبکہ یزدان بخت فرقہ مانویہ[*] کا سردار بغداد میں آیا[2] اور علماء سے مناظرہ قرار دیا جس میں وہ بالکل خاموش کر دیا گیا تو مامون نے کوشش کی کہ یزدان بخت مسلمان ہو جاوے۔ مگر یزدان بخت نے یہ کہ کر انکار کیا کہ "امیرالمومنین تمھاری نصیحت گوش گذار ہوئی اور تمھاری بات سنی لیکن تم اُن میں نہیں ہو جو لوگوں کو اپنا دین چھوڑنے پر مجبور کرتے ہیں"۔ خلیفہ مامون نے بجائے اس کے کہ اپنی ناکامی پر غصہ کرتا یزدان بخت کی حفاظت کے لیے سپاہ ساتھ کر دی تاکہ رعایا میں جو لوگ متعصب ہوں اُن کی گزند سے سردار محفوظ رہے۔[3] تیرھویں صدی ہجری کے اوائل حصہ میں بیت جارمی کے نسطوری بشپ تھیوڈور نے اسلام قبول کیا اور اسکے لیے کسی طرح کا جبر و تشدد اس پر نہوا تھا۔ کیونکہ اگر ایسا ہوتا تو عیسائی مورخ[4] جس نے بشپ کے مسلمان ہونیکا حال لکھا ہے جبر و اکراہ کا ذکر بھی ضرور کرتا۔ اس واقعہ کے سو برس بعد ۱۰۱۶ عیسوی میں اگناتیئس[*] تکریت کا یعقوبی المذہب مطران جو اس عہدہ پر پچیس برس تک مامور رہا تھا بغداد کو روانہ ہوا اور خلیفہ قادر باللہ کے سامنے اسلام قبول کیا اور ابومسلم اپنا نام رکھا۔[5] فی الواقع یہ بڑی

[1] البلاذری صفحہ ۴۳۱-۴۳۲ [2] بغداد میں یزدان بخت کے آنیکا محل غالباً مفصلہ ذیل تھا جب خلیفہ مامون نے سنا کہ دشمنان اسلام کہتے ہیں کہ اسلام کو دلیل سے نہیں بلکہ تلوار سے کامیابی ہوئی تو جسقدر مذہبی فرقہ اس زمانہ میں موجود تھے اُنکے لیڈروں کو خلیفہ نے طلب کیا اور ایک مجلس مناظرہ قائم کی جس میں علمائے اسلام نے اپنے مذہب سے اس اتہام کو دور کیا اور کہا جاتا ہے کہ جو غیر مذہب والے وہاں موجود تھے اُنھوں نے تسلیم کیا کہ اہل اسلام نے اپنے دعوے کو اچھی طرح ثابت کر دیا (المرتضیٰ۔ المامون) [3] کتاب الفہرست پہلی جلد صفحہ ۳۳۸ [4] ابوالفرج (۱) جلد سوم صفحہ ۲۳۰ [5] تمام یعقوبی بطریق اگناتیئس کا لقب اختیار کرتے تھے مسلمان ہونے سے پہلے اس بطریق کا نام مارک بر قیقی تھا۔ [6] ابوالفرج (۱) تیسری جلد صفحہ ۲۸۸-۲۹۰۔ الیاس نصیبی صفحہ ۱۵۲-۱۵۴۔ مارک قیقی ابومسلم نے مرنے سے ۲۴ برس پہلے پھر عیسائی ہو گیا۔ انطاکیہ کے یعقوبی بطریقوں کی تاریخ میں دو ایسے ہی اور واقعے بھی درج ہیں۔ (دیکھو صفحہ ۱۰۲)

[*] مانویہ مذہب فارس کے ایک شخص مانی نامی نے نکالا تھا نور اور ظلمت کے دو اصول مانے گئے تھے ۱۲ مترجم [*] یہ شخص پھر عیسائی

دلچسپ بات ہوتی اگر ان لوگوں کی کوئی تحریر جس میں وہ اپنی زندگی کا تذکرہ لکھ جاتے ہم تک بائی ہوتی اور اُس سے ہم کو دریافت ہوتا کہ ان دونوں شخصوں کی طبیعت میں اسلام کا نشوونما کس طرح ہوا عیسائی مورخ نے ان دونوں صورتوں میں بدکاری کو تبدیل مذہب کا سبب قرار دیا ہے لیکن یہ الزام جس کے ثبوت میں کوئی اور شہادت موجود نہیں ہے مشتبہ ہے[۵۱]۔ اور ایسا اشتباہ بھی اس طرح کا ہو سکتا ہے جیسے کوئی رومن کیتھولک اپنے ہم مذہب پادری کا حال لکھے کہ اس نے پروٹسٹنٹ دین قبول کیا اور پھر اُس پر بہتان بندی کرے۔ اس میں شبہ نہیں کہ ان دونوں بڑے عیسائیوں کے تبدیل مذہب کا ذکر جو دو مخالف کلیساؤں میں معزز منصب رکھتے تھے ہم تک اس وجہ سے پہنچا کہ وہ بڑے عہدہ دار تھے۔ لیکن جو لوگ کم درجے کے تھے اُن کا حال لکھا ہی نہ گیا۔ مگر تبدیل مذہب کی ایسی مثالیں شاذ نہ تھیں کیونکہ جاق دی ویٹری سے جو عکا کا بشپ (۱۲۱۶-۲۵ء) تھا اس امر کے متعلق قیمتی شہادت پہنچتی ہے۔ اس بشپ نے ایلیا میں بود و باش کے بعد ذاتی تجربہ سے مشرقی کلیسا کا حال لکھا ہے وہ لکھتا ہے "جھوٹے (نعوذ باللہ) پیغمبر کی جھوٹی (نعوذ باللہ) ترغیب سے کمزور ہو کر اور بُری طرح دام میں گرفتار بلکہ زخمی ہو کر اور نفسانی لذتوں کی طمع سے مشرقی کلیسا غرق ہو گیا اور وہ جس نے سرخ لباس میں پرورش پائی تھی نجاست کے تودے سے گلے ملا (نعوذ باللہ)[۵۲]"۔

مسیحی کلیسا جو اب تک بیان ہوئے اور جن پر اسلام کا اثر پڑا ان میں مشرقی ارتھو ڈوکس کلیسا تھا اور دیگر منحرف فرقے تھے جو اُس سے پیدا ہوئے تھے۔ لیکن گیارھویں صدی عیسوی کے اخیر میں شام اور فلسطین کی مسیحی رعایا میں صلیبی مجاہدوں کے گروہ کے گروہ رومن کیتھولک

(بقیہ صفحہ ۱۰۱) ایک ان میں سے یہ ہے کہ ایک شخص جسکا نام جوشیا تھا ۱۱۵۱ء میں مسلمان ہو گیا۔ لیکن عرصہ کے بعد اسلام ترک کرکے قبرص کو بھاگ گیا (جو اس زمانہ میں وینس والوں کے قبضہ میں تھا) یہاں یہ شخص توبہ کیلئے اپنی تذلیل میں گرجا کے دروازہ کے سامنے اوندھا لیٹ گیا اور سب لوگ اس پر سے چلکر گرجا کے اندر اور باہر آتے جاتے تھے دوسرا شخص نعمت اللہ تھا جس نے ۱۵۶۰ء میں عیسائی مذہب کو ترک کرکے اسلام قبول کیا تھا لیکن اس نے بھی روما کے شہر میں جاکر پاپا گریگری سیزدہم کے سامنے توبہ چاہی اور عیسائی ہو گیا (ابوالفرج (۱) دوسری جلد صفحہ ۸۴۷-۸۴۸)

[۵۱] فی الواقع الیاس نصیبی نے جو معاصر مورخ تھا یعقوبی بطریق سے اس طرح کی کوئی غلطی منسوب نہیں کی ہے۔ [۵۲] ہسٹوریا اورینٹالس۔ باب ۱۵۔ (صفحہ ۲۵)۔

مذہب رکھتے تھے شامل ہوگئے۔ یہ لوگ بیت المقدس کی عملداری اور ریاستوں میں جن کو اُنھوں نے خود قائم کیا تھا اور جن کی زندگی دو صدیوں تک تذبذب کی حالت میں رہی تھی آباد ہوگئے۔ اس دو سو برس میں ان نوآباد عیسائیوں میں سے کبھی کبھی کچھ لوگ اسلام قبول کرتے رہے۔ مثلاً جرمن اور لمبارڈیوں کا ایک گروہ جو مسیحی سردار ریناڈ کی سرکردگی میں تھا اصل لشکر سے علیحدہ ہوگیا اور سلجوقی سلطان ارسلان نے اس کو ایک قلعہ میں محصور کر دیا۔ ریناڈ اور اس کے ملازموں نے یہ دھوکا دیکر کہ ہم فصیل سے نکلکر غنیم پر حملہ کرتے ہیں باقی گروہ کو چھوڑ دیا اور ترکوں سے جا ملے اور اُن میں پہنچکر اسلام قبول کیا۔[۱]

دوسری جنگ صلیب کی بدقسمت تاریخ میں ایک واقعہ اسی طرح کا اور پیش آیا۔ اودو آف دیل نے جو سینٹ ڈینس کا منک اور بادشاہ لوئی ہفتم کا چیپلن تھا اس واقعہ کو لکھا ہے۔ اودو بادشاہ لوئی کے ساتھ اس صلیبی لڑائی میں گیا تھا اور اس قصہ کو اس طرح عمدہ عبارت میں اس نے لکھا ہے:

جب صلیبی مجاہدوں کا لشکر برّی راستہ سے ایشیا کوچک میں ہوتا ہوا بیت المقدس کو جانے کی کوشش کرتا تھا تو فرجیا کے پہاڑی دروں میں ترکوں کے ہاتھ سے اسکو سخت شکست پہنچی (۱۱۴۸ء)۔ شکستہ لشکر اطالیہ کے شہر تک جو بندرگاہ بھی تھا مشکل سے پہنچ سکا۔ یہاں جن کے پاس اتنا روپیہ تھا کہ یونانی تاجروں کو منہ مانگی رقمیں دے سکے وہ تو جہاز پر سوار ہو کر انطاکیہ کو چلے گئے۔ لیکن بیمار اور زخمی آدمی اور زائروں کا انبوہ کثیر اطالیہ میں رہ گیا۔ اور سب یونانیوں کے رحم اور ترس پر جو اُن کے دغاباز دوست تھے چھوڑ دیے گئے۔ چلتے وقت بادشاہ لوئی نے پانچ سو[۲] مارک یونانیوں کو اس شرط پر دیے تھے کہ زائرین کی حفاظت کیلیے سپاہ ساتھ کر دیں اور بیماروں کی اُس وقت تک نگرانی کریں کہ وہ روانگی کے قابل ہوں۔ لیکن جس وقت لشکر روانہ ہوا تو یونانیوں نے زائروں کی بیکس حالت سے ترکوں کو خبر کر دی اور خود چپ بیٹھکر اُنکی مصیبتوں کا تماشا دیکھنے لگے۔ قحط اور وبا اور دشمنوں کے تیروں سے ان غریبوں کی

[۱] دے گوین توم ۲۔ (دوسرا حصہ) صفحہ ۱۵۔ [۲] ایک قدیم چاندی کا سکہ تھا جو ساڑھے چھ روپے کے قریب قیمت میں ہوتا تھا۔ مترجم

چھاؤنی میں ہلاکت اور بربادی پھیلا دی۔ جب ان مصائب کی تاب نرہی تو ان میں سے تین یا چار ہزار آدمیوں نے بھاگنے کا قصد کیا۔ مگر ترکوں نے اُن کو حلقہ میں لے لیا اور قتل کرتے ہوئے ان کی چھاؤنی کی طرف بڑھے تاکہ فتح ناتمام نہ رہے جو لوگ مرنے سے بچ گئے اُنکی حالت قطعی مایوسی کی رہجاتی اگران آلام کو دیکھکر مسلمانوں کے دل نرم نہ پڑجاتے اور اُنکو ترس نہ آتا مسلمان فوراً عیسائیوں کی تیمارداری میں مصروف ہوئے مفلسوں اور فاقہ کشوں کے ساتھ کھلے ہاتھ سے فیاضی کی بعض مسلمانوں نے یہ کیا کہ یونانیوں میں گئے اور جو فرانسیسی سکہ کا روپیہ زائروں سے اُنھوں نے زبردستی یا فریب دیکر لیا تھا اُس کو چھین لائے اور محتاجوں میں تقسیم کردیا۔ غیردین والوں کے التفات اور ہم مذہب یونانیوں کے ظلم نے جو اُن سے بیگار لیتے تھے اور اُن کو مارتے تھے اور جو کچھ تھوڑا سرمایہ ان کے پاس بچا تھا اسکو بھی چھین چکے تھے مسیحی زائروں پر ایسا اثر کیا کہ اُنھوں نے خوشی و رضامندی سے اپنے بچانے والوں کا مذہب اختیار کرلیا۔ مؤرخ اودو لکھتا ہے "ہم مذہب یونانیوں سے بچ کر عیسائی زائر کافروں میں جو اُن پر ترس کھاتے تھے پناہ لیتے۔ اور سُنا جاتا ہے کہ جب ترک کوچ کرنے کو ہوئے تو تین ہزار سے زیادہ عیسائی ترکوں کے شریک ہوگئے۔ اور تلطف تو فریب سے بھی بڑھکر ظالم ہے! مسلمانوں نے عیسائیوں کو روٹی دی لیکن اُن کا مذہب چھین لیا۔ گو یہ یقینی بات ہے کہ عیسائیوں کی خدمت سے رضامند رہکر ترکوں نے ان میں سے کسی کو بھی اپنا مذہب ترک کرنے پر مجبور نہیں کیا[۱]۔"

عیسائیوں اور مسلمانوں میں میل جول کا بڑھنا اور صلیبی مجاہدوں کا روز بروز اپنے مخالفوں یعنی مسلمانوں کی نیکیوں کی قدر کرتے جانا جس سے جنگہائے صلیب کے پہلے اور پچھلے مورخوں میں تمیز ہوتی ہے[۲]۔ اور مشرقی آداب و طرز معاشرت کی تقلید جو فرینک لوگوں نے ایلیا میں آباد ہو کی۔ یہ سب باتیں وہ تھیں جو مذہبی خیالات پر بھی اپنا اثر ڈالے بغیر نہ رہیں۔ اس اثر کا بڑا نتیجہ

---

[۱] اودو دے دیو گلو (بادشاہ لوئی ہفتم کا سفر امین۔ توم ۱۹۵ اصفحہ ۱۲۲۔ [۲] گیزو "یورپ کی تاریخ تمدن" صفحہ ۲۴۴ (مطبوعہ پیرس ۱۸۵۱ء)۔

یہ پیدا ہوا کہ بہت سے عیسائی نائٹوں کے دل میں بھی اسلام کی طرف صلح کل کا خیال پیدا ہوا اور یہ خیال وہ تھا جس پر کلیسہ نے شدت سے زجرو توبیخ کی جس وقت ابن منقذ جو بارہویں صدی عیسوی میں شام کا ایک امیر گذرا ہے زمانہ صلح میں بیت المقدس میں آیا تو صلیبی مجاہدین جن کو نائٹ ٹمپلز[1] کہتے تھے اور وہ مسجد اقصیٰ میں رہتے تھے اُنھوں نے شامی امیر کو مسجد کے قریب ہی گرجا کا ایک حصّہ نماز پڑھنے کیلیے دیدیا۔ اسی اثنا میں ایک نو وارد صلیبی نے اس طرح کی مذہبی آزادی کو خلاف مشرب سمجھ کر نہایت قبیح فعل تصور کیا لیکن جب ابن منقذ کی نماز میں اس نے مخل ہونا چاہا تو باقی مجاہدوں نے نہایت غصّہ سے اس کو روکا کہ مہمان کی عبادت میں خلل نہ ڈالے[2] صلح کے زمانہ میں جو اکثر آتا رہتا تھا صلیبی مجاہد اور مسلمان دوستانہ طریق سے ملتے تھے اور کیا عجب ہی اگر ان موقعوں پر مذہبی سوالات تقریر کا موضوع قرار پاتے ہوں کیونکہ مذہب ہی وہ شے تھا جو صلیبیوں کو ایلیا میں لایا اور جس نے ان کو متواتر لڑائیوں میں مصروف کیا جب خود مسیحی عالموں کا یہ حال تھا کہ مسلمانوں کے اثر صحبت سے اپنے دین کا بہتر اندازہ کرنیکے قابل ہوتے تھے اور نئے طرز خیال نے لوگوں کی طبیعتوں کو ڈگمگا دیا تھا جس سے طرح طرح کے مذہبی شکوک پیدا ہو چلے تھے تو یہ تعجب کی بات نہیں کہ اکثر عیسائی مسلمان ہو گئے ہوں[3]۔ بارہویں صدی عیسوی میں جو صلیبی عیسائی مسلمان ہوئے اُن کی تعداد صلیبیونکی کتب آئین میں جن کو بیت المقدس کا ضابطہ قوانین کہا جاتا تھا درج ہی (اس ضابطہ کے بموجب خاص صورتوں میں ضمانت نہ لی جاتی تھی)[4]

اگر اُن مسلمانوں کا حال دریافت ہوتا جنھوں نے ان عیسائیوں کے مسلمان کرنے میں صرف ہمت کی تو خالی از لطف نہ تھا۔ لیکن ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اُنھوں نے اپنے کارناموں کی کوئی یادگار نہ چھوڑی۔ البتہ صرف اس قدر ہم جانتے ہیں کہ سلطان صلاح الدین اعظم کو یہ

[1] یہ فوجی خصائل کے لوگ تھے جنکی جماعت بارہویں صدی عیسوی کے شروع میں اس غرض سے قائم ہوئی تھی کہ زائرین ایلیا اور آثار بیت المقدس کی حفاظت کریں ۱۲ مترجم [2] ابن منقذ۔ پہلا حصّہ صفحہ ۱۸۱-۱۸۸ [3] پرٹز صفحہ ۲۶۶-۲۶۷- [4] اسیز ڈے کورٹ ڈے بورجیس در کوئی دیز ہستورین ڈے کروسیاد۔ توم ۲۔ صفحہ ۳۲۵-

مسلمان اپنا افسر رکھتے تھے۔ جس مصنف نے اس سلطان کا تذکرہ لکھا ہے وہ لکھتا ہے کہ سلطان اپنے مسیحی مہمانوں کے سامنے اسلام کے محاسن بیان کرتا تھا اور اُن کو اسلام قبول کرنے کی ترغیب دیتا تھا۔[51]

سلطان صلاح الدین کی نامور زندگی اور دلیرانہ خصائل نے اُس کے ہمعصر عیسائیوں پر عجب افسوں کیا تھا۔ بعض مسیحی نائٹوں کو بھی سلطان کی طرف ایسا میلان خاطر ہوا کہ اپنی ملت اور قوم کو چھوڑ کر مسلمان ہو گئے۔ چنانچہ اس طرح کی مثال ایک انگریزی ٹمپلر کی ہے جسکا نام رابرٹ آف سینٹ البنز تھا۔ اس مسیحی نائٹ نے ۱۱۸۵ء میں مسیحی دین ترک کیا اور شاہی خاندان کی ایک لڑکی سے شادی کر لی۔[52] ۱۱۸۷ء میں سلطان صلاح الدین اعظم نے فلسطین پر چڑھائی کر کے مسیحی لشکر کو معرکہ ہوتین میں فاش شکست دی۔ جو لوگ قید ہوئے ان میں مسمی گئی بیت المقدس کا بادشاہ بھی تھا۔ لڑائی سے ایک رات پہلے چھ مسیحی نائٹ "چونکہ ان پر شیطانی روح سوار ہوئی (نعوذ باللہ)" اپنے بادشاہ کو چھوڑ کر سلطان کے لشکر میں بھاگ آئے اور یہاں اپنی مرضی سے وہ سارسین (مسلمان) ہو گئے۔[53] سلطان صلاح الدین اور ریمنڈ سوم امیر طرابلس میں یہ صلاح ہو گئی تھی کہ ریمنڈ اپنے ماتحتوں کو مسیحی دین چھوڑنے اور اسلام قبول کرنے کی ترغیب دے لیکن ریمنڈ کی دفعتاً موت نے اس تجویز پر عمل نہ ہونے دیا۔[54]

بیت المقدس کی ہزیمت اور ایلیا میں سلطان صلاح الدین کی فتوحات نے یورپ کو برانگیختہ کیا کہ تیسری جنگ صلیب برپا کیجائے جس میں عکا کا حصار سب سے بڑا واقعہ ہے (۱۱۸۹ء-۹۱ء) مسیحی فوج نے اس لڑائی میں قحط اور وبا سے وہ دردناک مصیبتیں اُٹھائیں کہ بہت عیسائی اپنا لشکر چھوڑ کر فاقے توڑنے کے لیے مسلمانوں کے لشکرگاہ میں چلے آئے۔ کچھ عرصہ کے بعد ان مفرور عیسائیوں میں سے بہت لوگ تو مسیحی لشکر میں واپس آ گئے اور بہت سے نے اپنی قسمت کا پانسا

---

[51] بہاءالدین۔ صفحہ ۲۵۔ [52] روجر ہوڈن۔ جلد ۲۔ صفحہ ۲۰۰۔ [53] بینیڈکٹ آف پیٹربارو۔ دوسری جلد صفحہ ۱۱-۱۲۔ [54] بینیڈکٹ آف پیٹربارو۔ دوسری جلد صفحہ ۲۰۱۔ اور روجر ہوڈن۔ جلد ۲۔ صفحہ ۳۱۶-۳۲۲۔

مسلمانوں کے ساتھ پھینکا۔ ان عیسائیوں میں سے بعض نے اپنے مذہب پر قائم رہکر ان لوگوں کی خدمت اختیار کی جو پہلے دشمن تھے اور کہا جاتا ہے کہ اپنے نئے آقاؤں یعنی مسلمانوں سے یہ عیسائی خوش رہے اور باقی مفرور عیسائی اسلام قبول کرکے دیندار مسلمان بن گئے[1]۔ ان مفرور عیسائیوں کے تبدیل مذہب کا حال ایک مؤرخ نے لکھا ہے جو رچرڈ اول بادشاہ انگلستان کے ساتھ تیسری جنگ صلیب میں گیا تھا۔ یہ مؤرخ لکھتا ہے "ہمارے بعض آدمی جن کے مقسوم کا حال بغیر تاسف کے نہ کہا جا سکتا ہے اور نہ سُنا جا سکتا ہے قحط کی سختی سے تنگ آگئے اور اُنھوں نے جسم کی نجات میں اپنی روح پر عذاب لیا۔ کیونکہ جب قحط کی مصیبت کا بڑا حصہ ختم ہوگیا تو وہ ہمکو چھوڑکر ترکوں میں بھاگ گئے اور دین سے برگشتہ ہونے میں اُنھوں نے تذبذب نہ کیا۔ دنیا کی زندگی کچھ دن اور آرام سے بسر کرنیکے لیے کفر کے سخت کلمے کہکر ہمیشہ کی موت کو خریدا۔ اوا غارتگر تجارت! اوا شرمناک فعل جو عذاب کی حد سے بھی بڑھگیا۔ اوا احمق آدمی مثل بیوقوف حیوان کے تو اُس موت سے بھاگا جس کا آنا ناگزیر ہے۔ اور اُس موت سے نہ بچا جو کبھی ختم نہو گی[2]"

اس زمانہ سے لیکر آئندہ زمانہ تک جو عیسائی اپنا دین چھوڑکر مسلمان ہوئے اُن کا ذکر سیاحوں کی تحریروں میں جنھوں نے ایلیا اور دیگر مشرقی ملکوں میں سفر کیا ملتا ہے جن مسلمانوں نے بادشاہ سینٹ لوئی کو گرفتار کیا تھا جب اُنھوں نے زر مخلصی کیلیے بادشاہ کو حلف دیا (۱۲۵۰ء) تو شرائطِ حلف کے مجوزہ لوگ تھے جو پہلے قسیسوں کا رتبہ رکھتے تھے لیکن اب وہ مسلمان تھے[3]۔ جس وقت اس بادشاہ کی رہائی کیلیے روپیہ دیا جاتا تھا تو ایک اور نومسلم جو پہلے عیسائی تھا بادشاہ کیلیے ایک تحفہ لیکر آیا۔ یہ شخص فرانس کا باشندہ تھا اور پروونس میں پیدا ہوا تھا۔ ۱۲۱۹ء میں بادشاہ جان بروئنی کے ساتھ دمیاط کی مہم میں وہ آیا تھا لیکن مصر میں رہ پڑا اور ایک مسلمان عورت سے شادی کرکے مصر میں بڑا آدمی بن گیا[4]۔

[1] ابوشامہ صفحہ ۱۵۰ [2] زائروں کا سفرنامہ اور بادشاہ رچرڈ اول کے کارنامے" مؤلفہ ولیم شٹبز مطبوعہ لندن ۱۸۶۴ء
[3] جوئنول صفحہ ۲۳۰ [4] جوئنول صفحہ ۲۶۲۔

ایلیا میں اگر مسیحی زائرین کے مسلمان ہو جانے کا خوف اس قدر بڑھ گیا تھا اور یہ بات ایسی ظاہر ہو گئی تھی کہ ۱۲۷۴ء عیسوی کے قریب اموری دے لاردش نے جو فرانس کے نائٹ ٹمپلروں کا سردار تھا ایک "یادداشت" لکھی اور روما کے پوپ اور فرانس اور جزیرہ سسلی کے افسران کلیسہ (لگیٹ) سے درخواست کی کہ محتاجوں اور ضعیفوں اور ایسے لوگوں کو جو ہتھیار لگانیکے قابل نہ ہوں ممانعت کی جاوے کہ سمندر پار کر کے فلسطین میں داخل نہ ہوں کیونکہ ایسے لوگ یا تو قتل ہو جاتے ہیں یا سارا سین اُن کو قید کر لیتے ہیں۔ یا وہ مسیحی دین چھوڑ کر مسلمان ہو جاتے ہیں[۵۱]۔ سنہ ۱۳۳۵ء عیسوی میں جب لودلف دی سوخم نے ایلیا میں سفر کیا تو لکھا ہے کہ تین نو مسلم جو پہلے عیسائی تھے جبرون میں اس کو ملے۔ یہ لوگ مسلمان ہونے سے پہلے مندن کے کلیسہ سے آئے تھے اور نائٹ وسٹفالن کے ملازم تھے جس کی توقیر سلطان صلاح الدین اور اور اسلامی بادشاہ کرتے تھے[۵۲]۔ سرجان ماندویل جس[۵۳] نے چودھویں صدی عیسوی کے وسط میں فلسطین میں اپنا سفر کرنا لکھا ہے اُن عیسائیوں کا حال لکھتا ہے جو مسلمان ہو گئے تھے۔ مگر یہ صاف نہیں بیان کرتا کہ جو خیال اس نے ظاہر کیا ہے وہ مشرقی کلیسہ کی نسبت ہے یا مغربی کلیسہ کی۔ وہ لکھتا ہے "نیز بعض دفعہ ایسا ہوتا ہے کہ عیسائی مذہب کے لوگ یا تو افلاس کی وجہ سے یا حمق سے یا محض شرارت سے سارا سین (مسلمان) ہو جاتے ہیں"۔ ماندویل نے یہ بھی لکھا ہے کہ سلطان مصر نے جس کی خدمت میں یہ کئی برس تک حاضر رہا تھا اس بات کی کوشش کی کہ ماندویل اپنا "آئین و اعتقاد" ترک کر کے مسلمان ہو جاوے[۵۴]۔

بلاشبہ ان منتشر واقعات سے جنکو ارباب تصانیف نے لکھا ہے یہ مفہوم ہوتا ہے کہ زیادہ کثرت سے عیسائیوں نے اسلام قبول کیا ہوگا جس کی کوئی تاریخ ہم تک نہ پہنچی مثلاً لکھا گیا ہے کہ

[۵۱] ماس لاٹری (۱)، دوسری جلد صفحہ ۱، [۵۲] لودلف دی سوخم۔ صفحہ ۱، [۵۳] ماندویل۔ صفحہ ۱۷۱۔
[۵۴] ماندویل۔ صفحہ ۲۵

پندرھویں صدی عیسوی کے ختم کے قریب پچیس ہزار عیسائی جو اب مسلمان ہوگئے تھے قاہرہ کے شہر میں موجود تھے[1]۔ اور اسی طرح ضرور ہی کہ لیبیٹن کی عیسائی علمداریوں کے زوال کے بعد ایلیا میں اور نومسلم بھی ہونگے جو پہلے عیسائی تھے۔ لیکن اس زمانہ کے مسلمان مورخوں کو سلاطین کے کارہائے عظیم اور شاہی خاندانوں کے عزل و نصب کی سرگذشت لکھنے میں ایسی مصروفیت تھی کہ ادنیٰ درجہ کے لوگوں میں جو مذہبی انقلاب ہوا اُس کیطرف توجہ نہ کر سکے۔ اور (جہانتک مجھ کو پتہ چلا ہی) اُنہوں نے عیسائیوں کے مسلمان ہونے کا بھی ایسا ہی کم خیال کیا ہی جیسے اپنے ہم مذہب مسلمانوں کے عیسائی ہونیکی طرف سے بے توجہی ظاہر کی ہی۔ پس ہم مجبور ہیں کہ ان دونوں قسم کے واقعات کی نسبت علم حاصل کرنیکے لیے عیسائی مصنفوں پر بھروسہ کریں۔ مگر ان عیسائیوں کا یہ حال ہی کہ اگر مسلمان عیسائی ہوا تو اسکا حال تو بہت تفصیل اور دلسوزی سے لکھا۔ لیکن اگر عیسائی مسلمان ہوا تو ایسے واقعات کی شہادت بہت اکراہ سے دی اور اُس کی اغراض کو نہایت بُرے رنگ میں دکھایا۔ یہ امکان کہ کسی عیسائی نے خالص ایمان سے اسلام قبول کیا ان عیسائی مصنفین کے دلمیں اس کا خیال بھی کبھی نہ گذرا اور اگر گذرا بھی ہو تو اتنی جرات کس کو ہوتی کہ اس کا علانیہ اعتراف کر کے مسیحی علما کے قہر و غضب کی کڑک بجلیاں اپنے اوپر گرواتا۔ سر جان ماندویل بھی جس نے اپنی آدھی عمر اسلامی ملکوں میں بسر کی اور اسلام پر رائے ظاہر کرنے میں تعصب کو دخل نہ دیا اس کو بھی یہی کہتے بن پڑا کہ جن عیسائیوں نے اسلام قبول کیا اگر اُن کی اغراض بُری نہ تھیں تو اُن کے بیوقوف ہونے میں تو کلام نہیں۔ اگر وہ بدمعاش اور بھوکے نہ تھے تو احمق تو ضرور تھے۔ اس قسم کے بیانات کو ٹھیک جانچنے میں کہ اُن کی اصلی قیمت کیا ہی ہمکو یہ ضرور یاد رکھنا چاہیے کہ جن عیسائی مصنفوں نے ان کو لکھا ہی ان کا میلان خاطر ایسا ہی کچھ تھا۔

عیسائیوں کی تعداد کی نسبت جو مسلمان ہوئے مذکورۂ بالا تاریخی ماخذوں سے کم اطلاع

[1] لئوناردو فرسکو بالدی۔ جس کو کتاب بطوطہ کے دیباچہ میں ڈفریمری اور سنگوئینتی نے نقل کیا۔ ۱۲۰

ملتی ہو بلکہ تعداد کا پتہ بھی اتنا ہی کم چلتا ہو جتنا تبلیغی کوششوں کا حال نہیں کھلتا جو تبدیل مذہب میں انکی تحریص کا باعث ہوئیں۔ منک بورکارڈ[۱] نے ۱۲۸۳ء کے قریب لکھا ہو کہ صلیبی مجاہد اپنے قلعوں سے نکالے گئے اور روما کی قوت کا مشرق میں خاتمہ ہوا تو ان واقعات سے چند سال پیشتر عیسائیوں کا شمار کل اسلامی دنیا میں مسلمانوں کی تعداد سے بہت زیادہ تھا کُل رعایا میں (سوائے مصر و عرب کے) مسلمانوں کی تعداد تین یا چار فیصدی سے زیادہ نہ تھی۔ یہ عبارت بلاشبہ مبالغہ آمیز ہے اور نیک نفس بورکارڈ نے جلدی سے نتیجہ نکال لیا کہ جو حال صلیبی مجاہدوں کے شہروں اور آرمینیا کوچک میں تھا ایسا ہی مشرق میں اور مقامات پر ہوگا مگر اس کی عبارت سے اتنا ضرور ترشح ہوتا ہو کہ جنگ ہائے صلیب کے زمانہ میں کثرت سے لوگ مسلمان نہیں ہوئے۔ اور یہ کہ جب ایلیا پر مسلمانوں کی حکومت دوبارہ ہوئی تو اُنھوں نے عیسائیوں کو مذہب میں ایسی ہی آزادی دی جیسے پہلے اُن کو حاصل تھی۔ صرف جزیہ دیکر اُنھوں نے "امن و عافیت" کو خریدا۔ اس بیان میں فرض یہ کیا گیا ہو کہ تبدیل مذہب کی مثالیں جو وقوع میں آئیں وہ خاص خاص لوگوں کی تھیں جنکو مسلمان ہونے سے پہلے اسلام کا خیال ہوا اور مسلمان ہونے کیلیے انپر جبر نہ ہوا۔ ایسی مثالیں بیان کردی گئی ہیں کہ عیسائیوں نے مسلمانوں کی خدمت اختیار کی اور اپنے دین پر قائم اور اُس کی پیروی میں آزاد رہے۔ چنانچہ بیت المقدس کی عدالتوں نے دو طرح کے لوگوں میں تمیز قائم کی تھی۔ ایک وہ "جنہوں نے

[۱] بورکارڈ لکھتا ہو "لیکن فی الواقع یہ امر غور طلب ہو کہ بعض لوگ جو کسی بات کو بن دیکھے بیان کرتے ہیں اس رائے کے خلاف ہیں، کہ مشرق کا تمام ملک جو سمندر پار ہو مسیح کا نام لیوا ہو اور اسی کے نام کا وعظ کرتا ہو۔ البتہ سارسین (مسلمان) اور بعض ترکمان جو کپادوسیا میں رہتے ہیں اس سے مستثنیٰ ہیں پس میں اسکو سچی بات سمجھتا ہوں (جیسا کہ میں نے خود دیکھا ہو) اور جو لوگ جانتے ہیں اُن سے سنا ہو کہ ہر ایک مقام اور علمداری میں (سوائے مصر اور عرب کے) بیان کرتے ہیں کہ سارسین اور دیگر پیروان محمد صلی اللہ علیہ وسلم آباد ہیں تمکو ہر سارسین پیچھے تیس یا اس سے زیادہ عیسائی ملینگے۔ چونکہ تمام عیسائی جو سمندر پار رہتے ہیں مشرقی ہیں (گو وہ عیسائی ہوں) اور چونکہ وہ ہتھیار نہیں استعمال کرتے کیونکہ سارسین اور تاتاریوں کے حملوں نے یہ ہو کر انکی رعایا بنگئے ہیں اور امن و عافیت کو خراج دیکر خریدتے ہیں اور سارسین اور لوگ جو ان پر فرمانروا ہیں اپنے عمال اور محصول جمع کرنیوالوں کو انکے ملکوں میں مقرر کرتے ہیں اسلیے یہ ہوتا ہو کہ علمداری کو سارسین کی علمداری کہا جاتا ہو حالانکہ درحقیقت عمال اور محصول جمع کرنیوالوں اور انکے کنبوں کے سوائے باقی تمام لوگ عیسائی ہیں اور یہ میں اپنی آنکھوں سے سلیسیا اور آرمینیا کوچک میں دیکھا ہو جو تاتاریوں کی حکومت میں ہیں" (بورکارڈ کے نسخے سیون تیسکر ہیو تیرے سے نکلتے صفحہ ۹۰)

خدا سے انکار کیا اور دوسرے قانون کی پیروی کی" اور دوسرے وہ "جنہوں نے عیسائیوں کے خلاف سارا سین کی' دراور کافروں کی فوجی خدمات ایک برس اور برس پر ایک دن سے زیادہ کیں[1]"۔

دیسی عیسائی مسلمانوں کی حکومت کو صلیبی مجاہدوں[2] کی حکومت پر یقینی ترجیح دیتے تھے اور جب بیت المقدس اُس وقت (۱۲۴۴ء) اور ہمیشہ کے لیے مسلمانوں کے قبضہ میں آگیا تو معلوم ہوتا ہے کہ فلسطین کی عیسائی رعایا نے اپنے آقاؤں یعنی مسلمانوں کا خیر مقدم کیا اور امن و رضامندی سے ان کی حکومت کے مطیع ہو گئے[3]۔

حکومت اسلامیہ میں عیسائیوں کو جو مذہبی آزادی میسر آئی تو ایشیائے کوچک کے عیسائیوں کو بھی اُسی زمانہ میں اس کا خیال پیدا ہوا اور سلجوقی ترکوں کے آنے کو یہ سمجھ کر عیسائیوں نے اپنے حق میں مفید جانا کہ عیسائی حکومت سے وہ ہم کو رہا کریں گے یعنی محصول ہی کی سختیوں سے نہیں بلکہ کلیسۂ یونان کی عقوبت پسند خصلتوں سے بھی نجات ملیگی جس نے منحرف فرقہ پالیسین اور ایکانوکلاسٹ پر سخت ظلم کیے تھے۔ چنانچہ میکائیل ہشتم (۱۲۶۱ء) کے زمانہ میں وسط ایشیائے کوچک کے باشندوں نے ترکوں سے درخواست کی کہ چھوٹے شہروں پر قبضہ کرلیں تاکہ رعایا کو عیسائی سلطنت کے ظلم سے نجات ملے۔ اکثر امیر و غریب وطن ترک کرکے ترکوں کی عملداری میں چلے آتے تھے[4]۔

اب صرف مغربی ایشیا کے دو کلیساؤں کا یعنی ارمنی اور جرجانی کلیسا کا ذکر کرنا باقی

---

[1] اسیزرے یروسلم۔ توم ۲۔ صفحہ ۴۲۵ [2] پرٹز۔ صفحہ ۱۴۶-۱۴۷ و ۱۵۰ [3] ۱۲۴۴ء عیسوی میں املیا کے پرلیتوں نے ذیل کا مضمون خوارزمیوں کے حملہ کے بارے میں لکھا۔ سلطان ایوب نے خوارزمیوں کو کمک کے لیے بلایا تھا تاکہ ملک سے صلیبیوں کا استیصال ہو۔ پرلیتوں نے لکھا ہے کہ "(خوارزمی) تمام ملک میں نصارت سے لیکر جافت تک پھرتے ہیں کوئی ان کا مزاحم نہیں۔ وہ ملک پر قبضہ کرتے ہیں اور اسکو تقسیم کرتے ہیں گویا کہ ملک انہی کا ہے اور اپنے حاکموں اور عمال کو مشرقی عیسائیوں کے شہروں اور قصبوں میں مقرر کرتے ہیں اور عیسائی زمینداروں سے اسی طرح کا محصول اور خراج لیتے ہیں جیسا کہ دستور کیموافق اُنپر لگایا جاتا تھا۔ مشرقی عیسائی جو اب صلیبیوں کے دشمن ہو گئے ہیں اور ان سے باغی ہیں خوارزمیوں سے جا ملے ہیں"۔ متیو پارس سینس کرانیکا میور مولفہ لیوارڈ۔ چوتھی جلد صفحہ ۳۴۴ مطبوعہ لندن ۱۸۷۷ء [4] فنلے جلد تیسری صفحہ ۳۵۸-۲۵۹ (کردسی دی بیزانتیز دبیس متلاکر) صفحہ ۲۷۶)

رہ گیا ہے۔ ارمنی کلیسہ کی نسبت یہ کہہ سکتے ہیں کہ تمام شرقی کلیسہ جو حکومت اسلامیہ کے فرمان پذیر ہوئے ان میں یہی کلیسہ ایسا تھا جس نے تعدادی نسبت کے اعتبار سے، اپنے معتقدین کو نومسلموں کے ازدیاد شمار کیلیے سب سے کم پیش کیا۔ بہادر قوم آرمنی کے حالات دلچسپ ہیں کہ مخالفوں کے مقابلہ میں جن کی تعداد ہی مغلوب کرنیوالی تھی وہ کس طرح کش مکش میں رہی اور صدیوں کی جنگ و بیکار ظلم و ستم اور جلاوطنی کے بعد کس حسن عقیدت سے وہ اپنے مسیحی دین سے وابستہ رہی مگر باوجود اس دلچسپی کے ہماری کتاب میں گنجائش نہیں کہ سوائے مختصر حال کے کہ اس کو اسلامی تاریخ سے کیا واسطہ رہا کچھ زیادہ لکھا جاوے۔ آرمینیا کی عملداری حملۂ عرب کے بعد بھی زندہ رہی اور نویں صدی عیسوی میں عروج پاکر قابل وقعت عملداری ہو گئی خلافت بغداد کے زمانۂ انحطاط میں اس کو ترقی رہی لیکن گیارہویں صدی عیسوی میں ترکان سلجوق نے اس کو غارت کیا۔ کچھ لوگ بھاگے اور آرمینیا کوچک کی ریاست قائم کی لیکن چودھویں صدی میں یہ بھی مٹ گئی۔ آرمینیا کے لوگوں کی قومی زندگی باوجود اس کے کہ خود مختاری ان کے ہاتھ سے جا چکی تھی برقرار رہی اور جیسا کہ ترکوں کی حکومت میں یونان والوں کا حال تھا آرمینیوں کا مذہب اور قومی کلیسہ بھی اُن کی حمیت اور آرزوؤں کا مرجع عام بن گیا۔ چنانچہ تاورنیر[1] نے گو اُس کے قول میں غمخواری نہیں پائی جاتی اور آرمینیوں کی نسبت لکھا ہے کہ "شاید بہت کم آرمنی ایسے ہوں جو نفع دنیا کے خیال سے اسلام قبول کرتے ہوں لیکن عموماً وہ دنیا کے سب سے زیادہ ہٹیلے اور سرکش لوگوں میں ہیں اور تعصب کے اصولوں میں سب سے بڑھکر مضبوط ہیں"۔

جرجانی کلیسہ (جو چوتھی صدی عیسوی کے شروع میں قائم ہوا) یونان کے کلیسہ کی شاخ تھا چھٹی صدی عیسوی کے وسط سے جرجان کے بطریق نے خود مختاری حاصل کی لیکن جرجانی اور یونانی کلیسہ میں ہمیشہ تعلق رہا۔

[1] تاورنیر (۱)، صفحہ ۱۷۴۔

خانہ جنگیوں سے برباد ہوکر اور یونانیوں۔ عجمیوں عربوں اور ترک و مغل کی متواتر یورشوں کو سہکر جرجان کے بہادر باشندوں کی تاریخ ایسی ہی جس میں بیرونی دشمنوں سے معرکوں کا تانتا اور ملکی سرداروں کے نہایت سخت باہمی ہنگاموں کا سلسلہ مشکل سے ختم ہوتا ہی۔ البتہ دو ایک شاہان ذی قدر ان میں ایسے گذرے جنہوں نے اپنے عہد میں رعایا کے لیے چند روزہ امن پیدا کر دیا اور ملک کی بدرجۂ اوسط بدنظمی ہمیشہ کے آشوب کے مقابلہ میں زیادہ نمایاں ہوئی۔ جرجانیوں کا شوق خود مختاری جو غیر کی حکومت کا متحمل نہ تھا بلا کی وحشت رکھتا تھا۔ چنانچہ جب مسلمان جو جرجان کے قریب رہتے تھے جرجانیوں پر حکومت قائم کرنے میں یا اُن کو اپنے دین پر لانے میں ناکام رہے تو اکثر اوقات مسلمانوں کا غصہ جرجاں والوں پر ایسا ایسا تیز ہوا کہ دیوانگی کو پہنچ گیا۔ تبدیل مذہب کے معنی تھے ملکی آزادی سے محروم ہونا اور یہی خیال جرجانیوں میں تھا جو اس امر کی توجیہ کرتا ہی کہ جرجانی کلیسہ نے جس قدر مسیحی شہیدوں کے نام اپنی تاریخ میں درج کیے ہمعصر کلیسہ یونان ایسے معزز ناموں کی کوئی فہرست ہمارے سامنے پیش نہیں کرتا۔

جس وقت تک جرجان پر غارتگر افواج مغل کا گذر نہوا مسیحی دین بدستور قائم رہا لیکن جب ان کا خونخوار لشکر گرجاؤں اور خانقاہوں کو مسمار کرتا اور آدمیوں کی کھوپریوں کے منارے چنتا ہوا آگے بڑہتا تاکہ اس کے کوچ کے نشان جابجا نظر آویں تو اُس وقت البتہ مسیحی دین بازی ہارنے لگا کیونکہ جرجانی مدت سے دینی ضروریات سے مہیا نہ رہے تھے اور قسیس کی تعداد اور لیاقت میں کمی ہوگئی تھی[۱]۔ ان واقعات کے بعد جو لوگ عیسائی مذہب پر قائم رہے اُنہوں نے قسیسوں کی تکلیفوں کو اس طرح اور بڑھا دیا کہ گرجاؤں اور خانقاہوں کی آمدنیوں کو اپنے نفع کیلیے استعمال کیا اور اس طرح مسیحی دین کے زوال میں اور عجلت پیدا کر دی[۲]۔

---

[۱] یوسلیئن۔ صفحہ ۱۲۵۔ اس زمانہ میں جرجانی توہین الفاظ۔ جی خۃ۔ اوسیتہ۔ کبارڈس۔ اور کستھی تھیز مسیحی دین چھوڑ بیٹھیں۔ [۲] یوسلیئن صفحہ ۱۲۷۔

۱۴۰۰ء عیسوی میں تیمور کا حملہ جرجان کی مصیبتوں پر دوسرا قہر تھا جو سب سے بڑھ گیا۔ سکندر اوّل بادشاہ جرجان (۱۴۴۲ء-۱۴۱۴ء) نے اپنے عہد حکومت میں ملک کو غیروں کے تسلط سے آزاد کیا اور مسلمانوں کو جرجان سے نکال دیا۔ لیکن سکندر کے مرنے کے بعد جرجان کی سلطنت حصہ ہو کر چھوٹی چھوٹی عملداریوں میں تقسیم ہو گئی۔ اور جس قدر ملکی آزادی ان کے پاس رہ گئی اُس کو بھی ذرا ذرا کر کے ترکوں اور عجمیوں نے چھین لیا۔ مسلمانوں نے جرجان کو ہمیشہ اپنے مقبوضات کا سرکش اور باغی حصہ سمجھا تھا جو ہمیشہ خفیف موقع پر بھی بغاوت اُٹھانے سے نہ چوکتا تھا۔ ترک و عجم دونوں چاہتے تھے کہ جرجان کی رعایا کو مسلمان کر کے اپنا مطیع بنایا جاوے قسطنطنیہ میں جب عیسوی سلطنت کا زوال ہوا اور ایشیا کوچک میں ترکی قوت کو عروج ہوا تو اخل زیخی اور دیگر اضلاع کے باشندوں نے جو اخل زیخیا سے مغرب کی سمت میں آباد تھے اسلام قبول کیا[۵۱]۔ ۱۵۷۹ء عیسوی میں دو جرجانی شہزادے جو بھائی بھائی تھے سفیر بنکر دو سو ملازموں کے ساتھ قسطنطنیہ میں آئے اور چھوٹے بھائی نے مع اپنے ساتھیوں کے اسلام قبول کیا۔ جس کی وجہ یہ بیان کی گئی ہے کہ چھوٹا بھائی بڑے بھائی کے منصب پر تصرف کرنا چاہتا تھا[۵۲]۔ عرصہ کے بعد چند اضلاع جو جرجان کے وسط میں تھے فتح ہونیکے بعد ترکوں کے قبضہ میں آ گئے اور وہاں کے باشندوں نے اپنے فاتحوں یعنی مسلمانوں کا دین قبول کیا[۵۳]۔ اسی زمانہ سے سمزخی نے جو جرجان کا بالکل مغربی حصہ تھا سلطنت ٹرکی کو اپنا حاکم بالادست تسلیم کیا۔ والیان جرجان اور اُس کے باشندوں کو ترکوں نے مسیحی دین کی پیروی میں کامل آزادی دی۔ لیکن ۱۶۲۵ء میں جرجان کا فرمانروا خاندان مسلمان ہو گیا۔ اور رفتہ رفتہ اس ملک کے سرداروں اور امیروں نے بھی شاہی خاندان کی مثال کا اتباع کیا۔

عیسائی مذہب نے کسانوں پر مدت تک اپنا قبضہ رکھا۔ لیکن جب سمزخی کے قسوس نے

---

[۵۱] یوسلیکن۔ صفحہ ۱۴۳۔ [۵۲] کترڈس۔ صفحہ ۴۹۔ [۵۳] یوسلیکن۔ صفحہ ۱۷۵۔

کارتلی کے بطریق کی اطاعت سے انکار کیا تو باشندوں کی دینی ضروریات کے لیے جو سامان مہیا کیا جاتا تھا بند کر دیا گیا۔ جرجان کے بڑے لوگوں نے مسلمان ہونے سے پہلے ہی گرجاؤں کے اوقاف کو لوٹنا شروع کر دیا اور مسلمان ہونے کے بعد قدرتی طور پر انہوں نے گرجاؤں میں نذریں چڑھانی چھوڑ دیں۔ جب گرجا اور کنائس بوسیدہ ہوئے تو ان کی جگہ مسجدیں تعمیر ہوگئیں[ف۱]۔

جرجان کا جو حصہ ترکوں کے قبضہ سے بچا اُس نے فارس کی اطاعت قبول کی اور جس وقت تاورنیر نے جرجان کے اس حصہ کو دیکھا تو اس کو معلوم ہوا کہ وہ دو عملداریوں میں منقسم ہے جو سلطنت فارس کے مطیع ہیں اور اُن پر دو جرجانی شہزادے فرمانروا ہیں جن کو منصب حکومت کے لیے پہلے اسلام قبول کرنا پڑا[ف۲]۔ ان شہزادوں میں سے پہلا شہزادہ ظاریوج قسطنطین تھا جو سکندر دوم بادشاہ خیت کا بیٹا تھا۔ قسطنطین نے شاہ فارس کے دربار میں پرورش پائی تھی اور سترہویں صدی کے شروع میں وہیں اسلام قبول کیا تھا[ف۳]۔ پہلا مسلمان بادشاہ کارتلی کا ظاریوج رستم (۱۶۳۴-۱۶۵۸ء) تھا۔ اس نے بھی فارس میں پرورش پائی تھی اور وہ خود اور اُس کے جانشین سترہویں صدی کے اختتام تک مسلمان تھے[ف۴]۔

تاورنیر نے بیان کیا ہے کہ مسیحی دین کی باتوں سے جرجان کے لوگ بالکل ناواقف ہیں اور اُن کے قسیس جاہل اور شریر ہیں۔ بعض افسران کلیسہ نے فی الواقع عیسائی لڑکوں اور لڑکیوں کو ترکوں اور عجمیوں کے ہاتھ غلامی میں فروخت کر دیا[ف۵]۔ اس زمانہ سے جرجان میں مذہب عیسوی سے برگشتگی عام ہوگئی خاص کر اونچے لوگوں میں جو دربار فارس میں

ف۱ بروسے۔ حصہ ۲۔ لوریزن صفحہ ۲۲۷-۲۳۵۔ (دیسکرپسیون جیوگرافیق دے لاجورجی یا ہنے ظاریوچ واکہوخ۔ صفحہ ۹، (مطبوعہ سینٹ پیٹرز برگ ۱۸۴۲ء) ف۲ دی سکس ڈیوجز صفحہ ۱۲۴۔ ف۳ یوسلیین صفحہ ۱۴۹۔ ف۴ یوسلیین صفحہ ۱۲۰-۱۲۱۔ ف۵ تاورنیر (۱) صفحہ ۱۲۴-۱۲۶۔ تاورنیر نے مسلمانوں کی تعداد کا تخمینہ قریب بارہ ہزار کے کیا ہے۔

رسوخ پیدا کرنا چاہتے تھے[1] ۱۷۰۳ء میں کارتلی کا بادشاہ وختنگ پنجم مسیحی مذہب تھا۔ اوائل دور حکومت میں سات برس تک اصفہان میں قید رہا جہاں بہت کوشش کی گئی کہ وہ مسلمان ہو جائے۔ مگر وختنگ نے کہدیا کہ تخت و تاج کو کفر کے بدلے میں خریدنے سے وہ حکومت سے محروم ہو جانا بہتر جانتا ہے۔ یہ کہا جاتا ہے کہ اس کا چھوٹا بھائی اگرچہ جرجان کا وہ بطریق تھا لیکن اس نے عیسائی مذہب ترک کر کے اسلام اس شرط پر قبول کیا کہ کارتلی کا تخت اس کو ملجائے۔ اہل عجم نے اس کو شاہانہ اختیارات دیدیے لیکن جرجانیوں نے اس کو اپنا حاکم ماننے سے انکار کیا اور علمداری سے اس کو باہر نکالدیا۔[2]

اٹھارہویں صدی کے ختم کے قریب جرجان کے بادشاہ نے اپنی رعایا کو سلطنت روس کی حفاظت میں دیدیا۔ جس وقت تک جرجانیوں پر مسلمان حملہ اور یورش کرتے تھے اس وقت تک اہل جرجان کے جوش حمیت نے مسیحی دین کو اپنے میں زندہ و سلامت رکھا لیکن اب چونکہ بیرونی سلطنت جس نے ان کی آزادی کو چھیننا چاہا عیسائی مذہب رکھتی تھی تو کوہ قاف کے بعض شمالی اضلاع میں یہی جوش اس طرح صرف ہوا جس سے اسلام کا نفع مرتب ہو گیا۔ داغستان میں ایک درویش منصور نامی نے کوشش کی کہ قاف کی مختلف قوموں کو روسیوں کے مقابلہ کے لیے متحد کر دے۔ منصور نے اسلام کا وعظ شروع کیا اور بوچیتان اور داغستان کے عیسائی شہزادوں اور رئیسوں کو مسلمان کر لیا جو آجتک مسلمان ہیں۔ سرکیشیا کے بہت سے لوگوں نے بھی منصور کا وعظ سنکر اسلام قبول کیا اور عیسائیوں کی ماتحتی سے جلاوطنی کو بہتر جانا لیکن ۱۷۹۱ء میں منصور قید کیا گیا اور ۱۸۰۰ء میں آخرکار جرجان سلطنت روس میں شامل کر لیا گیا۔[3]

---

[1] بروسے حصہ ۲۔ لوریزن ا صفحہ ۱۸۵ - ۱۸۱ [2] صلی وستاویزات متعلق امور پلوٹینک بین جرجان و فرانس۔ بادشاہ لوئی چہاردہم کے عہد سلطنت کے ختم کے قریب جن کو سٹر بروسے خردنے جمع کیا۔ توم ۹ صفحہ ۱۹۰، ۲۵۱ - ۲۵۲ [3] مکنزی صفحہ ۷۔ گارنے۔ صفحہ ۱۹۲۔ ۱۸۶۴ء میں تقریباً پچاس لاکھ سرکیشی مسلمان سلطنت عثمانیہ میں چلے آئے۔

باب چہارم

افریقہ کی عیسائی قوموں میں اسلام کی اشاعت

افریقہ میں اسلام کا آغاز ۶۴۰ء عیسوی سے ہوا جب کہ عمرو ابن العاص کی سرکردگی میں سپاہ عرب نے مصر پر چڑھائی کی۔ تین برس کے بعد روم کی عیسائی فوجیں مصر سے واپس بلائی گئیں اور انکی علیحدگی نے عیسائیونکی کثیر آبادی کو اسلامی فاتحوں کے حوالہ کردیا۔ مبارزان عرب کی جلد کامیابی زیادہ تر اس بات کا نتیجہ تھی کہ مصر کے عیسائیوں نے اہل عرب کا خیر مقدم کیا تھا کیونکہ روم کی سلطنت سے اُن کو منافرت تھی نہ صرف اس باعث سے کہ انصرام عدالت میں سختی تھی بلکہ مذہبی عناد کی درشتی بھی اس نفرت کا خاص سبب تھا مصر کے عیسائیوں میں زیادہ تر یعقوبی مسیحی تھے۔ اور ان پر کلیسیۂ یونان کے عیسائیوں نے جو قیصر روم کے دربار میں رسوخ رکھتے تھے ایسا ظلم کیا اور ان کی توہین و تحقیر اس درجہ ہوئی کہ آجتک ان کی اولاد نے بھی ان بدلوکیوں کو فراموش نہیں کیا ہے[1]۔ ان یعقوبیوں میں سے کسی کو تو سخت اذیتیں دی گئیں اور کسی کو سمندر میں غرق کیا گیا۔ بہت لوگوں نے اپنے بطریق کے ساتھ جلاوطنی اختیار کی تاکہ ایذا رسانوں کے پنجۂ عذاب سے چھوٹ جاویں۔ اکثر نے اپنے اصلی عقائد کا اخفا اس غلط بیانی سے کیا کہ مجلس کیلسیڈون کے عقیدے کو گویا اُنھوں نے تسلیم کرلیا ہے۔ غرض مصر کے یعقوبی عیسائیوں کو جن کا دوسرا نام قبطی ہے اسلامی فتوحات نے مذہب کی پیروی میں وہ آزادی بخشی جس کا

[1] اسیلینو صفحہ ۳۔ قیصر جستینین کی نسبت کہا گیا ہے کہ اُس نے دولاکھ قبطیونکو سکندریہ میں قتل کرایا اور قیصر کے جانشینوں نے جو ظلم کیے انکی وجہ سے اکثر قبطیوں نے صحرا میں پناہ لی۔ انسلیبن "مصر کی موجودہ حالت" صفحہ ۱۱ مطبوعہ لندن ۱۸۶۲ء ۱۷۹۵ء رنودو صفحہ ۱۶۱۔

تجربہ ان کو ایک صدی سے نہیں ہوا تھا۔ جس وقت اُنہوں نے جزیہ دیدیا تو عمرو ابن العاص نے گرجاؤں پر قطعاً مالک رہنے کی ان کو اجازت دی اور امور صیغہ دینیہ میں اُن کو خود مختار کردیا۔ اور اس طرح عمرو نے یعقوبی عیسائیوں کو حکومت سابقہ کی دست اندازی سے جو اُنپر سخت بار تھا نجات دی۔ اسلامی سالار لشکر نے کسی گرجا کے مال پر ہاتھ نہ ڈالا اور نہ کوئی کام غارتگری یا لوٹ کا کیا[۱]۔ معلوم ہوتا ہے کہ اسلامی حکومت کے ابتدائی زمانہ میں قبطیوں کی حالت خاصی امن کی تھی[۲]۔ اور کوئی شہادت اس بات کی نہیں ملتی کہ مسیحی دین سے برگشتہ ہو کر قبطیوں کا کثرت سے مسلمان ہوجانا اسلامی حاکموں کے جور و عقوبت کا نتیجہ تھا۔ مسلمانوں کی فتح ابھی تکمیل کو نہ پہنچی تھی اور دارالحکومت اسکندریہ ابھی تک مقابلہ پر تھا کہ اکثر قبطیوں نے اسلام قبول کرلیا[۳]۔ اور جو مثال ان لوگوں نے قائم کی چند سال کے بعد دوسروں نے اس کی تقلید کی[۴]۔ حضرت عثمانؓ (۶۴۴-۶۵۶ء) کے دور خلافت میں جو محصول آتا تھا اُس کی رقم ایک کروڑ بیس لاکھ کی تھی۔ چند سال کے بعد یہ آمدنی پچاس لاکھ کی رہگئی جس کا سبب یہ ہوا کہ کثرت سے عیسائی مسلمان ہوگئے تھے۔ عمر ثانی یعنی عمر ابن عبدالعزیز (۷۱۷-۷۲۰ء) کے زمانہ میں اس آمدنی میں اور تخفیف ہوئی۔ یہانتک کہ گورنر مصر نے تجویز کی کہ آیندہ جو لوگ مسلمان ہوں وہ جزیہ سے مستثنےٰ نہ کیے جاویں۔ لیکن صاحبدل خلیفہ نے اس تجویز کی منظوری سے انکار کیا اور کہا "اگر کل عیسائی مسلمان ہو جاویں تو بھی میں خوش ہونگا کیونکہ خدا نے اپنے نبی کو آدمیوں میں رسول کر کے بھیجا تھا نہ کہ محصولوں کا جمع کرنے والا[۵]

---

[۱] یحییٰ۔ نکیوکا یعقوبی بطریق (زمانہ۔ ساتویں صدی عیسوی کا اخیر نصف حصہ) صفحہ ۵۰۴۔ [۲] علامہ مقریزی کے قول کے مطابق فتح مصر کے تقریباً ستر برس بعد جو سختیاں اور مالی نقصان قبطیوں کو اُٹھانے پڑے وہ ایسے ہیں کہ مذکورہ بالا زمانہ امن کو مورخ فون رانکے کی طرح زیادہ مدت دینے کے ہم مجاز نہیں۔ فون رانکے لکھتا ہے "مصر کی نسبت ہم کو صاف شہادت ملتی ہے کہ حکومت عرب کے زمانہ میں صدیوں تک جو فتح مصر کے بعدگذریں مصر کے باشندے ہمتا امن کی حالت میں تھے (دیکھئے ملت شیخت پانچویں جلد صفحہ ۱۵۲۔ چوتھی ایڈیشن) [۳] یحییٰ الکنوی صفحہ ۵۶۰ [۴] یحییٰ نکیوی۔ صفحہ ۵۸۰ "اب بہت مصریوں نے جو جھوٹے عیسائی تھے یا مذہب عیسوی کو اور زندگی بخش اصطباغ کو ترک کیا اور مسلمانوں کا مذہب جو خدا کے دشمن ہیں اختیار کیا اور۔۔۔۔ محمد کے قابل نفرین دین کو قبول کیا۔ انہوں نے ان بت پرستوں (یعنی مسلمانوں) کی غلطیوں میں حصہ لیا اور عیسائیوں کے خلاف ہتھیار اُٹھائے۔" [۵] ڈوزی (۲) توم صفحہ ۲۲۵

پس فی الحقیقت مصر کے بہت عیسائیوں نے مسیحی دین کو ایسی ہی بے پروائی اور عجلت سے ترک کیا جیسے چوتھی صدی عیسوی میں اس کو اختیار کیا تھا۔ چوتھی صدی عیسوی سے پہلے وادی نیل کی آبادی کا مختصر حصہ مسیحی المذہب تھا لیکن قیصر روم ڈیوکلیتین کے ظلم سے مسیحی شہدا کو جو آزار پہنچے اور اُن کے معجزات کے قصوں کا چرچا ہوا اور قومی حمیت جو حکومت غیر[1] کے احکام سے مخالفت کا نتیجہ تھی پیدا ہوئی اور اُن کو یقین ہوا کہ عیش و انبساط کی جنت اُن شہیدان مذہب کے لیے کھلی ہی جنھوں نے موذیوں کے ہاتھوں کے نیچے اپنی جانیں کھوئیں تو ایسا جوش پیدا ہوا کہ عیسائی مذہب بہت جلد ان میں رواج پا گیا۔ ایک مورخ لکھتا ہی "بجائے اس کے کہ وعظ و ہدایت سے جیسا کہ مشرق کے اور ملکوں میں ہوا تھا مصر کے لوگ عیسائی کیے جاتے اُنھوں نے عیسائی مذہب کو بیتابانہ جوش و خروش کی حالت میں بغیر وعظ سنے اور بغیر عیسوی دین میں تعلیم پائے اختیار کر لیا۔ نئے مذہب کا سوائے اس کے ان کو کچھ علم نہ تھا کہ یسوع مسیح کا نام جانتے تھے جو ہمیشہ کی خوشی اپنے معتقدین کو بخشتا ہی"[2]۔

عیسائی مذہب کی نسبت خیال ہی کہ ساتویں صدی عیسوی میں وہ مصر کی عامۂ خلائق پر کم قدرت رکھتا تھا۔ دینیات کی اصطلاحیں جن کو عیسائیان مصر کے سرگروہ حکومت روم کے خلاف نفرت و عناد کی ہیجان کے لیے استعمال کرتے تھے ان کا مفہوم چند ہی لوگوں کو معلوم تھا۔ اور احتمال ہی کہ اہل عرب کے شروع زمانہ تسلط میں اسلام کے جلد شائع ہونے کی وجہ مسلمانوں کی جانب سے ایسی مخصوص کوششیں نہ تھیں جو مصر کے عیسائیوں کو اس طرف متوجہ کرتیں کہ ان کے مذہب میں زیادہ موثر رہنے کی قدرت باقی نہیں ہی۔ مذہباً جس بنا پر یعقوبی عیسائی علحدہ فرقہ کی حیثیت رکھنے تھے یعنی انکے

[1] کچھ شک نہیں کہ شہیدوں کی کثرت سے کل قوم کا حکومت غیر کے خلاف ایک طرح کے مقابلہ میں مصروف ہونا ظاہر ہوتا تھا۔ امیلینو صفحہ ۸۵۔ [2] امیلینو۔ صفحہ ۵۰۔۵۸۔

مسائل دین جنپر ثابت قدمی کیلیے اس قدر مدت تک اور نقصان کے ساتھ اُنھوں نے
جدو جہد کی تھی ایسے مسائل پر مشتمل تھے جن میں علم حکمت کے دشوار خواص موجود تھے اور
کچھ شبہ نہیں کہ ان نامختتم مباحثوں سے جو اُن کے چاروں طرف برپا تھے حیران
و پریشان ہوکر عیسائیوں نے ایسا مذہب اختیار کرلیا ہو جس کو توحید اور محمد صلی اللہ علیہ
وسلم کی رسالت کے سادے اور سریع الفہم کلمہ برحق میں مختصراً بیان کر دیا گیا تھا۔ زمانۂ
مابعد میں خود قبطی کلیسہ میں ایسی تحریک کے آثار دریافت ہوتے ہیں

تو اسلام سے اُن کو قریب کا واسطہ ضرور تھا۔ اور ایسی صورت میں جبکہ کوئی اور مسیحی تدارک
جس میں اس تحریک کا اظہار ہوتا موجود نہ تھا تو احتمال ہی کہ اس تحریک نے نومسلموں کی
تعداد میں زیادتی پیدا کی۔ بارہویں صدی عیسوی کے شروع میں سینٹ انتھونی کی خانقاہ
میں (جو اطفیہ کے قریب دریائے نیل پر تھی) ایک راہب گذرا جس کا نام بلوطس تھا"
یہ شخص مسیحی عقائد کا عالم تھا اور خانقاہی مشرب کے فرائض میں اور کلیسہ کے آئین پر غور رکھتا
تھا۔ لیکن شیطان نے اپنے جالوں میں سے ایک جال میں اس کو پھانسا نعوذ باللہ
اور اُس کے عقائد ان عقیدوں سے مختلف ہوگئے جن کو تین سو اٹھارہ (یعنی مجلس
نارسیا کے قسیسوں) نے ہدایت کیا تھا۔ اس راہب نے ایسے لوگوں میں سے جو ارتھودکس
مسیحی دین کا علم اور تعلیم نہ رکھتے تھے اکثر کی طبیعتوں کو بگاڑ دیا۔ اُس نے کفر کی تقریروں میں
اپنے ناپاک منہ سے یہ کہا کہ ہمارا خداوند مسیح جس کو جلال ہو مثل اور انبیاء کے ایک نبی تھا
جب اس سے پوچھا گیا کہ تیرا کیا دین ہی تو اُس نے توحید کا معتقد اپنے تئیں بتایا۔ بلوطس
کے عقائد ایک زمانہ تک جو ۱۱۲۳ عیسوی میں ختم ہوا شائع رہے۔ اس کے بعد بلوطس
مرگیا اور اس کی یاد ہمیشہ کیلیے قطع ہوگئی[1]۔

مسیحی زندگی کا اصول جس کا اعلیٰ سے اعلیٰ ظہور نہایت مذموم قسم کی رہبانیت میں ہوا[2]

[1] ابو صالح (عسانی)، صفحہ ۱۶۳-۱۶۴۔ [2] املینو صفحہ ۵۳-۵۴ و ۶۹-۷۰۔

ایسا نہیں تھا کہ اسلام کے فائق تر انسانی اخلاق کی موجودگی میں لوگوں کو اپنی طرف رجوع کرتا۔[1]
قبطیوں کی نسبت جنہوں نے وقتاً فوقتاً کثرت سے اسلام قبول کیا اہلِ اسلام کا خیال
ہی کہ انکو اور عیسائی قوموں کے مقابلہ میں اسلام کی طرف زیادہ میلان ہی۔ اگرچہ اکثر دفعہ
قبطیوں پر سخت ظلم و ستم ہوئے لیکن کہا جاتا ہی کہ جو قبطی جبر کے طریقوں سے مسلمان کیے
گیے اُن کی تعداد ایسے لوگوں کے مقابلہ میں کم تھی جنہوں نے برضا و رغبت مذہب تبدیل کیا[2]
اور اس زمانہ میں بھی جبکہ اسلامی ملکوں میں مصر کو سب سے زیادہ صلح کل ملک کہا جاتا ہی ہر سال
قبطیوں میں سے لوگ مسلمان ہوتے رہتے ہیں[3]۔ مگر اس میں شبہ نہیں کہ قبطی عیسائیوں کی
تعداد کو کم کرنے میں ظلم اور سختیوں نے بڑا حصہ لیا۔ اور یعقوبی کلیسہ مصر کی داستانِ الم
کہ خود عیسائیوں اور مسلمانوں نے اُس پر کیا کیا ظلم کیے بہت دردناک ہی۔ اکثر عیسائیوں نے
بھاری محصولوں اور ناقابل برداشت ذلتوں سے بچنے کیلیے اپنا مذہب چھوڑا۔ ان مصائب
کے لحاظ سے جو فرق قبطیوں اور شام اور فلسطین و اندلس کے ہمعصر عیسائیوں میں تھا اس
کی تصریح خود قبطیوں کی قوم کے سرکش خصائل سے ہوتی ہی۔ سلطنت روم کی خود مختاری اور
امور دینیہ میں اس کی مطلق العنانی نے قبطیوں کے حامیوں کو مضبوط فریق بنا دیا تھا جس کو
اہل عرب کی غیر حکومت کا مطیع بننا بھی رومی عیسائیوں کی اطاعت کی طرح ناگوار تھا[4] سنہ ۶۶ء
میں قبطیوں نے اسلامی حکومت سے بغاوت کی اور کچھ عرصہ کے بعد عربوں کو اسکندریہ سے

[1] ابو صالح نے چند راہبوں کا ذکر کیا ہی جو مسلمان ہوگئے۔ یہ رہبان غالباً اُن بہت سے راہبوں میں سے ہونگے جو مسلمان ہوگئے اور ابو صالح نے جن کا حال کچھ نہیں لکھا۔ جن راہبوں نے ادیار کو کچھ نقصان نہیں پہنچایا یا جو مسلمان ہوکر پھر عیسائی نہیں ہوگئے ان کا ذکر اس عیسائی مورخ نے نظر انداز کیا۔ (ابو صالح نے رہبان کے مسلمان ہونیکا ذکر ضمنی طور پر کیا ہی کیونکہ اس کا موضوع تحریر کنائس اور ادیار کا حال ہی)، صفحہ ۱۰۰، ۱۲۲، ۱۴۴۔ [2] لین۔ صفحہ ۵۴۶، ۵۴۹۔ [3] لوٹسکے (۱) پہلی جلد صفحہ ۲۵۰۔ [4] قبطیوں کو محصول کی زیادتی کی شکایت پہلی دفعہ اُس وقت ہوئی جبکہ شمالی مصر کے عیسائی حاکم میناس نے شہر اسکندریہ سے بجائے بائیس ہزار طلائی سکوں کے جنکو عمرو ابن العاص نے محصول قرار دیا تھا تیس ہزار پچیس طلائی سکے وصول کیے (دیکھو نکیوی صفحہ ۵۸۵۔ نود صفحہ ۱۶۸) لکھتا ہی کہ ارتھوڈوکس فرقہ کے قسوس کا جب بڑا دورہ ہوا تو اسلامی فتوحات مصر کے ستر برس بعد قبطیوں نے ان عیسائیوں کے ہاتھوں بھی وہی ظلم اُٹھائے جو مسلمانوں نے لیے تھے۔

نکال دیا اور شہر کے دروازے روم کی عیسائی سپاہ کیلیے کھول دیے مگر اس حال میں بھی ان رومیوں نے بدقسمت قبطیوں کو اپنا دشمن تصور کیا کیونکہ وہ اس بات کو نہیں بھولے تھے کہ پہلے قبطیوں نے مسلمان لشکرکشوں کا خیر مقدم کیا تھا۔ غرض یہ پہلی بغاوت اُن مفسدوں اور ہنگاموں کے سلسلہ کی تھی جو قبطیوں نے برپا کیئے[1]۔ ان ہنگاموں کو محصول کی سختی سے اکثر اشتعال ہوا جن کی پاداش میں خوفناک سزائیں اُن کو اُٹھانی پڑیں[2] اور مصر کے یعقوبی عیسائیوں کی حالت ایسی دشوار بسر ہو گئی کہ قلمرو اسلامیہ کے کسی ملک میں کسی مسیحی قوم کی نہ تھی۔ لیکن ایسے واقعات کا بیان مسلمانوں کے ظلم و تعصب کی تاریخ سے واسطہ رکھتا ہی نہ کہ اس کتاب سے۔ بہرنہج یہ فرض نہیں کرنا چاہیئے کہ قبطیوں کی قوم کی حیثیت ہمیشہ مظلوم قوم کی رہی۔ بلکہ اس کے خلاف ایسے زمانے آئے کہ اُن کو ثروت ہوئی اور سلطنت کے مناصب جلیلہ پر ممتاز ہوئے۔ سرکاری دفتروں[3] میں معتمد اور محرر مقرر ہوئے ملک کے محصول کا ٹھیکہ ان کو دیا گیا[4]۔ اور بعض صورتوں میں اُنہوں نے دولت خوب جمع کرلی[5]۔ قبطی کلیسہ کی تاریخ سے اکثر مثالیں مسیحی علماء کی دریافت ہوتی ہیں جن پر سلاطین مصر نے اپنے وقت میں بہت التفات ظاہر کیا۔ اور ان سلاطین میں سے اکثر کے دور حکومت میں عیسائیوں کو نہایت درجہ امن میسر رہا[6]۔ مصر کے کلیسہ کا یہ زمانہ امن تھا کہ ایک واقعہ جس سے بہت عیسائی مسلمان ہو گئے پیش آیا۔

سلطان صلاح الدین (۱۱۶۹–۱۱۹۳ء) کے عہد حکومت مصر میں اس صلح کل بادشاہ کے ظل حمایت میں عیسائی بہت خوش حال تھے۔ اُن پر جو محصول جاری ہوئے تھے وہ کم کر دیئے گئے اور بعض بالکل موقوف ہوئے۔ سرکاری دفتروں میں عیسائی ہجوم کر آئے اور

[1] مقریزی نے قبطیوں کے پانچ اور ہنگاموں کا ذکر کیا ہی جو سپاہ کی مدد سے فرد ہو سکے اور حکومت عرب کی پہلی صدی میں گذرے۔ مقریزی (۲) صفحہ ۷۶-۸۲۔ [2] رنود و صفحہ ۱۸۹ و ۲۰۲، ۳۰ و ۲۳۰ و ۲۴۰۔ [3][5] رنود و صفحہ ۶۰۳۔ [4] رنود و صفحہ ۶۳۲ و ۶۰۷۔ سفرنامہ ناصر خسرو۔ چارلس شیفر۔ صفحہ ۱۵۵-۱۵۶ (مطبوعہ پیرس ۱۸۸۱ء) [6] رنود و صفحہ ۲۱۲ و ۲۴۵ و ۳۱۴ و ۳۴۷ و ۵۴۰۔

معتمد۔ محاسب اور رجسٹرار کے عہدوں پر کثرت سے مقرر ہوئے۔ تقریباً ایک صدی تک
سلطان صلاح الدین کے جانشینوں کے زمانہ میں عیسائیوں کو مذہبی آزادی اور
سلاطین کا لطف ایسا میسر رہا کہ خدام کلیسہ کی خواری اور رشوت ستانی کے سوائے
اُن کو کسی بات کی شکایت نہ تھی۔ کلیسہ میں منصب فروشی کا دستور بہت ترقی پکڑ گیا
تھا۔ اورقسیس کا عہدہ جاہل اور شریر لوگوں کے ہاتھ بیچا جاتا تھا۔ اس منصب کے امیدوار
باوجود لیاقت اور قابلیت کے اس وجہ سے علیحدہ رکھے جاتے تھے کہ قسیس کو اپنی
تقرری کیوقت جو روپیہ دینا ہوتا تھا اُس کو وہ ادا نہ کرسکتے تھے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ عیسائیوں
کی دینی اور اخلاقی تعلیم کی طرف سے بالکل غفلت ہونے لگی۔ اورمسیحی زندگی میں قابل افسوس
تنزل ہوا[۱]۔ کلیسہ کی تخریب اس درجہ ہوئی کہ جب یحیٰی یعقوبیوں کا چوہترواں بطریق مرا
اور ۱۲۱۶ عیسوی میں اس کی جگہ دوسرے آدمی کو منتخب کرنے کی ضرورت ہوئی تو اس
موقع پر فریقان مقابل نے اپنے اپنے امیدوار کی فضیلت حقوق میں تقریباً بیس برس تک
سخت مجادلہ ومباحثہ رکھا اور اس بےانتہا فضیحت کا اور اپنے شرمناک مناقشوں کے مضر
نتائج کا خیال نہ کیا بلکہ بیس برس تک سینہ زوری اور سنگ طینتی سے اس حریفانہ شور وشغب
کو قائم رہنے دیا۔ اکثر موقعوں پر سلطان وقت نے کوشش کی کہ فریقین میں کسی طرح
مصالحت ہوجاوے۔ عیسائیوں نے تین ہزار اور پانچ ہزار اور دس ہزار اشرفیوں تک
بادشاہ کو رشوت میں دینی چاہیں تاکہ رعب حکومت سے اُن کے اُمیدوار کا انتخاب ہوجاوے
لیکن سلطان نے انکار کیا بلکہ اس غرض سے کہ وہ اپنے جھگڑوں کو کسی طرح طے کرلیں
اور آپس میں رضامند ہوجاویں سلطان نے وہ روپیہ بھی معاف کردیا جو نئے منتخب بطریق
کو حسب دستور ادا کرنا ہوتا تھا۔ مگر یہ سب کوششیں عبث تھیں۔ اس بیس برس کے عرصہ میں
اسقف (بشپ) کے اکثر علاقے خالی ہوئے۔ لیکن جو اساقف اور قسیس مرے انکی جگہ

---

[۱] رنودو صفحہ ۵۸۸۔

دوسرا آدمی مقرر نہ ہوسکا۔ سینٹ ماکاریوس کی خانقاہ میں فقط چار قسیس رہگئے تھے۔ حالانکہ اخیر بطریق کی زندگی میں اسّی قسیس سے زیادہ موجود تھے[۵۱]۔ مغربی علاقہ مطران کے عیسائیوں کی طرف سے ایسی غفلت ہوئی کہ وہ سب مسلمان ہوگئے[۵۲]۔ مذکورۂ بالا حالات کے سوائے جن کو قبطی کلیسہ کے ایک مؤرخ نے تحریر کیا ہو ہمارے پاس اور کوئی ذخیرہ معلومات ایسا نہیں جس سے خود اہل اسلام کے مساعی دریافت ہوں جو اُنھوں نے عیسائیوں کو مسلمان کرنے میں صرف کیے۔ اس میں بہت کم شبہ ہو کہ مسلمانوں کی جانب سے اس قسم کی کوششیں عمل میں آئیں کیونکہ مذہبی مناظروں اور ادیان متقابل کے محاسن پر تحریری بحثوں میں عیسائیوں کا مصروف ہونا تحقیق ہوتا ہے[۵۳]۔ ان عیسائیوں کا مذہب تبدیل کرنا جبر و اکراہ کی وجہ سے نہ تھا۔ کیونکہ صحیح تاریخی شہادت ملتی ہو کہ جس زمانہ میں بطریق کا منصب خالی پڑا تھا تو عیسائیوں کو اپنے مذہب کی علانیہ پیروی میں تمام و کمال آزادی تھی۔ اور ان کو اجازت تھی کہ گرجاؤں کی مرمت کریں بلکہ نئے گرجا بھی تعمیر کریں۔ جو قیدیں اُن پر ایسی تھیں کہ گھوڑوں اور خچروں پر سوار نہ ہوں اُن سے بھی اُن کو آزاد کر دیا تھا۔ رہبان و قسیس جزیہ سے بری ہوے اور خاص اختیارات بھی اُن کو ملے[۵۴]

یہ بات بتانی مشکل ہے کہ مذکورۂ بالا واقعہ (جس میں منصب بطریق خالی رہا) کس حد تک قبطی عیسائیوں کے مسلمان ہونے کا باعث ہوا۔ مسیحی دین کی طرف سے ایسی غفلت کی مثال دو کیپاچی مشنریوں نے بیان کی ہو جنھوں نے سترہویں صدی عیسوی میں دریائے نیل

---

۵۱ رنودو صفحہ ۵۶۷ و ۵۷۱ و ۵۷۴ - ۵۷۵ - ۵۲ ونسلیبن صفحہ ۳۰ - ونسلیبن نے مختلف صورت حال میں ایک اور مثال جزیرۂ قبرس میں قبطی کلیسہ کے تنزل کی بیان کی ہو۔ یہ کلیسہ پہلے یعقوبی بطریق (اسکندریہ) کے علاقہ میں تھا۔ ارتھودوکس مسیحی قسوس جو قیصران روم کی امان میں تھے اُنھوں نے یعقوبیوں پر قبرس میں ایسے ظلم کیے کہ یعقوبی بطریق اپنے فرقہ کے قسوس کو اس بات پر آمادہ نہ کرسکا کہ وہ قبرس میں جاویں پس جسقدر قبط اس جزیرہ میں تھے اُنھوں نے یا تو اسلام قبول کرلیا یا مجلس کلیسیاؤں کے عقیدہ کو (یعنی ارتھودوکس مسیحی مذہب کو) تسلیم کیا قبطیوں کے یعقوبی گرجا جزیرہ قبرس میں بند کردیے گئے۔ (ونسلیبن صفحہ ۳۱) ۵۳ رنودو صفحہ ۳۰۰ ۵۴ رنودو صفحہ ۵۷۵۔

کے کنارے لکسر تک سفر کیا۔ ان مشنریوں کو دریافت ہوا کہ لکسر کے قبطیوں میں کوئی قسیس موجود نہیں ہے اور اُن میں سے بعض لوگوں کو پچاس برس ہونے آئے ہیں کہ اُنھوں نے رسم اقرار نہیں ادا کی اور مسیحی عشاء میں شریک نہیں ہوئے[1]۔ پس ایسی حالت میں قبطی عیسائیوں کی تعداد میں کمی کا پیدا ہونا آسانی سے سمجھ میں آسکتا ہے۔

اسی طرح کی غفلت سے ملک نوبیہ کا کلیسہ مسیحی مذہب میں نہ رہا۔ یہ کلیسہ اسکندریہ کے بطریق کو اپنا افسر رکھتا تھا جیسا کہ حبش کے باشندے آج تک اس بطریق کو اپنا سردار مانتے ہیں۔ چھٹی صدی عیسوی کے وسط میں نوبیہ کے لوگوں نے عیسائی مذہب اختیار کیا تھا۔ جب عربوں نے مصر فتح کیا تو یہ ملک خود مختار رہا۔ نوبیہ کے لوگوں اور عربوں میں ایک عہدنامہ ہو گیا تھا جس کے بموجب ہر سال تین سو کالے غلام دس بندر اور ایک زرافہ نوبیہ کے لوگ عربوں کو بھیجتے تھے اور عرب اس کے معاوضہ میں غلہ روغن اور کپڑے روانہ کرتے تھے۔ خلیفہ معتصم (۸۳۳-۸۴۲ء) نے اپنے عہد حکومت میں نوبیہ کو سفارت روانہ کی تاکہ اس عہدنامہ کی تجدید ہو۔ نوبیہ کا بادشاہ دارالخلافت مصر میں آیا۔ بہت تزک و احتشام سے اُس کا استقبال ہوا اور بیش بہا تحائف دیکر رخصت کیا گیا[2]۔ بارہویں صدی عیسوی میں نوبیہ کے کل باشندے عیسائی مذہب رکھتے تھے[3]۔ اور باوجود متعدد عزیمتوں کے جو مصر سے روانہ کی گئیں وہ بدستور خود مختار رہے[4]۔ ۱۲۷۵ء بادشاہ نوبیہ کے بھتیجے نے سلطان مصر سے کچھ سپاہ طلب کی تاکہ چچا سے بغاوت کرنے میں مدد ملے۔ چنانچہ اُس سپاہ کی مدد سے بھتیجے نے چچا کو تخت سے اُتار دیا اور ملک کے معاوضہ میں ملک نوبیہ کے دو شمالی صوبجات سلطان مصر کے نذر کرنے پڑے چونکہ ان صوبوں کے باشندوں نے اپنے مذہب پر قائم رہنا چاہا اس لیے فی کس ایک دینار کا سالانہ محصول اُن پر جاری ہوا[5]

[1] رلاسیون دو دیاج دو سید فیت این ۱۶۶۸ یا ریشتے اسے چال فرانضوئی دو رلیان۔ صفحہ ۳ (یتولود و سری جلد)
[2] کردنیق دے مکل سے گراند صفحہ ۲۰۲-۲۰۳ [3] اور یسی صفحہ ۳۲ [4] مقریزی (۲) قوم۔ دوسرا حصہ صفحہ ۱۳۱۔
[5] مقریزی صفحہ ۱۲۸-۱۳۰۔

لیکن مسلمانوں کی یہ حکومت عارضی تھی کیونکہ صوبجات مفوضہ کے لوگ پھر جلد خود مختار ہو گئے۔[1]

چودہویں صدی عیسوی کے اخیر نصف حصہ میں ابن بطوطہ[2] نے لکھا ہی کہ نوبیہ کے باشندے اس کے زمانہ تک عیسائی تھے۔ سلطان ناصر کے عہد میں (جس سے غالباً ناصر ابن قلاون سے مراد ہی جو مصر کے سلاطین مملوک میں سے تھا اور جس نے ۱۳۴۰ء میں انتقال کیا) نوبیہ کے خاص شہر ڈنگولہ[3] کا بادشاہ مسلمان ہو گیا تھا۔ مسلمانوں نے نوبیہ پر پندرہویں صدی تک اکثر معرکے کیے۔ لیکن دریائے نیل کے پہلے آبشار سے آگے جہاں انکا اخیر قلعہ تہا وہ اپنی فتوحات کو ترقی نہ دے سکے[4]۔ حالانکہ عیسائی مذہب کی نسبت معلوم ہوتا ہی کہ وہ نیل کے کنارے جنوب میں سنار تک شائع ہو گیا تہا۔ لیکن احتمال یہ ہی کہ نوبیہ میں اسلام کی ترقی مسلمان تاجروں اور اَور لوگوں سے جو وہاں آمد و رفت رکھتے تھے ہوئی رہی (پندرھویں صدی عیسوی کے شروع زمانہ میں) علامہ مقریزی نے اشاعت مذہب کے لطیف واقعات میں سے جن کو مصنفین عرب شاذ لکھتے ہیں ایک واقعہ نقل کیا ہی۔ اس واقعہ کا راوی ابن سلیم الاسوانی ہی[5] اور واقعہ دلچسپ ہی کیونکہ اُس میں ایک داعی اسلام کا نقشہ جبکہ وہ تبلیغ میں مصروف تھا ہو بہو دکھایا گیا ہی۔ جس نوسلم کا ذکر اس قصہ میں ہی اگرچہ پہلے وہ عیسائی نہ تھا اور نہ نوبیا کا رہنے والا تھا تاہم اُس سے اتنا پتہ ضرور چلتا ہی کہ پندرہویں صدی میں اسلام قبول کرنیکا واقعہ نوبیہ میں پیش آیا۔ ابن سلیم نے بیان کیا کہ ایک دفعہ نوبی سردار متقرہ سے اس نے ملاقات کی۔ متقرہ نے کہا کہ وہ ایک ایسے ملک سے آتا ہی جو دریائے نیل سے تین مہینے کی مسافت پر ہی جب اُسکے مذہب کی نسبت سوال کیا گیا تو

[1] برخارت (۱) صفحہ ۴۹۴ [2] برخارت چوتھی جلد۔ صفحہ ۳۹۶ [3] سلاطین باشا نے ایک واقعہ بیان کیا ہی جو ڈنگولہ کے عربوں میں مشہور ہی۔ اور وہ یہ ہی کہ ان عربوں کے کسی بزرگ نے اس شہر کو بنایا تہا اور اس کا نام بھی اپنے نام پر رکھا تھا (لیکن یہ بات ناممکن ہی کیونکہ قدیم مصر کے زمانہ میں یہ شہر موجود تہا۔ چنانچہ مصر کے قدیم کتبوں میں اس کا ذکر ہی دیکھو ڈیمین ہی سن بارٹن دوسری جلد۔ صفحہ ۸۰) ان عربوں کے قول کے مطابق انکا مورث اعلیٰ ڈنگل اگرچہ ابتدا میں غلام تہا لیکن ترقی کرکے وہ نوبیہ کا بادشاہ ہوا۔ گبرباہ نیا قبطی بطریق کا باجگزار تہا اس بطریق کا علاقہ سارا س اور دریا کے موجودہ شہر دنگلے بحیرہ واقع تھا۔ "سود ان میں آگ اور تلوار" صفحہ ۱۳ مطبوعہ لندن ۱۸۹۶ء عیسوی [4] ابن سلیم الاسوانی۔ منقولہ مقریزی۔ کتاب الخطط۔ پہلی جلد۔ صفحہ ۱۹۰۔

اُس نے جواب دیا کہ میرا خالق اور تیرا خالق خدا ہے۔ موجودات عالم کا اور انسان کا پیدا کرنیوالا ایک ہی اور اُس کے رہنے کی جگہ آسمان پر ہی"۔ جب کبھی مینھ نہیں برستا یا ہم میں یا ہمارے مویشیوں میں وبا پھیلتی ہی تو ہمارے ملک والے ایک اونچے پہاڑ پر چڑھ جاتے ہیں اور وہاں خدا سے دعا مانگتے ہیں۔ خدا ہماری دعاؤں کو قبول کرتا ہی اور ہم پہاڑ سے اُترنے نہیں پاتے کہ ہماری ضروریات مہیّا ہو جاتی ہیں۔ جب مقرہ نے تسلیم کیا کہ خدا نے کبھی کوئی نبی اُن کے پاس نہیں بھیجا تو ابن سلیم نے اس کے سامنے حضرت موسیٰ اور حضرت عیسیٰ علیہم السلام اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر کیا کہ کس طرح خدا کی مدد سے وہ معجزات کے قابل ہوئے مقرہ نے جواب دیا۔ "انہوں نے جب یہ معجزات کیے تو ضرور سچائی اُن کے ساتھ تھی۔ اگر انہوں نے ایسا کیا تو اُن پر میں یقین کرتا ہوں[۱]"۔

نوبیہ کے لوگ بہت عرصہ میں اور بتدریج عیسائی مذہب سے اسلام کی طرف آئے ان کے کلیسہ کی روحانی زندگی نہایت ادنی ہو گئی تھی اور چونکہ اصلاح مذہب کی کوئی تحریک اُن میں پیدا نہیں ہوئی اور اپنے ملک کی حدود سے باہر تمام کلیساؤں سے اُن کا تعلق قطع ہو گیا اس لیے یہ مقتضائے قدرت تھا کہ روحانی شوق کی تسکین کے لیے وہ اسلام کو تلاش کرتے جس کے پیرو مدت سے شاہد چلے آتے تھے کہ اسلام اُن میں زندہ قوت ہی اور ایسا دین ہی جس نے نوبیہ کے باشندوں میں سے بھی بعض کو اپنا معتقد کیا ہی ۱۵۲۰ء سے ۱۵۲۶ء تک ایک پرتگیزی پادری نے جبشہ میں سفر کیا اور ہمارے علم کیلیے ایک کیفیت اُس وقت کی لکھ گیا جس میں نوبیہ کے لوگ انقلاب مذہب کی حالت میں تھے۔ اِس شخص نے لکھا ہی کہ نوبیہ کے رہنے والے نہ عیسائی تھے نہ یہودی نہ مسلمان۔ یہ لوگ بغیر دین و آئین کے رہگئے تھے مگر اس حال میں بھی "اُن کو عیسائی بننے کی آرزو تھی"۔ اپنے قسیس کی غلطیوں سے وہ جہالت میں ڈوب گئے تھے۔ اور اب اُن میں اسقف اور قسیس کوئی باقی نہ تھا۔ پس اُنہوں نے

[۱] مقریزی کتاب الخطط پہلی جلد صفحہ ۱۹۳۔

ایک سفارت جس میں چھ آدمی تھے جش کے بادشاہ کے پاس روانہ کی اور درخواست کی کہ رہبان اور قسیس ان کی تعلیم دین کے لیے بھیجے جاویں - لیکن بادشاہ نے یہ درخواست اس بنا پر نامنظور کی کہ بطریق اسکندریہ کی بلا اجازت وہ ایسا نہیں کرسکتا - اور چونکہ اس سے اجازت حاصل نہ ہوسکی اس لیے بدقسمت سفیر اپنے ملک کو نامراد واپس آئے[1] - اسی پرتگیزی کو ایک عیسائی سے جس نے نوبیہ میں سفر کیا تھا یہ خبر ملی کہ اُس کے زمانہ سفر میں ڈیڑہ سو گرجا اس ملک میں موجود تھے - اور ہر گرجا میں مسیح مصلوب اور مریم عذرا اور مسیحی اولیا کی تصویریں دیواروں پر نظر آتی تہیں تمام قلعجات میں جو ملک میں جابجا تھے گرجا موجود تھے[2] - سترہویں صدی کے ختم ہونے سے پہلے عیسائی مذہب نوبیہ سے بالکل مفقود ہوگیا جس کی وجہ یہ تھی کہ "قسیس نہ تھے" لیکن گرجا جو بند پڑے تھے ابھی تک ملک میں موجود تھے[3] - نوبیہ کے لوگ اسلام کے قوی اثر سے مغلوب ہوکر مسلمان ہوگئے اور بلاشبہ ایسے مسلمانوں کی داعیانہ کوششوں نے بھی جو صدیوں پہلے سے اس ملک میں سیر و سفر کیا کرتے تھے اس نتیجہ کو زیادہ تر پیدا کیا - نوبیہ کے شمال میں مصر تھا جہاں سے اہل عرب نے منبع نیل کی طرف بڑھکر دریا کے کناروں پر حکومت قائم کی تھی[4] - جنوب میں بلو قوم کی اسلامی عملداری تھی جو نوبیہ کو جش کے ملک سے جدا کرتی تھی - سولھویں صدی کے شروع میں بلو کی قوم باوجود مسلمان ہونیکے جش کے عیسائی بادشاہ کی معاون و باجگذار تھی[5] - اور اگر یہ قوم وہی ہے جس کو بلیون لکھا گیا ہے اور جس کا حال بارہویں صدی عیسوی میں مورخ ادریسی نے لکھا ہے کہ وہ اپنی ہمسایہ قوم باجا کے ساتھ (جس کو جزیرہ میرو کا باشندہ کہا گیا ہے) یعقوبی مذہب رکھتی تھی[6] تو احتمال ہے کہ قوم بلیون باجا کی قوم سے صرف چند سال پہلے مسلمان ہوئی - باجا کے لوگ فنج کی اسلامی عملداری میں اس وقت شامل کر لیے گئے جب

---

[1] الدرلی کے لارڈ سٹینلی نے الوارز کے ترجمے میں جسکو پرتگیزی زبان سے لارڈ موصوف نے کیا بادشاہ جش کا جواب اسطرح بیان ہے "اُس نے سفیروں سے کہا کہ خود میرے ملک میں اپنا اسلامی ملک سے آتے ہیں یعنی بطریق اسکندریہ انکو روانہ کرتا ہے پس ایسی حالت میں جبکہ یہ لوگ اوروں کے بھیجے ہوئے اس ملک میں آتے ہیں تو وہ دوسروں کے پاس رہبان و قسیس کیسے بھیج سکتا ہے" صفحہ ۳۵۲ مطبوعہ لندن [2] "پریسٹر جان کی خدمت میں جبشہ کا سفر" مصنفہ فراجیسکو الواریز (۱۵۲۰ء لغایت ۱۵۲۷ء) راموسیو - توم ۱ - صفحہ ۲۰۰ و ۲۵۰) [3] وانسلیبن صفحہ ۳۰ - [4] برخارت (۱) صفحہ ۱۳۳ [5] الوارز صفحہ ۲۵۰ [6] ادریسی صفحہ ۳۲

۱۴۹۹ء اور ۱۵۰۳ء عیسوی میں اس عملداری نے جنوب سے لیکر نوبیا اور حبشہ کی سرحد تک اپنی فتوحات کو ترقی دی اور سنار کی زبردست ریاست قائم کی جس وقت احمد گرانگنی کے لشکر نے حبشہ پر چڑھائی کی اور جنوب سے شمال کی طرف ملک کے بیچ سے رستہ کرتا ہوا نکلا تو ۱۵۳۴ء میں احمد کا لشکر اور سلطان ماسیگا یا مازاگا کی سپاہ ایک جگہ مل گئی۔ مازاگا کے ملک میں بھی جو حبشہ اور سنار کے وسط میں واقع تھا اسلامی عملداری تھی لیکن وہ حبشہ کی باجگذار تھی سلطان مازاگا کے لشکر میں پندرہ ہزار نوبی سپاہی تھے اور جو کیفیت ان کی بیان کیگئی ہے اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ مسلمان تھے۔ نوبیوں کے تبدیل مذہب کا حال جو اوپر بیان ہوا جستہ جستہ ہی اور کافی نہیں لیکن جس قدر حالات ان کی خود مختارانہ خصلت و جبلت اور استحکام مذہب کے متعلق تحقیق ہوتے ہیں کہ جبتک عیسوی مذہب اُن میں زندہ رہا وہ اُس کے کیسے پابند رہے تو نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ ان کا مذہب تبدیل کرنا اپنی رضا و رغبت سے عمل میں آیا۔ جبر و اکراہ سے وہ کبھی اسلام قبول نہ کرتے۔

اب ہم حبش کے باشندوں میں اسلام کی تاریخ بیان کرتے ہیں۔ حبش کے لوگوں نے نوبیوں سے دو صدی پہلے عیسائی مذہب اختیار کیا تھا اور نوبیوں کی طرح یعقوبی کلیسہ کے پیرو تھے بحیرہ احمر کی سمت سے جس کے مغربی سواحل حبش کی سلطنت میں شامل تھے اہل عرب کے گروہ وطن چھوڑ کر حبشہ میں داخل نہیں ہوئے بلکہ جب ملک عرب میں اسلام شائع ہو گیا تو صدیوں کے بعد یہ واقعہ پیش آیا دسویں صدی عیسوی تک صرف چند اسلامی خاندان تھے جو حبش کے ساحلی شہروں میں آباد ہوئے لیکن بارہویں صدی عیسوی کے خاتمہ پر ایک مسلط عربی خاندان کے قائم ہونے سے سلطنت حبش کے چند حصے جو ساحل بحر احمر پر تھے اسکے قبضے سے نکل گئے۔ سنہ ۱۳۰۰ء میں ایک داعی اسلام جس کا نام ابو عبد اللہ محمد تھا حبشہ میں پہنچا اور لوگوں کو اسلام قبول کرنے کی ہدایت کی۔ دوسرے برس دو لاکھ آدمیوں کی سپاہ سے

سلہ زرطینی۔ صفحہ ۱۵۷ و غیرہ و غیرہ۔

حاکم اَمہرپرکئی دفعہ حملہ کیا۔[۱] چودھویں صدی عیسوی کے خاتمہ پر خانہ جنگیوں کی وجہ سے ملک پر اَشوب ہوا۔ چنانچہ عربوں کی بستیاں جو بحیرۂ احمر کے مغربی کناروں پر تھیں کُل ساحل کی مالک بنگئیں اور حبش والوں کو ملک کے وسط میں ہٹا دیا۔ سولھویں صدی کے شروع زمانہ میں آدَل کی زبردست اسلامی عملداری جو حبش کی حدود اور بحیرۂ احمر کی جنوبی حد کے درمیان واقع تھی اور اَوُر کئی ریاستیں عیسوی سلطنت حبشہ کی سخت دشمن تہیں لیکن ایسی صلح پسند ریاستیں بھی موجود تہیں جو "پریسٹر جیحی" یعنے حبش کے بادشاہ کی معاون اور باجگذار تہیں۔ مثلاً ماسودہ میں ایسے عرب تھے جو حبشی سرداروں کے گلّوں کو چراتے تھے۔ یہ حبشی سردار تیس تیس چالیس چالیس کے غول میں مع اہل وعیال کے خانہ بدوش رہتے تھے اور ہر غول کا ایک عیسائی "سالار" ہوتا تھا۔[۲] بعض مسلمانوں کا ذکر ہوا ہے کہ بادشاہ حبش کی ملازمت میں تھے اور بادشاہ نے اُن کو بڑے عہدوں پر مقرر کیا تہا۔[۳] ان مسلمانوں میں سے بعض تو اسلام پر ثابت قدم رہے اور بعض نے ملک کے دین مروجہ (یعنی عیسائی مذہب) کو اختیار کرلیا۔ یہ بات معلوم کرنی دشوار ہے کہ یہ اسلامی گروہ کس مراد سے سلطنت حبش کے باجگذار تھے۔ آدیا کے مسلمان علاوہ خراج کے بادشاہ حبش کو ہر سال ایک بن بیاہی جوان عورت بھیجتے تہے جو عیسائی کرلی جاتی تھی۔ یہ رسم ایک قدیم عہدنامہ کے بموجب جاری تھی اور بادشاہ نے ہمیشہ خیال رکھا کہ مسلمان اس رسم کے پابند رہیں کیونکہ "بادشاہ اُن سے زبردست تھا"۔ علاوہ اس کے مسلمانوں کو ہتھیار رکھنے اور لباس جنگ پہننے کی ممانعت تھی اور حکم تھا کہ اگر گھوڑوں پر سوار ہوں تو زین نہ لگائیں۔ مسلمان کہتے تھے کہ ان احکام کی ہمنے ہمیشہ پابندی کی ہے تاکہ بادشاہ ہم کو قتل نہ کرے اور ہماری مسجدوں کو نہ جلادے۔ ہر برس حبشہ کا بادشاہ جوان عورت کے لیے اپنے آدمی بھیجتا ہے۔ ہم اس عورت کو لیجاتے ہیں اور غسل دیتے ہیں اور بستر پر لٹاکر اس کو چادر سے ڈھک دیتے ہیں تب ہم دعائیں پڑہتے ہوئے جو میت کیلیے ہوتی ہیں اس کو گھر کے دروازے تک لیجاتے ہیں اور پھر بادشاہ کے آدمیوں کے حوالے کردیتے ہیں اور یہی کیا ہمارے آبائے اور ہمارے اجدادنے

[۱] مقریزی (۲) توم ۲۔ دوسرا حصّہ صفحہ ۱۸۳ [۲] الوارز (۱) موسکو۔ توم ۱۔ صفحہ ۲۱۸ و ۲۲۴ و ۲۴۹) [۳] زطینی صفحہ ۳۳ و ۸۲۔

ہم سے پہلے[1]

• مسلمانوں کی باجگذار ریاستیں خاص کر نشیبی ملک میں تھیں اور یہ نشیبی ملک سلطنت حبش کی شمالی سرحد بحیرۂ احمر سے مغرب کی سمت میں سنار تک قائم کرتا تھا[2] اور جنوبی سمت میں حبش کے جنوب مشرق تک پھیلا ہوا تھا[3]۔ اس بات کا فیصلہ قیاس پر مبنی ہو کہ ان ریاستوں کے مسلمانوں نے جو عیسائیوں سے ملاپ رکھتے تھے عیسائیوں پر کیا اثر پہنچایا اور اُس زمانہ میں بھی موجودہ صدی کی طرح اُنھوں نے عیسائیوں کو مسلمان کیا یا نہیں۔ مگر یہ بات یقینی ہو کہ جب ۱۵۲۸ء سے ۱۵۴۳ء تک ادل کے خود مختار بادشاہ احمد گراگنی نے (جس کی نسبت کہا جاتا ہو کہ آبجو کے قسیس کا بیٹا تھا اور اس قسیس نے ترک وطن کرکے آدیوں کے ملک میں اسلام قبول کیا[4]) ملک حبش پر چڑھائیاں کیں تو اکثر حبشی سردار اپنے متعلقین سمیت احمد کے فتحمند لشکر کے ساتھ ہو کر مسلمان ہو گئے۔ اور گو بعض اضلاع کے عیسائیوں نے جزیہ دینا مناسب سمجھا[5]۔ مگر اور عیسائیوں نے فاتح کا دین قبول کر لیا[6]۔ ایک ہمعصر مورخ لکھتا ہو کہ بعض صورتوں میں یہ تبدیل مذہب خوف کا نتیجہ تھا۔ اور اُن کی طرف سے شبہ تھا کہ وہ سچے دل سے مسلمان ہوئے ہیں یا نہیں[7]۔ لیکن ظاہرا یہ کیفیت عام نہ تھی بلکہ اکثر اضلاع میں عیسائی اس کثرت سے مسلمان ہوئے کہ اسلام قبول کرنا ملک میں عام تحریک نظر آئی۔ مسیحی سردار جو مسلمان ہوئے اُنھوں نے بلا شبہ اپنی مرضی سے ایسا کیا اور اس غرض سے کہ اُن کے ماتحتین بھی اُن کی تقلید کریں انھوں نے صرف اپنے ذاتی رسوخ اور ترغیب کی تدبیروں سے کام لیا ہوگا۔ یہ کہا گیا ہو کہ بعض مسیحی سردار اپنے مذہب سے بہت ناواقف تھے[8] اور اس لیے تبدیل مذہب ان کے لیے زیادہ دشوار کام نہ تھا۔ اس طرح کے تبدیل مذہب میں وہ مسلمان سردار زیادہ ممد و معاون ہوئے جو بادشاہ حبش کی ملازمت میں داخل ہو چکے تھے اور ایسے عیسائیوں نے بھی جو سابق میں مسلمان تھے اس کام میں مدد دی اور مسلمانوں کی لشکر کشی کے وقت موقع پایا کہ عیسائی مذہب اور عیسائی بادشاہ کی اطاعت کو

۱؎ زطینی صفحہ ۱۲۔ ۲؎ زطینی صفحہ ۱۵۴، ۱۵۵۔ ۳؎ زطینی صفحہ ۱۱ و ۱۴ و ۵۲، ۱۲۔ ۴؎ پلاؤڈن صفحہ ۳۶۔ ۵؎ زطینی صفحہ ۱۵۵-۱۶، ۱۷۲۔ ۶؎ زطینی۔ باسم۔ ۷؎ زطینی صفحہ ۴۳، ۵۴، ۸۵ و ۱۱۳۔ ۸؎ زطینی صفحہ ۶۴۔

فوراً ترک کرکے پھر مسلمان ہو جاویں[1]۔

اس قسم کے لوگوں میں سے ایک سردار نے ۱۵۳۱ء عیسوی میں احمد گرانگنی کے نام مفصلۂ ذیل خط لکھا "میں پہلے مسلمان تھا۔ لوگ مجھ کو قید کرکے لیگئے اور زبردستی عیسائی کرلیا۔ لیکن ہمیشہ میں دل سے اسلام کا پیرو رہا اور اب میں تیرے اور دین محمدی کے قدموں میں اپنے تئیں ڈالتا ہوں۔ میرے اقرار کو تسلیم کر اور جو کچھ گذرا اُس کو فراموش کر کیونکہ اب میں تجھپر اور اپنے خدا پر لوٹتا ہوں۔ جو سپاہی میرے تحت میں ہیں وہ بادشاہ حبش کے ہیں لیکن میں حتیاً سے اور رفتہ رفتہ اُن کو مسلمان ہونے کی ترغیب دوں گا"۔ غرض جو سپاہ اس سردار کی ماتحت تھی اُس کے بڑے حصہ نے اسلام قبول کرلیا۔ اور کہا گیا ہی کہ یہ لوگ عورتوں اور بچوں سمیت بیس ہزار تھے[2]۔

حبش کے لوگوں نے پرتگیزوں کی مدد سے اسلامی فاتحوں کے جُوے کو اُتار پھینکا اور ۱۵۴۳ء عیسوی میں احمد گرانگنی بھی مارا گیا۔ بہرحال ملک حبش میں اسلام کے قدم جم گئے تھے اور سولھویں صدی کے باقی حصہ اور سترہویں صدی میں ملکی معاملات کی برہم حالت نے موقع دیا کہ اسلام ملک میں قائم رہے۔ مسیحی کلیسا آپس کی لڑائیوں میں مصروف تھے اور اپنے مذہب کی طرف جو دونوں کا دشمن تھا توجہ نہ کرسکے۔ فرقہ یسوعی اور جاثلیق کے مشنریوں کی کامیابی نے جو حبش والوں کو اپنے مذہب میں شامل کرتے جاتے تھے اور معاملات نظم و نسق ملکی میں پرتگیزوں کے دخل نے حبش کے عیسائیوں میں ان لوگوں کی مخالفت کا سخت جوش پیدا کردیا۔ اور فی الواقع باہمی عناد کو اس قدر ترقی ہوئی کہ بعض حبشی سرداروں نے صاف کہدیا کہ پرتگیزوں سے اتحاد رکھنے کی جگہ وہ کسی مسلمان بادشاہ کی اطاعت قبول کرلیں گے[3]۔ مذہب کے بچاؤ اور ملک کی حمایت میں یہ تحریک پیدا ہو کر ایسی عالمگیر ہوئی کہ ۱۶۳۲ء کے قریب حبش کے لوگوں نے پرتگیزوں اور غیر ملک کے عیسائیوں کو اپنے ملک سے خارج کیا۔ اس واقعہ

[1] زطینی صفحہ ۱۰۹ و ۱۳۷ و ۱۱۱ و ۱۲۰۔ [2] زطینی صفحہ ۱۰۶۔ [3] یہلی لودلفی اوسولم ہسٹوریام ایتھیوپیکام کینتا ریونیا صفحہ ۴۸۲ (مطبوعہ فرینک فرٹ ۱۶۹۱ء)۔

بعد حبش کی حالت بہت جلد ایسی خطرناک بڑھی اور بدنظمی کی ہو گئی کہ قوم گالا کے چند گروہوں نے اُس سے نفع اُٹھایا اور حبش کے بالکل وسط میں پہنچ گئے جہاں انکی بستیاں ابتک موجود ہیں۔

مذکورۂ بالا زمانہ میں جو ترقی اسلام کو ہوئی اس کا اندازہ سترہویں صدی کے ایک سیاح کی تحریر سے ہوتا ہی۔ یہ شخص لکھتا ہی کہ اُس کے وقت میں پیروانِ اسلام حبش کے کل ملک میں موجود تھے اور اُن کی تعداد کل آبادی کا تہائی حصہ تھی[۱]۔ اٹھارہویں صدی میں دریافت ہوتا ہی کہ اسلام نے اس طریقہ سے برابر ترقی کی کہ خاص خاص لوگوں نے جابجا اسلام قبول کیا۔ چونکہ ملک میں مضبوط ملکی نظم باقی نہ رہا تھا اس لیے چھوٹے چھوٹے خودمختار سرداروں کو قوت ہو گئی اور باوجود اس امر کے کہ والیان حبش کو دآئین سلطنت کی رو سے) عیسائی مذہب کا پیرو ہونا لازم تھا ان سرداروں میں سے اکثر کو مسلمانوں کے ساتھ بہت ہمدردی تھی۔ مسلمانوں نے بھی اس شوق میں کہ خودمختاری کا درجہ حاصل کریں اپنے مذہب کو جس میں پیدا ہوئے تھے ترک کیا اور ظاہر کیا کہ وہ عیسائی ہو گئے ہیں تاکہ اعیان ملک کے طبقہ میں شمار ہوں اور حبش کے صوبجات پر حاکم مقرر ہو کر اُنہوں نے اپنا رسوخ تبلیغ اسلام میں صرف کیا[۲] لیکن اسلام کی اشاعت میں کامیابی کا خاص سبب یہ تھا کہ حبشی عیسائیوں کے مقابلہ میں مسلمان اخلاقی برتری رکھتے تھے۔ روپل لکھتا ہے کہ حبش کے سفر میں اس نے اکثر یہ بات دیکھی کہ جب کوئی منصب ایسا خالی ہوا کہ جس کے لیے معتمد و متدین شخص کے انتخاب کی ضرورت ہوئی تو ہمیشہ مسلمان منتخب ہو کر مقرر ہوا۔ عیسائیوں کے مقابلہ میں مسلمان زیادہ چست اور محنتی تھے۔ ہر ایک مسلمان اپنے بیٹوں کو پڑھنا لکھنا سکھاتا تھا لیکن عیسائیوں کے

[۱] ہستویرے لا اوت اینیوپے پار مانورل دالمیڈا۔ صفحہ ۔ (ریتبو نو۔ دوسری جلد) [۲] ماسایا۔ دوسری جلد۔ صفحہ ۵۰۔۲۰۴
"ہر شخص سمجھ سکتا ہی کہ جب مسیحی دین قبول کرنیمیں ان لوگوں کی غرض حکومت کا حاصل کرنا تھا تو وہ اس مذہب کے صرف ظاہر میں پابند ہونگے نہ مسلم البتہ دل سے اور رسوم میں پکے مسلمان تھے۔ اس وجہ سے یہ ہوا کہ جب ایسے بڑے لوگ جنہوں نے حکومت کی غرض سے عیسائی مذہب اختیار کیا اس کے رتبہ کو پہنچے تو اُنہوں نے مسلمانوں کو اپنے گرد و پیش رکھا اور ملکی عہدوں میں کے زیادہ تر عہدے مسلمانوں کو دیے اور اُن کو خطاب دیے اور انعام و اکرام سے مالامال کر دیا۔ پس اس طرح حبش کے عیسوی ملک پر قوموں میں سے اس بربر قوم نے حملہ کیا اور ملک میں آباد ہو گئے اور کچھ زمانے کے بعد یہ ملک اسلام کے جوئے کے نیچے آگیا (ماسایا صفحہ ۲۰۶)

بچے اُسی وقت تعلیم پاتے تھے جبکہ اُن کو قسیس بنانے کی خواہش ہوتی تھی[1]۔ مسلمانان حبش کا اخلاقی حیثیت سے عیسائی رعایا پر فوق رکھنا اس امر کی توجیہ کرتا ہی کہ کس طرح مسلسل لیکن دیر میں موجودہ اور گذشتہ صدی میں اسلام نے حبش کے ملک میں ترقی کی۔ حبش کے قسیسوں کی خرابی و جہالت نے اور سرداران ملک کے دائمی فسادوں نے اسلامی آثار کو بلا مزاحمت ملک میں اپنا کام کرنے دیا۔ مسٹر پلاؤڈن نے جو ۱۸۴۴ء سے ۱۸۶۰ء تک حبش میں انگلش سفیر رہے ہیں جہاں قوم ہبب کا ذکر کیا ہی جو کاشتکار قوم ہی اور ۱۶ درجہ ۱ اور ۱۷ درجہ ۳۰ دقیقہ عرض بلد کے درمیان ماسوواہ سے شمال و مغرب کی طرف آباد ہی وہاں لکھا ہی کہ یہ قوم گذشتہ سو برس کے اندر مسلمان ہوئی[2] دوسری وجہ اُس کے مسلمان ہونے کی یہ ہوئی کہ حبش سرداروں نے ہمسایہ قوموں سے متواتر لڑائیوں میں اکثر مصروف رہکر اپنا ملک قطعی چھوڑ دیا تھا[3]۔ ان ہی سو برس کے اندر شمالی اضلاع کی آبادی میں سے بعض گروہوں نے مذکورۂ بالا وجوہ سے اور اس باعث سے کہ قسیسوں نے اُن میں رہنا ترک کر دیا تھا اور گرجا بوسیدہ ہو کر گر پڑے تھے اسلام اختیار کیا ان باتوں کا ظاہر اسبب صرف قسیسوں کی غفلت تھا کیونکہ ان اضلاع کے مسلمان ہرگز متعصب نہ تھے اور کوئی خاص خصومت ان کو عیسوی مذہب سے نہ تھی[4]۔ ترقی اسلام کے متعلق اسی قسم کی شہادت موجودہ صدی کے شروع زمانہ میں اورسیا خوس[5] کی تحریر سے ملتی ہی جنہوں نے دیکھا کہ حبش کے اکثر عیسائی اپنا مذہب چھوڑ کر مسلمان ہو جاتے ہیں۔ حبش کے نائبان سلطنت میں سے ایک نائب رس الالی نے جو بادشاہ تھیوڈور کی تخت نشینی ۱۸۵۳ء سے پہلے کل ملک کا عملاً مالک تھا مسلمانوں پر بہت التفات کیا۔ اگرچہ وہ عیسائی مذہب رکھتا تھا لیکن اُس نے ملکی عہدے یہانتک کہ گرجاؤں کا مال مسلمانوں میں تقسیم کیا اور اُس کے زمانہ نیابت میں حبش کے اضلاع متوسطہ کی نصف آبادی مسلمان ہوگئی[6]۔ حبش میں مسلمانوں نے ایسی گہری جڑ پکڑی ہی کہ غیر ملکوں کی تجارت

[1] روپل پہلی جلد صفحہ ۳۲۸ و ۳۶۶ [2] پلاؤڈن صفحہ ۱۳ [3] پلاؤڈن صفحہ ۹۹ [4] بیک صفحہ ۵ - ۵۲ - ایسبرگ - صفحہ ۳۶ [5] رکلو - دسویں جلد صفحہ ۲۴ - ماسایا گیارہویں جلد - ۱۲۵ -

اور خاص دیس کی تجارت انکے قبضہ میں ہی۔ بڑی بڑی جائدادیں رکھتے ہیں اور بڑے شہروں اور منڈیوں کے مالک ہیں۔ اور ملک کی رعایا پر قدرت رکھتے ہیں۔ ایک عیسائی مشنری جو بتیس برس تک حبش میں مقیم رہا اُس نے دعاۃ اسلام کی کامیابی اور جوش تبلیغ کا نہایت اعلیٰ قسم کا اندازہ کیا ہی۔ وہ لکھتا ہی۔ اگر ایک احمد گرانگنی اور پیدا ہو جاوے اور اسلام کا جھنڈا بلند کرے تو حبش کا تمام ملک مسلمان ہو جاوےلہ۔ ۱۸۷۵ء سے ۱۸۸۲ء تک سلطنت مصر حبش کی حکومت کے ساتھ لڑائی میں مصروف رہی اس جنگ وجدال نے ملک حبش میں مسلمانوں کی طرف سے بُرے خیالات پیدا کر دیے۔ جب غیر ملک کی اسلامی سلطنت دشمن ہو گئی او آپس میں منافرت ہوئی تو اُس کا اثر حبش کے مسلمانوں پر پڑا۔ ۱۸۷۸ء میں اس ملک کے بادشاہ یحییٰ ثانی نے حبشی قسیسوں کی ایک مجلس منعقد کی اور اس مجلس نے بادشاہ کو امور دینیہ میں سرپنچ مقرر کیا اور حکم دیا کہ کل سلطنت میں صرف ایک مذہب پر عملدرآمد رہیگا۔ تمام مسیحی فرقوں کو سوائے فرقۂ یعقوبی کے دو برس کی مہلت دی گئی کہ اس زمانہ میں وہ قومی کلیسہ میں شامل ہو جاویں۔ مسلمانوں کو تین برس اور بت پرستوں کو پانچ برس دیے گئے کہ اس عرصہ میں وہ عیسائی ہو جاویں۔ کچھ عرصہ کے بعد بادشاہ یحییٰ نے فرمان جاری کیا جس سے ظاہر ہی کہ تین برس کی مہلت کو مسلمانوں نے کیسا بے وقعت سمجھا۔ اس فرمان کے بموجب بادشاہ نے مسلمانوں کو یہی حکم نہیں دیا کہ جہاں ضرورت ہو مسلمان اپنے روپے سے گرجا بنوائیں اور آمدنی کا دسواں حصہ پادریوں کو جو اُنکے علاقہ میں رہتے ہوں دیں بلکہ یہ اشتہار بھی جاری کیا کہ تین مہینے کے اندر تمام مسلمان عہدہ دار یا تو اصطباغ لیں نہیں تو استعفا داخل کریں۔ اس طرح زبردستی عیسائی بنانا (جس میں فقط اصطباغ کی رسم اور عشاء ادا کرنا ہوتا تھا) قدرتی طور پر بے تاثیر ثابت ہوا۔ کیونکہ ظاہرا اس حکم کی تعمیل کرکے مسلمان اپنے مذہب کے دل سے پابند رہے۔ ماسایا نے چشم دید لکھا ہی کہ مسلمان گرجا سے نکلکر جس میں ان کو اصطباغ ملا سیدھے مسجد میں گئے اور کسی باخدا مسلمان سے اس جبریہ اصطباغ کے اثر کو دور کرا دیاعہ۔ عیسائی بنانے

لہ ماسایا گیا رہویں جلد صفحہ ۱۲۴ عہ ماسایا گیارہویں جلد صفحہ ۔۔۔۔۔

کا یہ طریقہ اس وجہ سے اور فضول ثابت ہوا کہ فقط مردوں کے لیے اُس کا حکم جاری ہوا تھا اور عورتوں کے مذہب سے کسی طرح کا تعرض نہ تھا۔ یہ بات ایسی تھی جو حبش کی آئندہ تاریخ اسلام میں غالباً اپنے تئیں قابل وقعت ثابت کرے گی۔ کیونکہ ماسایا نے قوی شہادت پیش کی ہی کہ حبش کے ملک میں مسلمان عورتوں نے تبلیغ اسلام میں مہتم بالشان کوششیں صرف کیں[۱]۔ بادشاہ یحییٰ کی نسبت کہا جاتا ہی کہ ۱۸۸۰ء میں اس نے پچاس ہزار مسلمانوں کو اور بت پرستوں میں سے ایک قوم کے بیس ہزار آدمیوں کو اور گالا کی قوم سے پانچ لاکھ لوگوں کو اصطباغ دیا[۲]۔ غرض جب ان لوگوں کا عیسائی مذہب اختیار کرنا اصطباغ اور عشر کی رسموں سے آگے نہ بڑھ سکا تو ان سختیوں کا نتیجہ یہ ہوا کہ مسلمانوں اور بت پرست حبشیوں کو عیسائی مذہب سے خصومت اور زیادہ ہو گئی[۳]۔ ۱۸۸۹ء میں شوا کا بادشاہ منیلک یحییٰ کی موت پر کل حبش کا فرمانروا ہوا۔ منیلک کی نسبت کہا جاتا ہی کہ وہ یحییٰ کی طرح متعصب عیسائی نہیں ہی بلکہ دوسروں کے مذہب کی قدر کرتا ہی اور اُن کو امان دیتا ہی اور ایماندار سچے لوگوں پر بلا امتیاز دین و ملت مہربانی کرتا ہی[۴]۔ اسلیے احتمال ہی کہ حبش میں اسلام کی ترقی کو خفیف صدمہ پہنچے۔

اب افریقہ کی تاریخ کیطرف جو ساتویں صدی عیسوی میں گذری ہم کو توجہ کرنی چاہیے۔ اُس زمانہ میں اہل عرب شمالی ساحل افریقہ پر مشرق سے مغرب کی سمت میں اپنی فتوحات کو ترقی دے رہے تھے۔ جس طرح اہل مصر کی مدد سے جو سلطنت روما کا خاتمہ چاہتے تھے عربوں کو مصر میں آسانی سے فتح حاصل ہو گئی تھی شمالی ساحل افریقہ پر ایسی سہولت سے کامیابی نہیں ہوئی۔ یہاں خونریز لڑائیوں اور مدت دراز کے مقابلوں نے اُن کی ترقی کو کچھ زمانہ تک مسدود رکھا۔ اور جبتک نصف صدی ان محاربات میں نہ گذری اہل عرب شمالی ساحل افریقہ پر مصر سے بحیرہ اطلانٹک تک مسلط نہ ہو سکے۔ ۶۹۸ عیسوی میں کارتھیج کی ہزیمت سے افریقہ میں حکومت روما کا خاتمہ ہوا

[۱] ماسایا۔ صفحہ ۱۲۴۔ ۱۲۵ [۲] اپل۔ صفحہ ۳۰۰۔ رکلو۔ توم ۱۰۔ صفحہ ۲۴۴ [۳] ماسایا گیارہویں جلد۔ صفحہ ۷۹۔ ۸۱۔
[۴] ماسایا نویں جلد۔ صفحہ ۶۰۔ ۶۱۔ دسویں جلد۔ صفحہ ۱۲۔ گیارہویں جلد صفحہ ۸۴۔

اور جب قوم بربر مطیع ہوگئی تو اہل عرب شمالی ممالک افریقہ کے قطعی مالک بن گئے۔

ان لڑائیوں کا مفصل حال لکھنا ہمارا کام نہیں ہے۔ ہماری کوشش فقط اُن مراتب کو تحقیق کرنا ہے جنسے عیسائی قوموں میں اسلام کی اشاعت ہوئی لیکن اس تحقیق کیلیے جو ذخیرہ معلومات دستیاب ہوتا ہے وہ قلیل اور ناکافی ہے۔ افریقہ کا کلیسہ جس سے بڑے بڑے سینٹ (اولیا) اور عالم دنیا میں پیدا ہوئے وہ کیا ہوا؟ ترتلیان اور سنیٹ سپریان اور اوگستین کے کلیسا جو اس قدر ظلم و ستم کے بعد بھی فتح نصیب رہے تھے اور جنھوں نے ارتھودوکس مسیحی دین کی حمایت نہایت اولوالعزمی سے کی تھی معلوم ہوتا ہے یہ سب کلیسا غبار کی طرح مضمحل ہو کر غائب ہوگئے۔

لوگوں کا یہ معمول رہا ہے کہ جب کوئی سبب دریافت نہ ہوا تو عیسائی رعایا کے الوپ ہو جانے کو مسلمانوں کے تعصب اور ظلم پر محمول کیا اور اس بات کا نتیجہ سمجھا کہ مسلمان فاتحوں نے جبر سے ان کو مسلمان کر ڈالا۔ لیکن بہت سی غور طلب باتیں ایسی ہوتی ہیں جو اس مسئلہ کو ایسے برجستہ اور نا ملائم طریق پر فیصلہ کرنے کے خلاف پیدا ہو جاتی ہیں۔ سب سے اول یہ کہ اس دعوے کے ثبوت میں کوئی خاص شہادت موجود نہیں۔ قتل و غارت اور مدت کی خونریز محاربات کے اور علاوہ تشدد مد سے موجود تھے لیکن اختلاف مذہب کی بنا پر ظلم کا ذکر نہیں ہے۔ اور عربوں کی فتوحات کے بعد خاص افریقہ کے مسیحی کلیسہ کا آٹھ صدیوں سے زیادہ سلامت رہنا اہل اسلام کی طرف سے مذہبی آزادی ملنے کا ثبوت ہے جس کے بغیر کلیسہ کی سلامتی ناممکن تھی۔

شمالی افریقہ میں جن اسباب سے عیسائی مذہب کا زوال ہوا ان کو اسلامی فرمانرواؤں کے تعصب میں نہیں بلکہ کہیں اور تلاش کرنا چاہیے۔ لیکن ان اسباب کو بیان کرنے سے پہلے یہ سمجھ لینا بہتر ہوگا کہ ساتویں صدی عیسوی کے اخیر میں عیسائیوں کی تعداد شمالی افریقہ میں کم تھی۔ ان تھوڑے سے عیسائیوں کا اسلامی عہد حکومت میں برقرار رہنا مذہبی جبر کے نہ ہونے پر دلالت کرتا ہے۔ ہاں۔ اگر کوئی کثیر الآباد کلیسہ عربوں کو شمالی افریقہ میں ملتا تو پھر اس دعوے کا ثابت کرنا دشوار تھا کہ اُنھوں نے عیسائیوں کو بجبر مسلمان نہیں کیا۔

افریقہ کے صرف رومی صوبجات میں عیسائی آباد تھے اور یہ صوبے جنوب کی سمت میں جہاں صحرائے اعظم سے ان کی حد قائم ہوتی تھی زیادہ دور تک نہ تھے۔ پس ساحل کا عرض اسی یا سو میل سے زیادہ شاذ تھا[۱]۔ اگرچہ قوم واندل کی فتح سے پہلے اساقف کے پانچسو علاقے اس ساحل پر تھے لیکن یہ تعداد عیسائیوں کے شمار کے لیے معیار نہیں ہوسکتی۔ وجہ یہ ہی کہ افریقی کلیسہ میں دستور تھا کہ کم آباد شہروں اور اکثر گمنام دیہات میں اسقف (بشپ) مقرر کر دیے جاتے تھے[۲]۔ اور یہ بات مشتبہ ہی کہ عیسائی مذہب جنوب میں قوم بربر کے گروہوں میں کبھی شائع ہوا تھا[۳]۔ پانچویں عیسوی صدی میں جب سلطنت رومائی قوت کو زوال ہوا تو وسیع قوم بربر کے مختلف گروہ جنکو روما کے لوگ موری۔ نمدین۔ لبیان وغیرہ وغیرہ کے ناموں سے پکارتے تھے قتل و غارت کی غرض سے ساحل کے دولتمند شہروں پر امنڈ آئے۔ یہ فاتح گروہ یقینی بت پرست تھے لبیان کے گروہ نے جس کی غارت گری کو سیرینی کا سنیس بہت رویا ہی گرجاؤں کو لوٹا اور پھونکدیا۔ اور گرجا کے متبرک ظروف اپنی بت پرستی کی رسموں کے لیے لے گئے[۴]۔ اور صوبہ سیرنیکا گروہ لبیان کی تاخت و تاراج سے پھر نہ پنپا۔ اور اغلب یہ ہی کہ عیسوی مذہب مسلمانوں کی لشکرکشی سے پہلے ہی اس صوبہ سے مفقود ہو چکا تھا۔ قوم مور کا ایک سردار طرابلس کے قریب رہتا تھا۔ واندل کے بادشاہ تھوسمنڈ (۴۹۶-۵۲۳ء) سے وہ برسرجنگ تھا۔ لیکن فرقہ اتھودوکس کے گرجاؤں کی وقعت اور قسیس کی توقیر کرتا تھا۔ جنکے ساتھ واندلوں نے سخت برتاؤ کیا تھا۔ اس سردار نے اس قول سے اپنی بت پرستی ظاہر کر دی کہ "میں نہیں جانتا کہ عیسائیونکا خدا کون ہی۔ اگر وہ ایسا قوی ہی جیسا کہ اسکو ظاہر کیا جاتا ہی تو وہ ان لوگوں سے انتقام لیگا جو اسکی توہین کرتے ہیں اور ان کی مدد کریگا جو اس کی عزت کرتے ہیں[۵]"۔ کسی قدر احتمال ہی کہ موریتانیا کے لوگ بھی کم و بیش بت پرست تھے۔

---

۱ گبن پہلی جلد صفحہ ۱۶۱ ۲ گبن دوسری صفحہ ۲۱۲ ۳ کاسٹیلونی۔ رشیرش موٹے بربیرا آلانٹیو صفحہ ۹۱ و ۹۰ مطبوعہ میلان ۱۸۲۹ء
۴ سنیبئی کاسٹیس (میں توم صفحہ ۱۵۶۹) ۵ نیانڈر (۲) صفحہ ۳۲۰۔

بہر حال مسیحی کلیسا کی کچھ ہی وسعت ہو مگر قوم واندل کے ظلم سے اسکو ایسا صدمہ پہنچا کہ جانبر نہو سکا۔ تقریباً ایک صدی تک قوم واندل کے ایک حصہ نے جو ارین[1] مذہب رکھتا تھا۔ ارتھو دوکس فرقہ پر نہایت سنگدلی سے ظلم کیے۔ اُنکے اسقفوں کو جلا وطن کیا اور مذہب کی علانیہ پیروی کی ممانعت کردی اور جن لوگوں نے آرین مذہب میں شامل ہونے سے انکار کیا اُنکو بڑی بیرحمی سے اذیت پہنچائی[2] ۵۳۳ء عیسوی میں جب سلطنت روما کے سالار بلی ساریوس نے واندلیوں کی طاقت کو کچل ڈالا اور شمالی افریقہ کو پھر روما کے قبضہ میں شامل کر دیا تو صرف (۲۱۷) اسقف کارتھیج کی مجلس[3] میں جمع ہوئے تاکہ کلیسا کا انتظام پھر شروع کریں۔ یہ سخت و متواتر صعوبتیں جو عیسائیوں کو اُٹھانی پڑیں اُنھوں نے اُن کی تعداد کو بہت کم کر دیا ہوگا۔ عربوں کے حملے سے ایک صدی پہلے موری وحشیوں نے عیسائیوں کو شہروں میں مقید کرکے پہاڑوں اور صحراؤں اور کشادہ ملکوں پر قبضہ کیا اور یورشیں شروع کر دیں[4]۔ آشوب اور بدنظمی ہر طرف تھی اور ان سب سے بڑھکر سخت وبائیں آئیں جنھوں نے چھٹی عیسوی صدی کو اپنی یادگار بنایا۔ غرض ان سب آفتوں نے ملکر شمالی افریقہ کی تباہی کو پورا کیا۔ کہا گیا ہے کہ پچاس لاکھ افریقی قیصر روم جستینین کی حکومت اور لڑائیوں سے ضائع ہوئے۔ دولتمند لوگوں نے ایسے ملک کا رہنا چھوڑا جس کی زراعت و تجارت جو کسی زمانہ میں ایسے عروج پر تھی ہمیشہ کو غارت ہوئی۔ غرض افریقہ کی بربادی اس درجہ ہوئی کہ ملک کے اکثر حصوں میں آدمی دن دن بھر پھرے اور نہ کسی دشمن کی صورت نظر آئی نہ کسی دوست کی۔ واندل کی قوم بھی غائب ہوگئی۔ ایک زمانے میں عورتوں بچوں اور غلاموں کو چھوڑکر اس قوم کی ایک لاکھ ستر ہزار تعداد تھی۔ اور اس تعداد سے کہیں زیادہ موری خاندانوں کا شمار تھا جو لڑائیوں میں مرکھپ گئے۔ اسی طرح روما کے عیسائیوں اور اُن کے معاونوں پر بھی موسم کی سختی اور آپس کی لڑائیوں اور وحشیوں

[1] یہ مذہب عیسوی مذہب کی شاخ تھا۔ اسکا بانی آریوس نامی ایک شخص تھا اور مذہب یہ تھا کہ مسیح علیہ السلام خدا سے کم درجہ رکھتے ہیں۔ اور روح القدس خدا نہیں ہے۔ ۱۲ مترجم [2] گبن جلد ۴ صفحہ ۴۳۱۔ ۴۳۳۔ [3] گبن پانچویں جلد صفحہ ۱۱۵ [4] التجانی صفحہ ۲۰۱ گبن پانچویں جلد صفحہ ۱۲۲۔

کے قہر سے تباہی آئی [۱]۔"

۶۴۶ء عیسوی میں جس کے ایک برس بعد عربوں کا فتحیاب لشکر مصر سے اُٹھکر مغربی ممالک افریقہ کو مطیع کرنے کے لیے بڑھا تو افریقہ کا کلیسہ جو متعدد موقعوں پر مسیحی عقاید کی پاکیزگی کا حامی بنا تھا مسئلہ مونوتھیلیٹزم کے مناظروں سے تہ و بالا ہو رہا تھا۔ لیکن جس وقت کارتھیج کی قلمرو مطران کے چار علاقجات دینیہ (یعنی مورتانیہ۔ نومدیا بیزکینا اور افریقہ پروکنسولارس) کے اسقف نے مسئلہ مونوتھیلیٹزم کی تردید میں مجلسیں قرار دیں اور قیصر روم اور پوپ کو ان مجالس کیطرف سے خطوط ارسال کیے تو اُس وقت صرف اڑسٹھ اسقف علاقہ افریقہ پروکنسولارس سے اور بیالیس اساقف بیزکینا کے علاقے سے وکیل ہو کر کارتھیج میں جمع ہوئے علاقجات مورتانیا اور نومدیا کے اُسقفوں کی تعداد بیان نہیں ہے۔ بلاشبہ مسیحی آبادی کو ان دو علاقوں میں بنسبت باقی علاقجات کے جو دارالحکومت کے قریب تھے سخت نقصان پہنچا تھا [۲]۔ یہ بات نہایت درجہ خلاف قیاس ہے کہ کوئی اسقف ان مجالس میں غیر حاضر ہوا ہو کیونکہ بہت جوش پھیلا ہوا تھا اور مسیحی عقائد کی حمایت اور ملکی معاملات میں دربار بازنتیم (روم) سے رعایا کی خصومت نے اس تحریک کو اور قوت دے رکھی تھی۔ مخالفت کے اشتعال میں سب سے زیادہ حصہ افریقہ نے لیا تھا۔ جس کا نتیجہ آخرکار ۶۴۹ء عیسوی میں مسیحی مجلس لاتیران کا انعقاد ہوا۔ ان افریقی اسقفوں کی تخفیف تعداد یقینی اس بات کی طرف اشارہ کرتی ہے کہ مسیحی رعایا کے شمار میں شدت سے کمی واقع ہوئی۔ عیسائیوں کی قلت تعداد کے اسباب پر غور کرتے وقت اسقفوں کے شمار پر زیادہ زور بھی نہ ڈالنا چاہیئے کیونکہ علاقے اسقف کے بے حقیقت ہو جانیکے بعد بھی اسقف بدستور مقرر ہوتے تھے۔

مذکورہ بالا دلائل سے فی الواقع یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ مسلمانوں کے حملہ کیوقت عیسائیوں

[۱] گبن پانچویں جلد صفحہ ۲۱۴ [۲] نیاندر (۱) پانچویں جلد صفحہ ۳۵۴-۳۵۵- ولتش کلیسہ کے جغرافیہ اور کیفیات کی کتاب" (مطبوعہ لنڈن ۱۸۵۱ء) پہلی جلد صفحہ ۴۴۳ و ۴۴۴- یورمشین لنوازیوں مسلمان ان فریق صفحہ ۳۲-۳۳ (تورس ۱۸۹۰ء)

کی تعداد کسی طرح زیادہ نہ تھی۔ پچاس برس کی لڑائیوں میں جنکے بعد اہلِ عرب کو اپنی فتح کا یقین ہوگیا۔ عیسائی رعایا اور تباہ و برباد ہوتی گئی۔ افریقی طرابلس کا شہر چھ مہینے کے محاصرہ کے بعد فتح ہوا اور شہر کے لوگ قتل کیے گئے۔ جو لوگ باقی رہے اُن کو قید کرکے مصر و عرب روانہ کیا۔[1] ایک شہر کو جو نومدیا کے صحرا کے کنارے پر واقع تھا روما کے ایک رئیس نے کثیر سپاہ کی مدد[2] سے جو شہر کے اندر تھی بچانا چاہا۔ اس محصور سپاہ نے سال بھر کا محاصرہ بڑی جوانمردی سے برداشت کیا۔ لیکن اس کے بعد شہر فتح ہوگیا اور تمام مرد قتل کیے گئے۔[3] عورتوں اور بچوں کو قید کیا۔ جو لوگ اس طرح قید ہوئے اُن کی تعداد کی نسبت لکھا گیا ہے کہ کئی لاکھ کی تھی۔[4] اکثر عیسائی پناہ کیلیے بھاگے۔ کچھ اٹلی[5] میں کچھ ہسپانیہ میں چلے گئے۔ پوپ گریگوری[6] ثانی کے خط سے جو علاقہ سینٹ بونیفیس کو روانہ ہوا دریافت ہوتا ہے کہ بعض عیسائی بھاگتے بھاگتے جرمنی تک پہنچے۔ رومی صوبجات افریقہ کے بعض شہر فی الحقیقت آدمیوں سے خالی ہوکر مدت تک غیر آباد رہنے کی وجہ سے کھنڈر ہو گئے۔[7] بعض صورتوں میں مسلمان فاتحوں نے بالکل نئے موقعے اپنے خاص شہروں کی تعمیر کیلیے منتخب کیے۔[8]

کلیسا افریقہ کے منتشر حصے جو ملک میں ساتویں صدی عیسوی تک باقی رہے تو آخر الامر اُن کے نابود ہو جانے کی نسبت یہ فرض نہیں کیا جا سکتا کہ مسلمانوں کا ظلم انکے

---

[1] لیو افریکانوس۔ در ہوسئو۔ توم ۱ صفحہ ۰، D [2] یہ شہر لسیین نامی تھا جو روما کے باشندوں کا بنایا ہوا قدیم شہر تھا اور ریاست بگیا اور رمودی صحرا کی حدود پر واقع تھا در اموسئو صفحہ ۷۰ F) [3] پادی پہلی جلد۔ [4] جن لوگوں نے اسلام قبول نہیں کیا اور اپنے مذہب قائم رہکر جزیہ دینا بھی نہیں چاہا تو اُن کو اسلامی سپاہ کے خوف سے بھاگنا پڑا۔ التجانی۔ صفحہ ۲۰۱ [5] لیو افریکانوس۔ در اموسئو۔ توم ۱ صفحہ ۱) [6] "بونیفیس کو نہیں چاہیے کہ کسی صورت میں ان افریقیوں کا جو دینی مراتب کا اپنے تئیں مستحق جانتے ہیں استقبال کرے۔ کیونکہ ان افریقیوں میں سے بعض مینیقی مذہب رکھتے ہیں اور بعض ایسے ہیں جنہوں نے دوبارہ اصطباغ پایا ہے" چوتھا خط۔ (مین۔ توم ۸۹ صفحہ ۵۰۲) [7] لیو افریکانس۔ (اموسئو صفحہ ۶۵-۶۶-۶۰-۶۹-۷۶) [8] قیروان ۵۰ھ ہجری۔ فز ۱۸۵ھ ہجری۔ المہدیہ ۳۰۳ھ ہجری۔ مسیلہ ۳۱۵ھ ہجری۔ موراکو ۴۲۴ھ (ابو الفدا۔ توم ۲ صفحہ ۱۹۸ و ۱۹۲-۱۹۱ و ۱۸۷)

مٹ جانیکا ذمہ دار ہی خاصکر ایسی صورت میں جبکہ سولھویں صدی تک ایک مسیحی گروہ کا جو افریقہ کا متوطن تھا پتہ چلتا ہی۔ ادریس جو موراکو کے مسلط خاندان ادریسی کا بانی ہوا اُسکی نسبت کہا گیا ہی کہ جب تلوار کے زور سے وہ اپنے لیے ایک سلطنت قائم کرتا تھا تو ۷۸۹ء عیسوی میں اُسنے عیسائیوں اور یہودیوں کو زبردستی مسلمان کیا۔ لیکن جہانتک مجکو تحقیق ہوا شمالی افریقہ کے ملکی کلیسہ میں ادریس کی مثال کسی اور شخص میں نہیں پائی جاتی۔[۱]

افریقہ کے کلیسہ میں جس طرح آہستہ آہستہ زوال آیا اس بات کا ثبوت ہی کہ مسلمانوں نے اسکے ساتھ مذہبی آزادی برتی۔ اسلامی فتح کے تین سو برس بعد اسقفوں کے چالیس علاقے باقی تھے[۲] اور ۱۰۵۳ء عیسوی میں جب پوپ لیونہم نے تاسف ظاہر کیا کہ افریقہ کے کلیسہ سے جو کبھی ایسی رونق پر تھا[۳] صرف پانچ اسقف وکیل بنکر آئے تو اس کمی کا سبب غالباً یہ تھا کہ چند سال پہلے عربوں کے چند گروہ ملک میں گھس آئے تھے اور

[۱] صالح ابن عبدالحلیم صفحہ ۱۶[۲] بجز مسلمان کرنیکا ایک مشتبہ واقعہ عبدالمومن کیطرف منسوب کیا جاتا ہے جسنے تونس کو ۱۱۵۹ء میں فتح کیا۔ دیکھو دے ماس لاٹری (۲) صفحہ ۷۷ - ۸۰ "دو عربی مورخ جنمیں ایک ابن الاثیر ہی (جو اس واقعہ کا ہمعصر تھا اور دمشق میں اُس زمانہ میں رہتا تھا کہ سلطان صلاح الدین کی فتوحات نے مذہبی جوش بہت پیدا کر رکھا تھا) اور دوسرا مورخ التجانی ہی (جسنے چودھویں صدی عیسوی میں مشرقی افریقہ کا سفر کیا) ان دونوں مورخوں نے لکھا ہی کہ سلطان صلاح الدین جس زمانہ میں تونس کا مالک ہوا تو اُسنے عیسائیوں اور یہودیوں پر جبر کیا کہ وہ اسلام قبول کریں۔ جن لوگوں نے مسلمان ہونیسے انکار کیا وہ بیرحمی سے قتل کیے گئے۔ ہمکو اس بیان میں شبہ ہی۔ اگر یہ جابرانہ حکم فتح کی خوشی یا اور کسی فوری ضرورت کی غرض سے فی الواقع نافذ ہوا تو اسکو ضرور ترک یا منسوخ کر دیا ہوگا۔ کیونکہ یہ حکم آزادی مذہب کے اُصول کے خلاف تھا اور اس مذہبی آزادی کے اُصول کا مغرب کے کل فرمانروا بہت لحاظ کرتے تھے۔ یہ امر یقینی ہی کہ عیسائی اور یہودی تونس میں پھر جلد آنے لگے اور تحقیق ہوتا ہی کہ عہد حکومت عبدالمومن کے خاتمہ سے پہلے عیسائی تونس میں آباد ہو چکے تھے اور اُن کو آزادی اور تجارت اور حقوق مذہب کی سلامتی حسب دستور سابق حاصل تھی۔ ایک قدیم مغربی مصنف نے لکھا ہی" جبکہ خدا خود ساتھ تھا تو اُسنے (یعنی سلطان نے) نصرت کے ساتھ زاب اور افریقہ کی زمین کو طے کرکے ملکوں اور شہروں کو فتح کیا۔ جن لوگوں نے امان چاہا امان دیا اور جو منافق ہوئے اُنکو قتل کیا۔ ابن اثیر کی عبارت سے ہماری رائے جو سلطان کی حکمت عملی کی نسبت عیسائیوں کے متعلق ہی جنہوں نے اپنے مقسوم کو برداشت کیا پختہ ہو جاتی ہی[۳] دے ماس لاٹری (۲) صفحہ ۲۷ - ۲۸ [۴] لیونہم کا خط نمبر ۸۳ (مین توم ۱۴۳ صفحہ ۷۲۸) اس خط میں گومی اور کارتھیج کے اساقفہ کی نزاع کا بیان ہے کہ دونوں میں کسکو سبقت حاصل تھی۔ یہ بالکل ممکن ہی کہ افریقہ کی پُرآشوب حالت نے افریقی اساقفہ کو لیٹ اور اپنے قریب کے علاقونکے علاوہ دیگر اسقفی علاقہ جات کے حال سے لاعلم رکھا ہو۔ اور اسوجہ سے روما کے بابا کو جو اطلاع روانہ کی اُس میں اساقفہ کی تعداد اصلی تعداد سے کم ظاہر ہوئی۔

سخت خونریزی کرکے تمام ملک میں فساد اور بدنظمی پھیلادی تھی[1]۔ ۱۰۶۰ء عیسوی میں افریقہ کا کلیسہ اس قابل نہ رہا کہ تین اسقف اس میں موجود ہوتے جن کی ضرورت آئین کلیسہ کے بموجب ایک جدید اسقف کی تقرری کیوقت ہوئی تھی۔ جب یہ اسقف نہ مل سکے تو پوپ گرگیری ہفتم نے دو نئے اسقف کارتھیج کے مطران کی معاونت کیلیے مقرر کیے تاکہ رسوم تقرر ادا ہو جاویں۔ لیکن عیسائیوں کی تعداد ابھی تک اس قدر تھی کہ نئے اسقفوں کے مقرر کرنے کی ضرورت ہوئی تاکہ کام ہلکا ہو جاوے کیونکہ تین آدمی دینی معاملات کا انصرام بغیر مدد کے نہ کرسکتے تھے[2]۔ دو صدیوں میں جو اس زمانہ کے بعد گذریں مسیحی کلیسہ اور ابتر ہوتا گیا۔ ۱۲۴۶ء عیسوی میں صرف مورا کو کا اسقف کل عیسائیوں کا دینی افسر رہگیا[3]۔ اسی زمانہ تک الجزائر کی قوم کبل میں کچھ نشانات عیسائی مذہب کے دریافت ہوتے ہیں[4]۔ اس قوم کے گروہوں کو زمانہ سابق میں کسیقدر اسلام کی تعلیم ملی تھی لیکن یہ مذہب اُن پر زیادہ قابو نہ پاسکا۔ اور جوں جوں زمانہ گذرا اُن کو اسلام کا اتنا علم بھی نہ رہا جس قدر پہلے تھا یہانتک کہ نماز پڑھنی بھی بھول گئے۔ پہاڑی قلعوں اور حصاروں میں بند اور اپنی خودمختاری پر نازاں اُنہوں نے عرب کے عنصر کو اپنے میں شامل نہ ہونے دیا اور کامیابی کیساتھ اُسکا مقابلہ کیا۔ پس ان لوگوں کو مسلمان کرنے میں سخت دشواریاں تھیں۔ خانقاہ سجیت الحمرا کے لوگوں نے جو فرقہ قدریہ سے تھے چندبار کوشش کی کہ قوم کبل میں تبلیغ اسلام کا سلسلہ جاری کریں۔ لیکن کامیابی نہوئی۔ اس کام کی عزت کیلیے کہ ان میں اسلام کی بنیاد پڑے چند مورش مسلمان نامزد ہوئے تھے۔ جو ۱۴۹۲ء عیسوی میں جبکہ غرناطہ کو عیسائیوں نے فتح کرلیا تھا اندلس سے نکالے گئے تھے۔ اور سجیب الحمرا میں اُنہوں نے پناہ لی تھی۔ شیخ خانقاہ نے سمجھ لیا کہ یہ اُندلس کے مسلمان اُس دشوار کام کو کریں گے جس میں خود شیخ کے مریدوں کی کوششیں مطلقاً بےسود ثابت ہوئی تھیں۔ غرض اس کارحسنہ کیلیے روانہ کرنے سے پہلے شیخ نے

---

[1] مولر دوسری جلد۔ صفحہ ۶۲۸ - ۶۲۹ - [2] غریغوری ہفتم۔ انیسواں خط (ین۔ توم ۱۴۸۔ صفحہ ۴۴۹) [3] دی ماس لاتری۔ صفحہ ۲۲۶ [4] تردملے (اسپین دے اسلام (مطبوعہ پیرس)۔ صفحہ ۳۳۔

اندلسیوں سے کہا "یہ ہمارا فرض ہے کہ اسلام کی مشعل ان ملکوں میں لیجاویں جنھوں نے مذہب کی دولت سے اپنا دامن گم کردیا ہے۔ کیوں کہ ان بد قسمت کیبل میں نہ مدارس ہیں اور نہ کوئی شیخ ہے جو اُن کے بچّوں کو آئین اخلاق و محاسن اسلام کی تعلیم دے۔ پس یہ لوگ جانوروں کی طرح بغیر خدا اور دین کے رہتے ہیں۔ اس ناشاد حالت کو دور کرنیکے لیے میں نے مصمم ارادہ کیا ہے کہ تمھاری حمیت اور تہذیب کو حرکت دوں۔ پس ان پہاڑوں کے بسنے والونکو ہمارے دین کے حقائق سے اب زیادہ لاعلم نہ رہنے دو۔ جاؤ اور اُن کے مذہب کی بجھتی آگ کو پھونکو اور اُس دبی چنگاریوں کو پھر بھڑکا دو۔ عیسائی مذہب رکھنے کیوجہ سے جو غلطیاں اُن میں پہلے سے ابتک چلی آتی ہیں اُن کو رفع کرو اور اُن کو سمجھا دو کہ ہمارے رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کے دین میں میل کچیل کو خدا کی نظروں میں روا نہیں رکھا جاتا۔ میں تم سے یہ بات پوشیدہ نہ رکھوں گا کہ تمھارے کام میں سخت دشواریاں پیش آئیں گی لیکن تمھاری حمیت اور تمھارا شوق مذہب خدا کے لطف کیساتھ شامل ہوکر کل مشکلات پر غالب آئیگا۔ میرے بچو جاؤ اور خدا اور رسول پر ایمان لاؤ ان لوگوں کو جو جہالت اور انکار کی غلاظت میں آلودہ ہیں میرے بچو نجات کا پیغام اُن میں لیجاؤ۔ خدا تمھارے ساتھ ہو اور تمھاری مدد کرے"۔

غرض یہ اندلسی مسلمان پانچ پانچ چھ چھ کی جمعیت سے مختلف سمتوں میں روانہ ہوگئے پھٹے پرانے کپڑے پہن عصا ہاتھ میں لے یہ حامی اسلام کوہستان میں نکل گئے۔ غیر آباد اور پریشان منظر موقع تلاش کرکے پہاڑوں کے کھوؤں اور غاروں میں رہنے لگے۔ انکی پرہیزگاری اور کثرت زہد سے کیبل کے لوگوں کو شوق پیدا ہوا کہ اُن کو چلکر دیکھیں۔ زیادہ عرصہ نہ گذرا کہ انھوں نے مسلمانوں سے رسم دوستی پیدا کی۔ علم طب فنون صناعت اور دیگر فوائد تمدن کی مدد سے کیبل کی

لہ مادرد (دارالحکومت اسپین میں) جو مجلس ۱۵۶۶ء میں موریسکی لوگوں کی اصلاح کیلیے قائم ہوئی اُس کے مضامین کا اوپر کی عبارت سے مقابلہ کرو منجملہ ان کے ایک مضمون حسب ذیل ہے "یہ کہ نہ اُن کو اور نہ اُن کی عورتوں کو اور نہ کسی آدمی کو گھر یا گھر سے باہر کہیں نہانے اور دھونے کی اجازت ہوگی اور یہ کہ اُن کے کل حمام یا غسل خانے ڈھاکر منہدم کردیے جاویں گے" دیکھو مور گاہان۔ (دوسری جلد۔ صفحہ ۱۵۲)

قوم پران دعاۃ نے حسب مراد اثر پہنچایا۔ ان کے حجرے اسلامی تعلیم گاہ بن گئے۔ اور طالب علم انکے علم کا شہرہ سنکر جمع ہوگئے۔ آخر الامر یہ طلبا اپنی قوم کیلیے داعی اسلام بنے اور کبل کے تمام ملک میں اور الجزائر کے صحرائی دیہات میں اسلام شائع ہوگیا۔[۱]

مذکورۂ بالا واقعہ بلا شبہ اس بات کی مثال ہی کہ اندرونی ملک کی خود مختار اقوام کے ایسے حصوں میں اسلام کی ابتدا کیونکر ہوئی جن کو کسی زمانہ میں عیسائی مذہب کی تعلیم ملی تھی لیکن یہ مذہب صرف چند وہمی رسموں کی شکل میں باقی رہگیا تھا۔[۲] چونکہ ان مسیحی اقوام کا تعلق عیسوی دنیا سے قطع ہوگیا تھا۔ اور مسیحی دین کے معلم اُن میں موجود نہ تھے اس لیے ایسے مسلم الثبوت عیسوی مسائل سے وہ واقف نہ تھے جن سے اعیان اسلام کی تعلیم کا جواب دیسکتے۔

شمالی افریقہ میں کلیسے کے تنزل کی نسبت جو منتشر واقعات بیان ہوے ان میں اب کچھ اضافہ کرنا باقی نہیں ہی۔ چودھوی صدی عیسوی کے شروع میں ایک مسلمان سیاح[۳] نے تونس کے ضلع الجرید کا سفر کیا۔ اس سیاح نے لکھا ہے کہ مسیحی کلیسے اگرچہ برباد پڑے ہیں لیکن ابھی تک موجود ہیں۔ عرب فاتحوں نے ان کو برباد نہیں کیا۔ کیونکہ اُنھوں نے صرف یہ کافی سمجھا کہ ہر گرجا کے سامنے ایک مسجد بنا دیں۔ پندرہویں صدی کے خاتمہ تک تونس میں افریقی عیسائیوں کا ایک گروہ موجود تھا جو حوالی شہر میں ایک جگہ آباد تھا اور یہ جگہ غیر ملک کے عیسائی تاجروں کی آبادی سے علیحدہ تھی۔ جبر اور ظلم کا تو کیا ذکر ہی یہ عیسائی گروہ سلطان تونس کا باڈی گارڈ تھا۔[۴] اور یہ وہی عیسائی تھے جن کو ۱۵۳۵ء عیسوی میں فتح تونس کے بعد بادشاہ چارلس پنجم نے عیسائی مذہب پر قائم رہنے کی مبارکباد دی تھی۔[۵]

---

[۱] ترملے۔ لے سین دے اسلام صفحہ ۲۸-۳۶۔ [۲] لیو افریکانس نے لکھا ہی کہ پندرہویں صدی عیسوی کے خاتمہ پر الجزیرہ اور بگیا کے پہاڑی آدمی اگرچہ مسلمان تھے مگر اپنے رخساروں اور ہتھیلیوں پر سیاہ صلیب نقش کرتے تھے۔ (راموسیو۔ اصفحہ ۱۶) اسی طرح بنو مزب کے لوگ آجتک مذہب سے خارج کرنے اور اقرار کی رسوم جو عیسوی رسوم سے مشابہ ہیں رکھتے ہیں (ادیل صفحہ ۲۹۹) صحراے اعظم کے بعض خانہ بدوش گروہ اصطباغ کی مثل ایک رسم کے پابند ہیں اور صلیب کا نشان ہتیاروں اور کپڑوں نیز زیبائش کیلیے بناتے ہیں (دی ماس لاٹری (۲) صفحہ ۱۸) [۳] التجانی صفحہ ۲۰۳ [۴] لیو افریکانس۔ (راموسیو۔ توم اصفحہ ۶۶) [۵] ... پہلی جلد صفحہ ۷۔

یہ اخیر واقعہ تھا جو شمالی افریقہ کے دیسی کلیسہ کی نسبت سنا گیا شمالی افریقہ میں جو اسلامی سلطنتیں تھیں ان کے عربی سلاطین کے طریق صلح کل کی نسبت اگر متعدد شہادتیں موجود بھی نہ ہوں کہ کس طرح عیسائیوں کو انھوں نے سپاہ میں مقرر کیا[1] اور متعدد عہد ناموں سے نو آباد عیسائیوں[2] اور عیسائی تاجروں کو پوری مذہب میں آزادی اور سلامتی بخشی اور کیونکر روما کے پوپ[3] افریقہ کی عیسائی رعایا کو اُن کی امان میں سونپتے تھے اور خود عیسائیوں کو اسلامی بادشاہوں کی خیر خواہی کی ہدایت کرتے تھے[4] تو بھی فقط یہ بات کہ افریقہ کا کلیسہ کس قدر مدت دراز تک برقرار رہا جبراً تبدیل مذہب کے فرضی دعوی کا مقابلہ کر سکتا ہے۔

[1] دی ماس لاٹری (۲)، صفحہ ۶۱-۶۲ و ۲۶۶-۲۶۷-ایل-ول ہارمول کار واجل دی لافریق-توم ۲ صفحہ ۴۰۵ (مطبوعہ پیرس ۱۶۶۷ء)
[2] دی ماس لاٹری (۲)، صفحہ ۱۹۲ [3] مثلاً پاپا انوسینٹ سوم-پاپا غریغوری ہفتم-پاپا غریغوری نہم-پاپا انوسینٹ چہارم
[4] ڈے ماس لاٹری-(۲)-صفحہ ۲۷۳-

باب پنجم

ہسپانیہ یا اندلس کے عیسائیوں میں اسلام کی اشاعت

۷۱۱ء میں اہل عرب نے ہسپانیہ (یا اندلس) میں اسلام کی ابتدا کی اور ۱۵۰۲ء میں بادشاہ فرونند اور ملکہ ازابلہ کا فرمان جاری ہوا کہ تمام ملک میں کوئی شخص اسلام کی پیروی نہ کر سکے ان دوسنون کے درمیان جو صدیاں گذریں اُن میں اسلامی اندلس نے یورپ کے زمانہ وسطی کی تاریخ میں تابندہ زریں ورق لکھا۔ اسلامی ہسپانیہ نے چیولری کا عہد شروع کیا اور اپنا اثر ملک پرونس میں پہنچایا اور وہاں سے یورپ کے دیگر امصار و اقطار میں اسی اثر سے نئی شاعری اور جدید ترقی علم کا بانی ہوا۔ اور زمانہ رینسانس سے پہلے مسیحی شایقین علم نے یونان کے علم و حکمت کو قوت عقل کے لیے جس قدر سیکھنا چاہا اُسی سے سیکھا۔ لیکن تہذیب و تمدن کے ان کارناموں کو یعنی علم و فن شاعری و حکمت کو ہم یہیں چھوڑتے ہیں اور ہسپانیہ کے مذہبی حالات کی طرف توجہ کرتے ہیں جبکہ یہ ملک مسلمانوں کی حکومت میں تھا۔

پہلی ہی مرتبہ جب مسلمان اپنے مذہب کو ہسپانیہ میں لائے تو جاثلیقی عیسائیت آرین عیسائیت پر غالب آکر کل ملک پر مسلط تھی۔ طلیطلہ کی چھٹی مجلس نے قانون وضع کر دیا تھا کہ کل شاہان ہسپانیہ اس بات پر حلف لیا کریں گے کہ جاثلیقی مذہب کے سوا کسی دین کی پیروی ملک میں جائز نہ ہوگی اور تمام فریقان منحرف کے خلاف قانون سختی سے جاری کیا جائیگا۔ اس کے بعد دوسرا قانون وضع ہوا اور وہ یہ تھا کہ کوئی شخص جو رسولی کلیسا یا انجیلی قواعد یا آبا کی تعریف یا

کلیسا کے فتاوے اور مقدس سکرامنٹ[1] کو معرض بحث میں لائیگا اُس کی جائداد ضبط ہوگی اور حبس دوام کی سزا ملیگی۔ ملکی معاملات میں قسوس نے اپنے طبقہ کے لیے بہت قوت حاصل کرلی تھی[2]۔ اساقف اور خاص خدام کلیسہ قومی مجالس میں جو انصرام سلطنت کی غرض سے تھیں شریک ہوتے تھے۔ بادشاہ کے انتخاب کو منظور کرتے تھے اور اُن کو دعویٰ تھا کہ اگر بادشاہ نے ہمارے احکام کی تعمیل نہ کی تو ہم اُس کو تخت سے معزول کرسکتے ہیں۔ مسیحی قسوس نے ان اختیارات کے زور پر موقع پایا کہ یہودیوں پر جن کی ایک کثیر جماعت ہسپانیہ میں آباد تھی ظلم کریں اور نہایت جابرانہ قوانین اُن یہودیوں کے خلاف جاری کیے جو اصطباغ لینے سے انکار کریں[3]۔ چنانچہ ان سختیوں کا یہ نتیجہ ہوا کہ یہودیوں نے عیسائیوں کے جور و عقوبت سے اہل عرب کو اپنا شفیع جانکر مسلمانوں کا خیر مقدم کیا اور جن شہروں کو اہلِ اسلام نے تسخیر کرلیا تھا ان کی حفاظت کیلیے سپاہ کا کام دیا اور جن مقامات کا مسلمان محاصرہ کیے تھے اُن کے دروازے کھول دیے[4]۔

اسی طرح ہسپانیہ کے غلاموں نے عربوں کے آنے کو اپنے حق میں مبارک جانا کیونکہ گاتھ کی حکومت میں ان کی حالت مظلومی کی تھی اور مسیحی دین کا علم اُن میں ایسا اوپری تھا کہ اسلام لانے کی صورت میں جو آزادی اور اَور فائدے ان کو میسر آتے تھے ان کے مقابلہ میں یہ علم کچھ وقعت نہ رکھتا تھا۔

ہسپانیہ کے یہ درماندہ غلام پہلے لوگ تھے جنھوں نے اسلام قبول کیا اور ملک کے بت پرستوں نے بھی جنکے کچھ لوگوں کا باقی رہنا ۶۹۳ سنہ عیسوی تک بیان کیا گیا ہی غلاموں کی مثال کا اتباع کیا[5]۔ اکثر عیسائی شرفا خواہ دلی اعتقاد سے خواہ کسی اور غرض سے مسلمان ہوگئے[6] ادنیٰ اور متوسط درجے کے عیسائیوں میں سے اکثر لوگ ظاہرا طاق پر نہیں بلکہ سچے دل سے ایسے مذہب کو ترک کرکے اسلام لائے جس کے پیشواؤں نے علم دین سے اُن کو جاہل

[1] بودسن صفحہ ۲۲ [2] ہلفرغ۔ صفحہ ۶۸ [3] المکاری۔ پہلی جلد۔ صفحہ ۲۸۰۔ ۲۸۲ [4] بودسن صفحہ ۲
[5] دوزی (۲) توم ۲ صفحہ ۴۵-۴۶۔

رکھ کر دینی باتوں میں انکی غور و پرداخت نہ کی تھی اور خود دنیا کمانے میں مصروف ہو کر اپنی امت کو لوٹا اور ستایا تھا[۱]۔ جب عیسائی مسلمان ہوئے تو اسلام کے سچے معتقد اور پرجوش حامی بنے اور خود اُن کو اور اُن کی اولاد کو علماے اسلام کے اُس حلقہ سے ارادت ہوئی جو شریعت کا نہایت پابند تھا اور امرائے عرب کی طرح امیرانہ و آزاد مشرب نہ رکھتا تھا[۲]۔ فتوحات اسلامیہ کے وقت قدیم نسل گاتھ کے عمدہ اوصاف ہسپانیہ کے عیسائیوں میں باقی نہ رہے تھے۔ بلکہ اُن کی جگہ ایسی عیش پرستی اور بداعمالی پیدا ہو گئی تھی کہ اسلامی دور حکومت کو علماے مسیحی نے گمراہ عیسائیوں کے حق میں قہر خدا سمجھا[۳]۔

وقت گذرنے پر بھی عیسائیوں کی حالت بہتر نہ ہوئی اور جب مسیحی اساقف مسلمان امیروں کی رنگ رلیوں میں شریک ہونے لگے اور اُن کے علاقوں کا نیلام ہوا اور عیسائیوں کے پیشوایان دین منکرین خدا مقرر ہونے لگے اور اُنھوں نے اپنی طرف سے قسیس کے عہدے نااہل اور ذلیل لوگوں کو دینے شروع کیے[۴] تو ایسی حالت میں فرض کیا جا سکتا ہے کہ صوبۂ الویرا کے علاوہ اور صوبجات ہسپانیہ میں بھی عیسائیوں نے ایسے مذہب سے کنارہ کشی ہو کر جس کے معتقد اپنی بدکاریوں سے اس مذہب پر حرف لائے تھے[۵]

---

[۱] ڈوزی جلد دوسری صفحہ ۴۳-۴۶ [۲] ڈوزی (۲)، توم ۲ صفحہ ۴۴-۴۶۔ [۳] سینٹ بونیفس نے ۷۴۵ عیسوی میں اپنے خط نمبر ۶۲ میں ایسا ہی تحریر کیا ہے۔ وہ لکھتا ہے "پس ایسا ہی ہوا ہسپانیہ، پروونس اور برگنڈی کے باشندوں کے حق میں جنھوں نے خدا کی اطاعت سے گردن پھیری۔ یہاں تک کہ خدائے قادر نے جو اُن کے گناہ دیکھتا تھا اُن پر عذاب بھیجا اور یہ عذاب آئین الٰہی سے لاعلمی کی صورت اور سارا سین کی شکل میں نازل ہوا تا کہ اُن کو فہمیت کرے" ڈوزی توم ۲ صفحہ ۴۶۔ الگوس نے اپنی کتاب فقرہ ۲۰ میں لکھا ہے "ہماری گنہگاری کا نتیجہ ہے کہ ہسپانیہ کی حکومت سارا سین کے قبضے میں آ گئی اسی طرح الورنے (۲) فقرہ ۱۸ میں تحریر کیا ہے "میں یہ بات ثابت کرنے کی کوشش کرتا ہوں کہ یہ عذاب ہم پر خود اپنے ہی قصور سے نازل ہوا ہے۔ ان عذابوں کی ہماری ہی بدکاری، ہماری ہی ناپاکی، ہماری ہی تلون اور ہمارے ہی اخلاق کی خرابی باعث ہے جس نے ہم کو ان مصیبتوں تک پہنچایا ہے ...... پس خدا نے جو انصاف کو عزیز رکھتا ہے اور جس کا حکم عدل کہلاتا ہے ہمیں چار طرف کے جوئے کو جس کو ہم نے اُٹھا رکھا تھا نکال دے" [illegible] صفحہ ۱۸۰ [۴] ماسن صفحہ ۱۴۳-۱۳۷، ۱۳۸، ۱۳۹ [۵] ڈوزی (۲)، توم ۲ صفحہ ۱۰۳۔ بشپ جس کو آٹھویں صدی کے اخیر میں پوپ ہیڈرین اول نے جنوبی ہسپانیہ میں اس مقصد سے روانہ کیا کہ اسلامی خیالات سے جو اثر عیسائیوں میں پڑا ہوا تھا اس کا انسداد کرے ہسپانیہ کے مسیحی عوام پر الزام لگایا ہے کہ وہ بیاہی عورتوں سے شادیاں کرتے تھے [illegible]

اسلام کی روح پرور فضا کو تلاش کیا ہوگا۔

اگر کلیسائی مصنفین نے ان باتوں کو قلمبند کرنے کا خیال کیا ہوتا تو بلاشبہ ہسپانیہ میں اکثر مثالیں بودو کی سی دریافت ہوتیں جو بادشاہ فرانس لوئی دے پائیس کے عہد میں دربار کا پادری تھا اور ۸۳۸ء میں عیسائی مذہب چھوڑ کر یہودی ہو گیا تھا تاکہ اپنے قول کے مطابق اس گنہگار زندگی کو ترک کرکے "خدا کے آئین کا پابند ہو جاوے"[۱]۔

یہ بھی ممکن ہے کہ قوم گاتھ کی آرین عیسائیت کا جو کچھ بقیہ رہ گیا تھا اور اہل عرب کی فتح[۲] سے کچھ پہلے جس کی طرف ہسپانیہ کلیسہ کو پھر کسی قدر توجہ ہوئی تھی اس نے عیسائیوں کے پہلے ہی اسلام لانے پر آمادہ کر رکھا ہو جس میں مسیح علیہ السلام کے حالات آرین اعتقادات سے بہت مشابہ ہیں[۳]۔

زبردستی مسلمان بنانے یا تبدیل مذہب کی غرض سے سختی کرنے کا حال شروع زمانہ میں جبکہ اہل عرب نے ہسپانیہ فتح کیا کہیں مذکور نہیں۔ بلکہ احتمال یہ ہے کہ عیسوی مذہب کی طرف سے مسلمانوں کی بے تعصبی ہی وہ شے تھی جس نے ملک پر جلد قبضہ ہونے میں ان کیلیے آسانی پیدا کر دی۔ اگر نئے حاکموں سے عیسائیوں کو کوئی شکایت اس بات کی تھی کہ مسلمانوں کی طرح اُن سے برتاؤ نہیں کیا جاتا تو وہ یہ تھی کہ عیسائیوں کو جزیہ دینا پڑتا تھا جس کی شرح امیروں سے ۴۸ درہم۔ متوسط الحال لوگوں سے ۲۴ درہم اور پیشہ وروں سے ۱۲ درہم کی تھی۔ چونکہ جزیہ فوجی خدمات سے بری رہنے کی عوض میں لیا جاتا تھا اس لیے صحیح الجثہ مردوں پر وہ جاری ہوا تھا عورتیں اور بچے۔ رہبان اور فقیر اندھے۔ لنگڑے۔ بیمار اور غلام اس سے مستثنیٰ

---

[۱] الوارس کورڈوبلیس۔ اُنیسواں خط "چونکہ میں ہمیشہ کے عذاب کا مستوجب تھا تو میں نے اقرار کیا کہ "خدا کی آئین کا ہمیشہ پابند رہونگا"۔ [۲] ہلفرخ صفحہ ۹۔ ۱۰۰۔ [۳] اگر ہم صرف اس بات پر غور کریں کہ جرمن مذہب آرین میں مسیح علیہ السلام کے متعلق نبوۃ کا خیال جو توریت کی مستحکم یادگار رہا ابتک باقی تھا اور قوم وسی گاتھ کے عقاید میں باوجود اسکے کہ اُس نے جاتلیقی عیسائیت اختیار کر لی تھی اس خیال نبوۃ کو کیسا دخل تھا تو یہ بات سمجھنی آسان ہو جائیگی کہ مسیح علیہ السلام کی نسبت جو شاید خیالات اسلام کے تھے وہ عربوں کے تسلط کے بعد ہی ہسپانیہ کی رعایا میں کیونکر ظاہر ہوئے (ہلفرخ صفحہ ۸۲)۔

تھے[۱]۔ عیسائیوں کو جزیے کے ادا کرنے میں اس وجہ سے اور کم سختی معلوم ہوئی ہوگی کہ عیسائی حکام اُس کی تحصیل کیلیے مقرر کیے جاتے تھے[۲]۔

بجز ایسے جرائم کے جو شریعت اسلام کے خلاف سرزد ہوں عیسائیوں کے کل مقدمات اُنہی کے ججوں کے سامنے اور اُنہی کے قانون کے مطابق فیصلہ پاتے تھے[۳]۔ مذہب کی پیروی میں عیسائیوں کا کوئی مزاحم نہ تھا[۴]۔ قربانی کی سکرامنت بخور ونا قوس اور دیگر رسوم ثلیثی[۱] سے ادا ہوتی تھی۔ کوائر میں مسیحی سرود گایا جاتا تھا۔ مسیحی واعظین لوگوں کو وعظ سُناتے تھے اور گرجا کے سب تہوار حسب معمول منائے جاتے تھے۔ ہسپانیہ کے عیسائیوں کی نسبت یہ دریافت نہیں ہوتا کہ وہ شام و مصر کے عیسائیوں کی طرح مخصوص لباس پہننے پر جو اُن کی ذلت کی علامت قرار دیا گیا ہو مجبور تھے۔ بلکہ نویں صدی عیسوی میں عام عیسائی۔ جن کو کلیسہ میں خدمت حاصل نہ تھی بالکل عربی لباس پہنتے تھے[۵]۔ ایک مرتبہ ان کو نئے گرجا بنانے کی بھی اجازت ہوئی تھی[۶] اور یہ بات اُن شرائط کے خلاف تھی جو کسی عیسائی شہر کی فتح کیوقت بالعموم منظور ہوتی تھیں۔

عیسوی معابد کے علاوہ جن میں عورتیں اور مرد رہبانیت کی زندگی بغیر اسلامی حکام کی دست

[۱] دوزی (۲)، توم ۲، صفحہ ۱۴ [۲] دوزی (۲)، توم ۲، صفحہ ۴۹ [۳] بودسن۔ صفحہ ۱۱-۱۳، ۱۹۶ [۴] الوگیوس۔ پہلی کتاب۔ فقرہ ۳۰۔ "مذہبی معاملات میں بغیر کسی کی دست اندازی کے ہم اُن میں (یعنی مسلمانوں میں) آباد ہیں" (صفحہ ۲۶۱)، ایضاً ایضاً فقرہ ۱۸۰۔ "اسلامی گورنمنٹ کی طرف سے کسی طرح کی سختی ایسی نہ تھی کہ عیسائی اپنے مذہب سے انکار کرتے یا اپنے مقدس دین کی پیروی سے علحدہ کیے جاتے (صفحہ ۵۱۷)، یحییٰ گورزی (جس نے دسویں صدی عیسوی کے وسط میں ہسپانیہ کا سفر کیا) اپنی کتاب کے فقرہ ۱۲۲ میں لکھتا ہے "اُس کی حکومت میں عیسائی آزادی سے اپنے مذہب کے پابند تھے اور اپنے مال سے نفع اُٹھاتے تھے"۔ ایک ہسپانی اسقف نے یحییٰ گورزی سے عیسائیوں کی حالت اس طرح بیان کی "ہم اپنے گناہوں سے اس درجہ کو پہنچے کہ اب کفار کی حکومت ہم پر ہے ہم کو پولوس رسول کے حکم سے حاکم وقت کا مقابلہ کرنا منع کیا گیا ہے لیکن صرف ایک بات تسکین کی ہے جو ہمارے لیے باقی رکھی ہے اور وہ یہ ہے کہ ان تمام مصیبتوں میں بھی ہم کو اپنے دین و آئین کی پیروی سے مسلمان منع نہیں کرتے بلکہ وہ ایسے عیسائیوں پر جو اپنے مذہب کے سخت پابند ہیں مہربانی کرتے ہیں اور اُن سے رسم دوستی پیدا کرتے ہیں اور بلکہ خوش ہوتے ہیں پس جبتک وقت ہمپر ہے ہمنے اس بات کو مصلحت جانا ہے کہ جب مسلمانوں نے ہمارے دین کو کچھ نقصان نہیں پہنچایا تو باقی باتوں میں ہم بھی اُن کی فرمانبرداری کریں اور اُن کے احکام کی جہانتک وہ ہمارے مذہب میں مخل نہوں تعمیل کریں۔ فقرہ ۱۲۲ (صفحہ ۳۰۲) [۵] بودسن صفحہ ۱۶-۱۷ [۶] الوگیوس نے گرجاؤں کا حال لکھا ہے جو نئے تعمیر ہوئے تھے ایک تاریخ میں جو غلطی سے لٹ پراند سے منسوب ہے لکھا ہے کہ سنہ ۹۹۵ء میں قرطبہ میں نیا گرجا تعمیر ہوا (صفحہ ۱۱۱۳)۔

اندازی کرکے بسر کرتے تھے چند جدید مسیحی خانقاہوں کی تعمیر کا ذکر بھی دیکھنے میں آتا ہی[1]۔ رہبان اپنے اونی لباس کو جو اُن کی جماعت کیلیے مخصوص تھا علانیہ پہنتے تھے اور قسوس کو کوئی ضرورت نہ تھی کہ اپنے منصب کے نشان کو لوگوں سے پوشیدہ رکھیں[2]۔ اور نہ مذہبی مراتب سلطنت کے ممتاز عہدوں سے عیسائیوں کو محروم کرتے تھے[3]۔

جن عیسائیوں نے اس نقصان کو برداشت کرلیا کہ عیسوی سلطنت کے زوال سے اب انکو ملکی قوت حاصل نہیں رہ سکتی تو ان کو کوئی بات شکایت کی باقی نہ رہی اور یہ امر قابل وقعت ہی کہ آٹھویں صدی عیسوی کے کل زمانہ میں صرف ایک بغاوت کا حال دیکھا جاتا ہی جو عیسائیوں کی طرف سے بیجا کے شہر میں ہوئی۔ اور اس بغاوت میں بھی ایک عرب سردار نے اشتعال پیدا کیا تھا[4]۔ عیسائی جو فرانس کی حکومت میں اس غرض سے چلے گئے تھے کہ عیسوی حکومت کی پناہ میں رہیں گے تو اُن کی حالت بھی اپنے ہم مذہب بھائیوں سے جن کو ہسپانیہ میں چھوڑکر وہ بیوطن ہوئے تھے بہتر ثابت نہ ہوئی ۸۱۲ء عیسوی میں بادشاہ شارل مین نے اہلکاران شاہی کے ظلم سے اُن عیسائیوں کی حمایت میں کوشش کی جو ہسپانیہ سے بادشاہ کی واپسی کے وقت بادشاہ کے ساتھ ہوگئے تھے۔ تین برس کے بعد فرانس کے بادشاہ لوی دے پائیس نے ایک اور حکم ان عیسائیوں کی حفاظت کیلیے جاری کیا لیکن باوجود اس کے امرای فرانس سے ان کو جلد شکایت پیدا ہوئی کیونکہ جو زمینیں ان غریب الوطن عیسائیوں کو ملی تھیں اُن پر بعض امیر قابض ہوگئے تھے۔ یہ مصیبت تھوڑے دن کو بند ہوئی تھی کہ پھر عود کر آئی اور کل فرامین جو دولت فرانس نے ان عیسائیوں کی سرپرستی کیلیے جاری کیے ان میں سے ایک نے بھی ان بدنصیبوں کی حالت کو بہتر نہ کیا۔ قوم کاگٹ کے متعلق جو زمانہ مابعد میں ایک مظلوم اور افتادہ قوم ظاہر ہوئی دریافت ہوتا ہی کہ یہ قوم اُنہی نوآباد عیسائیوں کی تھی جو ہسپانیہ کی اسلامی حکومت سے بھاگ کر فرانس میں چلے آئے تھے کہ ہم مذہب عیسائیوں کو انکی حالت پر رحم آئیگا[5]۔

[1] الوگیس۔ تیسری کتاب۔ باب ۱۱ (صفحہ ۸۱۲) [2] یودسن صفحہ ۱۹ [3] یودسن صفحہ ۲۱۔ اور یحییٰ گوزری۔ فقرہ ۱۲۸۰۔ صفحہ ۳۰۶ [4] دوزی (۲) توم ۲ صفحہ ۲۲ [5] یودسن صفحہ ۹۶-۹۷۔

ہسپانیہ میں عیسوی رعایا کی طرف سے سلطنت اسلامیہ کی بے تعصبی اور مسلمانوں اور عیسائیوں کے ربط و اختلاط نے دونوں قوموں میں کسی قدر یگانگت پیدا کر دی تھی مسلمانوں اور عیسائیوں میں اکثر شادیاں ہونے لگیں[1] بیجا کے آئیسوڈورنے جو مسلمانوں پر بہت زہر اُگلتا ہے بادشاہ رازرق (روڈرک) کی بیوہ سے موسیٰ کے فرزند عبد العزیز کی شادی کا حال لکھا ہے اور ایک لفظ بھی اعتراض کا تحریر نہیں کیا[2]۔ اکثر عیسائی عربی نام رکھتے تھے اور ظاہرا رسوم میں بھی ایک حد تک مسلمانوں کی تقلید کرتے تھے۔ مثلاً بہت عیسائی ختنہ کرلتے تھے[3] اور کھانے پینے میں "بے اصطباغی کافرون" کا مشرب انہوں نے اختیار کیا تھا[4]۔

مستعربین کا لفظ جو حکومت عرب کے محکوم ہسپانی عیسائیوں سے مراد رکھتا تھا اس بات کی طرف اشارہ کرتا ہے کہ عیسائیوں کا میلان خاطر کیا تھا۔ عربی زبان سیکھنے کے شوق نے ایسی ترقی کی کہ بہت جلد تمام ملک میں وہ لیٹن زبان کی جانشین بن گئی[5]۔ اور جس زبان میں مسیحی دینیات مدون تھیں اُس کو عیسائی رفتہ رفتہ بھولنے اور اُس کی طرف سے غفلت کرنے لگے عیسوی مذہب کے بعض بلند رتبہ قسوس نے صحیح لیٹن زبان کی لاعلمی سے اپنا مضحکہ کیا۔ اور جب پیشوایان مذہب عیسوی کا یہ حال ہو تو عوام الناس کی نسبت یہ خیال کرنا دشوار ہے کہ لیٹن زبان سیکھنے میں ان کو قسوس سے بھی زیادہ شوق ہوتا ۸۵۴ء عیسوی میں ہسپانیہ کے ایک عیسائی مصنف نے اپنے ملک کے عیسائیوں کی شکایت ذیل کی عبارت میں کی ہے "جبکہ ہم اُن کی (یعنی مسلمانوں کی) پاک شریعت کو امتحان کرتے ہیں اور جمع ہوتے ہیں کہ اُن کے حکما بلکہ حمقا کے مسائل کو عیب

[1] دیکھو پوپ ہیڈرین کا خط ہسپانی اُساقف کے نام "علاوہ اسکے ان ملکوں کی چند چیزیں ہمنے اور سنی ہیں اور وہ یہ ہیں کہ بہت لوگ جو جاثلیق مذہب کا اپنے کو پابند بتاتے ہیں وہ یہودیوں اور بے اصطباغی کفار (مسلمان) کی صحبت میں رہتے ہیں اور ان کے ہم پیالہ اور ہم نوالہ ہیں۔ اور انکی اکثر غلطیوں میں حصہ لیتے ہیں اور پھر بھی یہ عیسائی کہتے ہیں کہ ان باتوں سے ہم ناپاک نہیں بنتے۔ اب ایک دوسرا ممنوع فعل یعنی کافر سے شادی کرنا تو اسکے متعلق یہ حالت ہے کہ خود عیسائی اپنی بیٹیوں کو مسلمانوں سے بیاہ دیتے ہیں اور نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ وہ بھی کافر ہو جاتی ہیں (مین۔ توم ۹۸۔ صفحہ ۳۸۵) [2] اسپیڈ ڈی پاکتس کر ڈنکن۔ فقرہ ۴۰۔ (صفحہ ۱۲۶۶) [3] ایضاً فقرہ ۵۰۔ صفحہ ۳۰۳ یحییٰ گورزی فقرہ (۱۲۳) صفحہ ۳۰۳۔ [4] ہیڈرین دل کا خط صفحہ ۳۸۰ یحییٰ گورزی فقرہ (۱۲۳) صفحہ ۳۰۳۔ [5] گیارہویں صدی عیسوی کے ایک عیسائی شاعر کے عربی اشعار اب تک مشہور ہیں جن سے زبان اور عروض پر کامل دستگاہ ہونی ثابت ہوتی ہے (ڈوزی جلد ۲ صفحہ ۹۵)

چینی کی نظر سے نہیں بلکہ ان کی زبان کی لطافت و فصاحت کو امتحان کرنے کیلیے تحقیق کریں اور اناجیل کا پڑھنا چھوڑ دیتے ہیں تو اس کام میں ہم حیوان کے عدد کو پرستش کے لیے اپنا بت بناتے ہیں (عہد جدید مکاشفات باب ۱۳ ورس ۱۸) عیسائیوں میں اب ایسا ذی علم کہاں پیدا ہے جو انجیل پڑھنے میں مصروف ہو کر لیٹن آبا کی تصانیف کی پروا کرے؟ کون ہے جس کو انجیلوں اور نبیوں اور رسولوں کی تصانیف کو دیکھنے کا شوق باقی رہا ہو۔ آج کل کے عیسائی نوجوان جو تکلف اور شائستگی کے انداز رکھتے ہیں اور خوش تقریر بنتے ہیں وہ لباس اور وضع میں بڑے نمودیے ہیں۔ وہ اسلامی علوم کی تحصیل میں شہرت رکھتے ہیں۔ فصاحت کے نشہ میں سرشار وہ بدنیت بن کر ہر چیز اٹھا لیتے ہیں اور شوق سے چڑھا جاتے ہیں اور اسی دھن میں کلدانیوں (یعنی مسلمانوں) کی کتابوں پر بحث کرتے ہیں اور صنائع بدائع آمیز تحریروں سے اُن کو شہرت دیتے ہیں۔ ان عیسائیوں کو کلیسہ کے علم ادب کا حسن کچھ نہیں معلوم اور کلیسہ کے چشموں کو جو بہشت سے بہتے ہیں وہ حقارت کی نظر سے دیکھتے ہیں۔ افسوس عیسائی اپنے دین و آئین سے ایسے ناواقف ہیں اور لیٹن کے لوگ اپنی زبان کی طرف سے ایسے بے پروا ہیں کہ تمام عیسائی آبادی میں ہزار عیسائیوں میں سے ایک شخص بھی ایسا نہ ملیگا جو لیٹن زبان میں اپنے دوست کو مزاج پرسی کا خط لکھ سکے۔ لیکن ایسے عیسائی بیشمار اور ہر قسم کے ہیں جو کلدانی (عربی) زبان کی رنگین عبارتیں بڑی طمطراق سے پڑھنے کو موجود ہو جاتے ہیں۔ اور نظم بھی لکھ سکتے ہیں جس میں ہر مصرعہ ایک ہی حرف پر ختم ہوتا ہے اور جس میں یہ عیسائی مسلمانوں سے بھی زیادہ خیال کی رفعت اور عروض پر قدرت رکھتے ہیں۔[۱]

فی الواقع لیٹن زبان کے علم کو ہسپانیہ کے ایک حصہ میں اس قدر تنزل ہوا کہ ہسپانی کلیسہ کے قدیم آئین و انجیل کو عیسائیوں کے لیے عربی زبان میں ترجمہ کرنا پڑا۔[۲]

عربوں کے ادب نے تو عیسائیوں پر یہ جادو کر رکھا تھا اور عربی زبان بڑے شوق سے سیکھی جاتی تھی۔ مگر جو لوگ عیسوی علم ادب کی تحصیل چاہتے تھے اُن کے لیے تعلیم کا سامان اس سے زیادہ

---

[۱] الور۔ فقرہ ۳۵ (صفحہ ۵۵۴۔ ۵۵۶) [۲] فون شاک دوسری جلد صفحہ ۹۶۔

موجود نہ تھا جو وحشی قوم گاتھ کی تعلیم کیلیے استعمال ہوتا تھا۔ اور اس ادنی تعلیم کے درجے تک پہنچانے کیلیے بھی پڑھانے والے مشکل سے ملتے تھے۔ جوں جوں وقت گذرا عیسوی تعلیم کم ہوتی گئی ۸۲۵ء میں مستعربین نے الفانسو بادشاہ ایروگن کو لکھا کہ "ہم نے اور ہمارے آبا نے اس وقت تک مسلمانوں میں بود و باش رکھی ہی۔ ہم کو اصطباغ ملا تھا اور مسیحی شریعت کے آزادی سے پابند ہیں۔ لیکن یہ بات ہماری قدرت میں کبھی نہیں رہی کہ اپنے پاک مذہب میں کامل طریق پر تعلیم و تربیت پاتے۔ اور وجہ یہ ہی کہ کافروں کے محکوم تو ہم چلے ہی آتے ہیں جنھوں نے ہم پر مدت تک سختیاں کیں ہم کو اس بات کی بھی ہمت نہ پڑی کہ روما یا فرانس سے معلمان دین طلب کرتے اور خود یہ لوگ ہمارے پاس کفار کے ظلم سے جن کے ہم مطیع ہیں آئے نہیں[۱]"۔

جب عیسائیوں کو اہل اسلام کے ساتھ ایسا ربط تھا اور عربی کا علم ادب عیسائی اس قدر شوق و محنت سے سیکھتے تھے کہ اسلام کے متعصب دشمن الور[۲] کو بھی قران کی فصیح عبارت کی نسبت یہی کہتے بن پڑا کہ عیسائی بھی اس کو بغیر پڑھے اور تعریف کیے نہیں رہ سکتے تو قدرتاً خیال ہو سکتا ہی کہ اسلامی آثار نے عیسائیوں میں سرایت کی ہوگی اور فی الحقیقت یہی حال تھا بھی۔ الیپاندوس جو طلیطلہ کا اسقف تھا اور عیسائی مذہب میں مسئلہ تبنی کا بانی ہوا ہے جس کے بموجب انسان مسیحی فطرتاً نہیں بلکہ محض بیٹا بنا لینے سے خدا کا فرزند ہوا۔ اس اُسقف کی نسبت صاف صاف کہا گیا ہی کہ یہ مسئلہ مسلمانوں کے اثر صحبت سے اس کے ذہن میں پیدا ہوا[۳]۔ اور تحقیق ہوتا ہی کہ یہ مذہب ہسپانیہ کے بڑے حصہ پر جلد شائع ہو گیا اور سبطمانیہ میں جو حکومت فرانس کی حفاظت میں تھا اور گل کے اسقف فیلکس نامی کی وجہ سے کامیابی کے ساتھ رائج ہوا۔ اور گل صوبہ کاتیلونیہ[۴] میں واقع تھا۔ پیشوایان دین عیسوی کی مجلس کے سامنے فیلکس حاضر کیا گیا جس میں شہنشاہ شارلمین صدر انجمن تھا۔ فیلکس سے کہا گیا کہ اس مسئلہ کفر کو ترک کرے۔ لیکن

[۱] اوردریکی وتالس صفحہ ۹۲۰۔ [۲] الور فقرہ (۲۹) "ہر روز ہم اپنی آنکھوں سے ان کی لطافت زبان اور دعائی جملوں کے حسن کو بلاغت و فصاحت کی خوبیوں کیلیے پڑھتے ہیں اور ان کی تحسین کرتے ہیں (دین توم ۱۷ صفحہ ۵۰۷)۔ [۳] ایضاً فقرہ (۲۰۶) صفحہ ۳۵۳۔ [۴] ہلفرخ صفحہ ۸۰۰۔

فیلکس جب ہسپانیہ کو واپس آیا تو پھر اپنے مذہب کو اُس نے اختیار کیا اور اس کا سبب (جیسا کہ پوپ لیو سوم نے خیال ظاہر کیا ہی) بلاشبہ یہ تھا کہ فیلکس کا فروں (یعنی مسلمانوں) سے جو مسیح علیہ السلام کی نسبت اسی قسم کا خیال رکھتے تھے خلوص رکھتا تھا[۱]۔ جب مسیحی مذہب کے ذی قعت پیشوا مسلمانوں کی صحبت سے اس قدر متاثر ہوئے تو ہم فیصلہ کر سکتے ہیں کہ ہسپانیہ کے عام عیسائیوں پر اسلام کا اثر اس سے کہیں زیادہ ہوا ہوگا۔ چنانچہ ۹۳۶ء میں طلیطلہ میں ایک مسیحی مجلس قرار پائی تاکہ بہترین تدابیر اس امر کے متعلق سوچے کہ مسلمانوں کے میل سے عیسوی دین کی پاکیزگی میں جو فرق آجاتا ہی وہ کسی طرح رفع ہو[۲]۔

اب یہ بات سمجھنی آسان ہو جاویگی کہ ظاہرا طریقوں میں تو عیسائی مسلمانوں کے مشابہ ہوتے ہی جاتے تھے جس وقت اہل اسلام نے تبلیغی کوششیں ان پر صرف کی ہوں گی[۳]۔ تو عیسائی کثرت سے اسلام لاکر نومسلموں کی افزائش تعداد کا باعث ہوئے ہوں گے۔ چنانچہ ان کی اولاد جس کو مولدین اس مراد سے کہتے تھے کہ وہ عربی النسل نہ تھے ایک قومی فریق کی صورت میں ظاہر ہوے جس کی تعداد ہسپانیہ کی باقی آبادی سے زیادہ تھی[۴]۔ اور نویں صدی عیسوی میں اسی فریق نے اہل عرب کی حکومت کو غارت کرنے کی کوشش کی۔ اور زمانہ مابعد میں کئی موقعوں پر یہ گروہ مسلمانان ہسپانیہ کا قومی فریق بنکر ظاہر ہوا۔

ان نومسلموں کے تفصیلی حالات کہ کس طرح وہ اسلام لائے یا تو نہایت قلیل ہیں یا بالکل ہی موجود نہیں۔ بعض عیسائیوں کے سزاؤں سے بچنے کے لیے جو عدالت سے اُنکو ملی تھیں اسلام

---

[۱] اس کے بعد خدا کی شریعت کو ترک کردہ کفار سے جا ملا اور اُنہوں سے اُس سے اتفاق کیا اور اس نے دروغ حلفی کی" فقرہ ۱۰۳ (مین تو م (۱۰) صفحہ ۳۱۳

[۲] سیوڈ ولٹ پلانڈی کرد مکن فقرہ (۲۴) صفحہ ۱۵ "پا سلیو من نے طلیطلہ میں ایک مجلس قرار دی اور اس مجلس نے قاعدے مرتب کیے کہ مسلمانوں کے اثر صحبت سے عیسائی آئندہ نقصان نہ اُٹھانے پاویں"۔ [۳] تبلیغی کوششوں کا ذکر کہیں نہیں ہی۔ لیکن الوگیوس کے مندرجہ ذیل فقروں سے جو اُس نے محمد صلعم کی نسبت لکھے ہیں دعوت اسلام کی طرف اشارہ پایا جاتا ہی"۔ کوئی عیسائی جو اُسکی غلطیوں کے جنون اور اُس کے جنون کے حمق کو اور اُس کی نامقدس بدعت کو دریافت کرنا چاہیے تو اُسکے فرقہ کی کسی ایک آدمی سے رد و قدح کرکے ان سب باتوں پر اس کو علم ہو سکتا ہی۔ کیونکہ مسلمان یہ یقین کرکے کہ جو کچھ انکا اعتقاد [illegible] وہ مقدس اور متبرک ہی وہ اپنے پیغمبر کے دین کا پوشیدہ ہی نہیں بلکہ علانیہ وعظ کرتے ہیں"۔ [۴] دوزی (۲) قوم ۲ صفحہ [illegible]

قبول کیا۔[۵] لیکن اکثر عیسائی خود مذہب اسلام کے بارعب اثر سے متاثر ہوئے جبکہ وہ تہذیب و تمدن کی روشنی سے چمکتا تھا اور شاعری و حکمت اور ایسے علم سے معمور تھا جو عقل کو اپنی طرف کھینچے اور تصور کو چکا چوند میں رکھے۔ عرب کی فن سپہگری میں دلیری شجاعت اور سپاہیانہ نیکیوں کا میدان کھلا تھا۔ لیکن یہ نعمتیں ہسپانیہ کے اُن باشندوں کو میسر نہیں جو عیسائی مذہب پر ثابت قدم رہے تھے۔ اس کے سوا عیسائیوں کے عوام مسلمانوں کے علوم و فنون کے مقابلہ میں کم اور ادنیٰ نظر آئے ہوں گے اور ان کا سیکھنا ہی اسلام لانے کا باعث ہوا ہوگا علاوہ ازیں ہسپانیہ کی ایماندار طبیعتوں کے لیے اسلام ایسی کشش رکھتا تھا جیسے کوئی پاک فرقہ ہو کہ جس کے پیشوا شریعت اسلام کے سخت پابند ہوں اور ان عالموں کو بعض وقتوں میں بہت قوت اور رسوخ سلطنت میں پیدا ہوا تھا اور وہ صدق دل سے ساعی ہوئے تھے کہ مذہب و اخلاق کی تہذیب و اصلاح کریں۔

اس بات پر غور کرکے کہ مذہب کے پرجوش خیالات نے ہسپانی مسلمانوں میں بالعموم کیسی روح پھونک دی تھی اور اس لحاظ سے کہ عیسائیوں نے جو ہسپانیہ میں اسلامی حکومت کے محکوم تھے اپنے ہم مذہب عیسائیوں سے ملکر جو سرحد ہسپانیہ پر آباد ہوگئے تھے سلطنت اسلامیہ کے ساتھ کیسی کیسی دغابازی سے سازشیں کیں مسلمانوں کے دور حکومت میں ہسپانیہ کی تاریخ ظلم سے پاک ہی۔ تین یا چار عیسائیوں نے جنہوں نے فی الحقیقت مذہب کے لیے اپنی جانیں فدا کیں اور سوائے اُن سخت قوانین کے جس کو اسلامی گورنمنٹ نے اس غرض سے اختیار کیا تھا کہ نویں صدی عیسوی میں قرطبہ میں جو جان کھو کر شہید بننے کا جنون عیسائیوں کو اُٹھا تھا اس کا انسداد ہو اہلِ عرب کے کل زمانہ حکومت میں کوئی بات جو ظلم کی طرف مائل تک ہو نظر نہیں آتی۔ نویں صدی عیسوی میں عیسائیوں کا ایک نہایت متعصب فریق قرطبہ میں پیدا ہوا جس کے ساتھ دیگر صوبجات ہسپانیہ کے عیسائیوں کو ظاہرا طریق پر کسی طرح کی ہمدردی

---

[۵] صفحہ ۳۷۹۔

نہ تھی) اس متعصب فریق نے اپنا یہ مسلک ٹھیرایا کہ مسلمانوں کے مذہب کی بلا اشتعال اور علانیہ توہین کرے اور پیغمبر خدا صلعم کی شان میں سخت کلامی کرے۔ اس فریق کے لوگ شروع ہی سے یہ نیت رکھتے تھے کہ اس عیسوی تعصب سے جو بیجا صرف کیا جاتا تھا سزائی موت کا مستوجب اپنے کو بنائیں۔

۸۵۰ء سے لیکر ۸۶۰ء تک قسوس اور رہبان میں جن میں عورتیں بھی شامل تھیں مذہب پر سے جان قربان کرنے کا یہ عجب جوش قائم رہا معابد اور کنائس میں بند پڑے پڑے عیسوی دین کے زوال اور دینی حمیت کے تنزل پر دل ہی دل میں پیچ و تاب کھا کر یہ قسیس و رہبان عالم حزن سے اُٹھے اور اسلام اور بانی اسلام پر سختی سے معترض ہوئے تاکہ شہادت کا تاج حاصل کریں جس سے مسلمانوں کی بے تعصبی اُن کو محروم کیے دیتی تھی۔ ان لوگوں میں سے ایک شخص کا حال ہم یہاں بیان کرتے ہیں۔ اسحاق نامی ایک راہب تھا جو قاضی کے پاس آیا اور دہوکا دیکر کہا کہ وہ تعلیم اسلام سے بہرہ مند ہونا چاہتا ہی۔ جس وقت قاضی نے پیغمبر خدا صلعم کی ہدایتیں اُس کے سامنے بیان کیں تو اسحاق دفعتاً یہ کلمے زبان پر لایا " اُس نے تم سے جھوٹ کہا۔ خدا کی لعنت اُس کو تلف کرے۔ وہ کفر سے بھرا تھا اور اتنے لوگوں کو اُس نے عذاب کی رہنمائی کی۔ اور اپنے ساتھہ اُن کو بھی قعر جہنم کا سزاوار کیا۔ شیطان سے بہرہ ہوکر اور شیطانی شعبدے دکھاکر اُس نے مہلک شراب کا پیالہ تمکو دیا کہ تم میں مرض پیدا کردے اور اپنے گناہ کا بدل ہمیشگی کے عذاب سے وہ کرے گا۔ جب تم کو سمجھ دی گئی ہو تو کیوں نہیں تم ان خطروں سے اپنے تئیں نجات دیتے۔ کیوں نہیں تم اس کے وبائی عقیدوں کے پھوڑے کو اپنے سے علیحدہ کرتے اور دین مسیح کی انجیل سے اخروی نجات تلاش کرتے"[۱]

ایک اور موقع پر دو عیسائی زبردستی مسجد میں چلے گئے (نعوذ باللہ) اور وہاں اسلام کی بے ادبی کی اور کہا کہ اسلام بہت جلد اپنے معتقدوں پر نار جہنم کی تباہی لائیگا[۲]۔ اگرچہ ایسے

---

[۱] الوگئوس فقرہ (۱۲) دمین توم ۵-۶۔ صفحہ ۲۰۳۔ [۲] الوکیوس باب ۱۳ صفحہ ۴۷۔

متعصب لوگوں کی تعداد زیادہ نہ تھی[1]۔ لیکن اسلامی گورنمنٹ پریشان ہوئی اور اُسنے خوف کیا کہ حکام وقت کی توہین آداب مذہب کے قانون سے یہ بے پروائی اس بات کی دلیل ہے کہ رعایا میں عام نارضگی ہے اور وہ بغاوت پر آمادہ ہے۔ چنانچہ ۸۵۳ء میں محمد اوّل نے طلیطلہ کے عیسائیوں کی سرکوبی کے لیے فوج روانہ کی یہ عیسائی الوگیوس کے اشتعال سے جوان شہیدی عیسائیوں کا افسر تھا اپنے ہم مذہب عیسائیوں کی ایذاؤں کا حال سنکر بغاوت کر بیٹھے تھے[2]۔ ملک محمد اوّل کی نسبت بیان ہے کہ اُسنے عیسائیوں کے قتل عام کا حکم دیدیا۔ مگر جب اُس سے کہا گیا کہ عیسائیوں سے کسی شخص نے جو کچھ بھی عقل اور مرتبہ رکھتا تھا ان کاموں میں حصہ نہیں لیا[3]۔ (چنانچہ خود الور نے شکایت کی ہے کہ مسیحی قسوس میں سے اکثر لوگ شہیدوں کو مجرم قرار دیتے تھے[4]) تو بادشاہ نے اسپر اکتفا کیا کہ توہین مذہب کے بارے میں جو قوانین تھے اُن پر سختی کے ساتھ تعمیل کا حکم نافذ کیا۔ عیسائیوں کے اُس گروہ نے جو حاکم و محکوم میں مصالحت چاہتا تھا گورنمنٹ اسلامیہ کی کوششوں میں اعانت کی اور اساقف نے اُن متعصب عیسائیوں کو جنکو شہادت کا شوق ہوا تھا کلیسہ سے خارج کیا۔ ۸۵۲ء میں عیسائیوں کی ایک مجلس قرار پائی تاکہ اس تعصبی تحریک کی تدابیر انسداد پر غور کریں[5]۔ چنانچہ اس مجلس نے جو کچھ انتظام کیا اُس سے یہ تحریک مٹ گئی ایک یا دو

---

[1] عیسائی شہیدوں کی تعداد چالیس سے زیادہ نہ تھی (پریسکوٹ تاریخ عہد فرڈننڈ وازبلہ پہلی جلد صفحہ ۳۴۲) (لنڈن ۱۸۴۶ء)

[2] دوزی (۲)، توم ۲ صفحہ ۱۶۱ و ۱۶۲ [3] الوگیوس باب ۳ صفحہ ۸۰۵ اس بات پر غور کرکے کہ نہ کسی ذی فہم اور ذی علم اور نہ عیسوی فرقوں میں سے کسی فرقہ کے پیشوائے مذہب نے ان کاموں میں حصہ لیا وہ یقین کرتے ہیں کہ سب کو ہلاک کرنا نہیں چاہیے کیونکہ انکا کوئی سرغنہ نہ تھا جو انہیں لڑائی پر بیجاتا [4] الور فقرہ ۱۴ ''جن لوگونکو کلیسا کا پہاڑ اور ستون سمجھا جاتا تھا اور منتخب لوگوں میں وہ شمار کیے جاتے تھے کیا خود یہ لوگ بغیر جبر اور طلبی کے قاضی کے پاس نہیں گئے کہ خداوند کے شہیدونکو ان تر شرو بلکہ نفس پرور مسلمانونکے سامنے متہم کریں۔ کیا مسیح کے گلہ بانوں اور کلیسیا کے عالموں نے اساقفا اور قسوس نے اور سر برآوردہ عیسائی امیروں نے ان شائقین شہادت کو برگشتہ مذہب نہیں قرار دیا'' (مین توم ۱۲ صفحہ ۵۲۹) [5] الور فقرہ ۱۴ ''ہم ان لوگونکے سامنے کیا عذر پیش کر سکتے ہیں جنکو ہمنے کلیسا سے خارج کیا اور قسم لی کہ وہ کبھی شہادت کی عزت حاصل نکریں؟ جنکو ہمنے منع کر دیا کہ کافروں کی غلطیوں پر معترض نہ ہوں اور لعنت کہکر ملعون شے کو بُرا نہ کہیں۔ ہمنے گناہ کیا کہ انجیل و صلیب لیکر انکو زبردستی حلف دیا اور گناہ ہی نہیں کیا بلکہ وحشیانہ جنگجوئی سے اور ایسی سزاوں کا انکو خوف دلایا جو کبھی نہ سنی تھیں۔ ہاتھ پیر کٹنے اور کوڑے لگنے کی سخت اور ہولناک تکلیفوں سے ڈر کر ہمنے انکو مجبور کیا (مین توم ۱۲ صفحہ ۵۳۰)

شہادت کے واقعات جو زمانۂ مابعد میں پیش آئے اور بیان ہیں۔ اخیر واقعہ ۹۸۳ء میں ہوا اور اُس کے بعد جبتک اہل عرب کی حکومت ہسپانیہ میں رہی کوئی مسیحی شہید نہیں ہوا[1]

البتہ بارہویں صدی عیسوی کے شروع میں المرابطین میں سے خاندان بربر کے عہد حکومت میں علمائے اسلام میں تعصب کا جوش پیدا ہوا اور عیسائیوں اور یہودیوں اور آزاد خیال مسلمانوں نے جنمیں حکیم شاعر اور عالم شامل تھے یکساں تکلیفیں اُٹھائیں لیکن ایسے واقعات سلاطین اسلامیہ کے طریق صلح کل میں جس کا پاس عیسوی رعایا کے ساتھ ان کو ہمیشہ تھا مستثنیات سے تھے۔

ہسپانیہ کے ایک مسلمان نے جو ۱۶۱۰ء میں مسلمان قوم مورسکو کے استیصال کے وقت اپنے وطن ہسپانیہ سے نکالا گیا تھا محکمۂ انکیوزیشن (احتساب مذہب) کی سختیوں پر اعتراض کیا ہی اور مسلمانوں کی بے تعصبی اور صلح کل طریق کی حمایت اس عبارت سے کی ہی۔ کیا ہمارے بزرگان فاتح نے جبکہ اُن کو کامل قوت حاصل تھی کبھی اس بات کی کوشش کی کہ وہ عیسوی مذہب کو ہسپانیہ کے ملک سے قطعًا نیست و نابود کردیں کیا تمھارے باپ دادا کو جبکہ ہمارے بزرگوں کی زنجیروں میں وہ جکڑے ہوئے تھے اس بات کی تکلیف نہیں دی گئی کہ وہ آزادی سے اپنے مذہب کے پابند رہیں۔ کیا ہمارے رسول مقبول صلے اللہ علیہ وسلم کا یہ حکم نہیں ہی کہ مسلمانوں کی تلوار جس قوم کو فتح کرے وہ ایک قلیل سالانہ محصول دیکر اپنے مذہب پر سلامت رہنے کی مجاز ہو۔ خواہ وہ مذہب کیسا ہی مہمل ہو اور جو مذہب اس کو پسند ہو وہ اختیار کرے۔ اگر زبردستی مسلمان کرنے کی بھی چند مثالیں ہیں تو وہ اس قدر کم ہیں کہ بیان کی ضرورت نہیں۔ اور اس فعل کے مرتکب وہ لوگ تھے جن کو خدا اور رسول کا ڈر نہیں تھا۔ اور جنہوں نے اس کام میں اسلام کی مقدس ہدایتوں اور احکام کے بالکل خلاف اور برعکس عمل کیا۔ اور یہ ہدایتیں اور احکام ایسے ہیں جن کے خلاف بغیر توہین اسلام کے کوئی شخص جو مسلمان کہلائے جانے کا شایاں ہی نہیں کرسکتا۔ عیسائیو تم کوئی ایسی خون کی پیاسی عدالت جو مختلف فرقوں کا ایمان پرکھنے کیلیے بنائی گئی ہو اور جو تمھاری ظالم عدالت انکیوزیشن کی مانند ہو یا اُس سے ذرا بھی مشابہ ہو ہم مسلمانوں کے ہاں نہیں بتا سکتے۔ یہ سچ ہی کہ ہم

[1] بودسین صفحہ ۱۹۹۔

ہر شخص سے جو ہمارا دین قبول کرے ہاتھ پھیلا کر گلے ملنے کو تیار ہیں۔ لیکن قرآن پاک ہم کو اجازت نہیں دیتا کہ لوگوں کے کانشنس (ایمان) پر ظلم و تعدی کریں۔ ہم جن لوگوں کو مسلمان کرتے ہیں اُن کو ہر طرح کی ہمت دلاتے ہیں ہماری بیٹیوں سے وہ نکاح کرتے ہیں اور اعتماد اور عزت کے منصبوں پر وہ مقرر کیے جاتے ہیں۔ ہم ان کو صرف اپنا سا لباس پہننے پر مجبور کرتے ہیں تاکہ وہ ظاہر میں ہی سچے مومن نظر آویں۔ اگر وہ علانیہ ہمارے مذہب کی توہین اور بے ادبی نہ کریں تو ہم ان کے کانشنس کا امتحان نہیں کرتے۔ البتہ اگر ایسا قصور اُن سے ہو تو ہم اُن کو اُن کے لائق سزا دیتے ہیں۔ کیونکہ اُن کا مذہب تبدیل کرنا خود اُن کی مرضی سے تھا نہ کہ جبر سے[1]۔

مسلمانوں کی یہی بے تعصبی ایک عرضداشت کا مضمون قرار پائی جس کو ۱۶۰۲ء میں بلنسیہ کے مطران نے بادشاہ فلپ سوم کی خدمت میں اس غرض سے روانہ کیا کہ مسلمان قوم موریسکی کو ہسپانیہ سے خارج کرنے کی صلاح دے۔ عرضداشت کا عنوان "قوم موریسکی کا کفر اور بغاوت" تھا۔ اور مسلمانوں کی بے تعصبی کی نسبت یہ فقرہ تھا کہ "مسلمان کسی بات کو ایسا روا نہیں جانتے جیسا کہ کانشنس کی آزادی کو وہ جائز رکھتے ہیں اور سب ترک اور مسلمان اپنی رعایا کو مذہبی آزادی دیتے ہیں[2]۔

مسلمانان ہسپانیہ کے دلوں میں اسلام کی بنیاد کا پختہ ہونا اس واقعہ سے ثابت ہے کہ ۱۶۱۰ء میں جب موریسکی قوم کے لوگ جو وطن ترک کرنے سے باقی رہ گئے تھے ہسپانیہ سے نکالے گئے تو باوجود اس بات کے کہ ایک صدی تک ان پر جبر ہوا تھا کہ ظاہر میں عیسوی مذہب کے پابند رہیں وہ اپنے آبائی دین اسلام پر ثابت قدم رہے ۱۶۱۰ء میں تقریباً دس لاکھ موریسکی مسلمان وطن سے بے وطن کیے گئے جو مورخین کہ اس تعداد کا کم اندازہ کرتے ہیں وہ بھی چھ لاکھ لکھتے ہیں۔ غرض اس طرح ایک قوم کو ملک سے نکال دینا ایسے ملک کیلیے سخت صدمہ اور نقصان کا باعث تھا جس میں پہلے بھی ملک کے اصلی باشندے زیادہ نہ تھے[3]۔ شہر کے شہر اور گاؤں کے گاؤں آدمیوں سے خالی ہو گئے۔ گھر بوسیدہ ہو کر کھنڈر ہو گئے کیونکہ ان کا کوئی بنانیوالا نہ تھا[4]۔ یہ موریسکی مسلمان اصلی باشندگان ہسپانیہ

[1] مورگن دوسری جلد صفحہ ۲۹-۲۵ ، [2] مورگن دوسری جلد صفحہ ۳۱ ، [3] مورگن دوسری جلد صفحہ ۲۲۲ ، [4] مورگن دوسری جلد صفحہ ۳۳۳ -

کی اولاد تھے جن میں عربوں کا خون کم یا بالکل نہ تھا۔ اس دعوے کے ثبوت میں کہ اُن میں عربوں کا میل کم یا بالکل نہ تھا جو دلائل ہیں وہ طویل ہیں اور یہاں اُن کو درج کرنے کی ضرورت نہیں۔ صرف ایک بات بیان کرتے ہیں جس کی شہادت ایک مکتوب سے ملتی ہے جو ۱۳۱۱ء میں تحریر ہوا تھا۔ اُس میں لکھا ہے کہ دو لاکھ مسلمانوں میں سے جو اُسوقت غرناطہ کے شہر میں آباد تھے پانچسو سے زیادہ مسلمان عربی النسل نہ تھے۔ باقی کل مسلمان ہسپانیہ کے خاص نومسلم باشندوں کی اولاد تھے[1]۔ یہ بات غور کے قابل ہے کہ ہسپانیہ میں جبکہ اسلامی قوت کا اخیر زمانہ تھا تو ایسے وقت میں بھی عیسائی اسلام قبول کرتے رہے۔ اسلامی سلطنت غرناطہ کے زوال کے سات برس بعد ۱۴۹۹ء میں جو واقعات پیش آئے اُنکے لکھنے میں ایک مورخ نے اس بات کی طرف توجہ دلائی ہے کہ قوم مور کے چند عیسائیوں نے پیغمبر عرب کا دین قبول کرلیا۔

---

[1] مورگن دوسری جلد صفحہ ۲۸۹ [2] سٹرلنگ مکسول (پہلی جلد صفحہ ۱۱۵)

باب ششم

یورپ کی عیسائی قوموں میں ترکوں کے ذریعہ سے اسلام کی اشاعت

عثمانی ترکوں کا حال تیرہویں صدی عیسوی کی ابتدا سے شروع ہوتا ہے یہ زمانہ وہ تھا کہ تقریباً پچاس ہزار ترکوں کا ایک گروہ مغلوں سے بھاگ کر سلطان قونیہ کی مدد کو آیا اور یونانیوں اور مغلوں کے مقابلہ میں جو خدمات اس ترکی گروہ نے کیں اُنکے صلہ میں سلطان قونیہ نے ایشیا کوچک کے شمال مغربی ملک کا ایک حصہ اُسکو دیدیا۔ اور یہی سلطنت عثمانیہ کی ابتدا ہوئی جس کی ترقی اول سلجوقیوں کی سلطنت کو جسکے ٹکڑے ٹکڑے ہو گئے تھے شامل کرنے سے ہوئی اور پھر جب سمندر طے کر کے یہ ترک یورپ میں پہنچے تو عیسائیوں کی سلطنتوں پر قابض ہوتے گئے یہانتک کہ ۱۶۸۳ء میں شہر وائنا کے دروازوں کے سامنے اُن کی ترقی مسدود ہوئی۔[1]

عیسائیوں پر ترکوں کی حکومت تو اُسی وقت سے ہوگئی تھی جبکہ ایشیا کوچک میں اُن کی سلطنت کو

---

[1] یہاں ترکوں کی ملکی فتوحات کو تفصیل سے بیان کرنیکا موقع نہیں ہے لیکن مختصر حال یہ ہے کہ ۱۳۵۳ء میں ترک یورپ میں داخل ہوئے اور چند سال کے بعد اڈریانوپل فرنگستان میں انکا دار الحکومت قرار پایا۔ سلطان بایزید (۱۳۸۹-۱۴۰۲ء) کے دور حکومت میں سوائے قسطنطنیہ کے جو قسطنطنیہ کے گرد تھے ترکوں کی عملداری بحر ایجیئن سے دریائے ڈینوب تک ہوگئی۔ جسمیں بلغاریا۔ مقدونیہ۔ تھسلی۔ اور تھریس شامل تھے۔ سلطان مراد (۱۴۲۱-۱۴۵۱ء) نے چلکی وائیک پر قبضہ کیا اور بحر ادریاٹک کی طرف فتوحات کو ترقی دی۔ سلطان مراد ثانی (۱۴۵۱-۱۴۸۱ء) قسطنطنیہ۔ البانیا۔ بوسینا۔ اور سرویا کو فتح کر کے جنوب مشرقی جزیرہ نما کا مالک ہوگیا۔ ساحل کی طرف ملک کے ایسے حصے جو وینس اور مانٹی نیگرو کی ریاستوں کے قبضہ میں تھے چھوٹ گئے۔ سلطان سلیمان ثانی (۱۵۲۰-۱۵۶۶ء) نے ہنگری کو قلمرو عثمانیہ میں شامل کیا اور بحر ایجیئن کو ترکوں کا سمندر بنالیا سترہویں صدی عیسوی میں جزیرہ کریٹ فتح ہوا اور بادولیا پولینڈ کی سلطنت نے ترکوں کو دیدیا۔

وسعت حاصل ہوئی تھی لیکن جب تک مشرقی سلطنت کا دارالحکومت یعنی قسطنطنیہ اُن کے تصرف میں نہ آگیا اسلامی گورنمنٹ اور عیسوی کلیسا میں تعلقات پختہ بنیاد پر قائم نہ ہوسکے سلطان محمد ثانی نے قسطنطنیہ پر قبضہ کرنے اور شہر میں امن ہونے کے بعد پہلا انتظام یہ کیا کہ یونانی کلیسا کا حامی اور سرپرست بنا تاکہ عیسائی اُس کی اطاعت قبول کریں۔ عیسائیوں پر سختی ہونے کی ممانعت کر دی اور ایک فرمان جاری کیا جس کے بموجب قسطنطنیہ کے نئے بطریق کو اور اُس کے جانشینوں اور ماتحت اسقفوں کو قدیم اختیارات جو حکومت سابقہ میں اُن کو حاصل تھے دیے گئے اور جو ذریعے اُن کی آمدنی کے تھے وہ بحال ہوئے اور جن قواعد سے وہ مستثنیٰ تھے اُن سے بدستور مستثنیٰ کیے گئے۔ گناد یس کو جو ترکوں کی فتح کے بعد قسطنطنیہ کا پہلا بطریق ہوا سلطان نے اپنے ہاتھ سے وہ عصا عنایت فرمایا جو اُس کے منصب کا نشان تھا اور ایک خریطہ جس میں ایک ہزار اشرفیاں تھیں اور ایک گھوڑا جس پر بہت تکلف کا سامان تھا دیا اور اجازت دی کہ وہ اپنے قدیم سامان جلوس کیساتھ شہر میں سوار ہوکر دورہ کرے[1]۔ ترکوں نے صرف یہی نہیں کیا کہ کلیسا کے سب سے بڑے افسر کی وہی عزت اور وقعت قائم رکھی جو اُس کو عیسائی شہنشاہان روم کے وقت میں حاصل تھی بلکہ عدالت کے وسیع اختیارات بھی اُس کو دیے۔ بطریق قسطنطنیہ کی عدالت ایسے کل مقدمات کو جس میں فریقین مسیحی المذہب ہوں فیصلہ کرتی تھی۔ جرمانہ کرنے اور مجرموں کو قید کی سزا دینے کے اختیارات جس کے لیے علیحدہ قید خانے بنے ہوئے تھے اور خاص صورتوں میں سزائے موت کے حکم دینے کا اختیار بھی اس کو حاصل تھا وزرائے سلطنت اور شہر کی حکام کو ہدایت تھی کہ اس عدالت کے فیصلوں کی تعمیل کریں۔ سابق کی عیسوی سلطنت نے رعایا کے مذہبی امور میں طرح طرح کی دست اندازیاں کی تھیں لیکن ترکوں نے اُن میں کچھ دخل نہیں دیا۔ بطریق اور اُس کی مذہبی مجلس کو پورے اختیارات مذہب اور مذہبی انتظام کے بارے میں حاصل ہوئے بطریق مجاز تھا کہ مذہبی مشوروں کی مجلس کو جب چاہے جمع کرے اور اُس کے ذریعہ سے عیسوی فقہ اور اصول کے تمام مسائل کو بغیر سلطنت کی مداخلت کے طے کرے اور چونکہ ایک حیثیت سے وہ سلطانی عہدہ دار بھی تھا اس لیے

[1] فنلیس صفحہ ۳۰۵ - ۳۰۶

اُس کے اختیار میں تھا کہ مصیبت زدہ عیسائیوں کی حالت کی اصلاح اس طرح کرے کہ نامنصف ترکی گورنروں کے کاموں سے سلطان کو اطلاع کردے۔ یونانی اُسقف جو اضلاع میں تھے اُن کی بھی بہت عزت تھی اور عدالت کے اختیارات اُن کو اس قدر دیئے گئے تھے کہ موجودہ زمانہ تک اُنھوں نے اپنے علاقوں میں عیسائیوں پر ترکی حاکموں کی طرح حکومت رکھی۔ گویا اُن کو وہ درجہ اور مرتبہ حاصل تھا جو عیسوی سلطنت سابقہ میں عیسائی اُمرا کو تھا لیکن ان اُمرا کو ترکوں نے قطعاً نیست ونابود کردیا تھا۔ دریافت ہوتا ہے کہ طبقہ اعلیٰ کے قسیس بجائے اس کے کہ عیسائیوں کے پیشوائی مذہب ہوں زیادہ ترکوں کے اہلکار ہوتے تھے۔ اور عیسائیوں کو ہمیشہ اس بات کا سبق پڑھاتے تھے کہ سلطان کو خدا کی طرف سے کلیسائے یونان کی حفاظت سپرد ہوئی ہے۔ چنانچہ کچھ زمانہ کے بعد سلطان کی طرف سے فرمان جاری ہوا کہ کلیسائے یونان کے معتقد عیسائی گرجاؤں کو اپنے صرف میں لائیں جن کو مساجد کیلیے ضبط نہیں کیا گیا تھا اور عیسائیوں کو اختیار دیا گیا کہ مذہبی رسوم اپنے اپنے دستور کے مطابق علی الاعلان[۱] ادا کریں۔

باوجودیکہ دولت عثمانیہ کے اُن صوبجات میں جو یورپ میں واقع تھے عیسائیوں کی تعداد ترکوں سے بہت زیادہ تھی لیکن مذہبی آزادی اور جان ومال کی حفاظت نے جو اُن کو بخوبی حاصل تھی عیسائیوں کو نئے حاکموں کا بالکل مطیع بنادیا۔ اور اُنہوں نے سلطان کی حکومت کو ہر ایک عیسائی حکومت پر ترجیح دی۔ فی الحقیقت ملک کے بہت سے حصوں میں یونانی عیسائیوں نے فرینک اور وینس کی طامع اور ظالم حکومت سے جس نے روم کی عیسائی سلطنت سے یونان کے جنوبی ملک پلاپی نیس اور اُدر حصوں پر قبضہ کرنے کیلیے مدت تک تنازع رکھا تھا ترکوں کو اپنا نجات دینے والا تصور کیا۔ فرینک اور وینس والوں نے یونان میں فیوڈل سسٹم جاری کیا تھا (یعنی رعایا کو گورنمنٹ اس شرط پر زمین دیتی تھی کہ ضرورت کیوقت اس عطیہ کا معاوضہ فوجی خدمات سے کیا جاوے) اس انتظام سے رعایا کیحالت غلامی کیحالت سے بھی بدتر ہوگئی تھی۔ اور چونکہ یہ حاکم زبان اور قوم اور مذہب میں رعایا سے

۱؎ فنلے۔ تیسری جلد۔ صفحہ ۵۲۲۔ پلطپیوس۔ دوسرا حصہ صفحہ ۷۵۔ ایم دہوسن تیسری جلد صفحہ ۵۲۔ ۵۴۔

اختلاف رکھتے تھے اسلیے رعایا اُنسے سخت نفرت کرتی تھی[۵۱]۔ اور وہ جانتی تھی کہ اگر کوئی اور قوم اُسپر مسلط ہوئی تو اُس کی حالت کچھ بہتر ہو جاوے گی کیونکہ جیسی ابتر حالت اسوقت تھی اس سے زیادہ بدتر ہونی ناممکن تھی۔ اگرچہ ترک بھی غیر تھے جنہوں نے وینیس کی ظالم حکومت سے اُن کو نجات دی تھی۔ لیکن رومن کیتھولک عیسائیوں کے مقابلہ میں جو وینیس والوں کا مذہب تھا کافر ترک کو اُنھوں نے ترجیح کے قابل سمجھا[۵۲]۔ یونانی عیسائی جنکو روم کی عیسوی سلطنت سے بہت تعلقات تھے وہ بھی عیسوی سلطنت پر غیر کی حکومت ہونے کو بُری نظر سے نہیں دیکھتے تھے۔ پالیولوگی کے شاہی خاندان نے اپنے عہد میں جو ظلم اور سختیاں کیں اُنکے خیال تک سے خوف آتا ہے"۔ امیروں کی خیانت اور بداعمالی۔ قسیسوں کا غلبہ اور ظلم۔ قانون کی تخریب سے رعایا پر تشدد۔ گورنمنٹ کا لالچ۔ تجارت کے اختیارات مالی انتظام اور محصول جمع کرنے والوں کا لشکر۔ غرض ان سب چیزوں نے مظلوم رعایا کے تمام حقوق تلف کر دیے تھے اور اسکو ترقی یا تلافی کی اُمید باقی نہیں رہی تھی"۔ شاید[۵۳] لوگ خیال کریں کہ طرفداری کے جوش سے ایسا تحریر ہوا ہے اسلیے ایک عہدنویس مورخ کے قول سے اس عبارت کی تصدیق کرتے ہیں۔ روسی مورخ جسنے عیسوی قسطنطنیہ کے زوال کا حال لکھا ہے وہ بھی اسی طرح کا الزام گورنمنٹ پر عائد کرتا ہے۔ اور لکھتا ہے کہ "بغیر قانون کے خوف کے ہر ایک سلطنت ایسی ہے جیسے بے لگام گھوڑا۔ شہنشاہ قسطنطین اور اُسکے جانشینوں نے اپنے امیروں کو اجازت دی کہ رعایا پر

[۵۱] ایک سیاح جسنے ۱۵۰۸ء میں جزیرہ قبرص کا سفر کیا وینیس والوں کے ظلم کا حال لکھتا ہے کہ یہ لوگ اپنے مقبوضہ ملکوں کیسطرح جور و ستم کرتے تھے قبرص کے ذکر میں لکھا ہے "قبرص کے تمام باشندے وینیس والونکے غلام ہیں۔ زمین کی پیداوار اناج۔ شراب۔ تیل۔ مویشی غرض جس چیز سے رعایا کو آمدنی ہو یا جسقدر یہ مال ہے اُسکا تہائی حصہ وینیس کی گورنمنٹ رعایا سے وصول کرتی تھی۔ رعایا میں سے ہر شخص مجبور تھا کہ ہفتہ میں دو دن تک سرکاری بیگار میں جہاں اُسکو بتا دیا جائے کام کرے۔ اگر کوئی شخص اپنے کام کیوجہ سے یا بیماری سے معذور ہو کر ایسا نہ کر سکا تو جسقدر دن تک وہ غیر حاضر رہا ہو اسکے حساب سے جرمانہ دینا ہوتا تھا علاوہ اسکے کوئی نہ کوئی سالانہ محصول بھی اُنپر جاری رہتا تھا اور اسکی وجہ سے غریب رعایا اسقدر مظلوم اور پریشان رہتی تھی کہ جسم اور جان دونوں کو وصل رکھنا بھی اُنکو دشوار تھا (مارٹن بادم گارٹن کا سفرنامہ صفحہ ۳۷۳) [۵۲] فنلے تیسری جلد۔ صفحہ ۵۰۲ [۵۳] اور کوہاٹ منقولہ کلارک "یوروپین ٹرکی کی قومیں" صفحہ ۸۲۔

ظلم کریں۔ اُن کی عدالتوں سے انصاف اُٹھ گیا اور اُن کے دلوں میں ہمت باقی نہ رہی۔ ججوں نے بیگناہوں کے آنسوؤں اور خون سے خزانے جمع کرلیے۔ یونانی سپاہی اپنے زرق برق لباس پر ناز کرتے تھے۔ رعایا کو سلطنت سے بغاوت کرکے ندامت نہوتی تھی اور سپاہی کو لڑائی سے بھاگنے میں غیرت نہ آتی تھی آخر کار خدا نے ان نالائق حاکموں پر اپنی بجلی گرائی اور سلطان محمد فاتح کو پیدا کیا جس کے لڑانے والے لڑائی سے خوش ہوتے ہیں اور جس کے جج امانت میں خیانت نہیں کرتے[۱]۔ اس تعریف[۲] کا اخیر جملہ موجودہ نسل کے کانوں کو کھٹکے گا۔ آج کو پچاس برس سے اس بات کی ضرورت پیش آئی ہی کہ ترکوں کی بے انصافیوں کے شاکی رہیں۔ لیکن ترکوں کے انصاف اور عدالت کی صاف صاف شہادت قدیم زمانہ کے متعدد مورخوں سے دستیاب ہوتی ہی۔ بازنطیم کا مورخ جس نے قسطنطنیہ کی فتح کا حال لکھا ہی لکھتا ہے کہ بایزید جیسا خشمناک سلطان بھی عیسائیوں کے ساتھ فیاضی اور دریا دلی سے پیش آیا عیسائیوں کو اپنے دربار میں داخل کرکے اُن کے دلوں کو تسخیر کیا[۳]۔ سلطان مراد ثانی کو عدالتوں کے انتظام کی طرف توجہ کرنے سے نہایت شہرت حاصل ہوئی اور اُن تمام خرابیوں کی اصلاح ہوئی جو عیسائی شہنشاہان روم کے وقت کی تہیں۔ ترکی حکام میں سے ایسے لوگوں کو جنہوں نے رعایا پر ظلم کیے سخت سزائیں دیں۔ فتح قسطنطنیہ[۴] کے بعد ایک صدی تک نہایت لائق سلاطین نے مضبوط اور مستحکم انتظام سے تمام قلمرو میں امن قائم رکھا اور ملکی نظم ونسق نہایت تعریف کے قابل جاری کیا اگرچہ یہ انتظام ایسا نہ تھا کہ مسلمانوں اور عیسائیوں کو یکساں انصاف ملتا لیکن اُس نے یونانیوں کی حالت کو سابق کی حالت سے بدرجہا بہتر کردیا۔ اب عیسائیوں پر بیگار کی مصیبتیں کم ہوگئیں اور غیر معمولی محصول اُن سے شاذ لیے جاتے تہے جو محصول وہ ادا کرتے تہے وہ اُن آفتوں کے مقابلہ میں کچھ حقیقت

۱؎ کانٹاسین پانچویں جلد صفحہ ۴۴ ۲؎ مارٹن کروسیوس نے بہی ایسی ہی تعریف کے جوش میں لکھا ہی۔ یہ تعجب کی بات ہی کہ ان وحشی لوگوں میں (یعنی ترکوں میں) اور ایسے بڑے گنجان شہر میں قتل کے واقعات سننے میں نہیں آتے اور بے انصافی کسی کے ساتھ نہیں ہوتی ہر شخص کے ساتھ انصاف کیا جاتا ہی یہی وجہ ہی کہ سلطان روم اپنے دارالحکومت قسطنطنیہ کو تمام دنیا کا دارالامن کہتا ہی کیونکہ جس قدر آفت زدہ لوگ ہیں اُن کو اس شہر میں پناہ ملتی ہی۔ انصاف سب کے ساتھ خواہ اعلیٰ ہو یا ادنیٰ عیسا ہو یا کافر یکساں ہوتا ہی (دترکو گریکیا۔ صفحہ ۴۸۷ (مطبوعہ بازیل ۱۵۸۴ع) ۳؎ فرانٹیس صفحہ ۱۸ ۴؎ فرانٹیس صفحہ ۹۲۔

نہ رکھتا تھا جو فرینک اور بازنیتم کے عہد حکومت میں فیوڈل انتظام کے جاری ہونے سے رعایا پر ہمیشہ نازل رہتی تھیں۔ یورپ کے کل عیسائی ملکوں کے مقابلہ میں ترکوں کی سلطنت گورنمنٹ کی خوبی کے لحاظ سے زیادہ عمدہ اور شائستہ تھی۔ اور سلطانی گورنمنٹ کے زراعت پیشہ عیسائیوں کو عیسائی بادشاہوں کی زراعت پیشہ رعایا کے مقابلہ میں زیادہ آزادی حاصل تھی اور اپنی محنت کا ثمرہ بیشتر ملتا تھا۔ ملک[۵۱] کی تجارت کو بھی مسلمانوں کے عہد حکومت میں زیادہ ترقی ہوئی۔ کیونکہ زمانہ سابق کے ترکی سلاطین رعایا میں تجارت کو ترقی دینے کے ہمیشہ حامی اور سرپرست رہے۔ جب ترکوں کے دور حکومت میں عیسائیوں کو بازنیتی گورنمنٹ کے ظلم اور ستم سے نجات ملی تو اکثر بڑے بڑے شہروں کیلیے ترقی اور بہبودی کا زمانہ شروع ہوگیا۔ ان میں سے پہلا شہر ناہیا کا تھا جو ۱۳۳۰ء میں مدت کے محاصرہ کے بعد عمدہ شرائط تجویز ہو کر سلطان ارخاں کے حوالے ہوا۔ قدیم[۵۲] باشندگان روما کی طرح ترکوں کو بھی سڑکوں اور پلوں کی تعمیر کا شوق تھا اور ان ذریعوں سے وہ اپنی قلمرو میں تجارت کو ترقی دیتے تھے غیر حکومتیں دولت عثمانیہ کے عیسائی سوداگروں کو اپنے بندرگاہوں میں داخل ہونے دیتی تھیں اور عیسوی سلطنت روم کے زمانہ کی طرح اُن کو روکتی نہ تھیں۔ اب عیسائی سوداگر عثمانی نشان اپنے جہاز و نیز لگا کر ترکوں کا لباس اور طریقہ اختیار کرتے تھے اور مغربی یورپ کی تمام قومیں اُن کی وہ عزت اور توقیر کرتی تھیں جو رومن کیتھولک عیسائیوں نے کلیسائی یونان کے عیسائیوں کی ابتک نہ کی تھی۔

لیکن ان خوبیوں کے ساتھ کہ ترکوں نے عیسائیوں سے بالعموم اچھا برتاؤ کیا اور اُن کو مذہبی آزادی دی ایک بات مستثنیٰ بھی ہے اور وہ یہ ہے کہ عیسائیوں کے بچے خراج میں وصول کیے جاتے تھے جن کو کم عمری میں اُن کے ماں باپ سے چھین کر ینگچری کی مشہور و معروف فوج کیلیے تیار کیا جاتا تھا۔ ۱۳۳۰ء میں سلطان ارخان نے اس فوج کو جاری کیا تھا جو صدیوں تک سلاطین روم کی قوت بازو رہی۔ یہ فوج اس طرح قائم رکھی گئی کہ ہر چوتھے برس اُس کیلیے لڑکے جمع کیے

[۵۱] فنلے۔ پانچویں جلد۔ صفحہ ۵۔۱۲۳۔ [۵۲] ہیز طبرگ۔ صفحہ ۲۷۶، ۲۷۲، ۶۵۰ [۵۳] فنلے پانچویں جلد صفحہ ۱۵۶-۱۵۷

جاتے تھے سلطان کے اہلکار ایسے اضلاع میں دورہ کرتے تھے جن پر بچوں کا خراج لگایا گیا تھا چھ برس سے لیکر نو برس کی عمر کے لڑکے منتخب کیے جاتے تھے۔ مفتیوں نے اس وحشیانہ خراج کے جائز ہونے کی تاویل یہ کی تھی کہ یہ لڑکے پانچواں[1] حصہ اُس مال غنیمت کا ہے جو قرآن کے بموجب بادشاہ کا حق ہی۔ اور اُنہوں نے یہ بھی فتوی دیا تھا کہ زبردستی مسلمان کرنے کی جو ممانعت شریعت میں ہی اس کا لحاظ[2] ان لڑکوں کے ساتھ بھی ہونا ضرور ہی لیکن یہ لڑکے ایسے صغیر سنی میں مسلمان معلموں سے تعلیم و تربیت پاتے تھے کہ یہ ممانعت عملاً کوئی اثر نہ رکھتی تھی[3]۔ یورپ کے عیسائیوں نے اس وحشیانہ خراج کو ہمیشہ نفرت اور غصہ کی نظر سے دیکھا اور ترکی سلطنت میں جن سیاحوں نے سیر و سفر کیا اُنہوں نے نہایت دلسوز حالات اُن اُجڑے ہوئے گھروں اور روتے پیٹتے ماں باپوں کے لکھے ہیں جن کی گودوں سے یہ بچے چھین لیے جاتے تھے۔ لیکن ینگچری فوج جب اوّل ہی دفعہ تیار ہوئی تو عیسائیوں نے خود اپنی مرضی سے داخل ہو کر اُس کی تعداد کو بڑھا دیا[4]۔ جن صورتوں میں یہ خراج شروع ہوا اُن کو تحقیق کرنے سے معلوم ہو سکتا ہی کہ خود یونانیوں نے اُس کی طرف سے کیوں بے پروائی ظاہر کی۔ تمام ملک لڑائیوں سے ویران پڑا تھا اور خاندان کے خاندان بھوک پیاس سے مرجانے کا خوف رکھتے تھے۔ عیسائیوں کے بچے جو فوج کے واسطے لیے جاتے تھے وہ اکثر یتیم ہوتے تھے جو بغیر اس کے ضائع ہو جاتے علاوہ اس کے عیسائیوں کو غلام بنا کر فروخت کرنے کا جو دستور اُس زمانہ میں ہو چلا تھا اُس کے مقابلہ میں یہ خراج ایسا خوفناک نہ تھا جیسا کہ ہمارا خیال ہی۔ اس دستور کی نسبت یقین کیا گیا ہی کہ وہ قدیم تھا اور عیسائی شہنشاہان روم کے زمانہ میں بھی اُس کی مثل ایک قاعدہ جاری تھا جس کو اب ترکوں نے اختیار کیا[5]۔ مورخوں نے

[1] قرآن۔ سورہ (۸)۔ آیت ۴۲ [2] قرآن سورہ (۱۰) آیت ۹۹-۱۰۰ [3] ان نوعمر عیسائیوں کو مجبور نہیں کیا جاتا تھا کہ اپنا مذہب تبدیل کریں۔ کیونکہ ترکی گورنمنٹ کے اصول اور احکام قرآن کے خلاف ہی کہ غیر مذہب والوں کو زبردستی مسلمان کیا جاوے۔ البتہ اگر کوئی ترکی حاکم اپنے تعصب کیوجہ سے اس کے متعلق کسی پر سختی کرتا تھا تو اُسکی یہ حرکت گوارا کی جاتی تھی۔ مگر حکام بالا کی طرف سے ایسے اختیارات ہرگز نہیں دیے گئے تھے (رایم دہوسن تیسری جلد۔ صفحہ ۲۹۷-۲۹۸) [4] ہیر ظبرگ صفحہ ۲۷۴۔

[5] لیکن یہ امر نہایت قابل افسوس ہی کہ جس طرح روم کے عیسائی شہنشاہ کسی شہر سے عیسائی بچوں کو جو ذہانت اور لیاقت میں اوروں سے بڑھکر ہوتے تھے مانی اور فوجی عہدوں کی تعلیم پانے کیواسطے لے لیتے تھے اسی طرح ترکوں نے بھی جب وہ بزنطین سلطنت کے مالک بنے اپنا حق ثابت کیا کہ عیسائیوں سے انکے کم عمر لڑکے جو ذہین اور لائق ہوں لے سکتے ہیں" (داوٗد کتر یوس صفحہ ۱۲-۱۳)۔

لکھا ہی کہ عیسائی لڑکوں کی مقررہ تعداد جمع کرنے میں جبر کرنے کی بہت کم ضرورت پڑتی تھی۔ بلکہ ماں باپ خود آرزو کرتے تھے کہ اُن کے بچے ایسی خدمت پر مامور ہوں جو عموماً اُن کی ترقی کا باعث ہوتی تھی۔ اور اس کا یقین تو والدین کو ہر صورت میں ہوتا تھا کہ اُن کے بچوں کی غور و پرداخت ایسی ہوگی کہ اُن کی زندگی آرام سے بسر ہو جائے گی کیونکہ ان کم عمر قیدیوں کی پرورش اور تعلیم اس طرح ہوتی تھی کہ گویا وہ سلطان کی اولاد ہیں[1]۔ اگر یہ بات سچی ہی کہ ماں باپ اپنے لڑکوں کو روپیہ دیکر واپس لے سکتے تھے تو اس خراج کی صورت کم وحشیانہ ہو جاتی ہی[2]۔ غرض ان حالات کو دریافت کرکے جو اس خراج کے ظلم میں تخفیف پیدا کرتے ہیں اور یہ سمجھ کر کہ جب کوئی بات رسم ہو جاتی ہی تو انسان اس کو آسانی سے برداشت کرتا ہی (گو یہ بات اس وحشیانہ ظلم کے جائز ہونے کی دلیل نہیں ہوسکتی) ہم خیال کر سکتے ہیں کہ ترکی گورنمنٹ[3] کے اس حکم سے جس سے یونانی عیسائیوں کی حالت بہت ترقی پا جاتی تھی عیسائی کیونکر رضامند رہے۔

علاوہ اس کے ترکی سلطنت کی عیسائی رعایا کو حفاظت[4] کے معاوضہ اور فوجی خدمات سے بری رہنے کی عوض میں جزیہ دینا ہوتا تھا۔ ترکی قانون کے مطابق جزیہ کی شرح ڈھائی، پانچ اور دس غرش ہر صحیح الجثہ مرد کیلیے اُس کی آمدنی کے حساب[5] سے تھی۔ سترہویں اور سولھویں صدی عیسوی کے عیسائی مورخوں نے عموماً یہ لکھا ہی کہ جزیہ کی رقم فی شخص ایک ڈکٹ[6] کی تھی لیکن مختلف رقمیں بیان کی گئی ہیں تین۔ پانچ اور ۵½ کراؤن یا ڈالر بھی جزیہ کی رقم لکھی گئی ہی۔ اس اختلاف بیان کی وجہ غالباً یہ ہے کہ سترہویں صدی میں ترکی روپیہ کی قیمت غیر مستقل تھی اس امر کا صحیح اندازہ کرنے میں کہ عیسائیوں کو جزیہ کی رقم کا ادا کرنا کس حد تک بار تھا نہایت طویل

---

[1] کریسی۔ صفحہ ۹۹۔ [2] ہیمن۔ توم ۳۰۔ صفحہ ۹۰۳ لیکن ماں باپ کو اجازت ہی کہ روپیہ دیکر اپنے لڑکوں کو ان ترکی حاکموں سے واپس لے لیں جو (لڑکوں) کو جمع کرتے ہیں" (داؤد کنٹرونس۔ صفحہ ۱۳) دی لاگولیتر نے بیان کیا ہی کہ ۱۶۶۹ء میں یہ اختیار کہ روپیہ دیکر بچوں کو واپس لے لیا جاوے ایتھنا کے باشندوں کو حاصل تھا۔ (سفرا یتھنا کے حالات صفحہ ۲۶۲ مطبوعہ لندن ۱۶۷۶ء) [3] جوزف فون ہامر (۲) دوسری جلد صفحہ ۱۵ [4] مارٹن کروسیوس صفحہ ۲۰۰۔ سالنو دینو صفحہ ۲ جرجیوز صفحہ ۹۸۔ ۹۹ شیفر۔ فقرہ ۵۶ اہینز طبرگ صفحہ ۴۲۔ دی لاجو فقرہ صفحہ ۲۶ [5] جرجیتیس صفحہ ۹۔ تورنفور۔ پہلی جلد صفحہ ۱۰۔ تاورنیر (۳) صفحہ ۹۔

بحث اس بات پر کرنی پڑے گی کہ اس زمانہ میں روپے سے کس قدر سامان خریدا جا سکتا تھا۔ اور دیگر مصارف سے جزیہ کی رقم کو کیا مناسبت[۱] تھی۔ لیکن جزیہ کی جو مقدار تحریر ہوئی ہے اگر صرف اُس کا لحاظ کیا جاوے تو جزیہ کا دینا مذہب تبدیل کرنے کیلیے ہرگز صحیح عذر نہیں ہو سکتا۔ چنانچہ ۱۷۰۲ء میں تورنفور نے جہاں قوم کاندیہ کے مسلمان ہونے کا ذکر کیا ہے وہاں لکھا ہے کہ "اس بات کا اقرار کرنا ضروری ہے کہ یہ بدبخت عیسائی اپنے ایمان کو کوڑیوں کے مول بیچتے ہیں اور مذہب کے عوض جو کچھ ان کو ملتا ہے وہ ایک تو عبا ہوتی ہے اور دوسرے اس بات کا نفع کہ جزیہ سے وہ بری ہو گئے۔ جزیہ کی رقم پانچ کراؤن سالانہ سے زیادہ نہیں ہے[۲]" مصنف شیفلر نے بھی جس نے ترکوں کی سلطنت میں عیسائیوں کی حالت کو ایسا سیاہ کر کے بیان کیا ہے جس قدر سیاہ کر کے بیان کرنا ممکن ہے لکھا ہے کہ فی شخص ایک ڈکٹ دینا خفیف بات تھی لیکن لڑائی کے محصولوں اور غیر معمولی محصولوں پر جو عیسائیوں کو دینے پڑتے تھے اُس نے زیادہ زور دیا ہے[۳]۔ زمین کا محصول عیسائیوں اور مسلمانوں کے لیے یکساں تھا۔ کیونکہ اس قدیم فریق کو کہ مسلمان اپنی زمین کیلیے عشر دیں اور جو مسلمان نہیں ہیں وہ خراج ادا کریں ترکوں نے تسلیم نہیں کیا تھا[۴]۔ عیسائیوں نے جو کچھ مصیبتیں اُٹھائیں وہ خاص خاص حاکموں کے تشدد سے پیش آئیں جو منصب اور حکومت کے بل پر اپنے ماتحت لوگوں سے روپیہ وصول کرتے تھے۔ اس قسم کی

[۱] ساموس کے مطران جوزف جرجرنیس نے ۱۶۷۸ء میں جبکہ وہ لنڈن میں مقیم تھا ایک تصنیف لکھی اس کتاب میں اُس نے اپنے علاقہ مطران کی آمدنی کا حال لکھا ہے اس آمدنی کی تفصیل جو انگریزوں کی اطلاع کیلیے لکھی گئی مقدار کے لحاظ سے زیادہ تصور نہیں ہوتی جو قیمتیں بیان کیگئی ہیں اُنکو مقابلہ کرتے وقت یہ یاد رکھنا ضرور ہے کہ مطران نے جزیہ کی مقدار تین کراؤن یا ڈالر لکھی ہے (صفحہ ۸-۹) مطران لکھتا ہے کہ "جب میں مقرر ہوا تو میرے کلیسا کے ہر قسیس نے پندرہ یا بیس ڈالر ادا کیے۔ اور کلیساؤں نے بھی اپنے اپنے مقدور کے موافق روپیہ دیا پہلے برس میں ہر ایک قسیس چار ڈالر اور دوسرے برس میں دو ڈالر دیتا ہے جن لوگوں کو کلیسا میں خدمت حاصل نہیں ہے اُن میں سے ہر شخص پہلے برس میں ۸۴ اور دوسرے برس میں ۴۲ آسپر دیتا ہے ۱۶۷۵ء میں جو تجارت کا عہدنامہ انگلستان سے ہوا اُس میں ڈالر کی قیمت اسّی آسپر لکھی گئی تھی فقط۔ پانچویں جلد صفحہ ۲۰ "ساموس کے لوگ نکاح کی سند کیلیے ایک ڈالر اور باہر والے دو ڈالر ادا کرتے ہیں۔ لیکن جو شخص دوسری یا تیسری دفعہ نکاح پڑھواتا ہے وہ تین یا چار ڈالر دیتا ہے" صفحہ ۲۳-۲۴ [۲] تورنفور۔ پہلی جلد صفحہ ۹۱ [۳] شیفلر فقرہ (۵۶) "اس ڈکٹ کے معاملہ میں تمکو سخت دھوکا ہو گا یہ توضیح ہے کہ سلطان ہر ایک عیسائی سے ایک ڈکٹ جزیہ لیتا ہے لیکن جو لڑائی اور غیر معمولی محصولوں میں ترکی حکام کیا کچھ وصول نہیں کرتے۔ لڑائیوں کے کون سے محصول ہیں جو دینے نہیں پڑتے۔ لیکن غیر معمولی محصولوں کا انحصار بُرے یا بھلے وقت پر منحصر ہے اور مسلمانوں کو بھی یہ محصول اسی طرح ادا کرنے ہوتے ہیں جیسے عیسائیوں سے وصول کیے جاتے ہیں" فقط۔ پانچویں جلد صفحہ ۲۴-۲۵ [۴] ہامر۔ (۲) پہلی جلد۔ صفحہ ۳۴۶۔

زیادتیاں اسلامی قوانین کے خلاف ہی نہ تھیں بلکہ ترکی گورنمنٹ کے زمانہ انحطاط سے پہلے وہ بہت کم نظر آتی تھیں جبکہ مقامی حکام کی رشوت ستانی اور بے انصافیوں سے جن کی پاداش نہ ہو سکتی تھی گورنمنٹ خراب نہ ہوئی تھی۔[1] یورپ میں سلطنت عثمانیہ کے قائم ہونے پر اوّل دو صدیوں میں جو حالت عیسائیوں کی تھی اور اس کے بعد جبکہ سلطنت کا زوال شروع ہو گیا جو حالت عیسائیوں کی ہوئی اُن میں بہت فرق ہو۔ لیکن یہ بات غور کے قابل ہے کہ ایسے وقت میں جبکہ عیسائیوں کی خراب حالت برداشت کے قابل نہ رہی تھی اشاعت اسلام کے واقعات نہایت کم پیش آئے۔ اٹھارہویں صدی میں جبکہ عیسائی ایسی سختیوں میں مبتلا تھے کہ کبھی ایسی سختیاں کسی زمانہ میں اُٹھانی پڑی تھیں عیسائیوں کے مسلمان ہونے کا ذکر کہیں دیکھنے میں نہیں آتا بلکہ اس زمانہ میں ترکوں کی نسبت یہ تحریر ہوا کہ وہ اپنے مذہب کی ترقی سے غافل ہیں اور بداعتقادی اور مذہبی شکوک میں مبتلا ہو گئے ہیں۔[2] یہ[3] امر کہ عیسائیوں کی تکلیفیں گورنمنٹ کی خرابی سے تھیں نہ کہ مذہبی ظلم سے اس سے ثابت ہو کہ مسلمان اور عیسائی یکساں سختیوں میں مبتلا تھے البتہ مسلمانوں کے مقابلہ میں عیسائیوں کو زیادہ بُرے برتاؤ اور مالی نقصان کا سامنا

---

[1] سلطان کی عیسائی رعایا پر سختیاں ہونیکا خاص سبب تھا کہ اصلی گورنمنٹ جس کا صدر مقام قسطنطنیہ میں تھا اُس کے اختیارات بیرونجات میں اچھی طرح تسلیم نہیں کیے جاتے تھے۔ یہ حکام اضلاع کا ظلم تھا جس نے ذاتی عداوتوں سے ترقی پکڑ کے وہ سختیاں پیدا کر دیں جو سلطنت عثمانیہ کے عیسائیوں کو زمانہ سابق میں پیش آئیں داب اور زیادہ پیش آتی ہیں کسی قوم سے زمانہ عروج میں محکوم قوم کے ساتھ فیاضی اور انصاف ہونا ممکن ہو لیکن ایسے وقت میں جبکہ اس حکمران قوم پر زوال آ رہا ہو تو ان اوصاف کا پتہ چلنا مشکل ہے۔" پادری ڈنٹن۔ سرویا اور سرویا کے لوگ۔ (صفحہ ۱۰۔ لندن ۱۸۶۲ عیسوی) [2] ڈکسن صفحہ ۴۳-۴۴ [3] سلطانی گورنمنٹ نے مسلمانوں کے ساتھ بھی عموماً وہی ظلم اور بے انصافی کا برتاؤ کیا جو مفتوح عیسائیوں کے ساتھ ہوا تھا۔ یونانی عیسائیوں کی تکلیفیں حاکموں کے ظلم اور غدر اور ایسی بدنظمیوں سے تھیں جو دولت عثمانیہ کے انتظامی صیغوں میں پھیلی ہوئی تھیں لیکن سلطان کی طرف سے براہ راست ایسے احکام جاری نہیں ہوتے تھے جن سے یہ ظلم برپا ہوں مسلمانوں کو اپنے قاضی سے اس قدر انصاف پانے کی توقع نہ ہوتی تھی جس قدر رنج کے معاملات میں عیسائیوں کو اپنے اسقف یا مذہبی حکام سے انصاف ملنے کا موقع حاصل تھا فنلے چھٹی جلد صفحہ ۵۔ (۴) "یہ خیال کرنا غلطی ہو کہ سلطانی رعایا میں صرف عیسائی مظلوم اور ستم رسیدہ ہیں نہیں ترکی بدنظمیاں سب کے لیے مساوی ہیں۔ اور سب پر یکساں مصیبتیں ڈالتی ہیں سلطنت کے بعض حصوں میں مسلمانوں کا افلاس عیسائیوں کے افلاس سے فی الحقیقت بڑھا ہوا ہے اور یہ مسلمانوں کی خراب حالت ہوتی ہے جس پر سیاحوں کو ترس آتا ہو۔ (ولیم فورسٹہ دریائے ڈانیوب کے جنوبی سالونیک صوبے صفحہ ۱۵۰-۱۵۸ مطبوعہ لندن ۱۸۶۷ء) "اشتمالی ایشیائے کوچک میں ہر طرح کا ظلم اور ستم مسلمانوں اور عیسائیوں پر یکساں ہے" جیمس برائس۔ ٹرانس قاؤکیشیا اور اراراٹ (دیکھو صفحہ ۱۰۳)

رہتا ہوگا کیونکہ اُن کو اپنی شکایتوں کی تلافی میں قانونی شکلات درپیش تھیں اس لیے احتمال ہو کہ مفلس عیسائیوں نے مذہب تبدیل کرکے ان مصیبتوں اور سختیوں سے پیچھا چھڑایا ہوگا۔

اگراب ہم عیسائی بچّوں کے خراج کو مستثنیٰ کردیں جس کو یونانی عیسائیوں نے بغیر مقابلہ پر آمادہ ہوئے گوارا کرلیا اور جس کی منسوخی اس وجہ سے پیش نہیں آئی کہ عیسائیوں نے اُس کے جاری رہنے کے خلاف کوئی ہنگامہ برپا کیا بلکہ ترکی رعایا کے بڑھنے اور عیسائیوں کے مسلمان ہوکر فوج میں[۱] شامل ہونے سے وہ منسوخ ہوا تو جو برتاؤ سلاطین عثمانیہ نے عیسائی رعایا کے ساتھ کم سے کم دو صدیوں میں یونان کی فتح کے بعد کیا اُس سے ظاہر ہے کہ ترکوں نے عیسائیوں کے ساتھ مذہبی آزادی اور صلح کل کے طریقے ایسے برتے کہ جن کی مثال اُس وقت تمام یورپ میں موجود نہیں تھی ہنگری کے کالوینی عیسائی اور تھری سلوانیا کے مواحد عیسائی متعصب شاہی خاندان ہاپسبرگ کے ہاتھوں میں پڑنے سے ترکوں کی اطاعت قبول کرنے کو ترجیح دیتے تھے[۲]۔ سائلیسیا کے پروٹسٹنٹ عیسائی انتظار کی آنکھوں سے ترکوں کی راہ تکتے تھے۔ اور اسلامی حکومت کی اطاعت کو قیمت میں لگا کر ترکوں سے مذہبی آزادی خریدنے کے لیے تیار رہتے[۳]۔ یہ ترکوں ہی کی سلطنت تھی کہ پندرہویں صدی

بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۷۲۔ اور ارامات صفحہ ۱۸۳) "یورپ کا خیال ہو کہ یہ صرف عیسائی ہیں جو ترکی کی حکومت اور سختیوں اور ذلتوں کو جو اُس کے ظلم سے ہوتی ہیں برداشت کرتے ہیں لیکن یہ بات نہیں ہو مسلمان خاص کر اس وجہ سے کہ غیر حکومتوں کو اُن کے ساتھ کوئی دلچسپی نہیں ہو نہایت بیباکی سے لوٹے جاتے ہیں اور خاص مسلمانوں پر ان لوگوں سے زیادہ ظلم ہوتے ہیں جو پیغمبر عرب کے منکر ہیں۔" (دی لاجو نقیر صفحہ ۵۰) "جو کچھ ہم نے اوپر لکھا ہو اُس سے یہی نتیجہ نکلتا ہو کہ ادنیٰ سے ادنیٰ درجہ کے عیسائی بھی ایسی بُری حالت میں نہیں ہیں جیسے کہ ایشیا کوچک میں اُسی درجہ کے ترک ہیں۔ اگر یورپین ٹرکی کے عیسائی اس وجہ سے کسی قدر نفع میں ہیں کہ اُن کی تعداد ترکوں سے زیادہ ہو تو ایشیا کے عیسائیوں کو یہ اطمینان ہو کہ ایشیا میں ترکوں پر بھی حاکموں کا وہی ظلم ہو جو عیسائیوں پر ہو اور اُن کو ایسے مسلمانوں سے سابقہ پڑا ہے جو یورپ کے مسلمانوں سے زیادہ حلیم زیادہ پابند مذہب اور بہتر اصول کے لوگ ہیں۔" ڈبلیو ایم لیکے۔ ایشیا کوچک کے حالات سفر (صفحہ ۷، مطبوعہ لندن ۱۸۲۴ء) مقابلہ کرو لارنس اولیو فونٹ کی کتاب "ارض گلیڈ" صفحہ ۳۲۰-۳۲۳ و ۴۲۶-۴۲۹۔ مطبوعہ لندن ۱۸۸۰ء) [۱] بچوں کا خراج سولہویں صدی عیسوی میں بالکل منسوخ ہوگیا ۱۶۷۶ء عیسوی میں آخیر دفعہ یہ خراج وصول کیا گیا۔ [۲] دے لا جو نقیر صفحہ ۲۳۔ شیفر فقرہ ۴۵-۴۶۔ [۳] "میں نہایت تعجب سے سنتا ہوں کہ عام عیسائیوں ہی میں

کے اخیر میں اسپین کے بیشمار یہودی اُس میں پناہ کے لیے آئے۔ اور یہ عثمانیہ حکومت تھی جس کے سایہ میں کاسک قوم کو جو قدیم طرز کا عیسوی مذہب رکھتی تھی اور جس پر روس کے شاہی کلیسا نے سخت ظلم کیے تھے وہ مذہبی آزادی ملی جس کو ہم مذہب عیسائیوں نے دینے سے قطعی انکار کر دیا تھا جب قوم پول کے لوگوں نے جو رومن کیتھولک (جاثلیقی) عیسائی تھے قدیم مشرقی کلیسا کے عیسائیوں پر ظلم کیے تو سترہویں صدی عیسوی میں مکاریوس انطاکیہ کے بطریق نے اپنے تئیں اس عبارت میں مبارکباد دی کہ "ہم اُن ہزاروں شہیدوں پر روئے جن کو ان ناپاک لوگوں نے (پول) جو مذہب کے دشمن ہیں چالیس یا پچاس برس میں قتل کیا۔ مقتولوں کی تعداد ستر اور اسی ہزار کے قریب تھی۔ اے کافرو۔ اے ناپاکی کے شیطانو۔ اے پتھر کے دل رکھنے والو۔ عورتوں نے تمہارا کیا لیا تھا۔ لڑکیوں اور لڑکوں اور معصوم بچوں نے تمہارا کیا کیا تھا کہ تم نے اُن کو مار ڈالا .... اور میں قوم پول کو کس لیے ملعون کہتا ہوں؟ میں اس لیے اُن پر لعنت کرتا ہوں کہ عیسائیوں پر ظلم کر کے اور یہ سمجھکر کہ یونان کے کلیسا کو وہ مٹا دیں گے اُنھوں نے اپنے تئیں اُن لوگوں سے بھی زیادہ ذلیل اور شریر ثابت کیا جو بتوں کے پوجنے والے ہیں۔ خدا ترکوں کی سلطنت کو ہمیشہ اور ہمیشہ کے لیے قائم رکھے۔ وہ جزیہ لے لیتے ہیں اور ہمارے مذہب سے کچھ بحث نہیں رکھتے۔ خواہ اُن کی رعایا عیسائی ہو یا نصرانی۔ یہودی ہو یا سامارتی۔ لیکن اس ملعون قوم پول کے لوگوں نے عیسائی بھائیوں سے جنھوں نے اُن کی خدمت اور غلامی تک قبول کی محصول اور آمدنی کا دسواں حصہ ہی لیکر بس نہیں کی بلکہ عیسائیوں کو مسیح کے دشمنوں یعنی ظالم یہودیوں کے حوالہ کیا جنھوں نے اُن کو گرجا تعمیر کرنے نہ دیے اور کسی قسیس کو اُن میں رہنے نہ دیا۔ جو اُن کے مذہب کے بھیدوں سے واقف ہوتا۔"

بقیہ صفحہ ۱۷۳۔ یہ مشہور نہیں ہے کہ ترکوں کی سلطنت میں رہنا اچھا ہے کیونکہ جب ایک ڈکٹ دیدیا جاتا ہے تو عیسائی بالکل آزاد ہو جاتے ہیں اور ترک اُن کو مذہبی آزادی دیتے ہیں اور وہ اپنے گرجاؤں میں نماز کیلیے جا سکتے ہیں بلکہ اعلیٰ درجہ کے عیسائی بھی ایسے ہیں جنکو ترکوں کی نسبت یہ اچھے خیالات رکھنے ہرگز مناسب نہ تھے لیکن وہ ان باتوں سے خوش ہوتے ہیں گویا اپنی مصیبتوں پر خوش ہیں۔ یہ بات خطرناک ہی نہیں ہے بلکہ کافرانہ بیباکی ہے اور سوائے بدبختی پھیلانے کے یہ حالت کسی اور چیز سے پیدا نہیں ہوتی اس بات کا نتیجہ یہ ہوگا کہ عیسائی اپنے مذہب سے برگشتہ ہو جائینگے اور عیسوی دین بیخ و بنیاد سے اکھڑ جائیگا۔ ''دشیفلر۔ فقرہ ۸۰ – ۱۵۰۹ء ہیرظرگ صفحہ ۶۵۰ ۔ ۵۲ ؎ دے لاجونقیر صفحہ ۳۴

سترہویں[1] صدی میں موریا کے یونانی عیسائیوں نے چودہ برس تک وینس والوں کے پنجۂ عذاب میں رہکر اپنے قدیم فرمانروا ترکوں کا خیر مقدم کیا جن کی حکومت کا اُن کو پہلے تجربہ ہو چکا تھا۔ اٹلی[2] کے ملک میں بھی ایسے لوگ موجود تھے جن کو ترکوں کا اس امید میں انتظار تھا کہ مسلمانوں کی اطاعت قبول کرنے کے بعد اُن کو بھی وہ مذہبی آزادی ملے گی۔ جس کا عیسائی گورنمنٹ سے ملنا امید لاحاصل تھا۔ پس[3] یہ بات صاف ظاہر ہو کہ سلطان ٹرکی کی سلطنت میں اسلام ہرگز تلوار کے زور سے نہیں پھیلا۔ شاید انحطاط سلطنت کے زمانہ میں ٹھیک ٹھیک انصاف کے نہونے سے اور خاص خاص ترکی حاکموں کے ظلم سے بعض عیسائی مذہب تبدیل کر کے اپنی حالت کی اصلاح پر مجبور ہوئے ہوں لیکن ایسے ظلم کے واقعات ترکی سلطنت کی پہلی دو صدیوں میں شاذ تھے۔ مگر ان ہی دو صدیوں کا زمانہ وہ تھا جس میں عیسائیوں نے کثرت سے اسلام قبول کیا۔ اور ترکوں کو تبلیغ اسلام کا بہت خیال اور جوش تھا۔ لیکن اپنے قانون کے مطابق اُنہوں نے عیسائیوں کو مذہبی آزادی دے رکھی تھی اگر اس حالت میں ترکوں نے اپنے قوانین سے تجاوز نہیں کیا تو ضرور تعجب کی بات ہو۔ گر ایک عیسائی نے جو بائیس برس تک ترکوں میں قید رہا یہ لفظ لکھے ہیں کہ ترکوں نے کسی شخص کو اپنا مذہب چھوڑنے پر مجبور نہیں کیا[4]" اور عیسائیوں سے بھی اس قول کی تصدیق ہوتی ہو۔ ایک انگریز جس نے سترہویں صدی عیسوی کے شروع میں ٹرکی کا سفر کیا لکھتا ہو[5]۔ کہ یہاں کسی شخص کے ایمان (کونشنس) پر جبر نہیں ہوتا اور اگر ایسا ہو بھی تو بغیر کسی جرم کے موت کی سزا کا خوف کسی صورت میں دلایا جاتا[6]" ۱۶۶۳ء میں اس تحریر کے ۳۰ برس بعد

[1] مکاریوس پہلی جلد صفحہ ۱۸۳ - ۱۲۵ [2] دی لاجونغیر۔ صفحہ ۲۴۲۔ فلنے پانچویں جلد صفحہ ۲۲۲ [3] " عیسائیوں نے اپنے دل میں آزادی کا عجب خیال پیدا کر رکھا ہو۔ اگر عیسوی حکومت میں ان عیسائیوں نے کوئی بات حاصل کرنی چاہی اور اُس سے مایوسی ہوئی تو در حقیقت وہ ترکوں کو سب پر ترجیح دینے لگتے ہیں۔ اور خیال کرتے ہیں کہ ترک اس آزادی کو دینے میں بہ نسبت عیسائیوں کے زیادہ فیاض ہیں۔" ریوانس لو ڈوکی شے ویوس کونڈیتیوئی ڈیتے کرستیا نورم سب تب کا۔ صفحہ ۲۲ - ۲۲۵ مطبوعہ باسیلے ۱۵۴۳ء [4] " بعض عیسائی یہ کہا کرتے ہیں کہ ترکوں کی حکومت میں مذہب آزاد ہو[5]" ڈولسن بروفلسے ڈپر ہیکیس آیت کرستیا نوس رائتو صفحہ ۱۳۳ مطبوعہ باسیلے [6] ترکی سپو کیتے سگا رانبو۔ صفحہ ۱۰ [7] بلونٹ پہلی جلد صفحہ ۵۴۰۔

شیفلر نے لکھا کہ "ترک عیسائیوں[1] کو جبر سے نہیں بلکہ چالاکی سے مسلمان کرتے ہیں اور عیسائیوں کے دل سے مسیح کو فریب دیکر چھین لیتے ہیں کیونکہ یہ سچ ہے کہ اس زمانہ میں ترک کسی ملک کو مسلمان کرنے کی نیت سے جبر کی راہ استعمال نہیں کرتے لیکن اور طریقے ایسے اختیار کرتے ہیں جن سے مسیحی مذہب کی جڑیں چپ چاپ اُکھاڑ پھینکتے ہیں ...... اب سوال یہ ہی کہ آخر عیسائی ان ملکوں سے کہاں غائب ہو گئے۔ ملک سے وہ نکالے نہیں گئے اور نہ ترکوں کے مذہب میں اُن کو زبردستی شامل کیا گیا۔ پس ظاہر ہے کہ وہ خود اپنی مرضی سے مسلمان ہو گئے"۔

ترک سمجھتے ہیں کہ سب سے بڑا احسان جو وہ کسی کے ساتھ کرسکتے ہیں یہ ہے کہ اُس کو اسلام کی برکت دیں اور اس کام کے لیے اُنہوں نے کوئی طریقہ بغیر آزمائے نہیں چھوڑا[2]۔ سولھویں صدی عیسوی میں ڈچ قوم کے ایک سیاح نے لکھا کہ جب وہ مسجد ایا صوفیا میں کھڑا اُس کی خوبصورتی کی تعریف کرتا تھا تو اس حالت میں چند ترکوں نے میرے مذہبی خیالات پر اثر ڈالنا چاہا اور کہا کہ "اگر تم مسلمان ہو جاؤ تو جب تک زندہ ہو اس خوبصورت مسجد میں ہر روز آسکتے ہو۔ سترہویں صدی[3] عیسوی میں ایک انگریز سیاح کو بھی اسیطرح کا تجربہ ہوا۔ چنانچہ اُس نے لکھا کہ بعض وقت ترک اسلام کے جوش میں عیسائیوں سے بہت اخلاق کے ساتھ یہ سوال کرتے ہیں اور مجھ سے بھی ایک دفعہ جب میں مسجد ایا صوفیہ میں موجود تھا اُنہوں نے پوچھا تھا کہ "تم مسلمان ہو کر ہم جیسے کیوں نہیں ہو جاتے"۔ جب ترک کسی شخص کو مسلمان کرتے ہیں تو اُس کی تہنیت میں جو عام خوشیاں منائی جاتی ہیں اُن سے معلوم ہوتا ہے کہ اُن کو لوگوں کی آخرت اور عاقبت بالخیر ہونے کا کس درجہ خیال ہے۔ اور اسی خیال نے اُن کو اس قدر پرجوش داعی بنا دیا ہے۔ نومسلم کو گھوڑے پر سوار کرتے ہیں۔ اور شہر کے بازاروں میں بڑی خوشیاں مناتے ہوئے نکلتے ہیں۔ اگر دریافت ہوتا ہے کہ یہ شخص سچے اعتقاد سے مسلمان ہوا ہے اور شریف آدمی ہی تو اُس کی نہایت درجہ عزت کرتے ہیں اور اُس کی گذر اوقات

[1] شیفلر۔ فقرہ۔ ۵۱-۵۲۔ [2] دوسا صفحہ ۴۸۔ بوسبک صفحہ ۱۹۰۔ [3] طامس سمتھ صفحہ ۳۲۔

کیلیے بندوبست کردیتے ہیں[۱]۔ الاکساندر روس کے اس قول کی تصدیق میں مضبوط شہادت موجود ہے کہ "ترک عیسائیوں کے تبدیل مذہب یا تخریب مذہب میں نہایت سرگرم ہیں۔ تاکہ عیسائی اُن کے مذہب میں جولا مذہبی کا دین ہے داخل ہوں (نعوذ باللہ) ہر روز اپنی مسجدوں میں وہ دعا مانگتے ہیں کہ عیسائی قرآن کو تسلیم کرنے لگیں اور مسلمان ہو جاویں۔ اس کام میں ترکوں نے کوئی طریقہ خوف یا خوشامد جزا یا سزا کا بغیر آزمائش کیے نہیں چھوڑا ہے[۲]"

عیسائیوں کو مسلمان کرنے کے یہ طریقے ایسے تھے جن کو عیسائیوں کی سوسائیٹی کی حالت نے بھی زیادہ تر مؤثر اور کارگر ثابت کیا۔ ان حالتوں میں سب سے بڑھکر کلیسائے یونان کی خراب حالت تھی۔ اوّل تو بازنتین سلطنت یعنی روم کی عیسوی سلطنت سابقہ اختیارات میں مطلق العنان رہ چکی تھی اور پھر اُمور دینیہ میں قسیسوں کو وہ خود مختاری ملی تھی کہ رعایا کی عقلی قوتیں مذہبی احکام کے بوجھ سے جنہوں نے اخلاقی اور دینی مسائل پر ہر طرح کی بحث کو ممنوع قرار دیا تھا بالکل کچل گئی تھیں۔ صرف ایک بات البتہ ایسی تھی جس نے عیسائیوں کو اس مفلوج حالت میں حس و حرکت دے رکھی تھی۔ اور وہ یہ تھی کہ رومن کیتھولک کلیسا کے خلاف سخت مباحثے برپا تھے جس میں وہ تمام بے لطفیاں جو مذہبی مناظروں اور قومی منافرت کا خاصہ ہیں جاری تھیں۔ عام عیسائیوں کا مذہب خراب ہوتے ہوتے ظاہرا رسوم کی پابندی رہ گیا تھا۔ اور سارا مذہبی جوش اس میں صرف ہوتا تھا کہ حضرت مریم اور مسیحی اولیا کی پرستش کریں اور تصویروں اور تبرکات کو پوجیں۔ جب کلیسا کی روحانی زندگی اس درجہ خراب ہوئی اور اس قسم کے مسائل پر مباحثے ختم نہ ہوئے کہ روح القدس

[۱] طامس سمتھ صفحہ ۲۰۰ - بلونٹ پہلی جلد صفحہ ۴۸۵ - جرجیوز صفحہ ۲۰ [۲] الاکساندر روس صفحہ ۹ - مقابلہ کرو ریکوٹ پہلی جلد صفحہ ۲۷ "ترک سمجھتے ہیں کہ کسی غیر مذہب والے کو مسلمان کرنا بڑی بات ہے۔ کوئی ترک جسکے پاس اتنا روپیہ بھی ہو کہ ایک غلام رکھ سکے ایسا نہیں ہے جسکو ایسی کم عمر غیر مذہب کے آدمی کی ضرورت نہ ہو جو بغیر مشکل کے ہر قسم کی ہدایتیں قبول کرے۔ تاکہ آقا کو یہ کہنے کا موقع ملے کہ اسکو میں نے مسلمان کیا ہے اور مسلمانوں کی تعداد بڑھانیکی عزت کا مستحق ہوں"

خدا سے یا مسیح سے نکلا ہو اور یہ کہ مقدس عشاء میں خمیری روٹی کھانی چاہیے یا سادی تو بہت عیسائی ایسے تھے جو ان باتوں سے بیزار ہو کر توحید کی اسلامی تعلیم کو جو بہت صاف اور جلد سمجھ میں آتی تھی تسلیم کرنے لگے[۵۱]۔ یہ بیان کیا گیا ہے کہ کثرت سے عیسائیوں نے اسلام قبول کیا۔ جنمیں عام لوگ ہی نہ تھے بلکہ ہر طبقہ اور درجہ کے عالم اور شریف عیسائی شامل تھے جن قسیسوں اور رہبانوں نے اسلام قبول کیا اُن کے فائدہ کیلیے ترکوں نے سامان مہیا کر دیے تاکہ اور عیسائیوں کو بھی اُن کی مثال سے مسلمان ہونے کی ترغیب ہو[۵۲] ۱۴۵۳ عیسوی سے پہلے کہ ابھی تک ترکوں کا دارالحکومت اور یہ نوپل تھا سلطان کے دربار میں ایسے عیسائیوں کا ہجوم رہتا تھا جو مسلمان ہوگئے تھے۔ اور ان ہی نومسلموں میں سے اکثر لوگ دولت عثمانیہ کے ارکین تھے۔ روم کے عیسائی شہزادے اکثر مسلمان ہوگئے۔ اور مسلمانوں نے ان کا خوشی سے استقبال کیا ان عیسائی شہزادوں میں سب سے پہلا شہزادہ جو ۱۱۴۰ عیسوی میں مسلمان ہوا جان کمینز کا بھتیجا تھا اور اسلام لانے کے بعد سلطان مسعود والی قونیہ کی بیٹی سے اُس نے شادی[۵۳] کی فتح قسطنطنیہ کے بعد عام عیسائیوں کے مقابلہ میں اعلیٰ درجہ کے عیسائی اسلام قبول کرنے کی طرف زیادہ رغبت رکھتے تھے۔ عیسائی امرا میں سے جن امیروں نے اسلام قبول کیا اُن میں بہت لوگ وہ تھے جو شاہی خاندان پے لیولوگی کا نام رکھتے تھے طربیزوند

---

۵۱ یہ بیان ایک گمنام شخص کا ہے جو ترکی میں ۱۴۳۶ سے ۱۴۵۸ء تک قید میں رہا (ترکے سیور کیتے سگلاتیو صفحہ ۱۰۱ الف)

۵۲ ترکے سیور کیتے سگلاتیو صفحہ ۱۰۱ (ب) تھیلینی کے مطران لیونارڈو نے جو قسطنطنیہ کی فتح کیوقت موجود تھا اُن عیسائیوں کا حال لکھا ہے جو مسلمان ہوگئے تھے اور محاصرہ کرنیوالی فوج میں شامل تھے۔ مطران کا بیان یہ ہے کہ "قسطنطنیہ کو کس نے فتح کرایا مسلمانوں کو حکومت کرنی کس نے سکھائی ہے کینے عیسائیوں نے میں گواہ ہوں کہ یونانیوں۔ جاثلیقی عیسائیوں جرمن اور ہنگری کے لوگوں اور عیسائی قوموں کے آدمیوں نے (باوجودیکہ عیسوی مذہب میں انکو تعلیم ملی تھی) ترکوں کی صحبت سے اُن کا مذہب اور اُن کے کام اختیار کیے اور قسطنطنیہ کا محاصرہ کرکے اُس کو چھینا۔ اے ناپاک لوگو جنہوں نے مسیح سے انکار کیا۔ اے مسیح کے دشمنوں کے ساتھیو اے دوزخ کی آگ کے مستحق اب تمہارا ہی دور دورہ ہے (سانسووینو صفحہ ۲۵۸)

۵۳ کروسیب۔ دی بیزانیتیز دیس تیلا لترز۔ صفحہ ۳۰۵ (مطبوعہ ہالے) ۱۸۶۹ء۔

کے جارج امیرو ظیفر نے جو با عالم متبحر تھا اخیر عمر میں عیسائی مذہب ترک کیا اور اسی طرح اور بڑے درجے کے عیسائیوں کے نام دریافت ہوتے ہیں جنہوں نے اسلام قبول کیا[۵۱]۔ اسلام میں صرف اس بات کی ضرورت تھی کہ کلمہ لا الہ الا اللہ محمد الرسول اللہ کا اقرار کریں[۵۲]۔ چنانچہ ایک گنام مصنف لکھتا ہو کہ جو کچھ مشکل تھی وہ اسی بات میں تھی کہ اس کلمہ کا اقرار کیا جاوے۔" اگر کسی آدمی نے اس کا یقین اپنے دل میں پیدا کر لیا کہ وہ ایک خدا کا معتقد ہے تو مذہب کے بھیس میں اس غلطی کا زہر اُس میں دوڑ جاتا تھا۔ یہ وہ گناہ کا چٹان تھا جس سے بہت لوگوں نے ٹکر کھائی اور اس دام میں گرفتار ہو گئے جو اُن کی روحوں پر عذاب لایا (نعوذ باللہ) یہ بھی وہ چکی کا پاٹ ہے جو بہت لوگوں کے گلے کا طوق بنا اور جس نے ان کو مایوسی کے غار میں گرا دیا۔ کیوں کہ جب یہ احمق سنتے ہیں کہ ترک بت پرستی کو نیست و نابود کرنا چاہتے ہیں اور ہر تصویر اور مورت سے ایسی ہی نفرت کرتے ہیں گویا وہ دوزخ کی آنچ ہے اور ہمیشہ ایک ہی خدا کا اقرار اور وعظ کرتے ہیں تو پھر ان لوگوں کے دل میں کسی شبہ یا بدگمانی کی جگہ باقی نہیں رہتی (انتہی)"

مشرقی کلیسا کے عیسائیوں کو جس وقت اس بات کی خواہش ہوئی کہ مذہب کا کوئی صاف اور سادہ اُصول ایسا دریافت ہو جائے جیسا فرقہ پالیسیس کا اُصول تھا جس کو چند صدیاں گذری تھیں کہ خود عیسائیوں نے بدعت قرار دیکر مٹا دیا تو ایسی صورت میں اسلام ہی وہ مذہب تھا جس میں عیسائیوں نے قدرتی طور پر اپنے لیے پناہ تلاش کی۔ پالیسیئن تحریک کا مضمون یہ تھا کہ کلیسائے یونان کے تعصبات پر اور تصویروں اور تبرکات اور بزرگان دین کی پرستش پر اعتراض کیا جاوے اور اس بات کی کوشش ہو کہ مذہب زیادہ صاف ہو جاوے اور مذہبی زندگی میں زیادہ پاکیزگی ہو جاے۔ چونکہ سترہویں صدی عیسوی تک بلغاریہ میں فرقہ پالیسیئن کے لوگ موجود تھے[۵۳] اس لیے مسلمان فاتحوں کو

---

[۵۱] ہیر ظبرگ۔ صفحہ ۶۱۶۔ فنلے پانچویں جلد۔ صفحہ ۱۱۸ [۵۲] ترگلے سپور گیتے سگلا یتو۔ صفحہ ۱۹ (الف) [۵۳] ریکوٹ پہلی جلد صفحہ ۷۱۰۔ ۷۱۱۔ پیزی۔ ۴۹۔ (ب)

بہت عیسائی ایسے ملے جو کلیسائے یونان کے عقائد اور عمل سے مطمئن نہ تھے۔ اور چونکہ کوئی صورت ایسی نہ تھی جس سے پروٹسٹنٹ مذہب کے کلیسا جاری ہو سکتے جیسے یورپ کے مغربی ملکوں میں جاری ہوئے تھے اس لیے ان غیر مطمئن طبیعتوں کو اسلام بلاشبہ بہتر مذہب معلوم ہوا۔ سترہویں صدی کے شروع میں یونان کے کلیسا کو جو پروٹسٹنٹ مذہب میں شامل کرنے کی عبث کوشش کی گئی اُس کے نتیجے کی طرف سے بہرنہج یہ خیال ہو سکتا ہو کہ بہت عیسائیوں نے اسلام قبول کر لیا ہو گا۔ اس تحریک کا بڑا حامی سرل لوکاریوس تھا جو ۱۶۲۱ء سے ۱۶۳۸ء تک قسطنطنیہ کا پانچ دفعہ بطریق ہوا۔ سرل لوکاریوس جوانی کی عمر میں وٹن برگ اور جنیوا کی یونیورسٹیوں میں جہاں پروٹسٹنٹ علوم کا چرچا تھا دینیات کی تعلیم کے لیے گیا تھا۔ اور جب وہاں سے واپس آیا تو جنیوا ہالنڈ۔ اور انگلستان کے علماے پروٹسٹنٹ سے اُس نے خط و کتابت رکھی۔ لیکن نہ تو کلیسائے انگلستان کے عقائد کی طرف اس کو توجہ ہوئی اور نہ فرقہ لوتھر کی طرف اس کو میلان خاطر ہوا بلکہ جان کالون کے مذہب کی طرف[1] اُس کو بہت رغبت پیدا ہوئی۔ اور اسی مذہب کو اُس نے یونان کے کلیسا میں جاری کرنا چاہا۔ اس کوشش میں جنیوا کے کالوینی فرقہ نے اُس کی بہت مدد کی اور ایک نوجوان کالوینی کو جس کا نام لیجر تھا اور جو دینیات کا بڑا عالم تھا قسطنطنیہ بھیجا تاکہ کالوینی دینیات کو یونانی زبان میں ترجمہ ہونے کے وقت وہ مدد دے۔ قسطنطنیہ میں پروٹسٹنٹ مذہب کے جو انگریزی اور ڈچ سفیر رہتے تھے[2] اُنھوں نے بھی بڑی فیاضی سے روپیہ دے کر اس کام میں سرل کی مدد کی۔ لیکن فرقۂ یسوعی کے لوگ جن کے معاون رومن کیتھولک سفیر تھے سرل کی مخالفت کے لیے تدبیریں سوچنے لگے۔ یہاں تک کہ یونانی قسیسوں نے سرل کے مار ڈالنے کی تجویز کی۔ ۱۶۲۹ء عیسوی میں سرل نے مذہب کے اقرارات شائع کیے تھے جس کا مقصد ایسا معلوم ہوتا تھا کہ کلیسائے یونان کے عقائد کو مذہب جانیفی (رومن کیتھولک) کے

[1] نیجر صفحہ ۱۶۴-۱۶۲۔ [2] نیجر صفحہ ۱۸۳۔

خلاف دکھا کر پروٹسٹنٹ مذہب سے اُس کی مطابقت ثابت کرے[1]۔ کالون کے مذہب سے اُس نے مسئلہ تقدیر اور صرف ایمان سے نجات ملنے کا مضمون اقتباس کیا تھا کلیسا کے معصوم ہونے کو اُس نے تسلیم نہ کیا تھا اور انجیل کی تفسیر میں کلیسا کے اختیارات سے بھی انکار کیا تھا۔ تصویروں کی پرستش کو بُرا کہا اور مسئلہ تقدیر کے متعلق جو کچھ سرل نے تحریر کیا اُس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ کالون کی تعلیم بہ نسبت کلیسائے یونان کی تعلیم کے زیادہ رغبت رکھتا تھا۔ جب یہ اقرارات[2] شائع ہوئے جن سے ظاہر ہوتا تھا کہ گویا کل کلیسائے یونان کے جن کا سرل افسر ہے ایسے ہی عقائد ہیں تو یونانی کلیسا کے تمام قسیسوں کو سرل سے سخت مخالفت پیدا ہوئی۔ اور سرل کی موت کے چند ہفتہ بعد ان قسیسوں کی مجلس قرار پائی جس میں سرل کے عقائد اور رائے کی نسبت فیصلہ کیا گیا کہ سب مل کر اُس پر لعنت کریں ۱۶۴۲ء عیسوی میں ایک دوسری مجلس قسطنطنیہ میں اسی مقصد سے جمع ہوئی اور اس مجلس نے سرل کے ایک ایک قول کو رد کرنے کے بعد اس عبارت میں سرل اور سرل کے معتقدوں کو ملعون کیا "ہم سب ایک رائے اور بغیر مشروط الفاظ کے سرل کے تمام اقرارات پر لعنت کرتے ہیں کہ وہ بدعتوں سے پُر ہیں اور ہمارے کلیسا سے بالکل مختلف ہیں۔ اور ہم اعلان کرتے ہیں کہ ان اقرارات کا مؤلف ہمارے مذہب کی کوئی بات اپنے میں نہ رکھتا تھا۔ بلکہ اُس نے عداوت اور دروغ بیانی سے اپنے کالونی عقائد کو ہمارے ساتھ منسوب کیا۔ تمام وہ لوگ جو ان اقرارات کو پڑھیں اور ان کو سچا اور بے عیب سمجھیں اور تقریر یا تحریر سے اُن کی طرفداری کریں تو ہم ایسے لوگوں کو ایمان والوں کی جماعت سے خارج کرتے ہیں کہ وہ سرل کی بدعت میں شریک اور عیسوی کلیسا کے مخرب ہیں اور ہم حکم دیتے ہیں کہ ایسے لوگوں کو خواہ اُن کا کیسا ہی درجہ اور منصب ہو کافر اور مرتد خیال کیا جاوے۔ پس وہ کلیسا سے ہمیشہ کے لیے خارج کیے جاتے ہیں اور اُن کا تعلق اس زندگی میں باپ

[1] ڈریپر۔ صفحہ ۱۷۸ [2] ڈریپر صفحہ ۱۸۳ - ۱۸۴ -

اور بیٹے اور روح القدس سے قطع ہوگیا۔ اُن پر لعنت ہو اور وہ کلیسا سے خارج رہیں اور موت کے بعد غارت ہو جاویں اور ہمیشہ کے عذاب سے اُن کو حصہ ملے" (قولہ انتہیٰ) [۱] ۱۶۷۲ء عیسوی میں ایک تیسری مجلس بیت المقدس میں قرار پائی تاکہ سرل کے بدعتی اقرارات کے خلاف اپنی رائے ظاہر کرے اور کلیسائے یونان کی سچائی کو اُن لوگوں کے مقابلہ میں قائم رکھے جو یونان کے کلیسا کی نسبت رکھتے تھے کہ اُس میں کالون کے عقاید موجود ہیں۔ پس اس کلیسا کو پروٹسٹنٹ مذہب میں لانے کے لئے جو کوششیں کی گئیں اُن میں مطلق کامیابی نہوئی مذہب کالون کے عقائد کلیسائے یونان کی تعلیم سے بالکل مختلف تھے۔ بلکہ اُس میں بہت سے مسائل فقہ ایسے تھے جو بہ نسبت یونانی کلیسا کے اسلامی علماء کے عقائد سے زیادہ موافقت رکھتے تھے۔ اور جن کے خلاف کلیسا نے مسلمانوں سے اکثر مناظرہ کیا تھا۔ اور یہی موافقت تھی جس سے اس بات کی ضرورت داعی ہوئی کہ اشاعت اسلام کی تاریخ میں اس تحریک کو جو یونانی عیسائیوں میں کالون کے مذہب کو رائج کرنے کیواسطے ہوئی لکھا جاوے۔ پس وہ عیسائی جو تصویروں کی پرستش کو بہت بُرا کہتے تھے اور قسیسوں کے احکام بلکہ قسیسی سرشتہ کو قطعاً ناجائز سمجھتے تھے اور جو انسان کو فاعل مختار نہ جانتے تھے اور جن کو کالون کے سخت مذہبی مسائل سے پوری عقیدت تھی اور جن میں عہد جدید کی بہ نسبت عہد عتیق کی باتوں کا زیادہ چرچا تھا تو ایسے عیسائیوں کو کلیسائے یونان کے مقابلہ میں جیساکہ سترہویں صدی میں اس کلیسا کا حال تھا اسلام بہتر مذہب معلوم ہوا ہوگا۔ اور کچھ شبہ نہیں کہ اُس زمانہ میں جو عیسائی مسلمان ہوئے اُن کو پہلے ہی سے اپنے بزرگوں کے کلیسا اور مذہب سے علٰحدگی ہو کر کالون کے مذہب کی طرف میلان خاطر ہوا۔ [۲] کوئی ٹھیک اطلاع اس کے متعلق نہیں ملتی کہ سرل کے معتقد تعداد میں کس قدر تھے اور یونانی کلیسا پر کالون کے مذہب کا کس قدر اثر پڑا۔ یونانی قسیس اپنے کلیسا کے

[۱] نیل صفحہ ۲۲۶۔ [۲] ترکوں میں عیسائی غلاموں کی نسبت مشہور تھا کہ جو پروٹسٹنٹ مذہب رکھتے ہیں اُن کو بہ نسبت رومن کیتھولک عیسائیوں کے اسلام قبول کرنے کی طرف زیادہ رغبت ہو (گملن صفحہ ۲۱)۔

نہایت حامی تھے اور اُنھوں نے نہایت فخر و مباہات کے ساتھ اپنے کلیسا کی سچائی کو قائم رکھا تھا اور بدعت سے اس کو پاک ثابت کیا تھا۔ لیکن جب اُس پر کالوینی مذہب سے اتفاق رکھنے کا اتہام لگا تو اُنھوں نے بے دین سرل کو ایسا ظاہر کیا کہ گویا وہ اپنے عقائد میں تنہا ہے اور کوئی اُس کا ہم خیال نہیں[۱]۔ مگر اس میں شبہ نہیں کہ سرل کے پیرو موجود تھے۔ اور جو اقرارات اُس نے شائع کیے تھے اُن کو ایک مذہبی مجلس نے جس میں صرف سرل کے پیرو جمع تھے تسلیم کیا تھا[۲]۔ جن لوگوں نے اُس کی بدعت سے اتفاق ظاہر کیا تھا اُن کو ۱۶۴۲ء میں قسطنطنیہ کی مجلس نے اور ۱۶۷۲ء میں بیت المقدس کی مجلس نے کلیسا سے خارج[۳] کیا۔ اگر سرل کے پیرو اور ہوا خواہ موجود نہ ہوتے تو دوبارہ مجلس کے جمع کرنے کی ضرورت کیوں ہوتی؟ علاوہ اس کے سرل کے ماننے والوں میں سے چند لوگوں کے نام بھی تحریر ہوئے ہیں۔ ان میں سے ایک شخص سوفرونیوس شہر اثینا کا مطران[۴] تھا جو پروٹسٹنٹ مذہب کا بڑا طرفدار تھا۔ دوسرا شخص نیکو دیوس تیباراس تھا جو چھاپنے کی ایک کل لندن سے لایا تھا اور مذہبی رسالے شائع کر کے مشتہر کرتا تھا۔ اس خدمت کی عوض میں سرل نے اس کو ایک علاقہ کا مطران کر دیا[۵] تھا۔ کوریدالیوس فلسفی نے جو سرل کا دوست تھا کالوینی مذہب کی تعلیم کے لیے قسطنطنیہ میں ایک مدرسہ کھولا تھا۔ ایک یونانی جرجانیوس نامی نے سوال و جواب کی ایک کتاب چھاپی تھی جس کا مقصد یہ تھا کہ کالون مذہب کو اپنے ہموطنوں[۶] میں شائع کرے۔ سرل نے ایک خط جس پر جولائی ۱۶۳۶ء کی تاریخ تھی جنیوا کی یونیورسٹی کو لکھا کہ لیجر نے بہت سے لوگوں کو کالوینی دین میں وعظ اور تلقین[۷] کے ذریعہ سے شامل کر لیا ہے۔ ایک اور خط میں جو سرل نے لیجر کے نام بھیجا لکھا تھا کہ جزیرہ کانڈیا[۸] میں اُس نے اپنا رسوخ کس طرح پیدا کیا۔ سرل کے بعد جو شخص بطریق مقرر ہوا وہ جلا وطن کر کے کارتیج کو روانہ کیا گیا جہاں سرل کے معتقدوں نے گلا گھونٹ کر اُس کو

---

[۱] نچلز۔ صفحہ ۲۱۱۔ ۲۲۰ [۲] نچلز صفحہ ۲۲۸ و ۱۹۱ [۳] نچلز صفحہ ۲۲۲ و ۲۲۶ [۴] نچلز صفحہ ۱۸۳ [۵] ۱۲۸ و ۱۳۲ و ۱۴۳۔
[۶] نچلز صفحہ ۱۸۳ [۷] نچلز صفحہ ۱۸۲۔ [۸] ہنل۔ پہلی جلد۔ صفحہ ۴۷۳۔

مار ڈالا[1]۔ بارتھی نیوس دوم جو سنہ ۱۶۴۴ء میں سنہ ۱۶۴۶ء تک قسطنطنیہ کا بطریق ہوا۔ کالون کے مذہب کا دل سے معتقد تھا۔ اگرچہ اُس نے علانیہ کالون کے مذہب کی تعلیم لوگوں کو نہیں دی۔ لیکن اُس کو اس مذہب کے ساتھ ایسا حسن ظن تھا کہ آخرکار وہ بطریق کے عہدہ سے معزول ہو کر جلا وطن کیا گیا[2]۔ پس اس سے ظاہر ہے کہ کالوینی مذہب کا اثر اُس حد سے زیادہ پھیلا ہوا تھا۔ جس حد تک سرل کے دشمن اس کو تسلیم کرتے تھے۔ اور جیسا کہ اوپر بیان ہوا ہے جن عیسائیوں نے مذہبی مجلسوں کے فیصلوں سے انکار کیا جن کے بموجب سرل کلیسا سے خارج ہوا تھا تو اُن میں مسلمانوں کی باتیں زیادہ موجود تھیں اور یونانی قسیسوں کا اثر بہت کم تھا۔ یہ سچ ہو کہ کوئی مسلم الثبوت شہادت اس امر کی موجود نہیں ہو کہ ٹرکی میں کالون کے مذہبی اثر سے اسلام کی اشاعت میں آسانی پیدا ہوئی[3]۔ لیکن جب کوئی اور وجہ ترویج اسلام کی موجود نہیں تو یہ قیاس صحیح معلوم ہوتا ہو کہ جن اسباب سے سترہویں صدی عیسوی کے وسط میں کثرت سے عیسائی مسلمان ہوئے اُن میں سے ایک سبب کالون کا مذہب بھی تھا۔ یہ زمانہ وہ تھا کہ جس میں نومسلم عیسائیوں کی تعداد ہر ایک زمانہ سے بڑھی ہوئی تھی[4]۔ اور جب کہ قسیسوں میں سے اکثر لوگوں کے مسلمان ہونے کا ذکر کیا گیا تھا بلکہ یہ تحریر ہوا تھا کہ کلیسا کے بڑے بڑے افسر اور عہدہ دار بھی مسلمان ہو گئے ان بڑے لوگوں میں سے جزیرہ روڈس کا مطران تھا جس نے اسلام قبول کیا[5]۔ سنہ ۱۶۷۹ء میں کورنتھ کے عیسائی باشندوں کی نسبت تحریر ہوا کہ ان میں سے ہر روز چند آدمی مسلمان ہو جاتے ہیں اور ایک برس پہلے سنہ ۱۶۷۵ء میں تین قسیسوں نے قبول کیا[6]۔ سنہ ۱۶۷۹ء میں ایک عیسائی راہب کی موت کا حال لکھا ہے جو مسلمان ہو کر مرا

[1] لی قین۔ توم ۱۔ صفحہ ۳۳۵ [2] لی قین توم ۱۔ صفحہ ۳۳۰ [3] تو بنگن (سنہ ۱۵۵۶ء-۱۵۶۴ء) کے پروٹسٹنٹ عالموں نے جو یونانی کلیسا میں پروٹسٹنٹ مذہب کی اشاعت کیلیے کوشش کیں اُن سے یہ نتیجہ ہوا کہ ملک جرجان میں سمرخیست کے افسر قارتارنے اگزبرگ کے اقرار (یعنی پروٹسٹنٹ مذہب) کو قبول کیا لیکن سنہ ۱۵۸۰ء میں یہ شخص مسلمان ہو گیا۔ (جوسلین صفحہ ۱۴۰) [4] شیفلر۔ فقرہ ۵۰-۵۳-۵۶ [5] قطلے پانچویں جلد صفحہ ۱۱۸-۱۱۹ [5] ہامر (۱) چھٹی جلد صفحہ ۹۴۔ [6] سپون دوسری جلد صفحہ ۵۰ [6] ہامر (۱) چھٹی جلد صفحہ ۳۶۴۔

سلطان محمد چہارم کے فرزند مصطفےٰ[۱] کا جب ختنہ ہوا تو تیرہ دن کے زمانۂ تہنیت میں دو سو عیسائیوں کے قریب اسلام لائے[۵] - غرض اس زمانہ کی تاریخ میں عیسائیوں کے مسلمان ہونے کے واقعات بکثرت نظر آتے ہیں ۱۶۶۳ء کے ایک مؤرخ نے ایسے عیسائیوں کے دل کا حال جو اپنا مذہب چھوڑکر مسلمان ہو جاتے تھے ذیل کی عبارت میں لکھا ہے "جب تم ترکوں سے اُن کی روزمرہ کی زندگی میں ملوگے اور دیکھوگے کہ وہ خدا کی عبادت کرتے ہیں یہاں تک کہ زبور گاتے ہیں - غریبوں کو خیرات دیتے ہیں اور مسیح (علیہ السلام) کی نسبت نہایت اعلیٰ درجہ کے خیالات اُن میں موجود ہیں اور انجیل کا وہ نہایت ادب کرتے ہیں اور ایسی ہی اور نیک باتیں اُن سے ہوتی رہتی ہیں اور پھر یہ کہ ایک گدھا بھی پاشاؤں کو تحفہ دیکر قسیس کا عہدہ حاصل کرسکتا ہے جو عیسوی تعلیم کی تم کو زیادہ ہدایت نہ کرے گا تو تم کو خیال پیدا ہوگا کہ ترک اچھے لوگ ہیں اور غالباً نجات کے مستحق ہیں پھر یہ سوچوگے کہ اگر تم بھی ترک ہو جاؤ تو تم کو بھی نجات ملے گی - پس اس خیال کے آتے ہی مقدس ثالوث اور خدا کا مصلوب فرزند اور مذہب کے اور راز جو سوائے نورانی عقلوں کے کوئی نہیں جانتا ہمارے دل سے محو ہو جاویں گے اور مسیحی دین بغیر معلوم ہوئے ہمارے دل سے غارت ہو جائیگا - اور تم سمجھوگے کہ عیسائی ہونا اور مسلمان ہونا ایک ہی سی بات ہے[۵]"

کلیسائے یونان کی دوسری حالت جس کی وجہ سے عیسائیوں کی تعداد میں کمی پیدا ہوئی یہ تھی کہ قسیس خاص کروہ جو اعلیٰ درجہ رکھتے تھے ذلیل اور خوار ہوگئے تھے اسقفوں کے عہدہ کا نیلام ہوتا تھا اور جو شخص سب سے بڑھکر بولی بولتا تھا اُس کو اسقف کا عہدہ ملجاتا تھا - اور یہ خریدار اپنے علاقہ کے عیسائیوں سے روپیہ لے کر اپنے نقصان کی تلافی کرتے تھے - غریب عیسائیوں پر یہ اسقف معمولی اور غیر معمولی محصول لگاتے تھے اور

[۵] بحیرۂ شام کا ابتدائی سفر مؤلفہ تھیوڈور بنٹ صفحہ ۱۰۴ مطبوعہ لندن ۱۸۹۳ء [۵] سینغلر - فقرہ - ۵۵

ان کو اصطباغ - اقرار - عشا - تدفین کے وقت اور نجات ناموں کے لیے روپیہ دے کر یہ مذہبی فرائض ادا کرنے ہوتے تھے - بعض نے ینگچری فوج کے لوگوں سے سازش کر رکھی تھی - اور اسقفوں نے اپنے کنبے والوں کے نام ینگچری کی رجمنٹوں میں لکھوا لیے تھے تاکہ لوگوں کو جو کچھ آزار پہنچائیں اُس کے انجام سے محفوظ رہیں - اور جو کچھ جرائم اُن سے سرزد ہوں اس فوج کی حمایت سے جس کو سلاطین ترک نے بہت زور پکڑنے دیا تھا اُن کو کچھ سزا نہ مل سکے[1] - اس زمانہ کے ایک عیسائی مؤرخ نے جو یونانی قسیسوں کے ظلم کے واقعات چشم دید لکھے ہیں اُن سے معلوم ہوتا ہے کہ عیسائیوں کی حالت نہایت دردناک تھی - تورنفور نے سنہ ۱۷۰۰ء عیسوی میں بطریق کے انتخاب کی نسبت لکھا ہے کہ "اُس میں شبہ کرنے کی مطلق ضرورت نہیں کہ بطریق منتخب ہونے کے بعد چین کرتا ہے - کلیسا کے عہدوں کی خرید و فروخت کے ظلم اور سختیوں کا دور شروع ہوتا ہے - پہلا فرض یہ ادا کیا جاتا ہے کہ تمام اسقفوں اور بڑے درجہ کے قسیسوں کو سلطانی احکام سے اطلاع دی جاتی ہے - پھر بطریق کے غور و تجسس کے لئے سب سے بڑی بات یہ ہوتی ہے کہ ہر ایک اُسقف کی آمدنی کو تحقیق کرے - پہلے اُسقفوں پر ٹیکس مقرر کیا جاتا ہے اور پھر ایک پروانہ تاکید کا روانہ ہوتا ہے کہ زر مطلوبہ فوراً روانہ کیا جاوے ورنہ اُن کے علاقوں کا نیلام ہو کر سب سے بڑھ کر بولی بولنے والوں کو وہ دیدیے جاویں گے - اُسقف جو پہلے ہی اس نیچ بیوپار سے واقف ہوتے ہیں قسیسوں سے محصول وصول کرتے ہیں - قسیس پادریوں پر روپیہ کی سختی کرتے ہیں اور پادری عیسائیوں سے جو اُن کے علاقوں میں ہوتے ہیں روپیہ اُگاتے ہیں - اور جب تک دام نہیں لے لیتے مقدس پانی کی ایک بوند تک نہیں چھڑکتے"۔

[1] نکلپیوس دوسرا حصہ - صفحہ ۸۳ - ۸۴ - نجار صفحہ ۲۵ -

"اگر اس کے بعد بھی بطریق کو روپیہ کی ضرورت ہوتی تو روپیہ وصول کرنے کے اختیارات وہ کسی مسلمان کے ہاتھ بیچ ڈالتا ہے اور جس کسی ترک نے ان اختیارات کے مول لینے کے لیے سب سے زیادہ روپیہ دیا وہ یونان پہنچتا ہے اور قسیسوں سے روپیہ وصول کرنا شروع کرتا ہے۔ اگر قسیسوں پر بیس ہزار کراؤن محصول لگا ہے تو یہ ترک بائیس ہزار وصول کرتا ہے۔ جن میں دو ہزار کراؤن تو اُس کی محنت کا معاوضہ ہوئے اور باقی اخراجات اسقفوں کے ذمہ پڑے۔ معاہدہ کے مطابق جو قسیس محصول نہیں دیتے اُن کو یہ ترک دینی کاموں اور منصبوں سے بے اختیار اور معزول کرسکتا ہے ۵۱" قسیسوں کی نسبت یہاں تک لکھا گیا ہے کہ وہ عیسائیوں کے بچوں کو لیجاتے ہیں اور غلام بناکر بیچتے ہیں تاکہ جو کچھ روپیہ اس طرح وصول ہو اُس سے کلیسا کے عہدوں کی خرید و فروخت کی جاوے ۵۲۔

سترہویں صدی عیسوی میں جن سختیوں سے روپیہ وصول کیا گیا اُسی کی مثل موجودہ صدی میں زیادتیاں ہوئیں۔ بوسینا کے کلیسا میں آسٹریا کے تسلط سے پہلے جو تکلیفیں عیسائیوں کو اُٹھانی پڑیں وہ تورنفور کے مذکورۂ بالا قول کی بالکل تصدیق کرتے ہیں سراجیو کا مطران دس ہزار پونڈ ہر سال اپنے علاقوں کے عیسائیوں سے لیا کرتا تھا۔ یہ رقم ترکی گورنر کی تنخواہ سے ٹھیک ۔۔ دوگنی تھی۔ اور اس کو وصول کرنے کے لئے بدنصیب عیسائیوں پر ہر طرح کا دباؤ ڈالا جاتا تھا۔ ترکی حکام کو ہدایت تھی کہ محصول وصول کرنے میں قسیسوں کی مدد کریں۔ اگر عیسائیوں نے روپیہ دینے سے انکار کیا یا اس قابل نہ ہوئے کہ جس قدر روپیہ قسیسوں ۵۳ نے طلب کیا ہے وہ دے سکیں تو دیہات کی وہ کیفیت

---

۵۱ تورنفور پہلی جلد صفحہ ۱۰۷۔ مؤرخ سپون نے بھی ایسی ہی عبارت لکھی ہے پہلی جلد صفحہ ۵۶ ۵۲ لزلی صفحہ ۱۴۰۔
۵۳ ایوانس۔ پہلی جلد صفحہ ۲۲۔ اسی طرح میکنزی اور اُربی نے لکھا ہے کہ "قدیم ملک سائبیریا کے اکثر حصوں میں اسقف کے نام کے ساتھ یہ خیال شامل ہوتا تھا کہ ترکوں کی لوٹ سے جو کچھ روپیہ بچے اس کا مالک اسقف ہوتا ہے" صفحہ ۲۵۔ یونانی قسیسوں کے حال میں ایک مصنف نے "ریویو دے دوکس ماندیس" (توم ۹۷ صفحہ ۲۳۶) میں (دیکھو صفحہ ۱۸۸)

ہوتی تھی جو لڑائی کے وقت محصور شہروں کی ہوتی ہے۔ جب خود افسران کلیسا کے ظلم اس درجہ کو پہنچے جن کا فرض تہا کہ عیسائیوں کی حفاظت کریں تو ان ظلموں کی وجہ سے جب کبھی عمدہ موقع ملا بغاوتیں برپا ہوگئیں[1]۔

پس یہ تعجب کی بات نہیں ہوسکتی کہ بہت عیسائیوں نے ان ظلموں سے بچنے کیلیے اسلام قبول کرلیا ہو[2]۔

ادنی درجہ کے قسیس اگرچہ ایسے الزاموں سے بری تھے جو اُن کے افسروں پر عائد ہوتے تھے تاہم اُن میں سے اکثر لوگ جاہل اور ناخواندہ[3] تھے۔ یہ لکھا گیا ہے کہ سترہویں صدی کے اخیر میں مشکل سے بارہ عیسائی تمام قلمرو عثمانی میں ایسے تھے جو قدیم یونانی زبان کے پورے طور پر ماہر ہوں۔ قسیسوں میں یہ بڑی لیاقت کی بات سمجھی جاتی تھی کہ وہ پڑھنا جانتے ہوں حالانکہ نماز کی کتاب میں جو الفاظ ہوتے تھے اُن کے معنے تک اُن کو معلوم نہوتے تھے[4]۔

عیسائیوں کی سوسائیٹی میں جیسی قابل نفرت باتیں تھیں ویسی ہی ترکوں کی زندگی اور خصلتوں میں وہ خوبیاں موجود تھیں جو لوگوں کو اپنی طرف رجوع کرتی تھیں۔ قدیم ترکوں کی لیاقت اور عمدہ خصائل کو جب کلیسا کے پیشواؤں اور معلموں سے مقابلہ کرتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ ان باتوں کا قدرتی طور پر ایسے عیسائیوں کے دلوںپر

(حاشیہ بقیہ صفحہ ۱۸۷) ذیل کا قصہ لکھا ہے" اس صدی کے شروع میں تربونا مقام کے ایک پادری کے ساتھہ جسکا نام جاچم تہا اور جس کے ساتھہ اُس کے ماتحت عیسائی بہت محبت کرتے تھے اُسقف کو عداوت پیدا ہوئی۔ ایک دن اُسقف نے پادری کو حکم دیا کہ ہمارے اصطبل میں بیگار پر کام کرے۔ پادری نے انکار کیا۔ انکار کرتے ہی اُسقف کے نوکروں نے لاٹھیوں سے پادری کی خوب خبر لی۔ لیکن پادری بھی مضبوط تہا۔ کچھ دیر تک اپنے تئیں بچا تارہا۔ پہر وہ اپنا چغہ چھوڑکر قاضی کے پاس پہنچا۔ اور آفتاب غروب نہوا تھا کہ یہ عیسائی پادری پکا مسلمان ہوگیا"

[1] نطیئوس۔ دوسرا حصہ صفحہ ۸۰ [2] نطیئوس۔ دوسرا حصہ صفحہ ۸۰۔ نجلر صفحہ ۲۹ [3] فنلے چوتھی جلد صفحہ ۱۵۳-۱۵۴

[4] تورنفور۔ پہلی جلد صفحہ ۱۰۴۔ مقابلہ کرو۔ نجلر صفحہ ۲۹-۳۱۔ سپیون پہلی جلد صفحہ ۴۴۔

اثر ہوا ہوگا جو یونانی کلیسا کے عہدہ داران کی خود غرضی طمع اور خیانت سے متنفر ہو گئے تھے عیسائی مصنفوں نے ہمیشہ ترکوں کی تعریف کی ہو کہ اُن کی زندگی میں نہایت خلوص ہے اور بڑے جوش عقیدت سے وہ اپنے مذہب کے فرائض ادا کرتے ہیں۔ اُن کے لباس اور طرز معاشرت میں نہایت متانت اور نفاست پائی جاتی ہو۔ اور اُن کی زندگی ایسی سیدھی سادی ہے کہ بڑے اور اختیار والے لوگوں میں بھی غرور یا نمود کا نشان نہیں۔ شہنشاہ لیوپولڈ اوّل نے جو سفارت سلطان روم کے پاس سنہ ۱۶۶۵ء میں بھیجی تو اس سفارت کے مورخ نے ترکوں کے مذہبی جوش اور پابندی وقت سے نماز پڑھنے کی بہت تعریف کی اور لکھا کہ ”عیسائیوں کو شرم دلانے کے لیے ہم کو اسوقت یہ کہنا ضروری ہے کہ عیسائیوں کے مقابلہ میں ترک اپنے مذہب کے نہایت پابند ہیں۔ اور اُن کی یہ بات عیسائیوں سے کہیں بڑھکر ہے کہ نماز کے وقت کسی ترک کا دھیان دوسری چیز کی طرف نہیں بٹتا۔ کوئی مسلمان ایسا نظر نہ آئیگا جو عبادت کے وقت عبادت میں ہمہ تن مصروف نہ ہو اور ادب اور تعظیم کی وہ کل علامتیں اُس کی صورت سے ظاہر نہ ہوتی ہوں جن علامتوں کا اپنے خالق کے لیے ظاہر کرنا اُس کی مخلوق کا فرض ہے“[۵۱]

ترکی سپاہ کو بھی اُس تعریف کا حصہ ملا ہے کہ جس کی وہ مستحق تھی۔ جب چارلس دوم نے سلطان کے پاس سفارت روانہ کی تو سفارت کے سکرٹری نے لکھا کہ جس وقت ترکی فوج ملک میں سے گذری تو ملک کے باشندوں کو کوئی شکایت اس قسم کی نہیں ہوئی کہ سپاہیوں نے اُن کا مال لوٹا ہو یا اُن کی عورتوں کو بے عزت کیا ہو جس رستہ سے فوج کا گذر ہوا تو فوج کے گذرنے سے دو یا تین دن پہلے سب شراب خانے مقفل کر دیئے گئے اور اُن پر مہریں لگا دی گئیں اور حکم تھا کہ کوئی آدمی کسی سپاہی کے ہاتھ شراب نہ بیچے ورنہ سزا موت کا مستوجب[۵۳] ہوگا۔

---

۵۱ ترگلے سپور کیتے سگلا تیو صفحہ ۱۳۔ (ب)۔ ۱۵ (ب) ۱۷ (ب) ۲۰ (الف) وینیرو صفحہ ۳۲۔ ۳۶۔ بوسبک صفحہ ۱۷۴۔
۵۲ لزلی صفحہ ۱۸۰ و ۱۸۲ ۵۳ ربکوٹ پہلی جلد صفحہ ۶۸۹۔ دیکھو جرجیوز صفحہ ۵۳۔ ۵۴۔ منا دینو صفحہ ۷۳۔

ایسے عیسائی مصنفوں نے بھی جن کو ں کے ساتھ عشق نہ تھا ترکی ملکوں کی تعریف کا فرض ادا کیا ہے۔ ان میں سے ایک مصنف نے جس نے مسلمانوں کے مذہب کی نسبت نہایت سخت توہین کے کلمے لکھے ہیں ترکوں کی نسبت لکھا ہے کہ "قرآن کی کیچڑ (نعوذ باللہ) میں بھی تم کو مسیحی نیکیوں کے جواہرات بکھرے ملیں گے مسلمانوں کی شریعت اور اُن کی تاریخ کو اگر عیسائی دقیق نظر سے پڑھیں اور اُن پر غور کریں تو اُن کو غیرت آئے گی کہ مسلمان عبادت اور پرہیزگاری اور خیرات دینے کے کیسے پابند ہیں جو وقت وہ مسجدوں میں ہوتے ہیں تو کس محویت سے خدا کی بندگی میں مصروف ہوتے ہیں۔ پاکیزگی اور تقدس اُن میں کس درجہ ہوتا ہے۔ اپنے علمائے دین کے وہ کیسے مطیع ہوتے ہیں۔ سلطان بھی سوائے اس کے کچھ نہیں کر سکتا کہ مفتی سے فتویٰ لے لے۔ پنج وقتہ نماز کے خواہ کہیں اور کسی کام میں ہوں مسلمان کیسے پابند ہیں کس طرح صبح سے رات تک کے روزے مہینے بھر تک رکھتے ہیں۔ اُن میں آپس میں کس قدر محبّت اور سلوک ہے۔ اور ایک مسلمان دوسرے مسلمان کے ساتھ کیسا مخیر ہے۔ اُن کے شفا خانوں سے جو غریبوں اور مسکینوں کے لیے اُنہوں نے بنائے ہیں معلوم ہوتا ہے کہ غیروں کے ساتھ بھی اُن کو کس قدر ہمدردی ہے۔ اگر اُن کے انصاف اور اُن کی پرہیزگاری اور نیکیوں کا خیال کریں تو ہم کو اپنے اوپر شرم آتی ہے کہ خدا کی بندگی اور آپس کے سلوک میں ہم کیسے سُست قدم ہیں۔ ہم کو اپنی بے انصافیوں پر اپنے ظالم ہونے اور پرہیزگار نہ ہونے پر شرم آنی چاہیے۔ بیشک انصاف کے دن مسلمانوں کا پلہ ہم سے بھاری رہے گا بیشک اُن کا ایمان اُن کی نیکیاں اُن کی رحمدلی وہ چیزیں ہیں جن سے اسلام کو فروغ ہوا"

زمانۂ حال کے ایک مؤرخ نے بھی یہی نتیجہ نکالا ہے[1]۔ وہ لکھتا ہے کہ "بہت سے لائق

[1] خلفائے پانچویں جلد صفحہ ۲۹۔

اور نیک بخت یونانی عیسائیوں کو خیال ہے کہ مسلمان اُن سے ہر بات میں فضیلت رکھتے ہیں عیسائی اگر بچپن میں خراج کے طور پر وصول ہو کر سلطان کے ہاں اسلامی تربیت پا نیسے بچ گئے تو زیادہ عمر میں" اُنہوں نے خود اسلام قبول کر لیا اخلاقی حیثیت سے ترکی سوسائٹی کی عمدگی کو بھی عیسائیوں کے تبدیل مذہب کا ایسا ہی سبب قرار دینا چاہیے جیسے خاص خاص عیسائیوں کے حب جاہ کو اُس کی وجہ قرار دیا جا سکتا ہے"۔

آج کل کے لوگ جو ترکی قوت کے روزانہ زوال اور اُس کی سلطنت سے ملکوں کے نکلنے کو دیکھ رہے ہیں اور اُس کا لقب "بیمار آدمی" سننے کے عادی ہو گئے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ یہ سلطنت بہت جلد مٹ جائے گی اُن کے لیے ایسے خیالات کو سمجھنا جو دولت عثمانیہ نے اپنے زمانۂ عروج میں یورپ کے ملکوں میں پیدا کیے تھے بہت دشوار ہے۔

اُس زمانہ میں ترکوں کی متواتر اور وسیع فتوحات نے یورپ کے لوگوں میں سخت خوف اور استعجاب کی حالت پیدا کر دی تھی۔ عیسائی عملداریاں ترکوں کے قبضہ میں آتی جاتی تھیں۔ بلغاریہ۔ سرویہ۔ بوسینا۔ ہنگری کی ریاستیں عیسوی ریاستیں ہونے کی حیثیت سے اپنی آزادی ترکوں کے حوالہ کر بیٹھیں۔ وینس کی نہایت مغرور سلطنت نے دیکھا کہ اُسکے ملکوں پر ترکوں کا قبضہ ہوتا جاتا ہے اور وہ کچھ نہیں کر سکتے۔ یہانتک کہ وینس کا نشان جس پر سینٹ مارک کا شیر بنا ہوا تھا صرف بحر اڈریاٹک کے ساحل پر اُڑتا رہگیا۔ جب اوٹرانٹو کو ترکوں نے فتح کیا تو روماۃ الکبریٰ کی بھی خیر نظر نہیں آتی تھی[له]۔ پندرھویں صدی عیسوی کے عیسائی اپنی تصانیف میں لکھتے تھے کہ اگر ترکوں کی ترقی کو نہیں روکا گیا تو

[له] لارڈ ہمفٹن نے اپنے کلیات میں ترکوں کی فتوحات پر چند شعر انگریزی میں لکھے ہیں جن کا نثر میں یہ ترجمہ ہے۔
"اور چمکتا ہوا ہلال یورپ کی آنکھوں میں آسیب کی طرح پھرنے لگا۔ یہانتک کہ روما کے اکثر پوپ یقین رکھتے تھے کہ ہم مرنے نہ پائیں گے اور ایک دن یہ جنگی ترک روما کے عالیشان محلوں اور کلیساؤں کی بھی صفائی بول دینگے"
لارڈ ہمفٹن کا کلیات پہلی جلد صفحہ ۱۴۲-۱۴۱-

عیسوی یورپ کی قسمت پھوٹ جائیگی - ترکوں کی نسبت لکھاکہ وہ خدا کے ہاتھ کا کوڑا ہیں تاکہ بندوں نے جو گناہ کیے ہیں اُن کی سزا دی جاوے - یا یہ کہ ترک شیطان کی قوت ہے جو مذہب کے جھوٹے بہیس میں عیسائی دین کو غارت کرنے کے لیے چھوٹی پھرتی ہے - لیکن جو بات سب سے زیادہ غور کی ہے وہ یہ ہے کہ بعض عیسائیوں کے دل میں حسب ذیل سوال پیدا ہوئے "کیا یہ ممکن ہے کہ خدا مسلمانوں کو بغیر کسی معقول وجہ کے اس طرح بے شمار تعداد میں بڑھنے دیتا - کیا یہ لاکھوں مسلمان ایک آدمی کی طرح (نعوذ باللہ) مبتلائے عذاب ہوں گے - خدا کی اس قدر مخلوق سچے دین کی کس طرح مخالف ہوسکتی ہے - کیونکہ حق کو ناحق سے زیادہ ثبات ہے اور سچائی وہ چیز ہے جس سے لوگ زیادہ الفت رکھتے ہیں اور جس کی زیادہ خواہش کرتے ہیں - یہ کسی طرح ممکن نہیں کہ اس قدر آدمی حق بات کی مخالفت پر آمادہ ہوں وہ کس طرح حق بات کے خلاف فروغ پاسکتے ہیں کیونکہ خدا سچائی کا حامی اور مددگار ہے - اگر غلطی کی کمزور اور بوسیدہ بنیاد پر مسلمانوں کا مذہب قائم ہوتا تو اُس کو ایسی حیرت خیز ترقی کب ہوسکتی تھی؟" غرض اس قسم کے خیالات تھے جو ترکی سلطنت میں عیسائیوں کے دل پر برابر اثر ڈالتے تھے - اور خاص کر اُن مصیبت زدہ عیسائی غلاموں پر ان خیالات کا اثر پڑتا تھا جو برسوں سے غلامی کی حالت میں مبتلا مایوسی کے ساتھ زندگی کاٹتے تھے اور جن کو غلامی سے آزاد ہونے اور اپنی تکلیفوں سے چھوٹنے کی اُمید باقی نہ رہی تھی - پس کیا تعجب ہے کہ کسی عیسائی غلام نے اپنے دل سے یہ پوچھا ہو کہ "اگر خدا ایسے دین سے خوش ہوتا جس کا تو سہارا لیے ہے تو وہ کبھی تجھ کو اس بیکسی کی حالت میں نہ چھوڑتا بلکہ آزادی حاصل کرنے اور اپنے قدیم مذہب میں داخل رہنے کے لیے تیری مدد کرتا - لیکن اب خدا نے آزادی کا رستہ تجھ پر بند کردیا ہے اب شاید خدا کی یہی مرضی ہو کہ تو اپنا دین و آئین چھوڑ دے اور مسلمان ہو کر نجات حاصل کرے"[۲]

---

[۱] ترکسے سپور کیتبے - سگلا یتو - ۱۲ (ب) ۱۳ (الف) [۲] ترکسے سپور کیتبے - سگلا یتو - صفحہ ۲ - (الف)

یہ مذہبی وسوسے ایک عیسائی غلام کے دل میں پیدا ہوئے تھے جس کو برسوں بیت گئے تھے اور غلامی کی مصیبتوں سے چھٹکارا نہ ملتا تھا۔ پس کوئی شبہ نہیں کہ اس قسم کے خیالات اُن بدنصیب عیسائیوں کے دل میں بھی گذرے ہوں گے جو قید خانوں میں قید تھے اور ان خیالات سے مجبور ہو کر اُنہوں نے اپنے قدیم مذہب کی بندشوں کو توڑ ڈالا ہو گا اور مسلمان ہو گئے ہوں گے۔ اگر یہ غلط قصہ کہ مسلمان غیر مذہب والوں سے کہتے تھے کہ یا تو قرآن کو مانو یا تلوار اُٹھاؤ سچ ہوتا تو بہت عیسائی ایسے تھے جو کبھی دین کے لیے لڑکر اور مر کر شہادت کا رتبہ حاصل کرتے مگر اب یہ عیسائی برسوں کی غلامی اور اسیری کی حالت میں اسلامی خیالات سے متاثر ہوتے رہے اور مہربانیوں نے اُن عیسائیوں کو مسلمان کر ڈالا جن پر ظلم کچھ اثر نہ کر سکتا تھا[۱]۔ عیسائی غلاموں کی حالت اگرچہ بہت رحم کے قابل تھی مگر وہ غلام جو ترکوں کے گھروں میں خدمتگاروں کی طرح رہتے تھے اُن کی حالت اُن غلاموں سے زیادہ خراب نہیں تھی جو یورپ کے اور ملکوں میں خدمتگاری کرتے تھے۔ اسلامی شریعت میں جو قواعد غلامی کے تھے اُنہوں نے غلامی کی شدید سختیاں دور کر دی تھیں۔ علاوہ اس کے ٹرکی میں غلاموں کے ساتھ وہ ظلم اور بے رحمیاں نہیں ہوتی تھیں جو شمالی افریقہ کی قزاقی عملداریوں میں گذرا کرتی تھیں۔ ترکوں میں غلاموں کو مثل آزاد لوگوں کے حقوق حاصل تھے یہاں تک کہ غلام کے ساتھ اگر آقا نے سختی کی تو غلام اپنے آقا کو قاضی کے سامنے بُلا سکتا تھا۔ یا اگر غلام نے شکایت کی کہ آقا کا اور اُس کا مزاج ایسا مختلف ہے کہ اُن دونوں کا ساتھ نہیں ہو سکتا تو قاضی آقا کو مجبور کرتا تھا کہ غلام کو کسی اور شخص کے ہاتھ

[۱] ترک جسم کو ایذا نہیں دیتے بلکہ پرہیزگاری کے بھیس میں ظاہرا طریق پر اُسکی خدمت کرتے ہیں۔ اپنے شیطانی فریب سے وہ روح کو جو جسم کے اندر ہی اُس کا ایمان لیکر اُسکو تلف کر دیتے ہیں بیشمار عیسائی اس بات کی تصدیق میں موجود ہیں۔ اُن میں سے بہت عیسائی ایسے تھے جو عیسوی مذہب کی حمایت میں اور روحانی نجات کی خواہش سے مرنیکو طیار ہو جاتے لیکن جسم کی تکلیف سے بچانیکے لیے اُن کو قید میں ڈالدیا اور کچھ وقت گذرنیکے بعد اسلام کا زہر اُن میں پھیلنے لگا اور مسلمانوں کی ترغیب سے عیسائیوں نے نہایت سفلہ پن سے مسیح کا دین ترک کیا" تہ لگے سیو رکیتے سگلا تیو صفحہ ۱۰ مقابلہ کرو ۴ (الف)

فروخت کر دیئے[۱]۔ عیسائی غلاموں کی حالت مختلف تھی اور اُس کا اچھا یا بُرا ہونا اس بات پر منحصر تھا کہ یہ غلام غلامی کی سختیوں کو اپنی حالت کیموافق کس درجہ تک برداشت کر سکتے تھے۔ بڑی عمر کے عیسائیوں اور قسیسوں اور رہبانوں اور ویسے عیسائی غلاموں کی حالت جو شریف نسل سے تھے سب سے زیادہ خراب تھی جو عیسائی غلام طبابت یا کوئی اور پیشہ جانتے تھے اُن کیساتھ آقاؤں کا برتاؤ اچھا ہوتا تھا کیونکہ اُنپر جس قدر روپیہ صرف ہوتا تھا اُس کا معاوضہ بخوبی مل جاتا تھا[۲] جو غلام کشتیاں چلانے پر مقرر تھے اُن کو سب سے زیادہ اذیت پہنچتی تھی۔ اُن کی حالت فی الحقیقت ایسی تھی کہ اگر حد سے زیادہ سلوک اور مہربانی بھی اُن کے ساتھ کی جاتی[۳]۔ تو بھی جو دشوار کام اُن کے ذمہ تھا اُس کی سختیاں کم نہ ہوتیں۔ علاوہ اس کے جو غلام ترکی سلطنت کا مال تھے اُن کی حالت اُن غلاموں سے نہایت خراب تھی جن کو معمولی لوگوں نے خریدا تھا[۴]۔ قاعدہ کے بموجب عیسائی غلام اپنے مذہب کی پیروی میں بالکل آزاد تھے سلطنت ٹرکی کے سرکاری قید خانوں میں گرجا بنے ہوئے تھے اور عیسائی قیدیوں کیلئے

۱؎ مناویتو صفحہ ۹۶۔ جان پیرس۔ ناویگان تیوم انگوی اتینیزان تیوم ہبلیوتیکا۔ دوسری جلد صفحہ ۸۱۹ (مطبوعہ لندن ۱۷۶۴ء)

۲؎ ترکوں کی تعریف میں یہ کہنا ضروری ہو کہ وہ اپنے غلاموں اور نوکروں کے ساتھ جنکی محنت سے وہ کسی قدر نفع اُٹھاتے ہیں اچھا سلوک کرتے ہیں اور اکثر اوقات اُن کا برتاؤ عیسائیوں کے برتاؤ سے جو وہ اپنے غلاموں اور نوکروں کے ساتھ کرتے ہیں بہتر ہوتا ہے۔ مسلمانوں میں اگر کوئی غلام کسی طرح کا پیشہ سیکھ لیتا ہو تو اُس کو سوائے آزادی کے اور کسی بات کی ضرورت نہیں رہتی۔ سوائے آزادی کے اُسکو تمام ایسی چیزیں میسر ہوتی ہیں جن کی ایک آزاد آدمی کو ضرورت ہوسکتی ہے"۔ (فون ڈن درلیش صفحہ ۱۳۲)

۳؎ سر ولیم سٹرلنگ ماکس ول نے ان غریبوں کا حال لکھا ہو کہ "ان آفت زدہ غلاموں کی زندگی جو ترکوں کے جنگی جہاز و پنچتواروں سے بندھے ہوتے تھے اُن غلاموں کی زندگی سے بہتر یا بدتر نہیں تھی جو عیسائیوں کے جہازوں پر صلیبی نشان کے سایہ میں جہاز چلاتے تھے۔ سخت کام بُرا کھانا۔ گھونسے اور طمانچے اُنکی قسمت میں ہوتے تھے۔ زمین پر جب اُترتے تھے تو شاید نیپلز اور بارسیلونا کے قید خانوں کے مقابلہ میں ٹرکی کے قیدخانے زیادہ غلیظ اور پرشور معلوم ہوتے ہوں لیکن اگر مصیبتوں کے یہی درجے قائم ہوسکتے ہیں تو سمندر پر عیسائی غلاموں کو ترکوں کی زنجیروں میں بہ نسبت عیسائیوں کی قید کے زیادہ نفع رہتا تھا۔ وجہ یہ تھی کہ سلطان کے جہازوں پر جہاز کے کھینے والے غلام ناخدا کا مال ہوتے تھے اور مالک کو اپنے مال کا خیال ایسا ہوتا تھا کہ بعض وقت اُسکے منصبی فرائض میں یہ خیال مخل ہو جاتا تھا"۔ (پہلی جلد صفحہ ۱۰۲ - ۱۰۳) ۴؎ گلن صفحہ ۱۶۔

قسیس مقرر تھے اور اُن کو حکم تھا کہ غلاموں کو جو کشتیاں چلانے پر مقرر ہیں مذہبی دلجوئی اور اطمینان ضرورت کے وقت دیں[1]۔ عیسائی غلام جو مسلمان ہو گئے اُن کی تعداد بہت تھی۔ بعض واقعات ایسے بیان کیے گئے ہیں جن میں مذہب چھوڑنے کے لیے ان غلاموں پر سختی کی گئی[2]۔ لیکن قاعدہ عموماً یہ ہی تھا کہ مذہب چھوڑنے پر آقا اپنے غلاموں کو بہت کم مجبور کرتا تھا البتہ غلامی کے شروع زمانہ میں عیسائی غلاموں پر زور ڈالا جاتا تھا کہ وہ اسلام قبول کریں لیکن اس کے بعد اگر اُن پر کچھ اثر نہوا تو اُن کو اپنے مذہب پر قائم رہنے دیتے تھے[3]۔ اسلیے اکثر غلاموں نے اپنی مرضی سے مذہب تبدیل کیا۔ جس حالت میں قسطنطنیہ میں عیسائی سفیروں کو ہر وقت اندیشہ رہتا تھا کہ اُن کے وطن کا کوئی عیسائی جو نوکری کر کے اُن کے ساتھ آیا ہے کہیں مسلمان نہ ہو جاوے تو آسانی سے سمجھ میں آسکتا ہو کہ وہ عیسائی غلام جن کو پھر وطن پہنچنے

[1] گملن صفحہ ۲۳۔ [2] جان ہیرس۔ ناویگان تیوم اتکوی اتیبزان تیوم ببلیوتیکا۔ دوسری جلد صفحہ ۱۰۸۔ [3] "ان بدقسمت لوگوں کے لیے اگر وہ جوان ہوئے تو غلامی کا ابتدائی زمانہ خاص کر سخت ہوتا ہی کیونکہ ترک اُن کو یا تو خوشامد سے اور اگر خوشامد نہ چلی تو سختی سے مسلمان کرنا چاہتے ہیں۔ لیکن جب اس طوفان سے وہ صحیح سلامت نکل آتے ہیں تو غلامی کی حالت جیسی ترکوں میں گوارا ہو سکتی ہی کہیں نہیں ہو سکتی"۔ (فون دن دریش صفحہ ۱۰۴) جرجیو زنے لکھا ہی کہ جو غلام عیسائی مذہب پر قائم رہتے تھے وہ کچھ زمانہ کے بعد آزاد کر دیے جاتے تھے۔ یہ مصنف لکھتا ہی کہ "اگر یہ لوگ عیسائی مذہب پر قائم رہے تو ایک زمانہ مقرر کر دیا جاتا تھا جسکے بعد وہ آزاد ہو جاتے تھے۔ لیکن اُن عیسائی غلاموں کیلیے جنہوں نے اپنا مذہب چھوڑ کر اسلام قبول کر لیا تو اُن کی غلامی ختم ہونیکے لیے نہ تو کوئی وقت مقرر تھا اور نہ اُن کو وطن واپس جانیکا حق رہتا تھا۔ بلکہ آزادی کی جو کچھ اُمید ان کو ہو سکتی تھی وہ اُن کے آقاؤں کی خوشی پر منحصر ہوتی تھی"۔ (صفحہ ۷۰) اسی طرح مصنف بینا وینو نے ۱۵ صفحے پر لکھا ہی۔ کان تکزی نوس نے عیسائی غلاموں کے آزاد ہو جانیکا زمانہ سات برس لکھا ہی وہ لکھتا ہی کہ "ترک اپنے غلاموں کا بہت اعتماد کرتے ہیں کیونکہ اُن کے پیغمبر نے اور احکام کے ساتھ یہ حکم بھی دیا تھا کہ غلام سات برس سے زیادہ غلامی کی حالت میں نہ رہیں کوئی مسلمان ایسا نہیں جو اس حکم کا پابند نہو"۔ (صفحہ ۱۲۸)۔

[4] پکے عیسائی جو ترکی یا اور اسلامی سلطنتوں میں آباد ہو گئے تھے اُن کے لیے کافی وجہ تھی کہ اپنے ہم مذہبوں کے اکثر مسلمان ہو جانے پر افسوس کریں۔ اس زمانہ کے قسیسوں کی تحریریں ایسی شکایت سے بھری پڑی ہیں غلاموں کی حالت پر رحم آتا تھا اگرچہ اُن سے نفرت بھی ہوتی تھی۔ لیکن آزاد عیسائیوں کی حالت سخت افسوس اور رنج کے قابل تھی۔ "عیسائی سفیروں کو کسی دن اس بات کا یقین نہیں ہوتا تھا کہ اُن کے ملازم اُن کو چھوڑ کر نہ چلدیں گے۔ اور جب تک شام نہ ہوتی تھی وہ یہ نہیں کہتے تھے کہ دن خیریت سے گذرا"۔ (گملن صفحہ ۲۲) مقابلہ کرو فون دن دریش صفحہ ۱۶۱۔

کی قطعی اُمید جاتی رہی تھی اور اُن کے لیے وہ سامان نہ رہے تھے جو مدت کے سیکھے ہوئے مذہب کو مضبوط رکھیں اور جو اُن کو نئی سوسائیٹی میں شامل نہ ہونے دیں وہ کس طرح اسلامی اثر سے جو ہر وقت اُن کے لیے موجود تھا متاثر ہوکر مغلوب ہوگئے اور کوئی روک ٹوک نئے مذہب اور نئی سوسائیٹی میں شامل ہونے کی اُن کو محسوس نہوئی سترہویں صدی عیسوی کے ایک انگریز سیاح نے ان عیسائیوں کی نسبت لکھا ہے[۱] کہ "بہت کم عیسائی ایسے ہیں جو اپنے وطن کو واپس جاتے ہوں اور اُن سے بھی کم وہ لوگ ہیں جن کو عیسائی مذہب پر جس کی اُنھوں نے تعلیم پائی تھی قائم رہنے کی ہمت اور جرأت باقی ہو اُن کی دینی تعلیم ناقص تھی اور مذہب کے اُصولوں اور دلائل کے متعلق اُن کا علم نہایت قلیل تھا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ بعض عیسائی تو اس خیال سے کہ کہیں غلامی کی مصیبتیں نہ اُٹھانی پڑیں ایسے بے صبر اور خوف زدہ ہوگئے کہ اُنھوں نے فوراً ترکوں کا مذہب قبول کر لیا۔ اور بعض اس طرح اپنے مذہب سے برگشتہ ہوئے کہ اسلامی قانون نے جن لذائذ نفسانی کو جائز رکھا تھا اُن کی طرف اُن کو رغبت ہوئی۔ علاوہ اسکے سامان ایسے موجود ہی تھے کہ تبدیل مذہب سے وہ اپنی حالت کی اصلاح کر لیں۔ پس جب ان کو اپنی نجات کی کوئی اُمید باقی نہ رہی تو اُنھوں نے اپنے نجات بخشنے والیکو اور اپنے مسیحی دین کو ترک کیا اور اپنے وطن اور ملک کو بھول گئے اور اب وہ غیر ملک والے نہیں معلوم ہوتے بلکہ ٹرکی کے اصلی باشندے سمجھے جاتے ہیں۔"

عیسائی غلاموں کا مذہب تبدیل کر کے مسلمان ہو جانا خود اُن کی مختلف طبیعت اور حالت پر منحصر تھا۔ جس گمنام عیسائی غلام کی عبارتوں کو ہم نے اوپر نقل کیا ہو اور جو عرصۂ دراز تک حالت غلامی میں رہنے کی وجہ سے ان امور کی نسبت صحیح رائے دیسکتا تھا اُس نے عیسائی غلاموں کی تین قسمیں بیان ہیں "پہلی قسم کے غلام تو وہ تھے جو

---

[۱] ٹامس سمتھ۔ صفحہ ۱۴۴-۱۴۵-

اپنے آقاؤں کے مذہب کو سمجھنے کی طرف سے بالکل بے پروا تھے اُن کے لیے صرف اس بات کا علم کافی تھا کہ ترک کافر ہیں اور جہانتک اُن کی اسیری کی حالت اور غلامی کی تکلیفیں اجازت دیتی تھیں وہ ترکوں سے اور ترکوں کے مذہب سے پرہیز کرتے تھے اور ڈرتے تھے کہ کہیں اُن کے مذہب کی تحقیق اور تفتیش میں پڑکر وہ گمراہ نہ ہو جاویں۔ پس یہ لوگ جہاں تک اُن کو علم اور قوت حاصل تھی اپنے مسیحی دین کے پابند رہے دوسری قسم کے عیسائی غلام وہ تھے جن کو ترکوں کے افعال کی چھان بین کا شوق تھا۔ اگر خدا کی مدد سے اُن کو اس قدر وقت ملا کہ ترکوں کے بھید اُن پر کھل گئے اور اُن کو اتنی سمجھ ہوئی کہ ترکوں کے مذہب کو بخوبی تحقیق کرکے اُس کا مطلب سمجھ گئے تو وہ بھی اس مرحلہ کو بغیر نقصان کے طے کرلیتے تھے اور اپنے مسیحی دین میں زیادہ پختہ ہو جاتے تھے۔ تیسری قسم کے غلام وہ ہیں جو مسلمانوں کے دین کو بغیر احتیاط کے تحقیق کرتے ہیں۔ اور اُس کی تہ کو نہیں پہنچتے۔ اس لیے وہ اپنا مذہب چھوڑکر مسلمانوں کے جھوٹے (نعوذ باللہ) دین کو اختیار کرلیتے ہیں اور اپنے ہی اوپر عذاب نہیں لاتے بلکہ دوسروں کے حق میں بھی بُری مثال پیدا کرتے ہیں۔ ایسے عیسائیوں کی تعداد بیشمار رہی ہے[۱]۔"

بعض مورخوں کا خیال ہو کہ اسلام قبول کرنے کے بعد غلام آزاد ہو جاتا تھا[۲]۔ لیکن ایسا نہ تھا اس لیے کہ آزادی کا دینا آقا کی مرضی پر موقوف تھا۔ البتہ غلاموں کے مسلمان آقا اکثر اس بات کا اقرار کرتے تھے کہ اگر اُن کے غلام مسلمان ہو جاویں تو بغیر روپیہ دیے وہ آزاد کردیے جاویں گے[۳]۔ لیکن اگر عیسائی غلام اپنے تئیں خیرخواہ نوکر ثابت کرتے تھے تو اُن کے مسلمان آقا اُن کو آزاد کردیتے تھے گو وہ عیسائی مذہب پر قائم رہتے ہوں اور ضعیفی کی عمر میں اُن غلاموں کی گذر اوقات کے لیے آقا کوئی سامان مہیا کردیتے تھے[۴]۔

---

[۱] ترکلے سپور کیتیے سگلا یتو۔ ۳۵۔ (الف) [۲] دہوسن۔ تیسری جلد صفحہ ۱۴۳۔ جرجیوز صفحہ ۰ مینا دینو صفحہ ۹۵۔
[۳] فون۔ ن ریش صفحہ ۲۵ [۴] فون ن دریش صفحہ ۱۳۱-۱۳۲-

عیسائی غلاموں کی طرح بہت سے آزاد عیسائی ایسے تھے جو اپنی قدیم سوسائٹی اور حالات سے علیحدہ ہو کر پرانے تعلقات سے اپنے کو آزاد پاتے تھے۔ اور اب ایسی سوسائٹی میں اُن کی زندگی بسر ہوتی تھی جو بالکل نئے مذہبی اور سوشل خیالات سے مملو تھی۔ پندرہویں صدی عیسوی میں عیسائی پیشہ وروں کے گروہ مفتوحہ ملکوں سے۔ اور یہ نوپل اور ٹرکی کے اور شہروں میں کام ڈھونڈھتے ہوئے آئے اور مسلمانوں کی ترغیب سے وہ ان شہروں میں آباد ہو کر مسلمان ہو گئے[۱]۔ یہی کیفیت غالباً اُن عیسائی خاندانوں کی ہوئی جن کو سلطان محمد ثانی نے یورپ کے مقبوضہ ملکوں سے نکال کر ایشیا کوچک میں آباد کیا تھا[۲]۔ یہ خاندان بھی اسلام لا کر مسلمانوں میں اس طرح مِل جُل گئے جس طرح آرمینیا کے عیسائیوں کا حال ہوا تھا جن کو شاہ عباس اوّل پادشاہ فارس (۱۵۸۶-۱۶۲۹ء) نے ایران میں آباد کر دیا تھا۔ ان ارمنی عیسائیوں کی نسبت دریافت ہوتا ہے کہ وہ دوسری نسل میں سب مسلمان ہو گئے[۳]۔

اب یہ تجویز ہے کہ ممالک البانیہ۔ سرویا۔ بوسنیا اور کریٹ کے عیسائیوں میں جس طرح اسلام کی اشاعت ہوئی اُس کے مفصل حالات لکھے جاویں۔ کیونکہ ان ملکوں میں سے ہر ایک ملک کی تاریخ جب سے ترکوں نے اُس کو فتح کیا اشاعتِ اسلام کے متعلق خاص واقعات بیان کرتی ہے جو دلچسپ ہیں۔

البانی قوم کے لوگ سوائے اُن کے جن کی آبادیاں یونان میں ہیں[۴] اُس کوہستانی ملک میں آباد ہیں جو مانٹ نیگرو (جبل الاسود) سے خلیج ارتا تک بحیرہ ایڈریاٹک کے مشرقی ساحل پر واقع ہے۔ یہ قوم یورپ کی سب سے قدیم اور صحیح النسل قوموں میں سے

---

۱ ترگلے سیو رکیتیے سگا تیو۔ صفحہ ۱۱ ۲ ہیرزبرگ۔ صفحہ ۶۲ ۳ "جب بوڑھے مرجاتے ہیں تو جوان آدمی اکثر اسلام قبول کر لیتے ہیں۔ چنانچہ آجکل (۱۸۵۵ء عیسوی) ان زرخیز میدانوں میں تم کو اُن ارمنی عیسائیوں میں سے دو آدمی بھی نہیں مل سکتے جن کے باپ دادا ان میدانوں میں کھاد ڈالنے کیلیے آباد کیے گئے تھے۔" نا دنیرا (۱) صفحہ ۱۷۔

۴ اگر ان آبادیوں کی فہرست دیکھنی ہو تو فلے جلد ۶۔ صفحہ ۲۹ دیکھو۔

آرین قوم کے پلاسجک شاخ سے ہیں۔ البانیوں کے ملک کو اول سلطان بایزید اول نے پندرھویں صدی عیسوی کے شروع میں فتح کیا۔ جارج کاستریوت کے وقت میں جس کا مشہور اسلامی نام سکندر بیگ ہے البانیا پھر خود مختار ہو گیا۔ جارج جس زمانہ میں لڑکا تھا تو اُس کے باپ نے جو ایپرس کا خود مختار حاکم تھا جارج اور جارج کے بھائیوں کو خراج کے عوض میں قسطنطنیہ بھیج دیا تھا۔ یہاں جارج کا ختنہ کیا گیا اور سلطان کی خاص نگرانی میں مسلمانوں کی طرح تعلیم و تربیت پاکر، پانچہزار ترکی سواروں کا کمانڈر مقرر ہوا۔ جب جارج کا باپ مر گیا تو اُس کے بھائی قتل کر دیے گئے۔ اور ملک البانیا سلطان کے تصرف میں آ گیا۔ سلطان نے خیال کیا تھا کہ سکندر بیگ کو اُس نے اپنا طرفدار اور خیر خواہ بنا لیا ہے لیکن اس نوجوان البانی نے جو انتقام کا پیاسا تھا اسلام ترک کیا اور تیئیس برس تک نہایت دلیری اور کامیابی سے ترکی فوجوں کا مقابلہ کیا۔ ۱۴۶۷ء عیسوی میں سکندر بیگ مر گیا اور ترکوں نے پھر البانیا پر قبضہ کرنا شروع کیا۔ گیارہ برس کے بعد کاسٹریوت خاندان کا دارالحکومت کرویہ ترکوں نے فتح کر لیا اور اس زمانہ کے بعد کوئی مقابلہ جو تمام ملک البانیا نے ملکر ترکوں کا کیا ہو تحقیق نہیں ہوتا۔ البتہ بغاوتیں اکثر ہوئیں اور کامل طور پر یہ ملک کبھی ترکوں کا محکوم نہیں ہوا۔ ساحل کے بعض شہر مدت تک ترکوں کا مقابلہ کرتے رہے۔ ۱۵۰۱ء میں درازو کا شہر ترکوں نے فتح کیا اور انتی واری جو ملک البانیا کے ساحل کا سب سے شمالی بندرگاہ ہے ۱۵۷۱ء سے پہلے فتح نہ ہو سکا۔ فتح کے بعد جو شرائط ہوئے وہ یہ تھے کہ شہر والوں کو اپنے قدیم مجسٹریٹ اور قدیم قانون رکھنے کا اختیار ہوگا۔ اور یہ کہ عیسائی مذہب کی پابندی علانیہ اور آزادی سے ہوگی۔ گرجاؤں کو کوئی نقصان نہیں پہنچے گا۔ اور اگر وہ گر جائیں گے تو دوبارہ تعمیر ہو سکیں گے۔ شہر والے اپنے تمام منقولہ اور غیر منقولہ مال کے مالک رہیں گے اور جو محصول وہ دیتے ہیں اُس سے زائد محصول اُنپر جاری نہ ہونگے

ترکوں کے دورِ حکومت میں البانیوں کی نسبت دریافت ہوتا ہے کہ وہ ہمیشہ نیم خود مختاری کی حالت میں رہے اور اُن کے بعض فرقے تو ایسے ہی خود سر رہے جیسے ترکوں کی فتح سے پہلے تھے۔ اگرچہ وہ سلطان کی رعایا تھے لیکن ترکی حکام کو ملک کے اندرونی انتظام میں دست اندازی نہ کرنے دیتے تھے۔ اور کافی وجہ اس یقین کے لیے موجود ہے کہ ترکی گورنمنٹ اس قابل کبھی نہ ہوئی کہ البانیا میں کسی ایسے شخص کو جو البانیا کا باشندہ نہ ہوتا اور جس نے فوجی خدمات یا اپنی حکمت عملی اور تعلقات سے ملک میں نیکنامی پیدا نہ کی ہوتی اس ملک کی گورنری پر مستقل کر سکتی[1]۔ البانیا کے لوگوں کا قومی غرور بہت بڑھا ہوا ہے اور اس زمانہ میں بھی اگر کسی البانی سے پوچھا جاوے کہ وہ کون ہے تو عیسائی یا مسلمان بتانے سے پہلے وہ کہتا ہے کہ میں سکیتیپار ہوں جس کے معنے پہاڑوں کے رہنے والے کے ہیں۔ یہ قومی خیال کے مضبوط ہونے کی قوی دلیل ہے کیونکہ اس سے عیسائی یا مسلمان ہونے کا وہ مذہبی فرق جو سلطنت عثمانیہ کے باقی ملکوں میں ہر جگہ شدت سے پایا جاتا ہے مٹ جاتا ہے عیسائی البانی اور مسلمان البانی جس طرح ایک زبان بولتے ہیں اُسی طرح اُن کی پُرانی قومی باتیں بھی ایک ہی ہیں اور اُن کے رسوم اور ظاہرا طریقے بھی یکساں ہیں۔ ایک ہی قوم سے ہونے کا خیال اُن میں ایسا مستحکم ہے کہ اُس نے مذہبی اختلافات کی بنا پر قوم میں تفرقہ ڈال کر اُس کو علیحدہ علیحدہ جماعتوں میں تقسیم نہیں ہونے دیا ہے[2]۔ مسلمان اور عیسائی البانی ساتھ ساتھ بے قاعدہ

---

[1] لیک۔ صفحہ ۲۵۰۔ [2] ایک البانی عیسائی نے بلغاریہ کے عیسائیوں اور مسلمانوں میں عداوت کے ہونے پر لکھا ہے "لیکن البانیا میں حالت اور ہے البانیا کے مسلمان ایسے ہی البانی ہیں جیسے عیسائی ہیں ایک ہی زبان بولتے ہیں ایک ہی طرح کی رسمیں اور طریقے رکھتے ہیں اور اُن کے قومی واقعات بھی ایک ہی سے ہیں۔ مسلمان البانیوں اور عیسائی البانیوں میں کبھی نفرت یا عداوت نہیں رہی ہے۔ صدیوں سے کسی طرح کی دشمنی اُن میں نہیں ہے۔ مذہب کے فرق نے اُن میں کوئی قومی تفرقہ نہیں پیدا کیا۔ مسلمان اور عیسائی بجز چند لوگوں کے ایک حالت میں مل جل کر رہتے ہیں ایک ہی طرح کے حقوق ان کو میسر ہیں اور ایک ہی سے فرائض منصبی اُنہوں نے ادا کیے ہیں" (داسا آفندی البانین اندوی البانیس صفحہ ۹۵ مطبوعہ برلن ۱۸۷۹ء)

فوجوں میں بھرتی ہوتے ہیں جن پر ترکی فتوحات کے بعد سے ملک کے اندرونی انتظام کا انحصار رہا ہو۔ اور البانی خواہ مسلمان ہوں یا عیسائی پاشاؤں کی ملازمت میں فوراً داخل ہو جاتے ہیں۔ کیونکہ سلطنت ترکی میں البانی سب سے زیادہ بہادر سپاہی تصوّر کیے جاتے ہیں[1]۔ جنگ کریمیہ میں عیسائی البانی سلطان کی طرف سے لڑے اور اگرچہ یہ لوگ اپنے مسلمان بھائیوں کے مقابلہ میں امن کے طریقوں اور زراعت کے پیشہ کو زیادہ پسند کرتے ہیں تاہم ان دونوں میں جو کچھ فرق ہو وہ بہت کم ہو۔ عیسائی البانیوں نے بھی اپنی فوجی قابلیتوں اور جوانمردی کو ہمیشہ قائم رکھا ہے اور اُنہوں نے بھی وہی شجاعت۔ تمکنت اور خودمختاری کا جوش اور وہی قومی حمیت دکھائی ہو جو اُن کے مسلمان بھائیوں میں موجود ہو[2]۔

البانیا میں اشاعت اسلام کے حالات کے لیے جو واقعات اوپر بیان ہوئے اُس کا لحاظ کرنا ضروری تھا۔ کیونکہ معلوم ہوتا ہے کہ خود اس ملک کے لوگوں نے اسلام کو رفتہ رفتہ ترقی دی اور باہر کے لوگوں کی طرف سے کوئی مذہبی دباؤ اُن پر نہیں پڑا۔ اس کے متعلق مفصل حالات بہت کم تحقیق ہوتے ہیں کیونکہ پندرہویں صدی عیسوی سے لے کر علی پاشا کے وقت تک جو تین سو برس کا زمانہ ہوا اُس میں البانیا کی تاریخ بالکل کوری پڑی ہے۔ پس جو کچھ علم ہمکو اس بات کا ہو سکتا ہے کہ اس زمانہ میں عیسائیوں نے کیونکر اسلام قبول کیا تو وہ ایسی تاریخوں سے جو پادریوں نے اپنے مختلف علاقوں میں لکھیں اور اُن رپورٹوں سے جو اُنھوں نے پوپ کی اطلاع یا سوسائیٹی دے پروپیگاندا فیدے[3] کے لیے روانہ کیں حاصل ہوتا ہے[4]۔

---

[1] فنلے پانچویں جلد صفحہ ۴۶ [2] کلارک صفحہ ۱۷۵-۱۸۱ "میرڈیٹی قوم کے لوگ جو الیسو کے علاقہ کے سخت متعصب رومن کیتھولک عیسائی تھے اُن کو یہ بات بھی گوارا نہ تھی کہ جن پہاڑوں میں وہ رہتے تھے وہاں کوئی مسلمان آباد ہو سکے اس قوم کے کسی عیسائی نے کبھی اپنا مذہب ترک نہیں کیا اگر اُن میں سے کوئی شخص اس بات کا قصد بھی کرتا تو میرڈیٹی یقینی اُسکو ہلاک کر دیتے۔ البتہ اگر البانیا سے کوئی شخص اس ارادہ سے بھاگ کر کہیں اور چلا گیا تو اُسکا مسلمان ہونا ممکن تھا۔" ہنستو یرئے لا ادت البانی صفحہ ۲۲۴ [3] یہ تاریخیں فارلاتی کے الی ریکم ساکرم میں شائع ہوئی ہیں [4] کمولیو - بیزی ۱۶۱۰ء بار کو کریمیو ۱۶۵۱ء - فرابونا ونیورا دی انیٹونیو ۱۶۵۰ء زمیکوخ ۱۷۰۳ء۔

اس امر کے اعتراف کی چنداں ضرورت نہیں ہو کہ جس قدر تاریخیں یا رپورٹیں ہیں اُن میں جو کچھ اطلاعیں ملتی ہیں اُن پر خاص کر جہاں یہ پادری عیسائیوں کے مسلمان ہونیکا سبب بیان کرتے ہیں سچائی کا پورا اطلاق نہیں ہوسکتا۔ کیونکہ اُس زمانہ کے کسی پادری کی نسبت ہرگز یقین نہیں ہوسکتا کہ اُس نے کسی عیسائی کے مسلمان ہونے کو سچی نیت اور ایمان سے سمجھا ہوگا اور اگر سمجھا بھی ہو تو پادریوں کو اپنے افسروں کے سامنے تحریر کے ذریعہ سے اس بات کے ظاہر کرنے کی ہمت نہیں پڑی ہوگی۔

سولھویں صدی عیسوی میں اسلام نے کم اشاعت پائی حالانکہ عیسائیوں میں اسلام پھیلنا شروع ہوگیا تھا۔ ۱۶۲۴ء عیسوی میں عیسائی رعایا کی تعداد مسلمانوں سے دس اور ایک کی نسبت رکھتی تھی[۵۱] اور چونکہ دیہات میں اکثر عیسائی آباد تھے اور مسلمان کہیں کہیں[۵۲] تھے اس لیے شہروں کے رہنے والے عیسائی زیادہ تر مسلمان ہوئے[۵۳]۔ مثلاً انتی واری کے شہر میں جب بہت سے عیسائیوں نے وطن چھوڑ کر قریب کے عیسوی ملکوں میں رہنا اختیار کیا تو جو عیسائی شہر میں رہ گئے اُن میں اعلیٰ اور ادنیٰ سب نے اسلام قبول کیا یہانتک کہ عیسائیوں کی تعداد روز بروز کم ہوتی گئی[۵۴]۔ جوں جوں عیسائی مسلمان ہوتے گئے گرجا مسجدوں سے تبدیل ہوئے۔ یہ انتظام اگرچہ شرائط کے خلاف تھا لیکن جب عیسائی ہی باقی نہ رہے تو گرجاؤں کا مسجد بن جانا انصاف کے خلاف نہیں تھا سنہ ۱۶۲۴ء میں جاثلیقی (رومن کیتھولک) عیسائیوں کے پاس صرف دو گرجا رہ گئے تھے اور اُن کی ضرورت کے لیے یہ ہی کافی تھے[۵۵]۔ اس واقعہ سے یہ اندازہ کرنا کہ کس قدر

[۵۱] بیزی صفحہ ۶۰ (ب)، [۵۲] بیزی صفحہ ۳۵ (الف) [۵۳] فارلاتی۔ ساتویں جلد صفحہ ۱۰۴-۱۰۷۔ [۵۴] یہ بھی شکایت کی گئی تھی کہ مطران کے محل پر مسلمانوں نے اپنا قبضہ کر لیا۔ لیکن آٹھ برس سے یہ محل خالی پڑا تھا (۱۵۹۰ء تا ۱۵۹۸ء) کیونکہ مطران امبروسیئوس نے جلاوطنی اختیار کی تھی اور وجہ یہ ہوئی تھی کہ اُس نے اسلام پر کم احتیاط اور زیادہ جوش سے حملہ کیا تھا اور پیغمبر کی شان میں سخت کلامی کی تھی"۔ (فارلاتی۔ ساتویں جلد صفحہ ۱۰۷)، [۵۵] بیزی۔ صفحہ ۹۔ یہ مصنف لکھتا ہے کہ ان گرجاؤں میں "ایک دن میں نے خود صبح کے وقت سب رومن کیتھولک عیسائیوں کو نماز پڑھائی تھی"۔ زمینوخ نے جو نقشے صفحہ ۲۲۷ پر لکھے ہیں اُنسے میں قیاس کر سکتا ہوں کہ اس زمانہ میں عیسائیوں کی تعداد ایک ہزار کے قریب تھی۔

عیسائی مسلمان ہوئے مارکو بیزری کی عبارت سے کسی قدر معلوم ہو سکتا ہے۔ بیزری لکھتا ہے کہ مسلمانوں اور عیسائیوں کے چھ سو گھر ہیں۔ عیسائیوں میں جاثلیقی اور کلیسا یونان کے عیسائی ہیں۔ اب مسلمانوں کی تعداد عیسائیوں سے کسی قدر زیادہ ہو اور جاثلیقی عیسائی یونانی کلیسا کے عیسائیوں سے تعداد میں بڑھے ہوئے ہیں۔

عیسائیوں اور مسلمانوں کے جو سوشل تعلقات دریافت ہوتے ہیں اور اُن میں کسی حد فاصل کے نہونے سے کسی قدر نشان اُن طریقوں کا ملتا ہے جنہوں نے عیسائیوں کو اسلامی اثر سے مغلوب کرکے مسلمان کرلیا اور جوں جوں کلیسا کی مذہبی زندگی خراب ہوتی گئی عیسائی کثرت سے اسلام قبول کرتے گئے۔

عیسائیوں میں یہ ایک عام بات ہو چلی تھی کہ اپنی بیٹیوں کو مسلمانوں سے بیاہ دیتے تھے اور عیسائی عورتوں کو ایسی شادیوں سے کوئی عذر نہ ہوتا تھا[۱]۔ شادی کے بعد اگر اُن کے ہاں لڑکا پیدا ہوا تو وہ مسلمان ہو کر پرورش پاتا تھا اور اگر لڑکی ہوئی تو اُس کو ماں کے مذہب پر تربیت پانے کی اجازت ملتی تھی۔ لیکن یہ اجازت بالکل فضول ثابت ہوتی تھی[۲] کیونکہ کلیسا کے افسران عورتوں کو پہلے ہی کلیسا سے خارج کر دیتے تھے اور مسیحی رسوم میں شریک نہیں ہونے دیتے تھے[۳]۔ اگرچہ معمولی درجہ کے پادری افسران کلیسا کے حکم کو کہ یہ عورتیں کلیسا سے خارج کی جاویں تعمیل نہیں کرتے تھے لیکن یہ عورتیں اکثر اپنے خاوندوں کا مذہب اختیار کرلیتی تھیں۔ مگر اس صورت میں بھی وہ بعض مسیحی رسموں کی پابند رہتی تھیں مثلاً اصطباغ اُن میں جاری تھا جس کی نسبت سمجھا جاتا تھا کہ کوڑھ کے مرض اور چڑیلوں کے جادو اور بھیڑیوں کے گزند سے محفوظ رہنے کا مجرب علاج ہے[۴]۔ پادری ان توہمات کو اور بھی

---

[۱] بیزری صفحہ ۴۲۰ (ب) ۴۲۱ (ب) [۲] دی نیرو صفحہ ۴۴۔ البانیا کے بعض دیہاتوں میں تو یہ رواج اس صدی کے شروع تک جاری رہا۔ دیکھو سفرنامہ شمالی یونان مصنفہ لیک پہلی جلد صفحہ ۴۹۔ (مطبوعہ لندن) لیک لکھتا ہے کہ بعض گاؤں میں مسلمان یونانی عیسائی عورتوں سے شادی کرتے ہیں انکے لڑکے تو مسلمانوں کی طرح تعلیم و تربیت پاتے ہیں اور لڑکیاں عیسائی ہوتی ہیں اور بھیڑ و مسو کا گوشت ایک ہی میز پر کھایا جاتا ہے" [۳] بیزری صفحہ ۴۳ (ب) فارلاتی توم، صفحہ ۱۵۰ [۴] بیزری صفحہ ۱۰ (ب) دی نیرو صفحہ ۴۳

زندہ رکھتے تھے اور اگر کوئی مسلمان عورت اپنے بچہ کو اصطباغ دلانا چاہتی تھی تو خوشی سے اُس کو اصطباغ دیتے[۱] تھے مسلمانوں اور عیسائیوں کے باہمی تعلقات اس بات سے اور دریافت ہوتے[۲] ہیں کہ مسیحی بزرگان دین کے جو تہوار عیسائیوں میں منائے جاتے تھے اُن میں مسلمان بھی شریک ہوتے تھے۔ مثلاً مارکو بیزی نے لکھا ہے کہ سنٹ الیاس کی ضیافت کے دن (جس کو البانی عیسائی خاص طور پر مانتے تھے) گرجا میں مسلمان بھی اتنے ہی موجود تھے جس قدر کہ عیسائی[۳] تھے۔ البانی مسلمانوں کی نسبت لکھا جاتا ہی کہ وہ ابتک حضرت مریم اور مسیحی اولیا کو مانتے ہیں اور اُن کے مزاروں کی زیارت کو جاتے ہیں۔ اور اسی طرح عیسائی بھی منتیں پوری کرنے اور امراض کے دفعیہ کیلیے مسلمان درویشوں اور فقرا کے مقابر کی زیارت کرتے[۴] ہیں۔ کالیوا کے شہر میں جہاں عیسائیوں کے ساٹھ اور مسلمانوں کے دس گھر ہیں پادری کے گذر اوقات کیلیے مسلمان بھی چندہ دیتے ہیں کیونکہ وہاں اکثر مسلمانوں کی بیویاں عیسائی ہیں[۵]۔ ایسی حالت میں تعجب نہیں کہ بعض عیسائی ظاہر میں اسلام کے پابند ہوں مگر اپنے ایمان کو اُنہوں نے یہ تسلی دے رکھی ہو کہ دل میں وہ عیسائی مذہب رکھتے ہیں[۶]۔ مارکو بیزی نے اس خراب حالت کے تین سبب بیان کیے ہیں۔ اوّل دنیوی نفع کا خیال۔ دوسرے جزیہ سے بریت۔ اور تیسرے ایسے پادریوں کا اُن میں موجود نہ ہونا جو ملک کی مذہبی ضروریات کو مہیا کر سکیں[۷]۔ اسلام قبول کرنے کی وجہ یہ لکھی ہی کہ عیسائیوں پر محصول کا سخت بار تھا اور گاؤں کے گاؤں ایسے تھے جو ان محصولوں سے بچنے کیلیے عیسائی مذہب سے برگشتہ ہوگئے۔ چونکہ مفصل

[۱] مارکو بیزی کو اتنی واری کے شہر میں آئے ہوئے چند روز ہوئے تھے کہ ایک معزز مسلمان خاتون نے یہ خواہش ظاہر کی کہ خود مطران اُس کے بچے کو اصطباغ دے۔ مطران نے لکھا ہی کہ اس خاتون نے شہر کے ایک عیسائی رئیس سے سخت شکایت کی کہ "مطران نے اسکی خوشی نہیں کی حالانکہ اسی مطران کے قسیس اُن لوگوں کی درخواست پر جو عیسائی نہیں ہیں بچوں کو اصطباغ دیتے ہیں" (صفحہ ۱۰ ب)
[۲] ایسے عیسائیوں اور مسلمانوں کے باہمی تعلقات جو ایک ہی گاؤں میں بستے تھے اگر دریافت کرنے ہوں تو ہیکار کی تصنیف تاریخ البانیا دیکھو صفحہ ۱۵۳ - ۱۶۲ - ۲۰۰ (مطبوعہ پیرس ۱۸۵۸ء) [۳] بیزی صفحہ ۳۸ (الف) [۴] گارنٹ صفحہ ۲۶۷
[۵] بیزی صفحہ ۲۰۳ - (ب) [۶] بیزی صفحہ ۳۸ - (ب) ۴۲ - (الف) [۷] بیزی صفحہ ۳۹ (ب) - صفحہ ۶۱ (الف) صفحہ ۳۳ (ب)

کیفیت ان محصولوں کی نہیں بیان کی گئی اس لیے ہم فیصلہ نہیں کرسکتے کہ اس شکایت کیلیے کافی وجوہ موجود بھی تھیں یا نہیں اور عیسائیوں کا یہ عذر معقول بھی تھا یا نہیں یا فقط حیلہ تھا کہ اپنے قدیم ہم مذہب لوگوں کے سامنے اپنے مسلمان ہو جانے کا کچھ نہ کچھ عذر بیان کردیں یا یہ بیان افسران کلیسا کا مبالغہ ہے جن کے نزدیک عقلاً اور سچی نیت سے کسی عیسائی کا مسلمان ہونا قطعی ناممکن تھا۔ ایک صدی کے بعد ۱۸۰۲ء میں جزیہ کی رقم فی شخص چند ریال[1] سالانہ تھی اور (سوائے سکیا تاراکیو کے محصول کے جو تین ریال سالانہ تھا) یہ ہی محصول ایسا تھا جو خصوصیت کے ساتھ عیسائیوں پر جاری[2] تھا۔ اگر صرف اس خفیف جرمانہ ہی کے ڈر سے عیسائیوں نے اپنا مذہب چھوڑ دیا تو مذہب سے اُن کو بہت ہی کم تعلق اور واسطہ ہوگا لیکن البانیا میں اب تک کثرت سے عیسائیوں کا موجود ہونا ظاہر کرتا ہے کہ چھ ریال سالانہ کا محصول ایسا ظلم نہ تھا جو بغیر کسی اور سبب کے عیسائیوں کو اُن کے دین سے پھیر کر مسلمان ہو جانے دیتا۔

"ترکی ظلموں" کی نسبت جو عامیانہ اور غیر واضح شکایتیں کیگئی ہیں اگر وہ کسی قدر صاف طریقہ پر بیان ہوتیں تو ہم دریافت کرسکتے تھے کہ جزیہ کیوجہ سے جو عیسائیوں کا بکثرت مسلمان ہونا لکھا گیا ہے وہ کس حد تک درست تھا۔ لیکن جس قدر حالات تحقیق ہوتے ہیں اُن سے یہ نتیجہ نہیں نکلتا کہ فقط جزیہ کیوجہ سے عیسائی بکثرت مسلمان ہوگئے۔ ترکی سلطنت میں یہ طریقہ البتہ نہایت بیہودہ جاری تھا کہ سرکاری عہدے نیلام کیے جاتے تھے اور جو شخص سب سے زیادہ روپیہ دیتا تھا وہ اُن پر مقرر کر دیا جاتا تھا۔ جب اس طرح عہدے ملتے تھے تو عہدہ دار نوکری پر بھروسا نہ کرتے تھے اور نتیجہ اکثر یہ ہوتا تھا کہ ہر طرح کے ظلم اور سختیوں سے یہ لوگ جس قدر روپیہ جمع کرنا ممکن تھا جمع کرلیتے تھے لیکن ان مصیبتوں میں عیسائی اور مسلمان دونوں یکساں مبتلا[3] تھے۔ البتہ یہ یقینی بات ہو کہ نامنصف حاکموں کو مسلمانوں

[1] زمیئوخ - صفحہ ۵ - اٹھارہویں صدی میں وینس کا سکہ ریال ایک ترکی غرش کے برابر ہوتا تھا (بوستو صفحہ ۹۹)
[2] بیزی صفحہ ۱۲ - ۱۳ زمیئوخ صفحہ ۵ -

کی بہ نسبت عیسائیوں پر ظلم کرنا آسان معلوم ہوتا ہوگا خاص کر ایسے زمانہ میں جبکہ عیسائی اس جرم میں اکثر ماخوذ ہوتے تھے کہ دولت عثمانیہ کے خلاف بغاوت برپا کرنیکے لیے وہ اہلِ وینس اور دیگر عیسوی سلطنتوں سے تعلقات رکھتے ہیں۔

بہرکیف یہ جو کچھ حالات ہوں مگر اس میں شبہ نہیں کہ مسلمانوں کی مذہبی حمیت اور پاکیزہ زندگی نے مسیحی قسیسوں کی جہالت اور تنزل کے مقابلہ میں اپنا اثر غالب رکھا۔ اگر البانیا کے ملک میں وہاں کے ایک شیخ کی مثل چند لوگ اور ہوتے جس کے حسن اخلاق کی تعریف مارکو بیزی نے بہت کی ہو اور لکھا ہو کہ مذہبی مسائل پر مجھ میں اور اُس میں اکثر مباحثے رہے تو اسلام کو اس ملک میں بہت عروج ہوتا۔[۱] مسیحی قسیسوں میں سے اکثر لوگ بالکل ناخواندہ ہوتے تھے۔ اُن میں بہت لوگ ایسے تھے جو اگرچہ کچھ پڑھنا جانتے تھے تو اُن کو لکھنا نہ آتا تھا اور اپنے منصبی کاموں سے اُن کو اس قدر لاعلمی تھی کہ نجات کا کلمہ تک اُن کو برزبان یاد نہ تھا اگرچہ لیٹن زبان میں وہ نماز پڑھتے تھے[۲] لیکن بہت کم لوگ ایسے تھے جو نماز کا مطلب سمجھتے ہوں۔ سوائے اپنی مادری زبان کے اُن کو کسی اور زبان کا علم نہ تھا اور مذہب کے حقائق سے اُن کو قلیل معلومات سنی سُنائی باتوں کی تھی۔[۳] مارکو بیزی کی رائے میں ان تمام خرابیوں کی جڑ قسیسوں کی قلت اور اُن کو اپنے کاموں سے لاعلمی تھی اور یہی سبب تھا کہ سیکڑوں عیسائی بڈھے ہوجاتے تھے اور اُن کو مذہب میں پختہ نہ کیا جاتا تھا اور وہ دین سے برگشتہ ہوکر مسلمان ہوجاتے تھے[۴] چنانچہ اُس نے لکھا ہو کہ اگر ان خرابیوں کا تدارک نہ کیا گیا تو مسیحی دین کو ملک میں بہت جلد زوال ہوجائیگا۔[۵] چند قسیسوں پر اس بات کا الزام بھی تہا کہ بغیر نکاح کیے

---

[۱] بزری صفحہ ۱۰۱۔ [۲] بزری صفحہ ۱۳ (ب) [۳] بزری صفحہ ۲۰ (ب) [۴] بزری صفحہ ۳۲ (ب) اس ملک میں یہ خرابی قسیسوں کی کمی کے سبب ہے اور اس وجہ سے ہو کہ قسیس اپنے منصبی فرائض کے ادا کرنے میں نہایت کم عقل ہیں۔ بہت عیسائی ایسے ہوتے تھے کہ جو بڈھے ہوکر مرجاتے تھے اور عیسوی دین میں مستحکم نہیں کیے جاتے تھے اور وہ عیسائی مذہب سے ہر جگہ منحرف ہوگئے تھے [۵] اگر البانیا میں مذہبی امداد زیادہ نہ پہونچیگی تو چند سال کے بعد ان ملکوں سے عیسائی مذہب بالکل اُٹھ جائیگا کیونکہ لائق اسقفوں اور قسیسوں کی تعداد بہت کم ہو" بزری صفحہ ۱۶ (الف)

وہ عورتوں کو اپنے تصرف میں رکھتے ہیں اور کثرت سے شراب خوار ہیں[۱]۔

یہ بات بھی لکھنی ضرور ہو کہ کلیسائے یونان کے اُن قسیسوں کی طرح جو ملک البانیا کے علاوہ دیگر ممالک عثمانیہ میں رہتے تھے اور جنھوں نے باوجود جاہل ہونے کے عیسائی مذہب کا جوش اپنے لوگوں میں زندہ رکھا تھا اور یونانی عیسائیوں کی قومی زندگی کا سرچشمہ خیال کیے جاتے تھے البانیا کے قسیس اپنے ملک والوں کے قومی حوصلوں اور خیالات کا مخزن اور مرکز نہیں تھے[۲] بلکہ اس کے برعکس البانیوں میں قومی خیال مذہبی عقائد سے جدا چیز تصور ہوتا تھا ترکوں کو یہ لوگ فیوڈل انتظام کے موافق اپنا آقا سمجھکر یہ جانتے تھے کہ جس قدر اُن کے احکام ہوں اُن کی پابندی ضروری ہی[۳]۔

عیسائیوں کے مسلمان ہونے کا ایک عجیب واقعہ عیسائی قسیس اور اُس کے ماتحت عیسائیوں کی باہمی رنجش کی وجہ سے بیان کیا گیا ہی۔ اور وہ یہ ہو کہ "بہت برس ہوئے جبکہ ملک کے کل باشندے عیسائی تھے توسقوطاری کے شہر میں حضرت مریمؑ کا ایک نہایت خوبصورت بت بنا ہوا تھا اور اُس کی زیارت کیلیے ملک کے ہر گوشے سے لوگ نذریں چڑھانے اور دعائیں مانگنے آتے تھے اور اُن کی شکایتیں رفع ہو جاتی تھیں" کسی نہ کسی سبب سے عیسائیوں اور اُن کے قسیس میں جھگڑا ہوا اور ایک دن بہت سے عیسائی گرجا میں جمع ہوئے اور کہا کہ اگر قسیس ہمارا کہا نہ سُنے گا تو ہم اسی وقت اور اسی جگہ عیسائی مذہب چھوڑ کر اسلام قبول کرلیں گے۔ قسیس خواہ وہ حق پر تھا یا ناحق پر اپنے ارادہ میں مضبوط رہا۔ عیسائیوں نے اپنے گلے سے تسبیحیں اور صلیبیں نوچ کھسوٹ کر زمین پر پھینکدیں اور پیروں سے اُنہیں کچل ڈالا اور قریب سے قریب جو مسجد ملی اُس میں چلے گئے اور مسجد کے مُلّا نے اُن کو مسلمان کر لیا[۴]۔

---

[۱] بیزی صفحہ ۳۶ (الف)۔ صفحہ ۶۴ (ب)۔ [۲] فنلے۔ پانچویں جلد۔ صفحہ ۱۵۳-۱۵۴ کلارک صفحہ ۲۹۔ [۳] "ان بدبخت لوگوں نے اپنے ایمان کو ایسا اندھا کر لیا کہ وہ اس طرح شادی کرنیکو مطلق گناہ نہ سمجھتے تھے۔ ان کا خیال تھا کہ ترک چونکہ ملک کے بادشاہ ہیں اسلیے ممکن نہیں ورنہ انکے لیے کسی طرح جائز ہو کہ وہ ترکوں کی کسی بات میں حکم عدولی کریں" بیزی صفحہ ۳۰ (ب)۔ [۴] گارنٹ صفحہ ۲۶۸۔

قسیسوں کی غفلت اور مخالفت سے بہت سی بیہودہ اور بے قاعدہ رسمیں عیسائیوں میں پیدا ہو گئی تھیں۔ منجملہ اُن کے ایک رسم یہ تھی کہ بغیر کلیسا کی اجازت اور مذہبی رسوم کے لوگ نکاح کر لیتے تھے جس سے اسلامی شریعت کی طرح عیسائیوں میں بھی نکاح ایک طرح کا مالی معاہدہ ہو گیا تھا۔ اس خرابی کو دور کرنے کے لیے اگر بیوی اور خاوند نے مسیحی شریعت کے بموجب دوبارہ نکاح نہیں پڑھایا تو یہ دونوں کلیسا سے خارج کر دیے جاتے تھے[1]۔

سترھویں صدی عیسوی میں عیسائیوں کے ان حالات اور واقعات نے جو اوپر بیان ہوئے اپنے نتیجے پیدا کیے اور عیسائیوں کی تعداد بہت جلد کم ہونی شروع ہوئی سنہ ۱۶۲۴ عیسوی میں صرف دو ہزار جاثلیقی عیسائی انتی واری کے اسقفی علاقہ میں رہ گئے اور شہر میں صرف ایک گرجا باقی رہ گیا اور یہ بھی عیسائیوں کی عبادت کے لیے برتا نہ جاتا تھا کیونکہ آخر زمانہ میں جاثلیقی عیسائیوں کے صرف دو خاندان انتی واری میں رہ گئے تھے[2]۔ سنہ ۱۶۵۱ عیسوی میں عیسائی عورتوں کی تعداد عیسائی مردوں سے البانیا کے ملک میں بڑھ گئی کیونکہ مردوں نے کثرت سے اسلام قبول کر لیا[3]۔ اس صدی کے خاتمہ کے قریب عیسائیوں کی حالت اور بدتر ہوئی۔ جاثلیقی عیسائی مسلمانوں سے شمار میں کم رہ گئے اور دونوں کی مردم شماری میں تین اور چار کی نسبت ہو گئی[4]۔ حالانکہ سو برس پہلے جاثلیقی عیسائیوں کی تعداد مسلمانوں کے مقابلہ میں دس اور ایک کی نسبت رکھتی تھی[5]۔ درازو کے مطرانی علاقہ میں بیس برس میں عیسائیوں کا شمار نصف رہ گیا[6]۔ ایک اور شہر میں تیس برس کے اندر اندر سب عیسائی مسلمان ہو گئے[7]۔ باوجودیکہ افسران کلیسا کی طرف سے بہت سخت تاکید رہتی تھی اور قواعد جاری ہوتے تھے لیکن پادریوں نے اس حرکت کو جائز رکھا کہ جو عیسائی ظاہر میں مسلمان تھے اور دل میں اپنے تئیں عیسائی مانے ہوئے تھے اُنکو بھی

---

[1] بزی صفحہ ۳۰ صفحہ ۱۶۳ الف۔ [2] فارلاتی۔ توم ۷ صفحہ ۱۴۲ و ۱۴۱۔ [3] مارکو کریسیو صفحہ ۲۰۲۔ [4] زمیوخ صفحہ ۲۲۔
[5] بزی صفحہ ۶ (ب)۔ [6] زمیوخ صفحہ ۱۳۔ [7] زمیوخ صفحہ ۱۵۔

مقدس سکرامنٹ میں شریک کیا۔ نتیجہ اس کا یہ ہوا کہ ان عیسائیوں کی اولاد کو جن کی تعلیم و تربیت اسلامی طریقہ پر ہوئی مسیحی کلیسا سے کوئی تعلق نہ رہا[۱]۔ اسی طرح عیسائی ماں باپ اپنے بیٹوں کا مسلمانوں کے ساتھ نکاح پڑھا دیتے تھے اور پادری ایسے نکاحوں کو جائز سمجھتے تھے۔ اعلیٰ درجہ کے قسیسوں کی طرف سے سخت ممانعت تھی مگر پادری ان عورتوں[۲] کا نکاح مسلمانوں کے ساتھ عیسوی طریقہ پر پڑھا دیتے تھے[۳]۔ پادریوں کی ان حرکتوں سے جن کے خلاف اور الزام بھی موجود تھے ظاہر ہوتا ہے کہ ان کو عیسائیوں کی مذہبی غور و پرداخت کا خیال یا شوق مطلق نہ تھا۔ ان پادریوں میں اکثر لوگ نہایت بداخلاقی کی زندگی بسر کرتے تھے کبھی اقرار کی مذہبی رسم ادا نہ کرتے تھے۔ اور تیوہاروں کے دن خوب شرابیں پی کر اٹل ہو جاتے تھے۔ کلیسا کے مال بیچا کرتے تھے اور اپنے علاقوں سے اکثر غیر حاضر رہتے تھے۔ اگر کوئی الزام عائد ہوتا تھا تو ترکوں کی پناہ میں آکر اپنے تئیں بچا لیتے تھے[۴]۔ فرانسسکن اور اوبزروانٹ مشنری جب ملک میں بھیجے گئے کہ عیسائیوں کی مذہبی ضروریات مہیا کریں تو اُنھوں نے سوائے اس کے کچھ نہ کیا کہ آپس میں فساد برپا کیے اور عدالتوں میں لڑنے چلے گئے جس کی وجہ سے عیسائیوں کو اور زیادہ نقصان پہنچا اور اُن کے بھیجے سے جو مقصد تھا وہ فوت ہو گیا[۵]۔ سترہویں صدی عیسوی کے وسط میں البانیا کے اسقفی علاقوں میں سے جن کی تعداد بارہ تھی پانچ خالی پڑے تھے یعنی اُنپر کوئی اسقف مقرر نہ تھا۔ پلاتی کے علاقہ میں تیس برس کے عرصہ سے کسی اسقف نے دورہ نہیں کیا تھا۔ اور چھ ہزار تین سو اڑتالیس عیسائیوں کی آبادی میں صرف دو پادری تھے[۶]۔ بعض چھوٹے علاقے جنمیں پادری مقرر ہونے چاہیے تھے چالیس برس سے وہاں کوئی پادری مقرر نہ ہوا تھا۔ مگر یہ باتیں سلطان کے تشدد کی وجہ سے نہ تھیں جس کو "ترکی ظالم" کے لقب سے یاد

---

[۱] زمیوخ۔ صفحہ ۱۱۰ و ۱۵۹ [۲] زمیوخ صفحہ ۱۳ [۳] بیزی صفحہ ۸ ۳ ب۔ فارلاتی ساتویں جلد صفحہ ۱۵۸ [۴] زمیوخ ۱۳-۱۴ [۵] الفورمالی تو لی کیر کا لامیسیونی و البانیا۔ صفحہ ۱۹۶ [۶] کریسیو۔ صفحہ ۲۰۴۔

کیا گیا ہی کیونکہ فرانسسکن مشنری آخر کار ان علاقوں کو روانہ کیے گئے تو اُنھوں نے اپنی رپورٹوں میں لکھا کہ وہ تمام ملک میں اپنے مقدس کام کے لیے دورہ کرتے رہے اور کسی قسم کی مزاحمت اُن سے نہ ہوئی[1] ساپا کے اسقف نے جو وینس میں مدت تک مقیم رہا تھا اور جس کی نسبت کہا جاتا تھا کہ وینس میں اُس نے نہایت آوارہ زندگی بسر کی ہی اخیر میں اپنے علاقے کے عیسائیوں کو سخت نقصان پہنچایا ایک جاہل پادری کو اپنا نائب مقرر کیا جس کی بداعمالی سب میں مشہور تھی۔ اس اسقف کی ماتحت میں بارہ ہزار چار سو عیسائی تھے اور جس مشنری نے اُس کے علاقے کی رپورٹ لکھی ہی یہ لکھا ہی کہ "بشپ کی غیر حاضری سے خود بشپ کے کافر ہو جانے کے علاوہ اس بات کا خوف ہی کہ جو عیسائی اُس کے تحت میں ہیں وہ بے دین نہ ہو جاویں اور کلیسا کا کُل مال ضائع ہو جاوے[2] سقوطاری کے اسقف کی نسبت سمجھا جاتا تھا کہ وہ اپنے ماتحت قسیسوں اور عیسائیوں کے حق میں نہایت ظالم اور جابر ہے اور صرف ترکوں کی مدد سے وہ اپنے عہدے پر قائم رہنے میں کامیاب ہوا تھا[3]۔ زمیبوخ نے اسقفوں کی شکایت میں لکھا ہی کہ یہ لوگ اپنے ماتحت علاقوں کے عیسائیوں سے زبردستی روپیہ لیکر ان کو تنگ کرتے ہیں[4]۔ یہ معلوم ہوتا ہی کہ افسران کلیسا کو سلطان کی طرف سے اختیار ملا تھا کہ وہ اپنے علاقہ کے عیسائیوں سے روپیہ وصول کیا کریں۔ چنانچہ انتی واری کے مطران (۱۵۹۹-۱۶۰۰ء) کو اجازت ملی تھی کہ عیسائیوں کے ہر گھر پر دو آسپر کا محصول جاری کرکے اُسے وصول کرے۔ اور پہلے نکاح کی فیس ۱۲ آسپر دوسرے کی ۲۴ اور تیسرے کی (۴۶) آسپر عیسائیوں سے وصول کرے اور ہر ایک پادری کے علاقہ سے ایک اشرفی سالانہ حاصل کرے معلوم ہوتا ہے کہ ان رقموں کے وصول کرنے میں ترکی حاکموں سے مدد ملنی بھی ممکن تھی[5]۔ البانیا کے

---

[1] فراپونا و ینیزا صفحہ ۲۰۱ [2] مارکو کریسیو۔ صفحہ ۲۰۵ [3] زمیبوخ صفحہ ۱۳ [4] فارلاتی۔ توم ۷ صفحہ ۱۰۹ [5] مارکو کریسیو صفحہ ۲۰۵ بیزی صفحہ ۱۹۔ (ب)

تمام ملک میں ایک مدرسہ تک موجود نہ تھا[1] اور قسیس نہایت جاہل ہوتے تھے۔ اُن میں سے بعض لوگوں کو تعلیم و تربیت کے لیے اٹلی بھیجا جاتا تھا لیکن مارکو کریسیو نے اس قاعدہ کی سخت مخالفت اس بنیاد پر کی ہو کہ جو قسیس بھیجے جاتے تھے اُن کی نسبت ہمیشہ خوف رہتا تھا کہ اٹلی میں اُن کی زندگی ایسے لہو و لعب میں بسر ہو گی کہ پھر وہ اپنے وطن واپس نہ آئیں گے۔ غرض جب قسیسوں کی بدلیاقتی کا یہ حال ہوا اور مذہبی فرائض کے ادا کرنے میں اُن کو اس قدر بے پروائی تھی تو اس بات کو سن کر کیا تعجب ہو سکتا ہو کہ تمام عیسائیوں کو مذہب کی ابتدائی باتوں کا بھی علم نہ تھا اور اُن میں ایسی بیہودہ رسمیں اور خرابیاں پھیل گئی تھیں جو خداوند کے اس انگورستان پر سخت سے سخت تباہی لائیں[2]۔ اکثر عیسائیوں کا یہ حال تھا کہ عورتوں کو بغیر نکاح پڑھائے برسوں تک علانیہ اپنے تصرف میں رکھتے تھے لیکن اس پر بھی وہ سکرامنٹ میں شامل کیے جاتے تھے[3]۔ بعض عیسائیوں کا کثرت ازدواج پر بھی عمل تھا جس سے معلوم ہوتا ہے کہ عیسائیوں اور مسلمانوں کی عادات اور رسوم میں مطابقت ہو چلی تھی۔ مسلمان عیسائی بچوں کے اصطباغ کے وقت سپانسر بنتے تھے اور مسلمانوں کے بچوں کو اصطباغ دینے کا ٹوٹکا پادریوں نے جائز رکھا تھا[4]۔

جب البانیا میں مسیحی کلیسا کی یہ حالت سترہویں صدی عیسوی کے وسط میں تھی تو خفیف تحریک بھی اس بات کے لیے کافی ہو سکتی تھی کہ عیسائیوں کو اپنے مذہب سے عام برگشتگی پیدا ہو جاوے۔ اس کے علاوہ سترہویں صدی کے اخیر زمانہ میں رومن کیتھولک عیسائیوں کو بغاوت کے جرم میں جو سزائیں اسلامی گورنمنٹ سے ملیں اُنھوں نے اُن تمام باتوں کو پورا کر دیا جو عیسائیوں کو اسلام کی طرف رجوع کرتی تھیں۔ اور کثرت سے عیسائی مسیحی کلیسا سے علٰحدہ ہو گئے۔ اس باغیانہ تحریک کو انتی واری کے اُنتالیسویں مطران

[1] زمینوخ صفحہ ۱۱ [2] زمینوخ صفحہ ۲۳ [3] کرسیو صفحہ ۲۰۴ [4] زمینوخ صفحہ ۱۱ - فارلاتی ساتویں جلد صفحہ ۱۸۱ -

جارج نے درازو۔ سکودرا۔ اور الیسیو کے اسقفوں کی مدد سے پیدا کیا جس سے مراد یہ تھی
کہ عیسائیوں کو دولت عثمانیہ کے خلاف بغاوت کی ترغیب دے تاکہ عیسائیوں کا ملک ترکوں
کے قبضہ سے نکلکر وینس کی عیسوی ریاست میں شامل ہو جاوے۔ چونکہ جارج کے وقت میں
وینس کی ریاست ترکوں سے مصالحت رکھتی تی اس لیے یہ منصوبہ پک پکا کر تیار نہ
ہو سکا لیکن ۱۶۴۵ء میں ترکوں اور وینس کی ریاست میں لڑائی چھڑ گئی۔ اور وینس
والوں نے انتی واری کے شہر پر جو ترکوں کی فتح سے پہلے تین صدیوں (۱۲۶۲-۱۵۷۱ء)
تک اُن کے تحت میں رہا تھا پھر قبضہ کرنا چاہا مگر کامیابی نہ ہوئی۔ البانیا کے جاثلیقی عیسائیوں
کو جنہوں نے دشمن کا ساتھ دیا تھا اور اُس کو خفیہ کمک پہنچائی تھی ترکوں نے سخت سزائیں
دیں اور اُن کو تمام حقوق سے محروم کر دیا۔ لیکن یونانی عیسائی جن کو خوف تھا کہ کہیں پھر
وینس کی حکومت اُنپر نہو جائے ترکوں کے خیر خواہ رہے اور ترکوں نے اُن کو انعام واکرام
سے مالامال کر دیا اور اُن کو اپنے ملک کا بچانیوالا کہا۔ بہت سے رومن کیتھولک عیسائی یا تو
مسلمان ہو گئے یا یونانی کلیسا کے پیرو بنے۔ یہ دوسری بات کہ جاثلیقی عیسائی یونانی کلیسا
کے پیرو بنے ظاہر کرتی ہے کہ عیسائیوں پر اس خیال سے ہرگز ظلم نہیں ہوا کہ وہ عیسائی
تھے اور نہ اُن کو اسلام قبول کرنے پر مجبور کیا گیا۔ جو رومن کیتھولک اس موقع پر مسلمان
ہوئے اُن کا مقصد یہ تھا کہ بغاوت میں ناکامیابی سے جو خفت اور ذلت ہوئی ہو اُس کو
رفع کریں لیکن یہی مقصد بغیر عیسائی مذہب ترک کیے اُن کو اس طرح حاصل ہو سکتا تھا کہ یونانی
کلیسا میں شامل ہو جاتے جس کو ترکی گورنمنٹ سرکاری طور پر تسلیم ہی نہ کرتی تھی بلکہ انتیواری
کے شہر میں یہ کلیسا اس زمانہ میں بہت عام پسند تھا پس جن رومن کیتھولک عیسائیوں نے
یونانی کلیسا میں شامل ہونے کی جگہ اسلام قبول کیا اُن کو عیسوی مذہب سے بہت کم تعلق
اور واسطہ ہو گا۔ یہی رائے اُن متعدد عیسائیوں کی نسبت قائم ہو سکتی ہے جو اس واقعہ کے
بعد کئی سال کے اندر مسلمان ہوئے زمیئو رخ نے اُنکے تبدیل مذہب کی وجہ بعض صورتوں

میں جزیہ سے آزادی حاصل کرنا سمجھا ہو لیکن اس امر کے متعلق جو کچھ ہم لکھ چکے ہیں اُس سے ظاہر ہے کہ فقط جزیہ سے پیچھا چھڑانا غالباً تبدیل مذہب کا سبب نہ تھا۔

سنہ ۱۶۴۹ عیسوی میں جوزف مرایا بونالد وانتیواری کے مطران کی وجہ سے دوبارہ سخت بغاوت ہوئی اور خود مطران اس بغاوت کا بانی ہوا۔ انتیواری سکوورا اور شہروں کے عیسائی رؤسا نے اتفاق کر لیا کہ وینس کی فوجوں کے لیے اپنے شہروں کے دروازے کھول دیں گے۔ لیکن یہ بغاوت بھی نہ چل سکی اور اس ہنگامے کو ترکوں نے نہایت سختی سے جس میں عیسائیوں کا باہمی نفاق بھی شامل ہوا فرو کیا بہت سے البانی جن کا ملک میں رسوخ تھا اور اُن کی نسبت گمان ہوا کہ پھر سر اُٹھائیں گے وطن سے علیحدہ کر کے ترکی سلطنت کے وسط میں آباد کر دیے گیے اس واقعہ کے بعد تین ہزار البانی ترکی سرحد کو عبور کر کے وینس کی عیسائی ریاست میں آباد ہو گئے۔ جو عیسائی باقی رہے وہ خوف کی وجہ سے کچھ نہ کر سکے۔ کیونکہ ترکوں نے باغی اضلاع میں سخت قلعے تعمیر کر دیے۔ ملک میں ترکی فوجیں دورہ کرنے لگیں اور باغیوں پر سخت جرمانے کیے گیے[۱]۔

عیسائی مصنف جو ترکوں کی شکایت کرتے ہیں کہ "جزیہ اور سختیوں سے" ترکوں نے البانیوں پر ظلم کیے یہاں تک کہ وہ اپنا مذہب چھوڑ کر مسلمان ہو گئے[۲] ایسے لفظ استعمال کرتے ہیں جن کے معنی بہت وسیع ہوتے ہیں۔ وہ شکایتوں کی کوئی تفصیل بیان نہیں کرتے تاکہ ہم فیصلہ کر سکیں کہ یہ شکایتیں اصلی واقعات کے مطابق بھی تھیں یا نہیں زمیپوخ نے جہاں دو ہزار عیسائیوں کا مسلمان ہونا بیان کیا ہو وہاں شروع میں یہ لکھتا ہے کہ بہت سے محصولوں اور سختیوں کی وجہ سے جو عیسائیوں کو اُٹھانی پڑتی تھیں یہ لوگ

---

[۱] فارلاتی۔ ساتویں جلد۔ صفحہ ۱۲۶-۱۳۲۔ زمیپوخ۔ صفحہ ۴۔ ۵ قول [۲] "بہت عیسائی اس غرض سے کہ بے انصافی کے محصولوں اور سختیوں سے بچ جاویں رفتہ رفتہ مسیحی دین چھوڑ کر مسلمان ہو گئے" (فارلاتی۔ توم ۷۔ صفحہ ۱۳۱)۔

مسلمان ہوئے لیکن اسی موقع پر اس مصنف نے یہ بھی لکھا ہے کہ یہ سب سختیاں سوائے جزیہ کے جس کی رقم چھ ریال سالانہ اور سوائے سکیا تاریکو کے محصول کے جو تین ریال سالانہ کا تھا مسلمانوں کو بھی عیسائیوں کے ساتھ یکساں اُٹھانی پڑتی تھیں[۱]۔ زمیئوخ نے خاتمہ پر لکھا ہی کہ "عیسائی قوم کو ان محصولوں کے ادا کرنے میں ایسی جگہ زخم پہونچتا تھا جو بہت نازک تھی یعنی اُس کی مالی حالت معرض خطر میں پڑتی تھی جس کی طرف اُس کو فطرتاً یا ضرورت کیوجہ سے بہت خیال رہتا تھا۔ پس اس قوم نے ہم کو اس بات پر افسوس اور رنج کرنے کے لیے کہ دو ہزار عیسائیوں نے ان محصولوں سے بچنے کے لیے سچا مذہب چھوڑ دیا معقول وجہ پیش کی[۲]" زمیئوخ کی رپورٹ میں کوئی بات ایسی نہیں ہی جس سے ثابت ہو کہ جو محصول عیسائیوں کو دینے پڑتے تھے اُن کی رقم ایسی کڑی تھی کہ عیسائیوں کو اپنا مذہب چھوڑنا پڑا اگرچہ ایسی مثالیں اکثر بیان ہوئی ہیں کہ محصول سے بچنے کے لیے عیسائیوں نے اپنا مذہب ترک کیا لیکن زمیئوخ خود لکھتا ہے کہ ان عیسائیوں کا اپنے مذہب سے پھر جانا خاص کر اس باعث سے تھا کہ قسیس بالکل جاہل ہوتے تھے[۳]۔ اور وہ ایسے لوگوں کو بھی سکرامنٹ میں شریک کرتے تھے جو ظاہر میں مسلمان تھے اور دل میں عیسائی[۴] ایک اور موقع پر اسی مصنف نے قسیسوں کے حال میں لکھا ہی کہ وہ اپنے منصب کی لیاقت نہیں رکھتے اور بداعتقاد اور خفیہ عیسائیوں کو بھی سکرامنٹ دیتے ہیں۔ وہ لکھتا ہے کہ "صرف یہی دو سبب ہیں جس سے وہ تمام نقصان پیدا ہوئے جو البانیا کے ملک میں مسیحی کلیسا کو پہنچے[۵]"۔ اس میں بہت کم شبہ ہی کہ عیسائیوں کا کثرت سے مسلمان ہونا اُن اسلامی اثروں سے ہوا جو مدت دراز تک جاری رہے اور جس کا ذکر ہم اوپر لکھ چکے ہیں۔ جزیہ سے پیچھا چھڑانا تو زنجیر کی اخیر کڑی تھی۔

اب رہی یہ بات کہ خود مسلمانوں نے عیسائیوں کو مسلمان کرنے میں کیا کوششیں

[۱] زمیئوخ صفحہ ۸۔ [۲] زمیئوخ صفحہ ۹۔ [۳] زمیئوخ صفحہ ۱۵۔ [۴] ۷، ۱۹۔ [۵] زمیئوخ صفحہ ۱۱۔ [۶] زمیئوخ صفحہ ۱۴۔

صرف کیں تو اس کا حال عیسائیوں کے بیان سے ٹھیک ٹھیک نہیں دریافت ہو سکتا۔
زمیبیوخ نے ایک ضلع کی نسبت بیان کیا ہو کہ اُس کے عیسائی باشندوں نے ترکوں کے اثر صحبت سے "ان کا فردں کی بُرائیاں اختیار کیں اور بڑا سبب جس سے عیسائی اپنا مذہب چھوڑتے تھے یہ تھا کہ وہ ترکی عورتوں سے شادیاں کر لیتے تھے[1]۔ مسلمانوں کا اثر اس ضلع میں اور بسکاسیا اور بالیا کے علاقوں میں بہت ہی اور ان دونوں علاقوں کے عیسائیوں کو جن کی تعداد دو ہزار ہے ہر وقت عیسوی مذہب سے علیحدہ ہو جانیکا اندیشہ رہتا ہے کیوں کہ اُن میں کوئی پادری موجود نہیں ہے۔ مذہب میں وہ متزلزل ہیں اور ضرورت ہی کہ ہوشیار اور لائق قسیسوں سے اُن کے دین کو مضبوط کیا جا وے[2]"
زمیبیوخ نے عیسائیوں کے شریف خاندانوں میں سے ایک خاندان کا حال لکھا ہے جو انتیواری کے قریب رہتا تھا۔ اس خاندان میں دو بھائی تھے بڑے بھائی کو تو وطن کے معزز مسلمانوں نے جو اُس کے رشتہ دار بھی تھے "بہلا پھسلا کر" عیسائی مذہب سے علیحدہ کر دیا تھا۔ لیکن چھوٹے بھائی نے قسیس بننے کے لیے تعلیم و تربیت حاصل کی۔ اس کا خاندان اگرچہ مفلس تھا لیکن شرافت کی وجہ سے ہر شخص اُس کی عزت کرتا تھا ترکوں کے دلمیں اُس کی نہایت وقعت تھی اس لیے اگر یہ شخص قسیس کے عہدہ پر مقرر ہوتا تو مسیحی کلیسا کو اُس کی وجہ سے بہت مدد پہنچتی[3]" یہ فی الحقیقت دوسرا ثبوت ہی کہ مسلمانوں نے عیسائیوں کے ساتھ بدسلوکی اس وجہ سے نہیں کی کہ وہ عیسائی تھے بلکہ عیسائیوں پر سختیاں اُس وقت ہوئیں جب کہ ملکی معاملات میں اُنھوں نے سرکشی اور بغاوت ظاہر کی۔ زمیبیوخ خود الباتیا کا باشندہ تھا اور اسقف کا منصب رکھتا تھا۔ انتیواری کے اور اسقفوں کی طرح وہ وینس کی ریاست میں نہیں گیا تھا بلکہ اپنے علاقہ میں بدستور حاضر رہا۔ ترکی سلطنت نے زمیبیوخ کو غیر معمولی اعزاز بخشا تھا[4]۔ اور ترکی حکام ہی اس کے ساتھ

---

[1] زمیبیوخ صفحہ ۱۴۹۔ [2] زمیبیوخ صفحہ ۱۴۳-۱۴۴۔ [3] زمیبیوخ صفحہ ۲۲۔ [4] فارلاتی۔ توم ۷۔ صفحہ ۱۴۱۔

انتہا درجے کے اخلاق سے پیش نہ آتے تھے بلکہ البانیا کا پاشا اُسی دیوان پر اُسکو بٹھاتا تھا جس پر خود بیٹھا ہوتا تھا۔ جب زمیبیوخ اُس کے پاس آتا تو پاشائے موصوف دروازے تک اُس کے استقبال کو جاتا اور رخصت کے وقت دروازہ ہی تک پہونچاتا تھا۔[1] زمیبیوخ لکھتا ہے کہ اس "وحشی" پاشا نے بجائے ترک کے اپنے تئیں فیاض عیسائی کی مثل اس وقت ظاہر کیا جب کہ عیسائیوں کے ساتھ عمدہ خیالات رکھنے کے ثبوت میں مطران کی درخواست پر چار مختلف شہروں سے محصول کی کُل رقم جو سال آئندہ میں واجب الادا ہوتی تھی اُس نے خود جمع کر کے مطران کو روانہ کر دی۔[2] مسیحی قسیسوں کے ساتھ اگر ترکوں نے کبھی بُرا برتاؤ کیا تو وہ عموماً اس بدگمانی سے ہوا کہ بغاوت کی غرض سے ترکوں کے دشمنوں سے عیسائی تعلقات رکھتے تھے قسیس جب ترکی سلطنت سے اٹلی کو روانہ ہوتے تھے تو ان کی طرف سے بغاوت کا خیال ترکوں کو ضرور پیدا ہوتا تھا اور اکثر صورتوں میں یہ خیال صحیح ہوتا تھا۔ لیکن سوائے ایسے موقعوں کے مسلمانوں کے برتاؤ سے قسیسوں کو شکایت کی کوئی وجہ نہ تھی۔ زمیبیوخ نے ایک پادری کا حال لکھا ہے "جس کے ساتھ معزز ترکوں کو نہایت الفت تھی"[3] ہرزیگونیا کے اسقفی علاقہ میں ایک پادری تھا جس کی نسبت اٹھارہویں صدی کے شروع میں عیسائیوں کو یہ خیال پیدا ہوا کہ مسلمانوں کی صحبت میں رہکر اس کی نیت اسلام قبول کرنے کی تھی چنانچہ اسی خیال سے اس پادری کے اسقف نے اُس کو نظربند کر کے روما کو روانہ کر دیا[4] اور ایسے ہی واقعات البانیا میں بھی بلاشبہ پیش آئے۔

سرویا کی عیسائی سلطنت اوّل ۱۳۷۵ء عیسوی میں ترکوں کی باجگذار بنی اور ۱۳۸۹ء میں کسووا کی لڑائی کے بعد جس میں سرویا کا بادشاہ اور سلطان دونوں میدان جنگ میں کام آئے۔ سرویا کے ہاتھ سے ملکی آزادی جاتی رہی۔ بادشاہ سرویا اور سلطان روم کے

[1] زمیبیوخ صفحہ ۷۔ [2] زمیبیوخ صفحہ ۹۔ [3] زمیبیوخ صفحہ ۱۱۔ [4] فارلاٹی چھٹی جلد صفحہ ۱۳۱۔

جانشینوں میں دوستانہ تعلقات قائم ہوئے اور سرویا کے نوجوان بادشاہ اسٹیفین نے سلطان بایزید کی اطاعت قبول کی۔ اپنی بہن کی سلطان سے شادی کردی اور اس طرح آپس میں رشتہ قائم ہوگیا۔ جنگ نیکوپولس (۱۳۹۶ء) میں جس کے بعد کل جزیرہ نمائے بلقان پر سوائے قسطنطینیہ اور اُس کے گرد نواح کے ترکوں کا تسلط ہوگیا سرویا کی فوجوں نے جو ترکوں کی طرف سے لڑتی تھیں لڑائی کا رنگ پلٹ دیا اور ترکوں کو فتح دلوادی۔ جس وقت انگورا کے میدان میں تیمور نے ۱۴۰۲ء عیسوی میں ترکوں کی طاقت کو بالکل توڑ دیا اور سلطان بایزید کو قید کرلیا تو اسٹیفن جو سرویا کی فوجوں کو لیے موجود تھا اپنے بہنوئی کیلیے بڑی جوانمردی سے لڑا اور بجائے اسکے کہ موقع پاکر ترکوں کی حکومت سے آزاد ہوجاتا وہ اپنے قول کا پابند رہا اور سلطان بایزید کے بیٹوں کو اُس وقت تک برابر مدد دیتا رہا جب تک کہ اُنہوں نے اپنے باپ کا تخت حاصل نہ کرلیا اسٹیفن کے بعد جارج برانکووچ کے زمانہ میں سرویا کو کسی قدر خودمختاری حاصل ہوئی لیکن ۱۴۳۸ء عیسوی میں جب اُس نے عَلَم بغاوت بلند کیا تو ترکوں نے پھر اُسکے ملک پر قبضہ کرلیا اس کے بعد پھر کچھ زمانہ تک سرویا نے ہنگری کو اپنا بالا دست حاکم تسلیم کیا۔ لیکن وارنا کے مقام پر ۱۴۴۴ء عیسوی میں جان ہنی ڈے کی شکست سے سرویا پر پھر ترکوں کا قبضہ ہوگیا اور ۱۴۵۹ء عیسوی میں وہ ترکی سلطنت کا صوبہ بنالیا گیا۔

جس وقت سرویا کے عیسائیوں کے سامنے یہ دو باتیں پیش ہوئیں کہ یا تو حکومت ہنگری کی وہ اطاعت قبول کریں جو رومن کیتھولک مذہب رکھتی تھی یا ترکوں کی حکومت کو تسلیم کریں جو مسلمان تھے تو سرویا کے عیسائیوں نے مسلمانوں کی حکومت کو ترجیح دی۔ اس مضمون پر جو خیالات اُس زمانہ میں سرویا والوں کے تھے وہ ذیل کے واقعہ سے معلوم ہوجاویں گے جب ترکوں اور ہنگری والوں میں لڑائی چھڑی ہوئی تھی تو جارج برانکووچ نے جان ہنی ڈے سے پوچھا کہ "اگر تم جیت جاؤگے تو کیا کروگے؟ ہنی ڈے نے جواب دیا کہ

کیتھولک مذہب کو فوراً قائم کروں گا اسکے بعد برانکوو ج سلطان کے پاس گیا اور پوچھا کہ "اگر تم فتحیاب ہوئے تو ہمارے مذہب کے ساتھ کیونکر پیش آوٴگے"؟ سلطان نے جواب دیا کہ "ہر مسجد کے پاس گرجا ہوگا اور ہر شخص کو آزادی ہوگی کہ ان دو مکانوں میں سے جس مکان میں چاہے خدا کی بندگی کرے"۔ سرویا کے بعض قسیسوں کی دغابازی سے شہر بلغراد کی محصور فوج کو ترکوں کی اطاعت قبول کرنی پڑی۔ سمندریہ کا شہر جو دریائے ڈانیوب پر واقع تھا اُس کے عیسائی باشندوں نے بھی ترکوں کی فوجکشی کو اپنے حق میں مبارک جانا اور سنہ ۱۶۰۰ عیسوی میں وہ رومن کیتھولک کی سلطنت سے آزاد ہوگئے۔

سرویا کے باشندوں میں اسلام کی اشاعت جنگ کسوو کے بعد ہی سے شروع ہوگئی تھی۔ اُس ملک کے بعض شریف خاندان کے لوگوں نے جو باقی بچے تھے پاس کے عیسائی ملکوں میں وطن چھوڑ کر آباد ہونا پسند نہ کیا بلکہ خوشی خوشی مسلمان ہوگئے تاکہ فیوڈل انتظام سے جو حقوق اُن کو ملے ہوئے تھے اُن میں خلل نہ پڑنے پائے اور وہ بدستور قائم رہیں سلاطین روم کو معلوم ہوا کہ یہ عیسائی شرفا مسلمان ہوکر اسلام کے نہایت پرجوش داعی ثابت ہوتے ہیں۔ لیکن سرویا کے عام عیسائی رعایا باوجود سختیوں اور مصیبتوں کے عیسائی مذہب پر قائم رہی۔ اور صرف سرویا قدیم جو اب البانیا کا شمال مشرقی حصہ ہے عیسائیوں نے کسی قدر کثرت کے ساتھ اسلام قبول کیا۔ لیکن سرویا قدیم میں بھی سترہویں صدی تک اسلام کی اشاعت آہستہ آہستہ ہوئی اس زمانہ میں آسٹریا نے سرویا کو ترغیب دی کہ بغاوت کرے لیکن جب اس بغاوت سے سرویا کو کچھ نفع نہوا تو سنہ ۱۶۹۰ء میں اس ملک کا بطریق ارسینوس سوم چالیس ہزار عیسائی خاندانوں کو لیکر ترکی سرحد سے نکلا اور ہنگری میں

لہ امیزیقے دوپوی دے یوم - لوس ایسلاوس ای ترکیا - (مطبوعہ میدرڈ سنہ ۱۸۷۸) صفحہ ۱۷۔۱۸ سلہ دے لا جونقیئر صفحہ ۲۱ سلہ دے لا جونقیئر - صفحہ ۲۹ سلہ کانٹا صفحہ ۳ ھ کانٹا صفحہ ۳۰۔۳۱ ھ مورخ ماکنزی اور ابی نے سرویا قدیم کا نقشہ ۲۴۲ صفحہ پر دیا ہے۔ اُس میں پریزرن کا شہر جو سرویا کا دارالحکومت تھا اور اپک کا شہر جو سرویکے مطران کا شہر تھا اور کسوو کا مقام جہاں لڑائی ہوئی تھی دیا ہوا ہے۔

آباد ہوگیا۔ بسنہ ۱۶۹۰ء میں ارسینوس چہارم کے زمانہ میں پندرہ ہزار عیسائی خاندانوں نے اور وطن ترک کیا اور سرویا کے اُس حصّہ کو جس میں یہ لوگ آباد تھے قریب قریب خالی کر دیا۔[۱]

جب ملک خالی ہوا تو جنوب سے البانیا کے لوگ سرویا قدیم میں آکر بس گئے۔ جس وقت یہ البانی سرویا قدیم میں داخل ہوئے تو اکثر کا مذہب رومن کیتھولک تھا۔ لیکن جب وہ آباد ہو گئے تو رفتہ رفتہ مسلمان ہونے شروع ہوئے۔ آجکل جس قدر کیتھولک مذہب کے عیسائی البانی اس ملک میں موجود ہیں اُن کی تعداد باوجودیکہ اُن کے ہم مذہب پہاڑوں سے اُتر کر وقتاً فوقتاً اُن میں شامل ہوتے رہتے ہیں بہت کم ہے۔ جو عیسائی نووارد ہوتے ہیں وہ اپنے بزرگوں کی تقلید کرتے ہیں اور کچھ عرصہ کے بعد مسلمان ہو جاتے ہیں۔[۲]

جب سرویا قدیم میں البانی آباد ہوئے تو سرویا کے اصلی باشندوں میں (جو کچھ باقی بچے تھے) اسلام کی اشاعت شروع ہوئی۔ سرویا کے پادری اور قسیس جاہل اور ناخواندہ ہوتے تھے نماز کی کتاب بھی مشکل سے پڑھ سکتے تھے۔ لکھنا کسی نے نہیں سیکھا تھا۔ لوگوں کے سامنے وعظ نہیں کہہ سکتے تھے اور مذہبی کتابیں پڑھانے کی قابلیت نہ رکھتے تھے۔ گاؤں کے گاؤں ایسے تھے جن میں مشکل سے ایک عیسائی بھی ایسا نہیں ملتا تھا جس کو "خداوند کی دعا" یاد ہوتی یا "خداوند کے احکام" کا شمار اُس کو معلوم ہوتا۔ قسیسوں کی لاعلمی اور جہالت کا بھی یہی حال تھا۔[۳] ۱۶۹۰ عیسوی کی بغاوت کے بعد اپیک میں جو سرویا کا شہر تھا دولت عثمانیہ کی طرف سے بطریق مقرر کر دیا گیا تھا۔ لیکن ۱۷۶۶ء میں جب دوسری بغاوت ہوئی تو سرویا کے بطریق کو ترکوں نے موقوف کر دیا اور سرویا کا کلیسا قسطنطنیہ کے بطریق کا ماتحت بنا دیا گیا۔ اور سرویا کے گرجاؤں میں یونانی کلیسا کے قسیس

---

[۱] کانظ۔ صفحہ ۳۔[۲] ماکنزی اور اربی صفحہ ۲۵۰-۲۵۱۔[۳] فارلاتی۔ ساتویں جلد۔ صفحہ ۱۲۷-۱۲۸۔

مقرر ہوئے جنہوں نے غریب عیسائیوں کا خون بہانے میں ترکی حکام اور پاشاؤں کا
ساتھ دیا۔ اُن کو اپنی قومی زبان میں نماز پڑھنے کی ممانعت ہوئی اور جو کتابیں قدیم سلوانک
زبان میں تھیں اُن کو جمع کر کے قسطنطنیہ روانہ کر دیا گیا[1]۔ جب قسیسوں کی یہ حالت ہو تو
پھر عیسائی مذہب کے بگڑنے پر کیا تعجب ہو سکتا ہے۔ سنہ ۱۶۹۰ء سے جب کہ سرویا والوں نے
اپنا ملک چھوڑا تھا تو شہر پریزرن کے ضلع میں عیسائی مسلمانوں کے طریقے سیکھ چلے تھے
ان عیسائیوں نے پریزرن کے یونانی اسقف سے بار بار فریاد کی کہ قسیس اُن کے پاس
ہمیشہ نہیں تو کبھی کبھی تو بھیجے جاویں۔ مگر کسی نے نہ سُنا اور عیسائیوں کے بچوں کو
اصطباغ تک نہ ملسکا۔ تجہیز و تدفین کے وقت عیسائیوں کے مُردے اور نکاح کے وقت
عیسائی کلیسا کی دعا سے محروم رہ گئے اور گرجا بوسیدہ ہو کر گر پڑے[2]۔ اور پوگی کے
ضلعے میں جو پریزرن سے ملا ہوا ہے ساڑھے نو ہزار مسلمان آباد ہیں اور یہ سب اُسی جگہ کی
قوم سلاؤ کی اولاد ہیں[3]۔ سترہویں صدی کے شروع میں بیزی نے جاگینیو کے شہر میں
دریافت کیا کہ رومن کیتھولک عیسائیوں کے ۱۲۰ خاندان اور یونانی عیسائیوں کے ۲۰۰
خاندان اور مسلمانوں کے ۱۰۰ خاندان ہیں[4]۔ سو برس کے بعد اس شہر میں جس قدر خاندان
تھے وہ مسلمانوں کے خاندانوں میں شامل ہونے لگے کیونکہ ہر ایک خاندان کا سرپرست
مسلمان تھا البتہ عورتیں اور کچھ بچے عیسائی مذہب رکھتے تھے[5]۔ اٹھارہویں صدی کے
وسط میں لیورس کے گاؤں میں سب لوگ رومن کیتھولک تھے۔ سنہ ۱۷۶۳ء میں ۹۰ مسلمانوں
اور ۴۳ عیسائیوں کے خاندان وہاں ہو گئے۔ لیکن اب اس گاؤں کے عیسائیوں اور گرد
و نواح کے عیسائیوں نے عیسائی مذہب بالکل ترک کر دیا ہے[6]۔ کچھ عرصہ ہوا کہ کسی کسی گاؤں
میں بعض ایسی رسمیں جاری تھیں جس سے معلوم ہوتا تھا کہ گاؤں کے لوگ کسی زمانہ میں

---

[1] مالکزی اور اربی صفحہ ۳۰۴، ۳۰۵ - کانٹا صفحہ ۳۳ [2] کانٹا صفحہ ۳۰۹ - ۳۱۰ [3] کانٹا صفحہ ۳۱۲ [4] بیزی صفحہ ۳۱
(ب) [5] زمیسیرخ صفحہ ۲۱۲ [6] کانٹا صفحہ ۳۰۸۔

عیسائی تھے۔ لیکن اب وہ بھی موقوف ہو گئیں۔

جنگ کسووا اور عیسوی سلطنت سرویا کے زوال کے بعد سرویا کے ایسے لوگوں کو جنہوں نے ترکوں کا مطیع بننا قبول نہیں کیا اور جنہوں نے مستقل ارادہ کر لیا کہ اپنی آزادی کو ہاتھ سے نہ دیں گے جبل الاسود (مونٹ نیگرو) کے پہاڑوں میں پناہ ملی یہاں موقع نہیں کہ اس بہادر قوم کے حالات لکھے جاویں کہ کس دلیری اور جوانمردی سے اُس نے بیشمار دشمنوں کے حملوں کو رد کیا اور لڑائیوں کے زمانہ میں جو صدیوں تک جاری رہیں اسقفوں کی اطاعت[۱] اور ہدایت پر کار بند رہکر اُس نے کیونکر اپنی عیسائی حکومت کو ایسے زمانہ میں ترکوں کے قبضہ سے آزاد رکھا جبکہ اور سب عیسوی ریاستیں مجبور ہو کر ترکوں کی اطاعت قبول کرنی چاہتی تھیں۔ ایسی صورت میں جبکہ عیسائی مذہب کے قائم رہنا ہی وہ چیز تھا جس کے بل سرویا کے عیسائی بذات خود حکمران اور آزاد ہونے کی حیثیت رکھ سکتے تھے تو یہ خیال مشکل ہو کہ ایسے وقت میں اسلام نے کس طرح اُن میں اشاعت پائی ہوگی۔ لیکن سترہویں صدی عیسوی میں جبل الاسود کے بہت سے عیسائی جو سرحدی اضلاع میں آباد تھے مسلمان ہو گئے اور ترکی پاشاؤں کی ملازمت اُنہوں نے اختیار کی ۱۷۰۳ء عیسوی میں دانیال پتروویچ نے جو اُس زمانہ میں اسقف کا عہدہ رکھتا تھا عیسائیوں کے سب فرقوں کو جمع کیا اور اُن سے کہا کہ اپنے ملک اور مذہب کی بہتری کے لیے اب جو کچھ اُمید اُن کو باقی ہے وہ یہ ہو کہ جس قدر مسلمان ہم میں رہتے ہوں اُن سب کو نیست و نابود کر دیا جاوے۔ چنانچہ بڑے دن کی شام کو جبل الاسود کے وہ تمام عیسائی جو مسلمان ہو گئے تھے نہایت بیدردی سے قتل کیے گئے[۲]۔

اب ہم ملک بوسینیا کا ذکر کرتے ہیں۔ اس ملک کے باشندوں کے جو مذہبی اور سوشل حالات ترکوں کی فتوحات سے پہلے تھے وہ خاص توجہ کے قابل ہیں۔

---

[۱] مانٹ نیگرو پر ۱۵۱۶ء میں سے ۱۸۵۲ء تک اسقف حاکم رہے۔ [۲] کلارک صفحہ ۲۶۲-۲۶۳-

باشندگان بوسینا میں سے اکثر لوگ بگومائل فرقہ کے تھے جو عیسوی مذہب کا ایک بدعتی فرقہ تھا۔ رومن کیتھولک عیسائیوں نے اس فرقہ پر تیرھویں صدی عیسوی سے ظلم کرنے شروع کیے تھے اور روما کے پوپوں نے کئی موقعوں پر اس فرقہ پر صلیبی جہاد کا حکم جاری کیا تھا۔[1] ۱۳۲۵ء عیسوی میں روما کے پوپ یحییٰ نے بادشاہ بوسینا کو یہ مراسلہ بھیجا "ہمارے عزیز فرزند اور امیر سٹیفن بادشاہ بوسینا کے نام۔ تجھکو کلیسا کا خیرخواہ جانکر ہم حکم دیتے ہیں کہ اپنی قلمرو سے بدعتی فرقہ کے لوگوں کو غارت کردے اور فابیوں جس کو ہم نے تحقیقات کے لیے مقرر کیا ہے اُس کی مدد کرے کیونکہ بدعتی لوگ بوسینا کی ریاست میں جمع ہوگئے ہیں اور ہم کو یقین ہے کہ یہ لوگ اپنے گناہوں کا بیج وہاں بوئیں گے اور امن سے آباد رہیں گے۔ ان لوگوں پر شیطان کے مکر و فریب کا گہرا رنگ چڑھا ہوا ہے اور جھوٹ کا زہر اُن کے پاس ہے تاکہ ظاہر میں بھولے بکرا و عیسائیوں کا سا نام رکھکر وہ رومن کیتھولک عیسائیوں کے ایمانوں کو گمراہ کریں اُن کی تقریر کیکڑے کی طرح ٹیڑھی چال چلتی ہے اور عاجزی ظاہر کرنے کیلیے وہ خاک پر رینگتے ہیں۔ لیکن چھپ کر وہ لوگوں کو قتل کرتے ہیں۔ اور وہ گرگ ہیں جنہوں نے گوسپند کا بھیس اختیار کیا ہے۔ اور اُنھوں نے درندوں کی خصلت کو چھپایا ہے تاکہ مسیح کی غریب اور بھولی بھیڑوں کو دھوکا دیں"۔ پندرھویں صدی عیسوی میں فرقہ بگومائل کی تکلیفیں ناقابل برداشت ہوگئیں اور اُنھوں نے ترکوں سے درخواست کی کہ اس بُری حالت سے اُن کو کسی طرح نجات دیں۔ بوسینا کے عیسائی بادشاہ اور اُس کے قسیسوں نے ظلم کو اُس انتہائی درجہ پر پہنچا دیا جو اس سے پہلے کبھی اس درجہ کو نہ پہنچا تھا۔ چنانچہ چالیس ہزار بگومائل بوسینا سے بھاگ گئے اور پاس کے ملکوں میں

[1] جن پوپوں نے لڑائی کا حکم دیا اُن کے نام یہ ہیں۔ ہنوریئوس سوم نے ۱۲۲۱ء میں غریغوری نہم نے ۱۲۳۸ء میں انوسینٹ چہارم نے ۱۲۴۶ء میں بینی ڈکٹ دوازدہم نے ۱۳۳۷ء عیسوی میں مذہبی لڑائی کا حکم دیا۔ ۱۲۹۱ء سے انکیوزیشن یعنی مذہبی تحقیقات کا محکمہ جاری ہوا۔

اُنہوں نے پناہ لی۔ جو لوگ بھاگ نہ سکے اُن کو بوسینا کے حاکموں نے پا بزنجیر کر کے روما کو روانہ کیا۔ لیکن یہ سخت طریقے بھی بگو مائل کی قوت کو بوسینیا کے ملک میں نہ توڑ سکے۔ کیونکہ لکھا گیا ہی کہ ۱۴۶۲ء میں اس ملک میں یہ عتی فرقہ اُسی پرلانے زور پر تھا ایک سال کے بعد ۱۴۶۳ عیسوی میں جب سلطان محمد ثانی نے بوسینا پر فوج کشی کی تو بوسینا کے بادشاہ کو جس کا مذہب رومن کیتھولک تھا رعایا نے تنہا چھوڑ دیا۔ قلعہ کی کنجیاں اور یوبواظ کا شاہی شہر بگو مائل کے گورنر نے ترکوں کے حوالے کر دیا۔ اور قلعوں اور شہروں میں بھی اسی مثال کی پیروی ہوئی۔ چنانچہ ایک ہفتہ کے اندر سلطان محمدؐ کے قبضہ میں ستر شہر آگئے اور سلطان کے مفتوحہ ملکوں میں بوسینا بھی شامل کیا گیا[۱]۔

اس فتح کے بعد سے بگو مائل فرقہ کا حال تاریخوں میں بہت کم ملتا ہے معلوم ہوتا ہی کہ ترکی فتح کے بعد ہی اس فرقہ کے اکثر لوگوں نے اسلام قبول کیا اور جو رہ گئے وہ بعد کو رفتہ رفتہ مسلمان ہو گئے۔ بوسینیا کے کیتھولک عیسائی ہنگری اور آسٹریا کے ملکوں میں جو قریب تھے جا بسے بعض مؤرخوں نے فرض کیا ہی[۲] کہ اکثر بگو مائل عیسائیوں نے ترکی فتح کے ابتدائی زمانہ میں اسلام اس نیت سے اختیار کیا تھا کہ موقع پاکر پھر عیسائی ہو جاویں گے اور چونکہ اُن پر ظلم بہت ہوتے تھے اس لیے اُنہوں نے دفعہ الوقتی کے لیے اپنے مذہب سے انکار کرنا سیکھ لیا تھا۔ لیکن جب پھر عیسائی ہونیکا موقع اُن کو کبھی نصیب نہیں ہوا تو پھر اس بات کا ارادہ بھی رفتہ رفتہ کم ہو کر اُن کی اولاد کے دل سے قطعی محو ہو گیا۔ لیکن ایسا فرض کرنا محض قیاس ہی قیاس ہی۔ کوئی صحیح شہادت اُس کے ثبوت میں موجود نہیں۔ بلکہ بگو مائل کو مسلمان ہو کر مسلمانوں میں شامل ہو جانے کی ترغیب شاید اس وجہ سے ہوئی کہ اسلامی عقائد اور اس فرقہ کے عجیب و غریب

[۱] اسبوئۃ صفحہ ۹۴-۹۵۔ ایوانس صفحہ ۳۶-۴۰ [۲] اسبوئۃ صفحہ ۹۶-۹۷۔

اعتقادات میں اکثر باتیں مشابہت رکہتی تہیں۔ حضرت مریم کی پرستش اور اصطباغ کی رسم اور قسیسوں کے محکمہ سے فرقۂ بگومائل کو قطعی انکار تہا[1]۔ صلیب کو مذہبی نشان سمجہنے سے اُن کو نفرت تھی۔ اور مذہبی تصویروں اور بتوں کو پوجنے اور تبرکات اور مسیحی اولیا کی تعظیم وتکریم کو وہ بت پرستی خیال کرتے تہے۔ ان کے معابد بہت سادے ہوتے تہے۔ رومن کیتھولک کے گرجاؤں کے برخلاف اُن کے گرجاؤں میں تکلف کا کوئی سامان نہ ہوتا تھا۔ مسلمانوں کی طرح وہ بھی گرجا کے گھنٹے سے نفرت کرتے تہے اور اُنہوں نے اُس کا نام شیطان کا صور رکہا تہا۔ اُن کا اعتقاد تھا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام خود مصلوب نہیں ہوئے بلکہ اُن کی جگہ کوئی اور ہوائی صورت مصلوب ہوئی تھی۔ اس مسئلہ میں وہ کسی قدر قرآن کی تعلیم سے موافقت رکہتے تہے[2]۔ شراب کو حرام سمجہنا اور معاشرت کے طریقوں میں سختیاں اختیار کرنی ظاہر میں نہایت خشک اور سخت مزاج ہونا وہ چیزیں تہیں جنہوں نے اسلام سے اُن کو اور زیادہ تعلق پیدا کرا دیا[3]۔ چنانچہ بگومائل کی نسبت ایک مؤرخ نے لکہا ہی کہ "یہ بدعتی لوگ ظاہر میں بہیڑوں کی طرح خاموش اور مسکین ہیں۔ مکاری سے روزے رکہکر صورت زرد بنا لیتے ہیں کبھی زیادہ بولتے یا آواز سے ہنستے نہیں۔ ڈاڑہی کو بڑہاتے ہیں اور باقی صورت کی طرف سے بے پروا ہوتے ہیں[4]" یہ لوگ پانچ وقت دن کو اور پانچ وقت رات کو نماز ادا کرتے تھے اور خداوند کی دعا بار بار رکوع کرکے پڑہا کرتے تہے[5]۔ پس ان نمازوں کی جگہہ میں مسجد

[1] فرقۂ بگومائل کے لوگ مسیحی کلیسا کے رسوم اور کلیسا کے افسروں کو بہت بُرا کہتے ہیں اور یونانی قسیسوں کا نام اُنہوں نے اندہا ریاکار رکہا ہی۔ اور اُن کو دیکہکر اس طرح غراتے ہیں جیسے کتا گہوڑوں کی طرف دیکہکر بہونکتا ہی۔ مسیحی عشا کی نسبت اُنکا خیال ہی کہ وہ خداوند کے حکم کے موافق نہیں ہی اور جو روٹی اُس میں کہائی جاتی ہی وہ مسیح کا جسم نہیں ہی بلکہ معمولی روٹی ہی۔" دکوموس جسکو ایوانس نے نقل کیا ہی (صفحہ ۳۰۱۰۳)۔ [2] قرآن۔ سورہ ۴۔ آیت ۱۵۶ [3] اس مضمون کا اُس عبارت سے مقابلہ کرو جو ترکوں نے چارلس دوازدہم بادشاہ سویڈن کی نسبت تعریف وتوصیف میں لکہی تہی۔ عبارت یہ ہی: "شراب سے پرہیز اور روزانہ دو وقت کی نماز پڑہا کرنے کی وجہ سے لوگوں کو کہنا پڑتا ہی کہ بادشاہ گویا سچا مسلمان ہی۔" [4] کوسماس منقولہ ایوانس صفحہ ۱۱۱۔ [5] اسیوتہ ۳۲۔ وبیظراند ولیت دوسری جلد صفحہ ۷۵۔

جاکر نماز پڑھنے سے اُن کو کوئی تبدیلی نہیں معلوم ہوئی ہوگی۔ غرض میں نے اس جگہ بگومائل کی اُن مذہبی باتوں کو جمع کردیا ہی جو اسلام تعلیم سے مشابہت رکھتی تہیں لیکن بعض مسائل جو عیسوی مذہب کے ساتھ مخصوص تھے اُن میں ایسے بھی موجود تھے جنکو کوئی مسلمان تسلیم نہ کرسکتا تہا۔ لیکن جب اس قدر باتیں مشترک ہوں تو یہ بات سمجھنی آسان ہی کہ کس طرح فرقہ بگومائل میں ایسے مسائل کو ترک کرنے کی ترغیب ہوئی ہوگی جن کو اسلام گوارا نہ کرتا تہا۔ مذہب مانویہ کا یہ اعتقاد کہ خدا دو ہیں اُن میں موجود تھا جو اسلامی عقائد سے کسی صورت میں مطابق نہ ہوسکتا تہا۔ لیکن اسلام کا عموماً یہ قاعدہ رہا ہی کہ اُس نے اس قسم کے خیالات کی طرف صلح کل کا طریقہ برتا بشرطیکہ ان خیالات سے کوئی فرق اصلی مذہب میں نہ آیا اور اسلام کے حقیقی اُصول اور عمل کا لوگوں نے ہرحال میں اقرار کیا۔

ترکوں نے حسب عادات بوسینیا والوں سے بھی مسلمان ہونے کیلیے ہرقسم کے نفع کا وعدہ کیا۔ جن عیسائیوں نے اسلام قبول کیا اُن کو اجازت ہوگئی کہ اپنی زمینوں اور مال پر بدستور قابض رہیں اور احتمال ہی کہ قدیم عیسائی خاندانوں کے لوگوں نے جن کو رومن کیتھولک عیسائیوں نے مذہبی مخالفت کیوجہ سے اُن کی جائدادوں سے بیدخل کردیا تہا اب اُنہوں نے اسلام اختیار کرکے اپنے قدیم درجہ اور منصب کو بحال کرنے کا موقع پایا

ترکوں کی ملکی فتوحات میں اخیر فتح جزیرۂ کریٹ کی تہی جس کو ۱۶۶۹ء عیسوی میں وینس کی سلطنت سے ترکوں نے چھین لیا۔ کاندیا کا شہر تین برس کے سخت محاصرہ کے بعد فتح کیا گیا اور پچیس برس سے جو جھگڑے ان دونوں مقابل کی قوتوں میں اس جزیرہ پر قبضہ کرنے کیلیے چلے آتے تھے وہ آخر ختم ہوگئے۔

یہ پہلا ہی موقع نہ تھا کہ جزیرۂ کریٹ پر مسلمانوں کا تسلط ہوا ہو۔ نویں صدی عیسوی میں اسپین کے مسلمانوں کا ایک گروہ جو ادہر اُدہر لڑتا پہرتا تہا اس جزیرہ پر دفعتاً قابض ہوا اور

تقریباً ڈیڑھ صدی (۸۲۳ء سے ۹۶۱ء تک[1]) یہ جزیرہ مسلمانوں کے قبضہ اور تصرف میں رہا اس ڈیڑھ صدی میں جزیرہ کریٹ کی کل رعایا مسلمان ہوگئی تھی لیکن جب پھر بازنتین سلطنت کا وہاں دوبارہ دورہ ہوا تو ایک ارمنی قسیس کے وعظ سے لوگوں کو دوبارہ عیسائی بنایا گیا اور تمام جزیرہ میں سوائے عیسائی مذہب کے اور کوئی مذہب نہ رہا[2]۔ تیرھویں صدی کے شروع میں بونیفیس مونٹ سیراٹ کے ڈیوک سے وینس کی ریاست نے اس جزیرہ کو خرید لیا۔ بونیفیس کے قبضہ میں یہ جزیرہ اُس وقت آیا تھا جب کہ بازنتین سلطنت کے حصے ہوگئے تھے وینس کی ریاست نے اس جزیرہ کو خریدی ہوئی چیز سمجھکر اپنی گورنمنٹ اور نوآبادی کے نفع کیلیے جس طرح چاہا برباد کیا۔ اور ان کی حکومت اس قدر سخت اور ظالمانہ ثابت ہوئی کہ رعایا نے کئی دفعہ بغاوتیں کیں جنکو نہایت بیرحمی سے فرو کیا گیا۔ ایک موقع پر سفاکیہ اور لاسیتی کے اضلاع رعایا سے بالکل خالی ہوگئے اور سرکاری طور پر حکم ہوا کہ ان اضلاع میں اناج نہ بویا جاوے بلکہ جو ایسا کرے گا اُس کو موت کی سزا ملیگی۔ غرض تقریباً ایک صدی تک اضلاع بغیر زراعت کے بنجر پڑے رہے[3]۔ سولھویں صدی عیسوی کے شروع میں جزیرۂ کریٹ کی اخیر بغاوت کو جس بیرحمی اور سفاکی سے وینس کی گورنمنٹ نے فرو کیا وہ سب سے بڑھکر اور اخیر مصیبت تھی جو کریٹ کے بدنصیب باشندوں پر نازل ہوئی۔ اُسی صدی کے اخیر زمانہ میں وینس کی ملکی مجلس نے کمشنر مقرر کئے کہ جزیرہ والوں کے حال سے اطلاع دیں ان کمشنروں نے جو حالات اپنی رپورٹوں میں لکھے اُن سے اصلی کیفیت باشندگان کریٹ کی مظلومی اور بیکسی کی معلوم ہوتی ہے۔ وینس کے امیروں نے جن کو فیوڈل طریقے کے اختیارات حاصل تھے کاشتکاروں پر ایسے ظلم کیے کہ وہ بالکل پامال ہوگئے تھے۔ اور اُن کی حالت غلامی کی حالت سے بھی بدتر ہوگئی تھی۔ اور ان میں اتنی

[1] اماری۔ پہلی جلد صفحہ ۱۶۳۔ دوسری جلد صفحہ ۲۶۰ [2] کارنارو۔ پہلی جلد صفحہ ۲۰۵ - ۲۰۸ [3] پیرو۔ صفحہ ۱۵۱۔

جرأت بھی باقی نہ تھی کہ ان مصیبتوں کی شکایت کریں۔ ہر ایک کاشتکار کو اپنے امیر کیلیے برس میں بارہ دن بغیر اجرت کے کام کرنا لازم تھا اور اس پر بھی امیران کاشتکاروں کو مجبور کر سکتا تھا کہ جس قدر مدت تک چاہے ایک پینی فی یوم کے حساب سے برائے نام مزدوری دیکر اُن سے اپنا کام لے۔ انگور کے باغوں سے جو کاشتکاروں کی ملکیت ہوتے تھے تہائی نفع امیر کا ہوتا تھا کاشتکاروں کے بیل اور خچر بیگار میں پکڑ لیے جاتے تھے۔ اور بیسیوں طرح کے دہوکے اور ظلم تھے جن سے ان غریبوں کو آزار دیا جاتا تھا[1]۔ کمشنروں نے جو کیفیت جزیرہ والوں کے حالات کی لکھی ہے اُس سے وینس کی مجلس پر کچھ اثر نہ ہوا کہ ان مصیبت زدہ کاشتکاروں کی حالت بہتر کی جاتی اور امیروں کے ظلم بند ہوتے۔ بلکہ مجلس نے ایک شخص فرا بویو سار بی نامی کی ہدایتوں پر کاربند ہونا پسند کیا جس نے ۱۶۱۵ء میں یونانی نو آبادیوں کے بارے میں وینس کی سلطنت کو یہ لکھا تھا کہ "اگر نو آبادیوں کے یونانی امرا اپنی ریاستوں میں دیہات کے لوگوں پر ظلم کرتے ہیں تو بہتر طریقہ یہی ہے کہ اُنکی طرف کچھ توجہ نہ کی جاوے تاکہ اُن میں اور اُن کی رعایا میں آشتی نہ پیدا ہو سکے[2]۔

مذکورۂ بالا عبارت جس مصنف نے نقل کی ہے اُس نے یہ بھی تحریر کیا ہے کہ جزیرۂ کریٹ کے باشندے اپنے حاکموں کو بدلنا چاہتے ہیں"۔ لیکن ترکوں کی اطاعت کو بھی وہ بہت دن تک قبول نہ رکھیں گے کیونکہ اپنی ہی قوم کے اور لوگوں کی مثالیں اُن کی نظر کے سامنے موجود تھیں۔ غرض کریٹ کے لوگ بھاگ بھاگ کر ترکوں کی سلطنت میں چلے آئے تاکہ وینس کے محصولوں سے بچ جاویں۔ اور اس میں اُنہوں نے اُن بیشمار عیسائیوں کی پیروی کی جو سلطنت عثمانیہ میں وقتاً فوقتاً اپنی ظالم گورنمنٹ سے پناہ لینے کیلیے چلے آئے تھے[3]۔ عیسائیوں کے بڑے بڑے گروہ مصر میں بھی بھاگ آئے جہاں اُنہوں نے اسلام قبول کر لیا[4]۔ کریٹ کے لوگوں کو جو بات نہایت ناگوار اور تلخ معلوم ہوتی تھی وہ رومن کیتھولک قسیسوں

[1] پاشلی۔ پہلی جلد صفحہ ۳۰۔ دوسری جلد صفحہ ۲۸۴، ۲۹۱-۲۹۲ [2] پاشلی دوسری جلد صفحہ ۲۹۸ [3] پاشلی دوسری جلد صفحہ ۲۸۵ [4] پاشلی۔ پہلی جلد صفحہ ۳۱۹۔

کا ظلم تھا کہ وہ ایسے روپے کو جو یونانی قسیسوں کا حق ہوتا تھا اپنے کام میں لاتے تھے اور
یونانی عیسائیوں کو جن کی آبادی دس حصوں میں سے نو حصے تھے جس طرح بن پڑتا تھا۔
ذلیل اور خوار کرتے تھے[1]۔ اس کے برخلاف ترکوں نے عیسائی رعایا کے دل اس طرح
خوش رکھے کہ یونانی کلیسا کی بطریقی وہاں قائم کی۔ وینس کے ایک مؤرخ نے اس کا حال
یہ لکھا ہو کہ کانیا کا ایک پادری ترکی جنرل قاسم کے پاس گیا اور اُس سے کہا کہ اگر تم رعایا کی
رضا مندی حاصل کرنی اور وینس کے نام کو داغ لگانا چاہتے ہو تو تم کو اس بات کا یاد رکھنا
ضرور ہو کہ مضبوط سے مضبوط گرہ جو کسی شائستہ سوسائٹی کو باندھے رکھتی ہو اور جدا نہیں
ہونے دیتی وہ گرہ صرف مذہب ہی۔ پس تم کو وہ طریقۂ عمل اختیار کرنا ہوگا جو وینس
والوں کے طرزِ عمل سے مختلف ہو۔ وینس کی سلطنت کی یہ کوشش تھی کہ یونانی کلیسا کے
مذہب کو بیخ و بنیاد سے اُکھیڑ ڈالیں اور رومن کیتھولک مذہب اس کی جگہ قائم کریں اور
اس لیے اُنھوں نے حکم دیا کہ کل جزیرہ میں کہیں کوئی یونانی اُسقف مقرر نہ ہونے پاوے
اور یونانی عیسائیوں کو منتشر کرنے کی غرض سے ان واجب التعظیم اور با اختیار پیشوایانِ
مذہب کو علیحدہ کرکے وہ سمجھتے تھے کہ یونانی کلیسا کے عیسائیو ںپران کو آسانی سے قابو مل
جائیگا۔ لیکن اس ممانعت نے کہ یونانی اُسقف مقرر نہ ہونے پاویں کریٹ کے باشندوں
میں ایسا جوش پیدا کیا کہ وہ خوشی خوشی ایسی حکومت کے منتظر ہو گئے جو اُن کے ہاں پھر
یونانی اُسقفوں کو مقرر کردے جن کا موجود ہونا مذہبی ضروریات کیلیے لازمی تھا اس پادری
نے قاسم سے کہا کہ اگر تم نے رعایا کو یہ یقین دلا دیا کہ اُس کے قدیم حقوق ہی برقرار نہیں
رکھے جاویں گے بلکہ جدید اختیارات بھی اُس کو ملیں گے تو رعایا تم سے اور زیادہ خوش
اور رضا مند ہوگی۔ یہ باتیں قاسم کو اس قدر معقول معلوم ہوئیں کہ اُس نے فوراً اُن کو
قسطنطنیہ لکھ بھیجا یاں وہ بہت پسند کی گئیں اور بطریق قسطنطنیہ کو سلطان سے حکم ملا کہ

[1] پیرو۔ صفحہ ۱۵۱۔

کسی لائق شخص کو کانڈیا کا مطران فوراً مقرر کیا جاوے اور اس مطران کے ماتحت سات اُسقف اور مقرر کیے جاویں[1]۔

معلوم ہوتا ہے کہ ترکی فتح کریٹ کے بعد ہی جزیرہ کے بہت عیسائیوں نے اسلام قبول کرلیا۔ یہ بات قیاس کے خلاف نہیں ہے کہ وہی چیز جس نے وینس کے زمانہ حکومت میں جو غیر کی حکومت تھی عیسائیوں کو اپنے قدیم یونانی کلیسا کا معتقد رکھا تھا جبکہ وینس کے لوگ ہمیشہ اُن کو اپنے سے علٰحدہ رکھتے تھے اور اُن سے کسی طرح کے تعلق کو اپنی نہایت بے عزتی سمجھتے تھے[2] تو اُسی چیز نے اب عیسائیوں کو مجبور کیا کہ اسلام قبول کرلیں مسلمانوں نے کریٹ کی عیسائی رعایا کو رعایا نہ سمجھا بلکہ گورنمنٹ کے انتظام میں اُس کو شریک کرکے اپنے برابر کا درجہ اُس کو دیا۔ کریٹ کے لوگوں میں اسلام کی اشاعت کے کچھ ہی اسباب ہوں لیکن اس کا یقین نہیں ہوسکتا کہ مسلمانوں کے جبر و اکراہ نے ایک ایسی قوم کا مذہب تبدیل کردیا ہو جو صدیوں تک اپنے قدیم مذہب کے ساتھ باوجود غیر مذہب والوں کے جور و ستم کے وابستہ رہی تھی۔ غرض کچھ ہی اسباب ہوں جس سے کریٹ کے عیسائی کثرت سے مسلمان ہوئے لیکن یہ ضرور دریافت ہوتا ہے کہ فتح کریٹ کے تیس برس بعد اکثر مسلمان وہ ہی لوگ تھے جو پہلے عیسائی تھے یا اُن عیسائیوں کی اولاد تھے جو مسلمان ہوچکے تھے[3]۔ ایک صدی سے کچھ زیادہ زمانہ کے بعد جزیرہ کریٹ کی نصف آبادی مسلمان ہوگئی۔ جزیرہ کے ایک سرے سے دوسرے سرے تک شہروں ہی میں نہیں بلکہ قصبات میں اور وسط کے اضلاع میں یہانتک کہ جزیرہ کے بیچ میں جو بستیاں تھیں اُن میں بھی مسلمان بکثرت نظر آنے لگے جو شکل لباس وضع اور زبان میں بالکل یونانی تھے۔ جزیرہ کریٹ کی زبان یونانی ہے اور اس زبان کے سوا اور زبان اس جزیرہ میں کبھی رائج نہیں رہی۔ یہاں تک جو تھوڑے سے ترک وہاں آباد ہیں اُن کو بھی ملک کی زبان سیکھنی پڑتی ہے۔ اور سلطانی خزائن

[1] چارلس ایڈوارڈس۔ "کریٹ سی خطوط" صفحہ ۹۰-۹۲ مطبوعہ لندن [2] پاشلی دوسری جلد صفحہ ۱۵۱-۱۷۲ [3] پاشلی پہلی جلد صفحہ ۹

اور پاشاؤں کے حکم ہمیشہ یونانی زبان میں تحریر اور شائع ہوتے ہیں[1]۔ اس صدی میں جو قابل افسوس اور سخت اختلاف کریٹ کے عیسائیوں اور مسلمانوں میں ہے وہ یونان کی بغاوت سے پہلے (جس میں یہ ملک دولت عثمانیہ کے تحت سے آزاد کیا گیا) موجود نہ تھا۔ اور ایسے زمانہ میں جبکہ اکثر مسلمان عیسائیوں کی بیٹیوں سے جو اپنے مذہب پر قائم رہتی تھیں نکاح کرتے تھے اور اصطباغ کے وقت اپنے عیسائی دوستوں کے بچوں کے گوڈ فادر بنتے تھے[2]۔ یہ باہمی عداوت اور خصومت ہرگز موجود نہ تھی۔ بلکہ اُس زمانہ میں ان دونوں قوموں کا اتحاد اس بات سے اور ظاہر ہوتا تھا کہ اُن کا لباس ایسا یکساں تھا کہ مسلمان اور عیسائی میں اُن لوگوں کو بھی شناخت نہ ہوتی تھی جو قریب کے جزیروں میں رہتے تھے اور خود وہ لوگ بھی جو جزیرہ کریٹ میں مدت سے آباد تھے مسلمان اور عیسائی میں اکثر تمیز نہ کرسکتے تھے[3]۔

[1] پیرو صفحہ ۵۹ [2] پاشلی پہلی جلد صفحہ ۱۰۱۔۱۹۵ [3] سپراٹ "کریٹ کا سفر اور تحقیقات" پہلی جلد ۴۷۔ (مطبوعہ لندن ۱۸۶۵ء)

باب ہفتم

ملک ایران اور وسط ایشیا میں اسلام کی اشاعت

ایشیا کے مغربی ملکوں کو چھوڑ کر اب وسط ایشیا میں اسلام کی تاریخ اشاعت لکھنے کیلیے اہل عرب کی قدیم فتوحات کی طرف توجہ کرنی چاہیے۔ ساتویں صدی عیسوی کے وسط میں ساسانیوں کے خاندان کو زوال ہوا اور ایران کی وسیع سلطنت جس نے چار سو برس تک روما اور بازنتیم کی طاقت کا کامیابی کے ساتھ مقابلہ کیا تھا اب مسلمانوں کا ورثہ ہو گئی۔ جب ایرانی فوجوں کو اہلِ عرب سے شکستیں پہنچیں تو ایران کی رعایا نے دشمن کا مقابلہ نہ کیا۔ دولت ساسانیہ کے اخیر بادشاہوں کے زمانہ میں سخت طائف الملوکی پھیلی تھی اور رعایا کو اپنے بادشاہوں سے اسلیے اور علیحدگی ہو گئی تھی کہ زردشتی مذہب سے جو شاہی مذہب تھا لوگوں کو سخت آزار پہنچائے جاتے تھے اور بادشاہ ان ظلموں کو جائز رکھتے تھے۔ مذہب زردشت کے پیشواؤں کو سلطنت میں وسیع اختیارات حاصل تھے اور شاہی مجلسوں میں قریب قریب خودمختاری کا درجہ وہ رکھتے تھے ملکی نظم و نسق کے تمام صیغوں میں اُن کو بڑا حصہ ملا ہوا تھا اس قسم کے فرقے ایران میں کثرت سے موجود تھے اول تو ایران کے قدیم مذہب ہی کی بہت سی صورتیں تھیں جن کے ماننے والے جدا جدا فرقے رکھتے تھے۔ پھر عیسائی یہودی۔ صابی اور بدھ مذہب کے لوگ اور بہت فرقے جن میں نوستک۔ مانویہ اور بودہ مت کے خیالات نے جگہ پائی تھی ملک میں کثرت سے موجود تھے

ظلم اور اذیت کے باعث سے ان سب فرقوں میں زردشتی مذہب اور شاہی خاندان سے جو اس مذہب کا حامی تھا سخت مخاصمت پیدا ہو گئی اس لیے عرب کی فتوحات کو ایرانیوں نے اپنے حق میں نجات کا باعث سمجھا[۵۱]۔ اور ان تمام مختلف مذاہب کے معتقدوں کو ایسی حکومت کے سایہ میں آرام و آسائش کی توقع ہوئی جو جزیہ کی خفیف رقم لیکر سب لوگوں کو مذہبی آزادی اور فوجی خدمتوں سے نجات دیتے تھے اسلامی شریعت نے مذہبی آزادی حاصل رکھنے اور جزیہ ادا کرنیکے حقوق صرف عیسائیوں اور یہودیوں ہی کو نہیں دیے تھے بلکہ زردشتیوں اور صابیوں اور اُن لوگوں کو بھی دیے تھے جو مورتوں اور آگ اور پتھروں کو پوجتے تھے[۵۲]۔ یہ کہا جاتا ہے کہ خود پیغمبر خدا صلے اللہ علیہ وسلم نے صاف صاف ہدایت فرمائی کہ زردشتیوں کے ساتھ بالکل ایسا ہی برتاؤ کرو جیسا اہل کتاب کے ساتھ رکھتے ہو۔ اور حفاظت کے معاوضہ میں اُن سے بھی جزیہ لیا جا سکتا ہے[۵۳]۔

شہروں کے لوگ اور مزدور اور پیشہ ور نہایت شوق سے اسلام کی طرف بڑھے یہ لوگ اپنے پیشوں اور کاموں میں زردشتی مذہب کے موافق آگ یا مٹی یا پانی کو ناپاک کرتے تھے۔ اسلیئے خود ناپاک تصور کیے جاتے تھے۔ جب اس طرح مذہب کے بموجب وہ نیچ خیال کیے گئے اور کسی نے اُن کے ساتھ مہربانی یا سلوک نہ کیا تو اُنہوں نے خوشی سے ایسے مذہب کو اختیار کرلیا۔ جس نے اُن کو فوراً آزادی بخشی اور اسلامی اُخوت میں سب کے برابر درجہ دیا[۵۴]۔ زردشتی مذہب کے جو لوگ مسلمان ہوئے اُن کا حال بھی کچھ کم قابل وقعت نہیں خاندان ساسانیا کی قومی تباہی کے ساتھ ہی مذہب کا عالیشان قصر جس کو بادشاہوں نے اپنے سہارے سے قائم رکھا تھا کھنڈر ہو گیا اب اُن کے لیے کوئی مرجع عام نہ رہا۔ اور چونکہ اُن کے قدیم مذہب اور اسلام میں بہت سی باتیں مشابہ تھیں اس لیے زردشتی مذہب کو اسلام سے تبدیل کرنا اُن کو آسان معلوم ہوا ہو گا۔ ان لوگوں کو قرآن میں وہی اُصول دریافت ہوئے جو اُن کے مذہب میں

[۵۱] گونبو (۱) صفحہ ۵۵۔ ۶۶۔ لاسوسے۔ دوسری جلد صفحہ ۴۵۔ ۴۶ [۵۲] ابو یوسف کتاب الخراج۔ صفحہ ۷۳۔
[۵۳] ابو یوسف کتاب الخراج۔ صفحہ ۷۴۔ [۵۴] گونبو (۲) صفحہ ۳۰۶۔ ۳۱۰

بھی موجود تھے گو اُن کی شکل کسی قدر مختلف تھی اہرمزد اور اہرمن کی جگہ اللہ اور ابلیس اُن کو پڑھنا پڑا دنیا کا چھ زمانوں میں پیدا ہونا۔ ابتدا میں آدم کے بیگناہ ہونے کا قصہ ملائکہ اور شیاطین قیامت کو مردوں کا اُٹھنا جنت اور دوزخ کے مسئلے دونوں مذہبوں میں ایک تھے[1]۔ روزبانہ عبادت میں بھی بہت سی باتیں یکساں تھیں جس طرح اسلام قبول کرنے کے بعد پنجوقتہ نماز کا حکم ہوا۔ اسی طرح اوستا سے بھی دن میں پانچ وقت عبادت کرنے کی ہدایت تھی[2] ایران کے شمالی حصہ میں ایسے فرقے موجود تھے جنھوں نے زرتشتی مذہب میں مذہبی پیشواؤں کا محکمہ قائم ہونے کی سخت مخالفت اس بنیاد پر کی تھی کہ ہر شخص اپنے خاندان کا پیشوائے ملت ہے اور اس کام کیلئے کسی غیر کی ضرورت نہیں۔ ایک خدائے برتر کا یقین اور بقائے روح کو تسلیم کرکے وہ اس بات کی تعلیم دیتے تھے کہ اپنے ہمسایہ سے محبت رکھو نفس کو مطیع بناؤ اور نیکی کے ساتھ زندگی بسر کرنے کی کوشش کرو۔ پس ایسے لوگوں کو اسلام قبول کرنے کی ترغیب دینی آسان ہوئی ہوگی[3]۔

علاوہ اس کے ایران کے اُن زرتشتی فرقوں کے ساتھ جن پر مسیحی مذہب کا پرتو پڑا تھا اسلام کو اکثر عقائد میں مطابقت حاصل تھی۔

مذکورۂ بالا اسباب میں جنھوں نے ایران کے ملک میں اسلام کو بہت جلد رواج دیا ایک سبب یہ بھی یاد رکھنا چاہیے کہ ایرانیوں کی مفتوحہ قوم کو اسلام کے ساتھ ملکی اور قومی ہمدردی کی ایک اور وجہ بھی پیدا ہوگئی۔ اور وہ یہ تھی کہ حضرت امام حسین علیہ السلام کی شادی شاہ بانو بنت یزدجرد سے ہوئی جو خاندان ساسانیہ کا اخیر بادشاہ تھا۔ حضرت امام حسین اور شاہ بانو کی اولاد کو ایرانیوں نے اپنے قدیم بادشاہوں اور اپنے قومی کارناموں کا وارث خیال کیا۔ اور یہی خیال تھا جس نے ایران کے لوگوں کو اولاد حضرت علیؓ کے ساتھ نہایت شغف پیدا کرا دیا۔ اسلام میں اہل تشیع کا جدا فرقہ قائم ہونے کی بھی ابتدا

[1] دوزی (۱) صفحہ ۱۵۰ [2] ہابزگ صفحہ ۵ [3] دوزی۔ (۱) صفحہ ۱۹۱۔ گوبنو (۱) صفحہ ۵۵۔

اسی خیال سے ہوئی[1]

غرض اسلام کی یہ وسیع اشاعت تلوار کے زور سے نہیں ہوئی کیونکہ ان لوگوں کو جو فتح ایران کے بعد اپنے قدیم مذہب زردشتیہ سے وابستہ رہے مسلمانوں نے مذہبی آزادی دی موجودہ زمانہ میں بھی آتش پرستوں کے گروہ ایران کے بعض اضلاع میں آباد ہیں۔ اگرچہ ایک زمانہ میں ان لوگوں پر سختیاں ہوئیں[2] لیکن سنہ ہجری کی ابتدائی صدیوں میں اُن کو بالکل مذہبی آزادی حاصل رہی اور اُن کے آتشکدوں کا بہت لحاظ کیا جاتا تھا بلکہ خلیفہ معتصم باللہ کے زمانۂ خلافت (۸۳۳ تا ۸۴۲ء) میں ایک اسلامی سالار کا حال لکھا ہے جس نے مسجد کے امام اور مؤذن کو اس جرم پر دُرّے لگائے تھے کہ سغد کے شہر میں اُنہوں نے ایک آتشکدہ کو توڑ کر اُس کی جگہ مسجد بنا دی تھی[3] دسویں صدی عیسوی میں فتح ایران کے تین سو برس بعد عراق۔ فارس۔ کرمان۔ سجستان۔ خراسان۔ آذربائیجان اور آران یعنی ایران کے تمام حصوں میں آتشکدے اور دخمے بنے ہوئے تھے[4] خاص فارس میں بہت کم ایسے شہر تھے جن میں آتشکدے اور آتش پرستوں کے پیشوائے مذہب موجود نہ ہوں[5]۔ شہرستانی نے بھی جس کی تحریر بارہویں صدی عیسوی کی ہی لکھا ہے کہ خود بغداد کے قریب اسفینہ میں ایک آتشکدہ موجود تھا[6]

جب ایسے واقعات دریافت ہوں تو زردشتی مذہب کی نسبت یہ نہیں کہہ سکتے کہ مسلمان فاتحوں نے زردشتیوں کو زبردستی مسلمان کر کے اس مذہب کو غارت کر دیا۔ اہلِ عرب کی فتوحات کے شروع زمانہ میں جن آتش پرست ایرانیوں نے اسلام قبول کیا اُنکی

---

[1] "شیعی مذہب میں مازدیوں کے عقائد" مؤلفہ احمد بے ایف۔ (انٹرنیشنل کانگریس کے نویں جلسہ کی رپورٹ۔ دوسری جلد صفحہ ۵۰۵۔ ۵۱۱) مطبوعہ لندن ۱۸۹۳ء) [2] دوسابھائی فرامجی کاراکا "پارسیوں کی تاریخ" پہلی جلد صفحہ ۵۶۔ ۵۹۔ ۶۰ (مطبوعہ لندن ۱۸۸۴ء) نکولا دے خانکوف نے لکھا ہے کہ اٹھارہویں صدی عیسوی کے اخیر میں بارہ ہزار خاندان آتش پرستوں کے کرمان میں موجود تھے (میموئر سر لا پارتی میریدیونال دے لاسی سنترال۔ صفحہ ۱۹۲) مطبوعہ پیرس ۱۸۶۱ء [3] خولسول پہلی جلد صفحہ ۲۰۰ [4] مسعودی چوتھی جلد صفحہ ۸۶ [5] واسبوخ دیرلیسندر فن شیخ ابو اسحاق الفارسی الاصطخری۔ مورتمان صفحہ ۹۲۔ ۹۳ مطبوعہ ہامبرگ ۱۸۴۵ء [6] کتاب ملل و النحل۔ کرتون ایڈیٹر۔ پہلا حصہ صفحہ ۱۹۸۔

تعداد غالباً بہت تھی لیکن قریب کے زمانہ میں زردشتی مذہب کا پھر زندہ ہونا اور زردشتیوں میں سے کبھی کبھی لوگوں کا مسلمان ہونا اس بات کی دلیل ہو کہ اسلام امن کے طریقوں سے پھیلا اور لوگوں نے اپنی مرضی سے اسلام قبول کیا۔ آٹھویں صدی عیسوی کے خاتمہ پر بلخ کے ایک امیر زادہ نے جس کا نام سامان تھا اسد ابن عبداللہ حاکم خراسان کی مدد سے زردشتی مذہب ترک کیا اور مسلمان ہوکر اپنا نام اپنے معاون کے نام پر اسد رکھا اور یہی نومسلم امیرزادہ تھا جس سے دولت سامانیہ کا نام چلا۔ نویں صدی عیسوی کے شروع میں قابوسیہ خاندان میں کریم ابن شہریار پہلا بادشاہ تھا جو مسلمان ہوا اور ۳۰۳ء میں نصیر الحق ابو محمد کی تعلیم و تلقین سے دیلم میں بہت آتش پرست مسلمان ہو گئے۔ ۹۱۲ء میں علویہ خاندان کے بادشاہ حسن ابن علی نے جو بحیرہ خضر کے جنوبی سواحل پر فرمانروا تھا اور علم و فراست کے ساتھ مختلف فرقوں کے مذاہب سے بھی واقفیت رکھتا تھا طبرستان اور دیلم کے لوگوں کو جن میں کچھ لوگ بت پرست اور کچھ آتش پرست تھے اسلام پر دعوت دی بہت لوگ مسلمان ہوگئے اور کچھ اپنے مذہب پر بدستور قائم رہے[۱] ۳۹۴ ہجری ۱۰۰۳ء میں دیلم کے مشہور شاعر ابو الحسن مہیار کو جو پہلے آتش پرست تھا شریف الرضا نے جو شاعری میں ابو الحسن کا اُستاد تھا مسلمان کیا اس قسم کے[۲] واقعات اگرچہ بہت کم دریافت ہوتے ہیں لیکن اہلِ عرب کی فتح کے ساتھ تین سو برس بعد تک ان واقعات کا تحقیق ہونا اس امر کی صاف شہادت ہے کہ آتش پرست ایرانیوں کو مذہبی آزادی مسلمانوں سے ملی تھی اور اُن میں امن کے طریقوں سے اسلام کی اشاعت ہوئی بلکہ کسی قدر بتدریج اسلام اُن میں شائع ہوا۔

آٹھویں صدی عیسوی کے وسط میں ایران میں ایک جدید تحریک فرقۂ اسماعیلیہ کی صورت میں ظاہر ہوئی جس کے حالات دعوت اسلام کی تاریخ میں نہایت دلچسپ ہیں اس جگہ فرقۂ اسماعیلیہ کی تاریخ اور اُس کے مذہبی عقائد سے جو اُس نے اختیار کیے اور ایسے سوشیل اور پولیٹکل اسباب سے جو اُس کو اپنی ترقی اور قوت کیلیے میسر آئے ہم کو بحث

---

[۱] مسعودی آٹھویں جلد۔ صفحہ ۲۷۹۔ نویں جلد۔ صفحہ ۵۔ [۲] ابن خلکان تیسری جلد۔ صفحہ ۵۱۷۔

نہیں ہو۔ البتہ تبلیغ مذہب کے جو حیرت انگیز انتظام اور سلسلہ اس فرقہ نے جاری کیا اُس کی طرف توجہ کرنی ہم کو ضروری ہو۔ مذہب اسماعیلیہ کی اشاعت کا بانی عبداللہ ابن میمون تھا۔ یہ یہ شخص انسان کی فطرت کو پرکھنے اور عقائد مذہب کو مختلف طبائع اور مذاہب کے موافق مزاج بنانے میں عیسائیوں کے فرقہ یسوعی کے بانی سے بھی کہیں بڑھکر لیاقت رکھتا تھا۔ نویں صدی عیسوی میں اس شخص نے فرقہ اسماعیلیہ میں نئی روح پھونکی۔ اور اس مذہب کے پھیلانے والوں کو طرح طرح کے بھیس بدلوا کر جن میں اکثر صوفیوں اور تاجروں کا بھیس اختیار کرتے تھے مختلف ملکوں کو روانہ کیا۔ بے علم لوگوں کے گروہوں کو شعبدے دکھا کر جو معجزے تصور ہوئے اور مہمل باتیں بتا کر جو تصوف کے بڑے راز اور معمے خیال کیے گئے اور جن کی طرف سُننے والوں کو حیرت آمیز شوق پیدا ہوا اُنھوں نے کثرت سے لوگوں کو اپنے مذہب میں شامل کیا خدا پرستوں کی صحبت میں پہنچے تو نیکی اور تقدس کی مجسم تصویریں بن گئے اور جب ایسے لوگوں سے واسطہ ہوا جو مذہب میں بھیدوں اور معموں کو بہت دخل دیتے ہیں تو عام عقائد کے مخفی معنے اُن کے سامنے بیان کیے اور لوگوں کو اُن کی لیاقت اور قابلیت کے موافق سحر اور جادو کا سبق پڑھایا۔ جب دیکھا کہ لوگ نہایت شوق سے منتظر ہیں کہ جلد کوئی نجات دینے والا پیدا ہوگا جیسا کہ اُس زمانہ کے اکثر مذہبوں میں یہ خیال عام تھا تو مسلمانوں کو امام مہدی اور یہودیوں کو مسیح اور عیسائیوں کو فارقلیط کی خبر سنائی کہ اب وہ دنیا میں آتے ہیں لیکن ساتھ ہی یہ بھی کہا کہ تم میں سے ہر ایک کی آرزو اُس وقت پوری ہوگی جبکہ آخر میں علیؑ سب کے نجات دینے والے دنیا میں خروج کریں گے۔ اہل تشیع میں بیٹھ کر اسماعیلیہ اپنے آپ کو شیعی مذہب کا نہایت پرجوش معتقد ظاہر کرتے ہیں اور اہل سنت وجماعت کی نسبت کہتے ہیں کہ اُنہوں نے حضرت علی اور آل علی پر نہایت سخت ظلم وستم کیے اور اصحاب ثلثہ پر تبرا کرتے ہیں۔ جب اس حد تک پہنچ جاتے ہیں تو اپنے خیال کے موافق شیعی مذہب کی تکمیل کیلیے اسماعیلیہ مذہب کے مخفی عقاید کی تعلیم شیعوں کو دینی شروع کرتے ہیں۔ یہودیوں سے اگر اُن کو واسطہ ہوا تو عیسائیوں اور مسلمانوں کی مذمت

کرکے اُن سے اس بات میں اتفاق کرتے ہیں کہ مسیح موعود اب دنیا میں آنیوالا ہی لیکن اس کے ساتھ ہی بتدریج یہ یقین پیدا کرتے ہیں کہ مسیح موعود سے سوائے حضرت علی کے جو اسماعیلیہ کے مسیح موعود ہیں اور کوئی شخص مراد نہیں ہوسکتا۔ اگر عیسائیوں کو اپنے مذہب پر لانے کا ارادہ ہوا تو یہودیوں کی ہٹ اور مسلمانوں کی جہالت کا ذکر چھیڑتے ہیں۔ عیسوی مذہب کے اُصولوں سے اتفاق ظاہر کرتے ہیں لیکن اخیر میں بہت نرمی سے کہتے ہیں کہ یہ اُصول ظاہر میں سب اشارات اور علامات ہیں لیکن جو عمیق اور دقیق معنے اُن میں مخفی ہیں اُن کا مطلب صرف اسماعیلیہ مذہب کی مدد سے تحقیق ہوسکتا ہی علاوہ اس کے بہت احتیاط کے ساتھ عیسائیوں سے یہ بھی کہتے ہیں کہ تم نے فارقلیط کے معنی کو غلط سمجھ لیا ہی کیونکہ سوائے حضرت علی کے کوئی سچا فارقلیط نہیں ہی۔ اسی طرح داعیانِ ملت اسماعیلیہ جب ہندوستان میں اپنے مذہب کی اشاعت کیلیے وارد ہوئے تو مذہب کی صورت ایسی گھڑ دی کہ ہندو اس کو جلد قبول کرلیں۔ حضرت علی کو کشن کا دسواں اوتار بتایا جو پورب دیس سے آئیگا (پورب دیس سے مراد اپنے نزدیک قلعہ الموت سے لی) ایک مہدی پران لکھ ڈالا اور واماچاریوں کے انداز پر بھجن لکھے جن میں راز اور معموں کی باتیں ایسی تھیں کہ ہندوؤں کو اسماعیلیہ مذہب قبول کرنے کی رغبت ہوئی[1]۔

غرض ان طریقوں سے اُنھوں نے مختلف مذہب کے لوگوں کو ایسے فرقے میں شامل کرکے جس کا اصلی مقصد چند ہی لوگوں کو معلوم تھا اپنے گروہ کو ترقی دی۔ اس تحریک میں عبداللہ ابن میموں کی اغراض صرف پولیٹکل تھیں لیکن چونکہ اُس کی ترقی کیلیے مذہبی طریقے اختیار کیے گئے اور امام مہدی کا دنیا میں آنا وہ یقین ٹھیرا جس نے اس فرقے کے لوگوں کو اتفاق کی بندش میں جکڑ دیا تو مذہب اسماعیلیہ کی اشاعت کے متعلق جو کچھ اُس کی تاریخ میں ملا اُس کو بیان کرنا ضروری ہوا۔

[1] خوجہ ورتیانت۔ صفحہ ۱۸۱ — ۱۸۴۔ اگر ہندوستان میں داعیان اسماعیلیہ کے زیادہ حالات معلوم کرنے ہوں تو اس کتاب کا نواں باب دیکھو

وسط[1] ایشیا کے اُن ملکوں میں جو ایران کے شمال میں ہیں اشاعت اسلام کے حالات کم تحقیق ہوتے ہیں۔ جب ابن قطیبہ سمرقند میں پہنچا تو وہاں بہت سے بتخانے نظر آئے جنکے پوجاریوں کو یقین تھا کہ اگر کسی شخص نے ان بتخانوں کی بےادبی کی تو وہ فوراً ہلاک ہو جاویگا۔ اسلامی سالار قطیبہ پر یہ خوف کیا اثر کرسکتا تھا۔ اُس نے بتخانوں کو آگ لگا دی۔ بت پرست یہ دیکھ کر ششدر رہگئے اور آخر کو سب نے اسلام قبول کیا[2] اشاعت[3] اسلام کے حالات اُس زمانہ کے جب کہ اہل اسلام کی فتوحات وسط ایشیا میں شروع ہوئیں بہت کم موجود ہیں وسط ایشیا کے ملکوں میں لوگ کچھ عرصہ کیلیے مسلمان ہو جاتے تھے۔ لیکن جب اہل عرب کی فوجیں اُن کے ملک سے روانہ ہو جاتی تہیں تو وہ خلیفہ اسلام کی اطاعت سے پہر جاتے تھے بخارا[4] اور سمرقند میں اسلام کے ساتھ وہاں کے لوگوں کو ایسی سخت مخالفت تہی کہ سوائے اُن لوگوں کے جو مسلمان ہوگئے تھے کسی کو ہتھیار رکہنے کی اجازت نہ تھی اور برسوں تک مسلمان بغیر ہتھیار باندھے مسجدوں یا اور عام موقعوں پر نہ جاسکے۔ علاوہ اس کے مخبر مقرر کیے جاتے تھے کہ نومسلموں کے حال سے خبر رکھیں اور طرح طرح کی کوششیں صرف کی جاتی تہیں کہ لوگ مسلمان ہوں۔ اس غرض سے کہ جمعہ کی نماز میں لوگ حاضر ہوں انعام مقرر کیے گئے تھے اور قرآن کو بجائے عربی زبان میں پڑہنے کے اُس[5] کا فارسی ترجمہ پڑھنے کی بھی اجازت دیدی گئی تھی تاکہ قرآن کے معنے لوگ سمجھ سکیں۔

افغانوں میں یہ بات مشہور ہی کہ اُن کی قوموں میں اسلام امن کے طریقوں سے رائج ہوا۔ پہلی صدی ہجری میں جب یہ لوگ غور کے ملک میں جو ہرات سے مشرق میں واقع ہی آباد تہے تو خالد ابن ولید نے وہاں پہنچکر لوگوں کو اسلام کی خبر دی سب سے کہا کہ پیغمبر خدا صلے اللہ علیہ وسلم کے علم کے نیچے جمع ہو جاویں۔ خالد اس کے بعد آنحضرتؐ کی خدمت میں واپس گئے اور چھ یا سات افغانی سردار جو اپنی قوم کے وکیل ہوئے خالد کے ساتھ ہوگئے جب یہ سردار عرب سے

---

[1] بے بن سلوسٹر ڈے ساسی۔ ایکسپوزی دے لا ریلیجیون ڈے د. زتوم ۱ صفحہ ۶۷ و ۱۴۸۹ و ۱۹۲ [2] بلازری صفحہ ۴۲۱ [3] وامبری (۲) صفحہ ۲۰۱ [4] وامبری (۱)، پہلی جلد صفحہ ۳۳ - ۳۴۰ [5]

غور کو واپس آئے تو اُنھوں نے اپنے وطن کے لوگوں میں اسلام کی تعلیم و تلقین شروع کی[51] لیکن یہ واقعہ تاریخ سے ثابت نہیں ہوتا مستند کتب تواریخ میں افغانیوں میں سے بادشاہ کابل کے اسلام لانیکا اوّل ہی اوّل ذکر مامون الرشید کے زمانہ خلافت میں ہوا ہی۔

ایران[52] کے شمال میں اسلام نے جلد ترقی نہیں کی۔ ماوراءالنہر کی بعضی قوموں نے خلیفہ عمر ابن عبدالعزیز (۷۱۷-۷۲۰ء) کی ہدایت سے اسلام قبول کیا۔ اور خلیفہ[53] ہشام (۷۲۴-۷۴۳ء) کے عہد میں ابوصیدا کے وعظ سے اکثر لوگ مسلمان ہوگئے[54]۔ لیکن معتصم باللہ (۸۳۳-۸۴۲ء) کے زمانہ سے پہلے ماوراءالنہر میں اسلام عام طور پر شائع نہ ہوسکا[55]۔ اس عام اشاعت کیوجہ غالباً یہ تھی کہ یہاں کے لوگوں میں اور اسلامی دارالسلطنت بغداد میں ترکوں نکے ذریعہ سے تعلقات پیدا ہوگئے تھے جنکے ہزاروں آدمی بغداد میں آکر خلفائے اسلام کی فوجوں میں بھرتی ہوتے تھے[56]۔ غرض ترکی قوموں میں اسلام کے قدم جم گئے لیکن دسویں صدی عیسوی کے وسط سے پہلے اُنمیں زیادہ ترقی نہو سکی۔ جب یہ زمانہ آیا تو جسطرح شمالی یورپ کے بادشاہ کلووس اور اُور وحشی بادشاہوں نے عیسائی مذہب اختیار کرکے اپنی قوم کے لوگونکو عیسائی کر لیا اسی طرح ترکی سرداروں نے بھی اسلام قبول کرکے اپنی قوموں اور جرگوں کو مسلمان کرلیا۔ ترکستان کے خاندان ایلخانی کا بانی جس خاندان نے ایک زمانہ میں بحیرۂ خضر سے لیکر سرحد چین تک تمام ترکی قوموں کو اپنا مطیع کرلیا تھا مسلمان ہوگیا اور اُس کی قوم کے دو ہزار خاندانوں نے اُس کے ساتھ اسلام قبول کیا ان ترکوں کا نام ترکمان ہوا تاکہ اُن ترکوں میں جو مسلمان نہ ہوئے تھے اور اُن میں جو مسلمان ہوگئے تھے تمیز ہوسکے[57]۔

ایلخانی خاندان کی لڑائیوں میں جو ترکی سردار شریک ہوئے اُن میں ایک شخص سلجوق تھا جو ۹۵۶ عیسوی میں قرغیز کے پہاڑی میدانوں سے اُترکر اپنی قوم کو بخارا کے اضلاع میں لایا اور وہاں اُس نے اور اُس کی قوم والوں نے نہایت جوش سے اسلام قبول کیا اور یہی دولت سلجوقیہ کی ابتدا ہوئی جس کی فتوحات نے مسلمانوں کی مٹتی شان و شوکت کو پھر سنبھال لیا۔ اور

---

[51] بیو صفحہ ۱۵-۱۶ [52] بلاذری صفحہ ۴۰۲ [53] بلاذری صفحہ ۴۲۶ [54] طبری۔ صفحہ ۱۳۴۴ [55] بلاذری صفحہ ۴۳۱ [56] اوگست مولر۔ پہلی جلد صفحہ ۵۲۰ [57] ہامر (۱) پہلی جلد صفحہ ۔

مغربی ایشیا کی اسلامی سلطنتوں کو ایک سلطنت میں شامل کر دیا۔

جب بارہویں صدی عیسوی کے آخر میں سلجوقی سلطنت سوائے ایشیا کوچک کے سب جگہ کمزور پڑ گئی اور محمد غوری نے خراسان سے اُٹھ کر شمالی ہند اور مشرقی ملکوں میں اپنی سلطنت کو وسعت دی تو افغانوں میں اسلام کو بڑی ترقی ہوئی اور اُن کے ملک میں عرب کے واعظ اور ہندوستان کے نومسلم کثرت سے چلے آئے جنھوں نے بڑی ہمّت اور کوشش سے لوگوں کو مسلمان کرنا شروع کیا۔[۱]

ایران اور وسط ایشیا میں اشاعت اسلام کے کسی قدر مفصل حالات اس کتاب کے آٹھویں باب سے جواب شروع ہوتا ہی معلوم ہوں گے۔

---

[۱] بیلو صفحہ ۹۶۔



باب ہشتم

مغلوں اور تاتاریوں میں اسلام کی اشاعت

اسلامی تاریخ میں کوئی واقعہ ایسی سفاکی اور غارتگری کا نہیں ہے جس کا مقابلہ مغلوں کی یورش سے کیا جاوے۔ جس طرح بلندی سے پہاڑ گرتا ہے اس طرح چنگیز خاں کے وحشی لشکر اُن اسلامی ملکوں پر آن ٹوٹے جو علم و شائستگی کا مرکز تھے۔ اور جب یہ لشکر کسی ملک کو برباد کرکے رخصت ہوئے تو شاہوں کے قصر و ایوان اور عالی شان شہروں کی جگہ جو خوشنما باغوں اور زراعت کی سرسبز زمینوں میں کھڑے تھے مٹی اور پتھر کے تودے نظر آئے۔ جس وقت ہرات کے شہر سے مغلوں کے لشکر نے کوچ کیا تو چالیس آدمی بدحواس اپنے چھپنے کی جگہ سے نکلے اور پھٹی پھٹی آنکھوں سے اُس برباد ویرانے کو دیکھنے لگے جو کچھ دنوں پہلے اُن کا خوبصورت شہر تھا اور صرف یہی چالیس آدمی تھے جو ایک لاکھ کی آبادی میں سے بچے تھے۔ بخارا میں جو علمائے اسلام کی بدولت دنیا میں مشہور تھا ان مغلوں نے مسجدوں کے صحن میں اپنے گھوڑے باندھے اور قرآن پھاڑ پھاڑ کر اُن کی بے ادبی کی۔ جن مسلمانوں کو ان ظالموں نے قسائی بنکر ذبح نہیں کیا اُن کو غلام بنا کر لیگئے اور شہروں کو جلا کر راکھ کا ڈھیر بنا دیا۔ یہی حال سمرقند، بلخ اور وسط ایشیا کے اور شہروں کا ہوا جن سے اسلامی تہذیب و تمدن کی شان تھی اور جو عالموں کے مسکن اور علم کے مخزن تھے۔ یہی مصیبت بغداد پر نازل ہوئی جو صدہا برس تک دولت عباسیہ کا پایہ تخت رہا تھا۔

اگر ان واقعات کے بیان ہی سے کسی مسلمان مؤرخ پر خوف طاری ہوا ہو تو کچھ بیجا نہیں

کامل ابن اثیر نے جہاں ممالک اسلامیہ پر مغلوں کے حملوں کا حال لکھا ہی وہاں لکھتا ہی کہ میں نے کئی برس تک اس حادثۂ عظیم اور اُس کے ذکر کو ناگوار سمجھکر اُس کے بیان سے پرہیز کیا۔ میں اِسی حالت میں ایک قدم آگے بڑھاتا تھا اور ایک قدم پیچھے ہٹاتا تھا۔ کیونکہ ایسا کون شخص ہوگا جو اسلام کی اور مسلمانوں کی موت کی خبر لکھے اور اُس کو ایسے حادثہ کا بیان کرنا آسان ہو کاش میری ماں مجھ کو نہ جنتی اور میں اس سے پہلے ہی مرجاتا اور دنیا مجھکو بالکل بھول جاتی[۱]!!! مگر اسی حال میں کہ میں اس واقعہ کے بیان کرنے میں پس و پیش کرتا تھا مجھ کو چند دوستوں نے اُس کے لکھنے اور بیان کرنے پر مجبور کیا۔ پھر میں نے بھی خیال کیا کہ اس واقعہ کا ذکر چھوڑ دینے میں کچھ فائدہ نہیں ہے۔ اب میں کہتا ہوں کہ میرا کام ایسے بڑے حادثہ اور ایسی سخت مصیبت کے بیان کرنے کا ہی جس کی نظیر لیل و نہار نہیں لاسکتے۔ اور یہ مصیبت عموماً تمام لوگوں پر اور خاص کر مسلمانوں پر نازل ہوئی۔ اگر کوئی کہے کہ جب سے خدا نے آدم کو پیدا کیا اُس وقت سے آجتک دنیا اس جیسی مصیبت میں مبتلا نہیں ہوئی تو وہ بالکل سچا ہی۔ کیونکہ تاریخ میں کوئی حادثہ اور کوئی واقعہ موجود نہیں ہی جو اُس کے لگ بھگ ہو۔ سب سے بڑا حادثہ جو تاریخ میں مذکور ہی وہ بخت نصر کا ظلم و ستم ہی جس نے بنی اسرائیل کو قتل کیا اور بیت المقدس کو برباد کیا۔ مگر بیت المقدس اُن شہروں کے مقابلہ میں کیا حقیقت رکھتا ہی جن کو ان ملعون تاتاریوں نے برباد کیا اور جن میں سے ہر شہر بیت المقدس سے کئی گنا تھا۔ اور بنی اسرائیل کی اُن لوگوں کے مقابلہ میں کیا حقیقت ہی جن کو اُنھوں نے قتل کیا کیونکہ تاتاریوں نے جن شہروں میں قتل عام کیا اُن سے تنہا ایک شہر کے باشندے شمار میں بنی اسرائیل سے زیادہ ہیں[۲]"۔ لیکن اسلام اپنی گذشتہ شان و شوکت کے خاکستر سے پھر اُٹھا اور واعظین اسلام نے ان ہی وحشی مغلوں کو جنھوں نے مسلمانوں پر کوئی ظلم باقی نہ رکھا تھا مسلمان کرلیا۔ یہ ایسا کام تھا جس میں مسلمانوں کو سخت مشکلیں پیش آئیں کیونکہ دو مذہب اور اس بات کی کوشش میں تھے کہ مغلوں اور تاتاریوں کو اپنا معتقد بنائیں۔ وہ حالت بھی عجیب و غریب اور دنیا کا

[۱] قرآن۔ سورہ (۱۹) آیت ۲۳ [۲] ابن الاثیر۔ تاریخ الکامل۔ بارہویں جلد صفحہ ۱۴۷-۱۴۸۔

بے مثل واقعہ ہوگی جس وقت بُدھ مذہب اور عیسائی مذہب اور اسلام اس جد وجہد میں ہونگے کہ ان وحشی اور ظالم مغلوں کو جنھوں نے ان تین بڑے مذہبوں کے معتقدوں کو پامال کیا تھا اپنا مطیع بنائیں۔

لیکن ان واقعات کی تصریح کیلیے پہلے یہ مناسب ہے کہ چنگیز خاں کی موت پر جس طرح مغلوں کی سلطنت چار حصوں میں تقسیم ہوکر اس کے چاروں بیٹوں کو ملی اُس پر سرسری نظر ڈالیں۔ چنگیز خاں کا سنجھلا بیٹا اوگتائی خاں باپ کا جانشین بطور خاقان کے ہوا اور سلطنت کا مشرقی حصہ اُس کے حصہ میں آیا جس میں قوبلائی خاں نے بعد کو چین بھی شامل کر لیا۔ چغتائی خاں جو منجھلا بیٹا تھا بلاد متوسطہ کا مالک ہوا۔ چنگیز خاں کے بڑے بیٹے جوجی خاں کا فرزند باتو خاں سلطنت کے مغربی حصہ کا مالک ہوکر سیرا اوردا کا خان ہوا تولائی خاں چنگیز خاں کے سب سے چھوٹے لڑکے کو ایران کا ملک ملا جس کی اولاد میں ہلاکو خاں دولت ایلخانیہ کا بانی ہوا اور ایشیا کوچک کا بڑا حصہ اُس نے اپنی قلمرو میں شامل کرلیا۔

مغلوں کا مذہب شامانی تھا جس میں ایک خدا کو تسلیم کیا جاتا تھا لیکن اُس کی بندگی نہوتی تھی بلکہ اور چھوٹے چھوٹے معبود اور خداؤں کی پرستش ہوتی تھی خاص کر ایسے خداؤں کی جو خبیث تصور کیے جاتے تھے اور جن کی ضرر رساں قوت کو قربانیاں چڑھا کر کمزور کیا جاتا تھا دوسری چیز جس کو شامانی مذہب میں پرستش کیا جاتا تھا وہ بزرگوں کی روحیں تہیں جنکی نسبت خیال تھا کہ وہ اپنی نسلوں پر بُرا یا بھلا اثر پہنچا سکتی ہیں۔ غرض ان علوی اور سفلی خداؤں کو راضی رکھنے کیلیے شامان اور عاملوں اور ساحروں کی ضرورت ہوتی تھی جو مُردوں کی روحوں اور عناصر اربعہ پر گویا قدرت رکھتے تھے۔ غرض مغلوں کا مذہب ایسا نہ تھا جو مدت تک کسی ایسے مذہب کا مقابلہ کر سکتا جس کی دینیات انسان کی عقل کو مطمئن کرتی ہو اور جس میں معلمان مذہب کی باقاعدہ جماعتیں موجود ہوں۔ خاصکر ایسی حالت میں جبکہ مغلوں کو شایستہ قوموں سے واسطہ پڑا اور انکی تہذیب کو مغلوں کی طبیعت نے قبول کیا اور خانہ بدوشی کی وحشیانہ حالت سے وہ تمدن کی روشنی میں

آگئے۔ مغلوں کو فتوحات کے بعد جن مہذب قوموں سے واسطہ ہوا اُن میں بدھ۔ عیسائی
اور مسلمان کثرت سے موجود تھے جو ان فاتحوں کو اپنے مذہب پر لانے کیلیے جدا جدا کوشش
کرنے لگے۔ جس وقت مغلوں کو غارتگری کا جنون سوار نہ ہوتا تھا جو اُن کی لڑائیوں میں لوازمات
سے تھا تو اُس وقت یہ شامانی المذہب مغل غیر مذہب والوں سے صلح کل کا اُصول برتتے
تھے۔ اور اُن کے پیشواؤں کو محصولوں سے مستثنےٰ کرکے اُن کو کامل آزادی دیتے تھے جو
چنگیز خاں کے سامنے بدھ مذہب کے عالم شامانوں سے مذہبی مباحثہ کرتے تھے اور منگو خاں
اور قوبلائی خاں کے درباروں میں بدھ عیسائی اور مسلمانوں کے عالموں پران خاقانوں کا
لطف وکرم یکساں تھا۔[1] قوبلائی خاں کے عہد میں چین کے مغلوں پر بدھ مذہب کا اثر شروع ہوا
جس کے پیرو اس ملک میں کثرت سے موجود تھے اور چودھویں صدی کے شروع میں ان سب
مغلوں نے بدھ مذہب اختیار کرلیا۔[2] بدھ مذہب کی اشاعت میں تبت کے لاما گروہ بہت
سرگرم رہے۔ چنانچہ منگولیا کے مغل ابتک یہی مذہب رکھتے ہیں اور قلماق قوم کے آدمی بھی جو
سترھویں عیسوی میں اس ملک سے اُٹھکر روس میں آباد ہوئے اسی مذہب کے پابند ہیں۔

مشرقی بلاد مغلیہ میں اگرچہ بدھ مذہب نے اپنے تئیں قطعی کامیاب ثابت کیا لیکن شروع شروع
میں مسیحی کلیسا کا اثر بھی کچھ کم نہ تھا اور عیسائیوں کو بڑی امیدیں تھیں کہ مغل ہمارا مذہب قبول
کرلیں گے۔ ساتویں صدی عیسوی میں نسطوری مشنریوں نے برّ اعظم ایشیا پر مغربی ملکوں سے
لیکر مشرق کی سمت میں ملک چین کے شمال تک عیسائی مذہب کا چرچا کردیا تھا۔ اور تیرھویں صدی
عیسوی تک عیسائیوں کی چھوٹی چھوٹی جماعتیں وہاں موجود تھیں۔ پرسیٹر جان جس کے ساتھ
یورپ میں عہد وسطیٰ کے اس قدر قصے منسوب ہوئے تاتاری قوم کا ریت کا سردار فرض کیا جاتا
تھا۔ یہ تاتاری قوم جھیل بیکال کے جنوب میں آباد تھی اور عیسائی مذہب رکھتے تھے جب چنگیز خاں

[1] روبروک کا ولیم صفحہ ۱۶۵ - ۲۳۱۔ دھوسن۔ توم ۲۔ صفحہ ۴۸۸ - [2] دے کوین
توم ۳۔ صفحہ ۲۰۰ - ۲۰۳۔

نے اس قوم کو فتح کیا تو سردار یعنی پرسیٹر یحیٰی کی بیٹی سے اپنی شادی کی اور اوگتائی ابن
چنگیز خاں نے بھی اسی سردار کے خاندان میں شادی کی۔ اوگتائی خاقان کا بیٹا گیوک خاقان
اگرچہ خود عیسائی نہ تھا لیکن عیسائی مذہب پر وہ بہت مہربان تھا۔ گیوک کا وزیر اور اُس کا ایک
معتمد بھی عیسائی مذہب رکھتا تھا اور نسطوری عالموں کو خاقان کے دربار میں بڑا رسوخ اور اعزاز حاصل
تھا۔ یہانتک کہ پوپ انوسنٹ چہارم نے گیوک خاقان کے پاس سفارت بھیجی اور مشرقی اور مغربی
ملکوں کی عیسوی سلطنتوں کو مغلوں کی ذات سے توقع ہوئی کہ مسلمانوں کے خلاف لڑائی کیوقت وہ
عیسائیوں کی مدد کرینگے۔ یہ آرمینیا کا عیسائی بادشاہ ہیثوم تھا جس نے بڑی جستجو سے منگو خاں کو
بغداد پر چڑھائی کیلیے آمادہ کیا اور مغلوں کی فوجیں ہلاکو خاں کی سرکردگی میں بغداد کی تباہی
کیلیے روانہ ہوئیں[1]۔ منگو خاں کی بیوی عیسائی تھی اس لیے یہ خان عیسائیوں پر خاص کر نسطوریوں پر
نہایت مہربانی کرتا تھا۔ آرمینیا اور جرجان میں جو مغل آباد تھے اُن میں سے اکثر مغلوں کو ان ملکوں
کے عیسائیوں نے مسیحی دین میں شامل کرکے اصطباغ دیا[2]۔ پرسیٹر یحیٰی کی عظمت اور ہیبت کے جو
قصے مشہور ہوئے اور اُنھوں نے عیسائیوں کو ترقی مذہب کے سبز باغ دکھلائے تو اہل یورپ کو یقین
ہو گیا کہ مغلوں کی سب قومیں عیسائی مذہب رکھتی ہیں۔ یہ یقین اُن غلط خبروں سے اور پختہ ہوا جو مغل
بادشاہوں کے عیسائی ہونے اور عیسائی مذہب کے ساتھ خلوص رکھنے کی نسبت یورپ کے ملکوں
میں شائع ہوئیں اور یہی غلط خبریں تھیں جن کیوجہ سے سنٹ لوئی بادشاہ فرانس نے روبرک کے
ولیم کو منگو خاں کے دربار میں بھیجا کہ خاقان کی طرف سے عیسائی مذہب کی اشاعت میں جو کوشش اور
سرگرمی ظاہر ہوئی ہے وہ بدستور جاری رہے مگر پھر ثابت ہوا کہ یہ سب خبریں بالکل لغو تھیں۔ ولیم نے
البتہ یہ لکھا کہ منگو خاں کے دربار میں عیسائی مذہب کو پوری آزادی حاصل ہے اور چند مغلوں
کے عیسائی ہونے سے یہاں کے پادریوں کو یقین ہے کہ اَور لوگ بھی جلد عیسائی ہو جاوینگے
لیکن جس حالت میں کہ رومن کیتھولک اور یونانی عیسائی۔ نسطوری اور ارمنی قسیس اپنے مذہبی

[1] دے گوین۔ تیسری جلد صفحہ ۱۱۵ [2] دے گوین۔ تیسری جلد صفحہ ۱۲۵ [3] کلاپروتھ۔ صفحہ ۲۰۴

جھگڑوں کو مغلوں کے لشکر میں بھی جاری رکھتے تھے تو مغلوں میں عیسائی مذہب کی اشاعت کی کیا اُمید ہوسکتی تھی۔ غالباً عیسائی واعظین کا یہی مذہبی نفاق تھا جس نے مغلوں کو عیسائی بنانے میں اُنکی کوششوں کو اچھی طرح کامیاب نہ ہونے دیا۔ جس وقت پادری اور قسیس آپس کے جھگڑوں میں مبتلا تھے تو بدھ مذہب اور اسلام مغلوں میں اپنی بنیاد کو مستحکم کرتے تھے رومن پوپ نے جو بڑھ چڑھکر دعوے کیے تو مغلوں نے جو اس وقت آدھی دُنیا کو فتح کیے بیٹھے تھے پوپ کے سفیروں کے ساتھ جس قدر مہربانی کا قصد تھا وہ بھی نہ کی۔ اسکے علاوہ اور بہت سے اسباب ایسے پیش آئے جنھوں نے پوپ کی سفارت کو بالکل ناکامیاب رکھا[۱]۔

نسطوری عیسائی جو میدان میں پہلے ہی سے موجود تھے ایسی خراب حالت رکھتے تھے کہ اس موقع سے کوئی فائدہ نہ اُٹھا سکے۔ چین کے نسطوریوں کی نسبت روبروک کے ولیم نے لکھا ہی[۲] کہ وہ نہایت جاہل ہوتے تھے اور نماز کی کتاب کو بھی جو شامی زبان میں تھی سمجھ نہ سکتے تھے شراب خوار اور طامع تھے اور کثرت ازدواج پر انکا عمل تھا۔ بدھ مذہب کے پیشواؤں سے معاشرت کی خوبیوں میں بھی وہ گرے ہوئے تھے اور اُن کے اُسقف اُن میں دورہ نہ کرتے تھے بلکہ بعض موقعوں پر پچاس پچاس برس میں صرف ایک دفعہ اسقف اُن کے پاس پہنچا اور اس موقع پر اُس نے عیسائیوں کے سب لڑکوں کو یہاں تک کہ اُن کو جو گود کے بچے تھے قسیس کے عہدے کی سند دیدی کلیسا کے عہدوں کی خرید و فروخت سے قسیس بالکل برباد ہوگئے تھے۔ مذہب کو اُنھوں نے تجارت بنا رکھا تھا اور دین کی اشاعت کی جگہ اُن کو روپیہ پیدا کرنے کا زیادہ خیال رہتا تھا[۳]۔

سلطنت مغلیہ کے مغربی حصہ میں بھی جہاں عیسائیوں نے مغلوں سے یہ اُمید رکھی تھی کہ

---

[۱] دہوسن۔ توم ۲۔ صفحہ ۲۲۶۔ ۲۲۔ [۲] کرنل یول نے روبروک کے ولیم کی نسبت لکھا ہی کہ "اس شخص نے نسطوریوں کی علمی اور اخلاقی حالت کو بُرا لکھا ہی اور جس قدر تحریریں بدعتی فرقوں کی نسبت لکھی ہیں اُن میں ولیم کی تحریر زیادہ قابل وقعت ہی کیونکہ اُس کے پڑھنے ہی سے صاف معلوم ہوتا ہی کہ کسی ایماندار اور لایق شخص نے اس کو لکھا ہے" کاتھے اینڈ دی وے ویدر۔ پہلی جلد صفحہ ۱۰۔ [۳] ولیم روبروک کا۔ صفحہ ۱۲۸۔ ۱۲۹۔

لڑائی کے وقت مسلمانوں۔ کے مقابلہ میں وہ عیسائیوں کی مدد کرینگے اور ارض مقدس پر قبضہ کرنے میں اُن کو کمک پہنچائیں گے ایران کے ایلخانوں اور عیسائیوں میں جو اتفاق تھا وہ تھوڑی مدت کے بعد جاتا رہا۔ کیونکہ بیبرس ملوکی سلطان مصر (۱۲۷۷-۱۲۶۰ء) کی فتوحات اور برکہ خاں سے اسکی مصالحت نے ایلخانوں کو اپنی حفاظت اور نفع کی طرف بالکل متوجہ کردیا۔ دمشق اور شہروں کے عیسائیوں نے اُس تھوڑی مدت میں جبکہ ایران کے مغلیہ خاندان نے اُن پر مہربانی کی تھی لوگوں پر بہت زیادتیاں کیں اور اس لیے مغربی ایشیا میں عیسائیوں کے نام کو اور داغ لگا۔[ف۱]

اسلام کیلئے ایسے وقت میں بدھ مذہب اور عیسائی مذہب کا مقابلہ کرنا اور مغلوں کو ان دونوں مذہبوں سے بچاکر اپنا پیرو بنانا ایسا کام تھا جس میں بظاہر کامیابی ناممکن معلوم ہوتی تھی۔ مغلوں کے طوفان ہلاکت سے مسلمانوں کی برابر کسی نے نقصان نہ اُٹھایا تھا۔ وہ مشہور و معروف شہر جو ایک زمانہ میں اسلامی علوم و فنون کا مرکز تھے اور جہاں ایشیا کے ارباب علم و فضل آباد تھے اکثر جلاکر خاک کر دیے گئے تھے۔ مسلمانوں کے عالم اور فقیہ یا تو قتل کیے گئے یا انکو غلام بنایا گیا۔[ف۲] خانانِ مغل جو اسلام کے سوائے اور سب مذہبوں پر مہربان تھے اسلام کے ساتھ مختلف درجہ کی نفرت اور عداوت رکھتے تھے۔ چنگیز خاں نے حکم دیا تھا کہ جو لوگ جانوروں کو شرع کے مطابق ذبح کریں اُن کو قتل کردیا جاوے۔ اسی حکم کو قوبلائی خاں نے اپنے زمانہ میں ازسرنو جاری کیا اور اُس کی پیروی کیلیے مخبر اور مخبروں کے لیے انعام مقرر کیے اور اس طرح سات برس تک مسلمانوں کو سخت سے سخت آزار پہنچائے۔ مغلوں نے اس موقع پر دولت جمع کرلی اور غلاموں نے آزاد ہونے کیلیے آقاؤں پر ذبیحہ کا الزام لگایا۔[ف۳]

ف۱ مقریزی۔ پہلا حصہ۔ صفحہ ۹۰-۱۰۶ ف۲ مغلوں نے مسلمانوں پر ایسے ظلم کیے تھے کہ چینی تماشے والے جب پردہ پر عکس کی تصویریں دکھاتے ہیں تو ایک تصویر میں سفید داڑھی کا ایک بڈھا آدمی آتا ہے جس کی گردن گھوڑے کی دم سے بندھی ہوتی ہے اور گھوڑا اُس کو گھسیٹے گھسیٹے پھرتا ہے۔ یہ تصویر گویا ظاہر کرتی ہے کہ مغلوں کے سواروں نے مسلمانوں کو کیسے آزار پہنچائے (ہووتھ پہلی جلد صفحہ ۱۵۹) ف۳ ہووتھ۔ پہلی جلد صفحہ ۱۱۲-۲۷۳۔ "جس وقت یہ دیکھا گیا کہ اس حکم سے مسلمان تاجروں کا دربار میں آنا بند ہوگیا اور اسکی وجہ سے تجارت کو نقصان پہنچا تو یہ حکم منسوخ کردیا گیا۔"

گیوک خاقان کے عہد میں (۱۲۴۶-۱۲۴۸ء) جس نے کل انتظام سلطنت دو عیسائی وزیروں کے سپرد کر رکھا تھا مسلمانوں کو سخت اذیتیں پہونچائیں[1]۔ ارغوخاں نے بھی جو چوتھا ایلخان (۱۲۸۴-۱۲۹۱ء) ہوا مسلمانوں پر ظلم کیے اور عدالت اور مال کے محکموں میں جس قدر آسامیاں اُن کے پاس تھیں وہ خالی کرالیں اور اُن کا دربار میں آنا بند کر دیا[2]۔

باوجود ان مشکلات کے مغلوں اور اُور وحشی قوموں نے جو مغلوں کے بعد آئیں اُسی مسلمانوں کا مذہب قبول کیا جن کو اُنہوں نے اپنے پیروں میں روندا تھا۔ لیکن افسوس ہو کہ تاریخوں میں ایسے حالات جن سے مغلوں میں اشاعت اسلام کی ترقی دریافت ہوتی ہو نہیں ملتے صرف چند واقعات تفصیل سے معلوم ہوتے ہیں جن میں سربرآوردہ مغلوں نے اسلام قبول کیا۔ تمام سلطنت مغلیہ میں ہر جگہ ایسے مسلمان موجود تھے جو منکرین کو خفیہ طور پر مسلمان کرلیتے تھے۔ اوگتای خاں (۱۲۲۹-۱۲۴۱ء) کے عہد میں حاکم ایران کرگز نامی کا حال لکھا ہے کہ وہ اول بُدھ مذہب کا پیرو تھا۔ پھر اُس نے یہ مذہب چھوڑ کر اسلام اختیار کیا[3]۔ تیمور خاں کے زمانہ میں (۱۲۹۴-۱۳۰۷ء) خان انندا نے جو قوبلائی خاں کا پوتا تھا اور چین میں صوبہ کانسوہ کا حاکم تھا اسلام قبول کیا اور تانگوت میں اُس نے بہت لوگوں کو مسلمان کیا۔ بلکہ جو فوج اُس کے تحت میں تھی اُس کے بھی اکثر لوگ مسلمان ہوگئے۔ تیمور خاں نے انندا خاں کو اپنے دربار میں بُلایا اور کوشش کی کہ انندا خاں اسلام چھوڑ کر بدھ مذہب اختیار کرے۔ لیکن اُس نے انکار کیا اور قید میں بھیجدیا گیا۔ تھوڑے عرصہ کے بعد انندا خاں قید سے رہا کر دیا گیا کیونکہ تانگوت کی رعایا جس کو اپنے حاکم کے ساتھ بہت الفت تھی بغاوت پر آمادہ ہو چلی تھی[4]۔

مغلوں کا پہلا بادشاہ جو مسلمان ہوا وہ برکہ خاں تھا جو ۱۲۵۶ء سے ۱۲۶۵ء تک سیر اوردا کا خان رہا[5]۔ اس بادشاہ کے مسلمان ہونے کی نسبت لکھا ہے کہ ایک دن وہ ایک کارواں میں

---

[1] ہوورتھ۔ پہلی جلد صفحہ ۱۰۶۔ [2] دے گوین۔ تیسری جلد صفحہ ۲۶۵ [3] دہوسن تیسری جلد صفحہ ۱۲۱ [4] دہوسن۔ توم ۲۔ صفحہ ۵۳۲-۵۳۳ [5] سنہ ۱۲۶۰ء میں نجم الدین مختار الزاہدی نے برکہ خاں کیلیے ایک کتاب لکھی جسمیں رسالت کو برہان سے ثابت کیا اور مسلمانوں اور عیسائیوں کے مذہبی مناظروں کا حال لکھا ہے۔ ستینشنیدر صفحہ ۶۳-۶۴۔

پہنچا جو بخارا سے آتا تھا۔ اُس میں دو مسلمان تاجر تھے جن کو برکہ خاں الگ لے گیا اور اسلام کے متعلق کچھ سوالات اُن سے کیے۔ مسلمانوں نے اپنے مذہب کے احکام وارکان ایسی خوبی سے بیان کیے کہ خان سیراوردا کو مسلمان ہونے کا شوق پیدا ہوا اور وہ اسلام لایا اس کا حال برکہ خاں نے اپنے چھوٹے بھائی سے بیان کیا اور اُس کو بھی اسلام قبول کرنے کی ہدایت کی۔ اس کے بعد برکہ خاں نے اپنے مسلمان ہونے کا اعلان کر دیا[۱]۔ اسلام قبول کرنے کے بعد برکہ خان سلطان مصر رکن الدین بیبرس سے مصالحت کر لی۔ اس مصالحت کا باعث خود سلطان مصر اس طرح ہوا کہ اُس نے سیراوردا کے دو سو مغلوں کی نہایت خاطر و مدارات کی۔ ان مغلوں کا قصہ یہ ہے کہ جب خان سیراوردا اور ہلاکو خاں فاتح بغداد میں عداوت زیادہ بڑھی تو یہ دو سو مغل جو ہلاکو کی فوج میں بھرتی تھے بھاگ کر شام کے ملک میں چلے آئے اور یہاں سے وہ بڑے اعزاز کے ساتھ قاہرہ پہنچائے گئے جہاں دربار مصر سے ان کو اسلام قبول کرنے کی ہدایت ہوئی[۲]۔ سلطان رکن الدین نے ان مغلوں میں سے دو آدمیوں کے ساتھ اپنے چند سفیر کیے اور برکہ خاں کو ایک خط اُن کی معرفت روانہ کیا جب یہ لوگ سیراوردا سے قاہرہ کو واپس آئے تو سلطان کو خبر دی کہ برکہ خاں کے امیروں کے ہاں اور ہر ایک شہزادے کے ہاں ایک ایک امام اور مؤذن مقرر ہے اور بچوں کو مکتب میں قرآن پڑھایا جاتا ہے[۳]۔ سلطان سے انھوں نے یہ بھی کہا کہ جب ہم قاہرہ سے روانہ ہوئے تھے تو راستہ میں برکہ خاں کے سفیر ملے[۴]۔ جو سلطان مصر کی خدمت میں اس اطلاع کیلیے حاضر ہوتے تھے کہ برکہ خاں اور اُس کی رعایا مسلمان ہو گئی ہے۔ غرض جب سلطان رکن الدین اور برکہ خاں میں رسم اتحاد پیدا ہوا تو سیراوردا کے بہت مغل مصر میں آئے جہاں اُنکو اسلام قبول کرنے کی ترغیب ہوئی[۵]۔

---

[۱] ابوالغازی۔ توم ۲ صفحہ ۱۸۱ [۲] مقریزی ۱۲۔ توم ۱۔ صفحہ ۱۸۰۔ ۱۸۱ و ۱۸۷ [۳] مقریزی ۲۱۵ [۴] مقریزی صفحہ ۲۲۰ [۵] مقریزی صفحہ ۲۲۲۔

ایران میں جہاں ہلاکو خاں دولت ایلخانیہ کا بانی ہوا ترکوں میں اسلام کی اشاعت رفتہ رفتہ ہوئی برکہ خاں اور سلطان مصر کے حملوں سے بچنے کے لیے ہلاکو خاں نے مشرق کے عیسائیوں سے جیسے آرمینیا کا بادشاہ اور صلیبی مجاہدین تھے اتفاق کر لیا۔ ہلاکو خاں کی سب سے چاہتی بیوی عیسائی تھی اور اُس نے اپنے خاوند کے خیالات عیسائیوں کیطرف سے اچھے کر دیے تھے۔ ہلاکو خاں کے بیٹے اباقا خان نے قسطنطنیہ کے عیسائی شہنشاہ کی بیٹی سے شادی کی تھی۔ اگرچہ اباقا خان خود عیسائی نہ تھا لیکن اُسکے دربار میں عیسائی پادری کثرت سے موجود رہتے تھے۔ یورپ کے اکثر عیسائی بادشاہوں کو اُس نے اپنے سفیر روانہ کیے۔ سینٹ لوئی بادشاہ فرانس۔ چارلس بادشاہ صقلیہ جیمس بادشاہ اراغون کے پاس سفارتیں اس غرض سے بھیجیں کہ مسلمانوں کے خلاف یہ عیسائی اُس سے اتفاق کر لیں۔ اسی خیال سے ۱۲۷۴ع میں اباقا خان نے لیون کی مجلس کو ایک سفارت روانہ کی۔ جب یہ سفارت مجلس میں پہنچی تو مغلوں کے سفیر خاص نے سر مجلس عیسائی مذہب قبول کیا اور اپنے ہمراہیوں کے ساتھ اصطباغ لیا۔ عیسائیوں کو اباقا خان کے عیسائی ہونے کی بہت اُمیدیں تھیں۔ لیکن وہ سب فضول ثابت ہوئیں۔ اور اُس کا بھائی تکودار[۵۱] جو اُس کا جانشین ہوا دولت ایلخانیہ کا پہلا بادشاہ تھا جس نے اسلام قبول کیا ایک عہد نویس عیسائی مصنف نے لکھا ہے[۵۲] کہ تکودار کی تعلیم و تربیت عیسوی مذہب پر ہوئی تھی۔ بچپن میں اُس کو اصطباغ ملا تھا اور نکولس اُس کا نام رکھا گیا تھا لیکن تکودار جب بڑا ہوا تو اُس نے مسلمانوں کے اثر صحبت سے جنکو وہ بہت عزیز رکھتا تھا عیسائی مذہب چھوڑ کر اسلام اختیار کیا اور سلطان محمد (یا احمد) اپنا نام رکھا اور جس قدر ہو سکا اس بات کی کوشش کی کہ سب تاتاری اسلام قبول کر لیں اور اس کے لیے انعام و اکرام۔ اختیار اور عزت لوگونکو بخشے۔ یہانتک کہ اُس کے زمانہ میں بہت تاتاری مسلمان ہو گئے"۔ اس بادشاہ نے سلطان مصر کو اپنے مسلمان ہونے کی خبر ذیل کے مراسلہ سے بھیجی"۔ خدا کی قوت اور اباقا خانکے اقبال سے

---

۵۱ وصاف نے اس بادشاہ کو مسلمان ہونے سے پہلے تکودار اور مسلمان ہونیکے بعد احمد لکھا ہے ۵۲ ہیٹوم (رامو سیو۔ توم صفحہ؟)

سلطان احمد کا فرمان بادشاہ مصر کے نام - بعد تمہید کے واضح ہو کہ خدا نے اپنی عنایت
اور ہدایت کی روشنی سے آغاز نوجوانی کے زمانہ میں ہمکو اپنی اُلوہیت اور وحدانیت کا
اقرار کرنے اور محمد صلے اللہ علیہ وسلم کی نبوت کی تصدیق کرنے اور اپنے دوستوں اور
نیک بندوں کی نسبت خوش اعتقاد رہنے کی ہدایت کی تھی وہ جس کسی کو ہدایت پر لانا چاہتا
ہی اُس کے دل کو مذہب اسلام قبول کرنے کیلیے کھول دیتا ہی[1]- ہم اُس وقت سے آجتک دین کا
بول بالا کرنے اور مذہب اسلام اور مسلمانوں کے معاملات کی اصلاح کرنے پر مائل رہے تھے یہانتک
کہ والد بزرگوار اور برادر بزرگ کی طرف سے حکمرانی کی نوبت ہم تک آپہنچی اور خدا نے اپنی مہربانی
سے ہماری اُمیدوں کو پورا کیا اور حکومت اور سلطنت ہمکو عنایت کی - پھر قریلتائی دکورلتائی
مبارک میں جس سے وہ مجلس مراد ہی جس میں تمام بھائی بند اور شہزادے اور بڑے بڑے امیر
اور فوج کے سردار مشورہ کرنے کیلیے بیٹھتے ہیں سب نے ملکر یہ قرار دیا کہ ہمارے برادر بزرگ کے
حکم سے فوجکشی کو جاری کیا جاوے - اور ہماری فوجوں میں سے جن کی کثرت سے زمین باوجود
وسیع ہونے کے تنگ ہی اور جن کی صولت اور ہیبت سے سب کے دل کانپتے اور تھراتے
ہیں ایک جم غفیر کو اطراف میں روانہ کیا جاوے اور یہ فوج کشی ایسے مضبوط ارادے کے
ساتھ ہو جس کے سامنے بلند پہاڑ جھک جاویں اور سنگ خارا کی چٹانیں نرم پڑجاویں
ہم نے اس مقصد پر غور کیا جس پر اُن کے ارادے پختہ اور اُن کی رائیں متفق تھیں - اور
ان سب کا خلاصہ جو معلوم ہوا وہ اُس عام نیکی کے برخلاف تھا جس کے جاری کرنے کا
ہم ارادہ رکھتے تھے اور جس سے مراد یہ ہی کہ شعار اسلام کو زندہ کیا جاوے اور جو احکام
ہماری طرف سے جاری ہوں اُن سے خونریزی موقوف ہو اور دنیا کی مصیبت کم ہو اور دنیا کے
اطراف میں امن وامان کی ہوا چلے اور تمام شہروں کے حاکم ہماری شفقت اور مہربانی سے
آرام پاویں کیونکہ ہم خدا کی تعظیم کرتے ہیں اور خدا کی مخلوق پر مہربان ہیں - اس لیے خدا نے

[1] قرآن - سورہ (۶) - آیت ۱۲۵ -

ہمارے دل میں الہام کیا کہ ہم مشتعل آگ کو بجھائیں اور فتنہ و فساد کو فرو کریں اور جن لوگوں نے یہ رائے دی ہی اُن کو اُس تدبیر سے مطلع کریں جس سے دنیا کی بیماریوں اور تکلیفوں کے دور ہونے کی اُمید ہی اور جس کو سب سے پہلے عمل میں لانے اور سب سے آخری علاج سے باز رہنے کی خدا نے ہم کو ہدایت کی ہی- اس لیے ہم پیکانوں کو جنبش میں لانے اور کمانوں پر چلہ چڑھانے میں جلدی نہیں کرتے ہیں- اور جب تک کہ حق بات ظاہر نہ ہو اور حجت قوی نہو ہم اس امر کی اجازت نہیں دیتے- شیخ الاسلام قدوۃ العارفین کی نصیحت نے جو امور مذہبی میں ہمارے سب سے بہتر مددگار ہیں ہمارے اُس ارادے کو جو فلاح و بہبودی کی خواہشوں پر مبنی ہی اور اُس رائے کو جس سے کامیابی کی اُمید ہی پختہ اور مصمم کر دیا- چنانچہ ہم نے یہ یہ فرمان جاری کیا جو ماننے والوں کے لیے خدا کی رحمت اور نہ ماننے والوں کے لیے خدا کا عذاب ہی- ہم نے اس فرمان کے نہ ماننے والوں کیلیے قاضی القضاۃ قطب الدین شیرازی اور اتابک بہاؤ الدین کو جو اس سلطنت کے عمائد ہیں روانہ کیا ہے تاکہ لوگوں کو ہمارے طریقے سے واقف کریں اور تمام مسلمانوں کے فائدے کیلیے جو بات ہمارے دل میں پوشیدہ ہی سب اُس سے آگاہ ہوں- نیز اُن سب لوگوں کو اس بات سے مطلع کریں کہ خدا نے ہم کو بصیرت اور ہدایت عطا کی ہے اور اسلام اُن تمام گناہوں کو معاف کرتا ہی جو مسلمان ہونے سے پہلے وقوع میں آئے ہوں- اب تو خدا نے ہم کو ہدایت کی ہی کہ ہم حق کی اور اہل حق کی پیروی کریں . . . . پس اگر لوگوں کے دل ایسی دلیل کی جستجو میں ہیں جن سے وہ ہم پر بھروسا کر سکیں اور ایسی حجت طلب کرتے ہیں جس سے کامیابی کی اُمید کر سکیں تو وہ ہماری اُن تمام فضیلتوں پر نظر ڈالیں جو دنیا میں عام طور پر مشہور ہو چکی ہیں- کیوں کہ ہم نے خدا کی عنایت سے دین کے نشانوں کو بلند کیا ہی اور ہر ایک حکم کے جاری کرنے میں اس امر کو پیش نظر رکھا ہے اور شرع محمدی کے قوانین کو اُنکی عظمت اور بزرگی کے عین مقتضائے انصاف پر جاری کیا ہی- ہم نے تمام رعیت کے دلوں کو خوش کیا ہی

اور جن سے پہلے کوئی بُرائی یا خطا سرزد ہوئی تھی اُن سب کو یہ کہکر معاف کر دیا ہی کہ خدا بھی تمھاری اگلی خطاؤنکو معاف کرے ہم نے مسلمانوں کے اوقاف کی جن میں مسجدیں اور مقبرے اور مدرسے شامل ہیں اصلاح کی ہو اور تمام خیرات خانوں اور مہمان سراؤں کو جن کے نشان مٹ گئے تھے دوبارہ آباد کیا ہی اور اوقاف کی آمدنی کو اُن کے قدیم دستور اور وقف کرنے والوں کی شرائط کے موافق حقداروں تک پہنچا دیا ہی........ ہم نے حکم دیا ہو کہ ہمارے احکام حاجیوں کے معاملہ کو مہتم بالشان سمجھیں اور اُن کے لیے سامان سفر مہیا کریں اور جن رستوں سے وہ سفر کرتے ہیں اُن کو آباد اور بے خطر رکھیں۔ اور حاجیوں کے قافلوں کو بآرام تمام روانہ کریں۔ ہم نے تمام سوداگروں کو جو ملک میں آمدورفت رکھتے ہیں پوری آزادی عطا کی ہو کہ وہ اپنے طریقہ سے جس طرح چاہیں سفر کریں اور فوج اور قراغول اور شحنوں کو جو ملک کے اطراف میں مقرر ہیں سخت ممانعت کی ہو کہ سوداگرونکی آمدرفت میں کسی طرح کی مزاحمت نہ کریں...... تاکہ شہر اور ملک آباد ہوں۔ فتنے اور فساد فرو ہوں۔ تیز تلواریں میان میں رہیں اور تمام باشندے آرام و آسائش سے بسر کریں۔ اور مسلمانونکی گردنیں ذلت اور خواری کے طوق سے نکل جائیں[۱]"

تاریخ مغلیہ کے ناظرین کو اُن صدہا ظلموں اور متواتر کشت و خون کے ہنگاموں کو پڑھنے کے بعد جو مغل اور تاتاریوں نے برپا کیے اس فرمان کو مطالعہ کرنے سے بہت راحت معلوم ہوئی ہوگی اور تعجب ہوا ہوگا کہ ایک مغل فرمانروا کی زبان سے بھی اس قدر فیاضی اور انسانی ہمدردی کے خیالات ادا ہوئے۔

مغلوں نے جب یہ دیکھا کہ اُن کا خان تکودار مسلمان ہوگیا اور وہ عیسائیوں پر ظلم کرتا ہی تو اُن کو بہت بُرا معلوم ہوا۔ اگرچہ مغل عیسائی نہ تھے لیکن عیسائیوں سے اُن کا واسطہ اور اتحاد مدت سے چلا آتا تھا۔ اس لیے ان مغلوں نے تکودار کی شکایت قوبلائی خاں

[۱] وصاف صفحہ ۲۳۱-۲۳۲-

سے کی کہ اُن کے خان نے اپنے باپ دادا کا طریقہ چھوڑ دیا ہی۔ غرض تکودار کے خلاف ایک بغاوت برپا ہوئی جس کا سرغنہ ارغون خاں تھا تکودار کو اُس نے قتل کیا اور خود مالک تخت وتاج بنگیا۔ ارغون کے عہد حکومت میں (۱۲۸۴ء۔ ۱۲۹۱ء) جو چند سال تک جاری رہا عیسائیوں پر پھر سلطنت کی طرف سے مہربانی ہوئی اور مسلمانوں کو سختیاں اُٹھانی پڑیں اور سرکاری عہدوں اور نوکریوں سے وہ برطرف کیے گئے[۱]۔ ۱۲۹۵ء تک تکودار کے جانشین اپنے قدیم مذہب شامان کے پیرو رہے۔ لیکن ۱۲۹۵ء میں البتہ اُن کا ساتواں بادشاہ غازان جو خاندان ایلخانیہ کا سب سے زیادہ بارعب اور پرسطوت بادشاہ ہوا مسلمان ہوگیا اور اُس نے اسلام کو ایران کا شاہی مذہب قرار دیا۔ سلطان غازان سے پہلے تین بادشاہوں کے زمانہ میں عیسائیوں کو برابر یہ توقع رہی کہ ایران کا شاہی خاندان عیسائی ہو جائے گا کیوں کہ اس خاندان نے عیسائیوں پر بہت مہربانیاں کی تھیں اور ہمیشہ اُن کو مناصب جلیلہ پر ممتاز کیا تھا۔ لیکن ایسا نہ ہوا۔ سلطان غازان کے بعد بایدو خاں نے جو ۱۲۹۵ء میں چند مہینوں کیلیے سلطنت ایران پر قابض رہا۔ عیسائیوں کی اُمیدوں کو اس طرح ترقی دی کہ مغلوں میں اشاعت اسلام کو قطعی بند کرنے کی کوشش کی اور اس مذہب پر وعظ کرنے کی بالکل ممانعت کردی[۲]۔

مسلمان ہونے سے پہلے سلطان غازان کی تعلیم و تربیت بدھ مذہب پر ہوئی تھی اور خراسان میں اس بادشاہ نے بدھوں کے لیے مندر تعمیر کر دیے تھے اور بدھ مذہب کے عالموں کی صحبت سے وہ بہت خوش ہوتا تھا اور یہ لوگ جس وقت دولت مغلیہ کو عروج ہوا تھا ایران میں کثرت سے چلے آئے تھے[۳]۔ سلطان غازان کو مختلف مذہبوں کی تحقیق و تفتیش کا بڑا شوق تھا اور ہر مذہب کے عالموں سے وہ مذہبی مباحثے کرتا تھا[۴]۔ غازان کا وزیر اور اُس کے عہد کا مؤرخ حکیم رشید الدین تھا جس کا یہ خیال غالباً صحیح معلوم ہوتا ہی کہ سلطان غازان

[۱] گوین۔ تیسری جلد صفحہ ۲۶۳-۲۶۵ [۲] دہوسن توم-۴- صفحہ ۱۴۱-۱۴۲ [۳] دہوسن توم ۴ صفحہ ۱۴۸ [۴] دہوسن توم ۴ صفحہ ۳۶۸

سچی نیت اور عقیدہ سے مسلمان ہوا اور اپنے تمام زمانہ بادشاہی میں وہ اسلام کا نہایت پابند رہا۔ حکیم رشید الدین کے ہمعصر (اور زمانہ مابعد کے) مؤرخوں نے یہ خیال ظاہر کیا ہے کہ غازان چند امیروں اور مشائخ کے کہنے سے مسلمان ہو گیا تھا[1]۔ لیکن غازان کا طرفدار مؤرخ لکھتا ہو کہ "ایک بڑے بادشاہ کو کیا لالچ ہو سکتا ہے کہ وہ اپنا مذہب تبدیل کرے اور خاصکر ایسے بادشاہ کو جس کے بت پرست بزرگوں نے دنیا کو فتح کیا ہو[2]" غرض غازان کے مسلمان ہوتے ہی ایرانیوں کے دل بادشاہ کے قبضہ میں آگئے اور جب سلطان غازان اور بایدو خاں میں تخت ایران کے لیے لڑائیاں شروع ہوئیں تو دشمن کی سپاہ میں جو مغل مسلمان تھے وہ بایدو خاں کا ساتھ چھوڑ کر غازان کی مدد کو چلے آئے تاکہ مسلمانوں کی مدد کریں۔ اسی دوراندیشی سے امیر نوروز بیگ نے جو بایدو کے خلاف غازان کا معاون تھا غازان پر اسلام قبول کرنے کا زور ڈالا تھا۔ چنانچہ جب یہ بادشاہ مسلمان ہو گیا تو امیر نوروز بیگ نے مبارکباد دی کہ میری پیشین گوئی پوری ہوئی جس میں نے ایک بادشاہ کے پیدا ہونے کی خبر دی تھی جو اسلام کی حفاظت کرے گا اور پھر اس مذہب کو پہلے ہی سے رونق و زینت دیگا۔ اور اگر اُس نے اسلام قبول کر لیا تو کل ایران کا وہ فرمان روا ہو گا اور اہل اسلام کا فر مغلوں کے جوے سے نکلکر اس بادشاہ کی حمایت کریں گے اور خدا اس بادشاہ کو دین برحق کا حامی جانکر (جس نے اسلام کو تباہی سے بچایا) لڑائی میں اُس کو فتح دے گا۔ غرض کسی قدر تذبذب کے بعد غازان نے اپنے مسلمان ہونے کا اعلان کیا۔ اور افواج اور شاہی ارکین دولت نے بادشاہ کا اتباع کیا۔ سلطان غازان نے زاہدوں اور عالموں میں روپیہ تقسیم کیا۔ مساجد میں گیا اور اولیا اور فقرا کے مزاروں کی زیارت کی۔ غرض اس مغل بادشاہ نے اپنے تئیں ہر طرح سے نہایت باخدا مسلمان ثابت کیا۔ سنہ ۷۰۳ھ؁ مطابق سنہ ۱۳۰۴ء؁ میں غازان کا بھائی سلطان محمد خدابندہ کے نام سے تخت ایران

---

[1] دہوسن توم۔ ۴ صفحہ ۱۴۸ و ۱۵۴ [2] دہوسن توم۔ ۴ صفحہ ۱۲۸ و ۱۳۲۔

پر بیٹھا۔ اس سلطان کی ماں عیسائی تھی اور بچپن میں اُس کی تعلیم و تربیت بھی عیسوی طریقہ سے ہوئی تھی اور نکولس کے نام سے اُس نے اصطباغ پایا تھا۔ لیکن ماں کے مرنے پر وہ اپنی بیوی کے کہنے سے مسلمان ہو گیا[1]۔ ابن بطوطہ نے لکھا ہو کہ نکولس خاں یعنی سلطان خدابندہ کے مسلمان ہونے سے مغلوں میں بڑا اثر پیدا ہوا[2]۔ غرض اُس زمانہ سے قلمرو ایلخانیہ میں اسلام سب مذہبوں پر غالب آگیا۔

بلاد متوسطہ میں جو چغتائی ابن چنگیز خاں اور اُس کی اولاد کے حصہ میں آئے تھے دعوت اسلام کے حالات کا پتہ کم چلتا ہو۔ اس سلسلہ میں پہلا بادشاہ جس کو "نور اسلام کی برکت ملی" وہ براق خاں تھا جو چغتائی خاں کا پڑپوتا تھا اور جس نے تخت نشین ہونیکے دو برس بعد مسلمان ہو کر سلطان غیاث الدین (۱۲۶۶–۱۲۷۰ء) اپنا نام رکھا[3]۔ لیکن یہاں شروع زمانہ میں اسلام کی ترقی زیادہ عرصہ تک جاری نہ رہ سکی کیونکہ براق خاں کے مرنے کے بعد جو مغل مسلمان ہوئے تھے اُنھوں نے پھر اپنا قدیم مذہب اختیار کر لیا تھا۔ اور چودہویں صدی عیسوی سے پہلے اس حالت کی اصلاح نہ ہو سکی۔ البتہ طرمشرین خان جس نے ۱۳۲۲ء سے ۱۳۳۰ء تک سلطنت کی جس وقت مسلمان ہوا تو چغتائیہ مغلوں نے بالعموم

---

[1] تمام ترکستاں۔ گیشنیخے درالیخانین۔ دوسری جلد صفحہ ۱۸۲۔۔۔۔۔۔۔ یہ خلاف قیاس نہیں ہو کہ مسلمان عورتوں نے جو مغلوں کی باندیاں ہوتی تھیں مغلوں کو مسلمان کرنے میں بڑی کوشش کی۔ مغلوں میں عورتوں کو عزت کا رتبہ حاصل تھا اور جس طرح اکثر مثالیں اس کی بیان کی گئی ہیں کہ ان عورتوں کو اپنے خاوندوں کے مذہبی خیالات پر قدرت حاصل تھی اسی طرح اس کی نظیریں بھی ملتی ہیں کہ مغلوں کی حکومت کے زمانہ میں اُنکو ملکی معاملات میں بھی بڑا حصہ ملا تھا۔ روبروک کا ولیم لکھتا ہو کہ ایک دفعہ ایک مسلمان کو عیسائی کرنیمیں اُس کی مسلمان بیوی کیوجہ سے بڑا خلل پڑا۔ وہ لکھتا ہو کہ پنٹی کوسٹ کے دن ایک مسلمان ہم سے باتیں کرنے آیا اور ہم نے اُس کو اپنے مذہب سے آگاہ کیا۔ جب اُس نے ہم سے سُنا کہ خدا کا مجسم ہونا۔ مُردوں کا اُٹھنا قیامت اور اصطباغ سے گناہوں کا پاک ہونا کیسا ہو اور اُنپر ایمان لانیسے کیا نفع ملتا ہو۔ تو اس مسلمان نے اصطباغ پانیکی خواہش ظاہر کی لیکن جب ہم اُسکو اصطباغ دینے کی تیاری کرنے لگے تو دفعتاً اُس کو کچھ خیال آیا اور وہ گردہ گھوڑے کی پیٹھ پر جا بیٹھا اور کہا کہ ذرا ٹھہرو میں گھر جا کر اپنی گھر والی سے تو پوچھ آؤں۔ دوسرے دن صبح کو وہ پھر ہمارے پاس آیا اور کہنے لگا کچھ ہو جائے میں ہرگز ہرگز اصطباغ نہ لوں گا۔ کیونکہ اگر میں عیسائی ہو گیا تو پھر گھوڑی کا دودھ پینا کبھی نصیب نہ ہوگا (روبروک کا ولیم صفحہ ۱۵)۔ [2] ابن بطوطہ۔

دوسری جلد صفحہ ۵۔ [3] ابوالغازی توم ۲۔ صفحہ ۱۵۹۔

اسلام اختیار کرلیا۔ اور جب ایک دفعہ اُنھوں نے اپنے بادشاہ کی طرح اسلام قبول کرلیا تو پھر وہ مضبوط دل سے اس مذہب پر قائم رہے لیکن اس حال میں بھی اسلام کا اور مذہبوں پر غالب آنا جو حریف مقابل تھے یقینی امر نہ تھا۔ کیوں کہ طرمشرین کے جانشینوں نے مسلمانوں پر ظلم وستم کرنے شروع کردیئے[1]۔ اور جبتک کاشغر کا بادشاہ جس کی ریاست چغتائیہ سلطنت کی تقسیم وضعف سے خود مختار ہوگئی تھی اسلام کی حمایت کو نہ اُٹھا اُس وقت تک اسلام کی ترقی ممکن نہ ہوئی۔ سلطان کاشغر کے مسلمان ہونے کی نسبت جس کا نام تغلق تیمور خاں (۱۳۴۷-۱۳۶۳ء) تھا لکھا ہے کہ بخارا سے ایک بزرگ شیخ جمال الدین کاشغر میں آئے اور اُنھوں نے تغلق تیمور کو مسلمان کیا۔ شیخ جمال الدین اور اُن کے ساتھی سفر میں تھے کہ نادانستہ تغلق کی شکاری زمین پر سے اُن کا گذر ہوا بادشاہ نے اس قصور میں ان سب لوگوں کی مشکیں کسوا کر اپنے سامنے طلب کیا۔ اور نہایت غصہ کی حالت میں اُن سے پوچھا کہ تم لوگ کیوں ہماری زمین پر بے اجازت داخل ہوئے۔ شیخ نے جواب دیا کہ ہم اس ملک میں اجنبی ہیں اور ہم کو مطلق خبر نہ تھی کہ ہم ایسی زمین پر چل رہے ہیں جسپر چلنے کی ممانعت ہے۔ بادشاہ کو جب یہ معلوم ہوا کہ یہ لوگ ایرانی ہیں تو اُس نے کہا کہ ایرانی سے تو کتا بہتر ہوتا ہے۔ شیخ نے کہا "سچ ہے اگر دین برحق ہمارے پاس نہ ہوتا تو ہم فی الحقیقت کتے سے بھی بدتر تھے"۔ یہ جواب سُنکر تغلق تیمور حیران رہگیا اور حکم دیا کہ جب ہم شکار سے واپس آئیں تو یہ ایرانی ہمارے سامنے حاضر کیے جائیں۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا اور بادشاہ نے شیخ جمال الدین کو علیحدہ لیجاکر کہا کہ جو کچھ تم اُس وقت کہتے تھے اُس کو اب سمجھاؤ۔ دین برحق سے تمہارا کیا مطلب تھا یہ سن کر شیخ نے اسلام کے احکام اور ارکان کو ایسے جوش سے بیان کیا کہ تغلق تیمور کا دل جو پہلے پتھر تھا اب موم کی طرح نرم پڑگیا۔ شیخ نے حالت کفر کا ایسا مہیب نقشہ کھینچا کہ بادشاہ کو اپنی غلطیوں سے ابتک بے بصیرت رہنے کا یقین ہوگیا۔ لیکن اُس نے کہا کہ "اگر اس وقت میں اپنا مسلمان ہونا ظاہر کرونگا

[1] ابن بطوطہ توم ۳۔ صفحہ ۴۔

تو پھر رعایا کو راہ راست پر نہ لا سکوں گا۔ اس لیے کچھ عرصہ کیلیے تم سکوت کرو۔ جب میں اپنے باپ کے تخت اور ملک کا مالک بنوں تو اُس وقت تم میرے پاس آنا۔" چغتائیہ سلطنت اب حصہ ہو کر چھوٹی چھوٹی عملداریوں میں تقسیم ہو گئی تھی۔ اور برسوں کے بعد تغلق تیمور اس قابل ہوا کہ ان سب عملداریوں کو شامل کر کے پھر قلمرو چغتائیہ کی مثل ایک سلطنت قائم کر دے اس عرصہ میں شیخ جمال الدین اپنے وطن کو چلے گئے اور یہاں سخت بیمار پڑے جب موت کا وقت قریب آیا تو اپنے بیٹے رشید الدین سے کہا "تیمور تغلق ایک دن بڑا بادشاہ ہوگا۔ تم اُس وقت اُس کے پاس جانا اور میرا اسلام پہنچا کر بے خوف و خطر بادشاہ کو یاد دلانا کہ اُس نے مجھ سے کیا وعدہ کیا تھا۔" چند سال کے بعد جب تیمور تغلق نے باپ کا تخت حاصل کر لیا تو ایک دن رشید الدین بادشاہ کے لشکر میں پہنچا تاکہ باپ کی وصیت پوری کرے لیکن باوجود کوشش کے اُس کو خان کے دربار میں حضوری نہ ہوئی۔ آخر کار اُس نے مجبور ہو کر یہ تدبیر کی کہ ایک دن علی الصباح تغلق کے خیمہ کے قریب اذان کہنی شروع کی۔ تغلق کی جب نیند خراب ہوئی تو غصہ ہو کر اُس نے رشید الدین کو اپنے سامنے بلوایا۔ رشید الدین آیا اور اپنے باپ کا پیغام تغلق کو سُنایا۔ تغلق کو پہلے ہی سے اپنے وعدہ کا خیال تھا۔ وہ کلمہ پڑھ کر مسلمان ہوا اس کے بعد اُس نے اپنی رعایا میں اسلام کی اشاعت کی اور اُس کے زمانہ میں ان تمام ملکوں کا مذہب اسلام ہو گیا جو چغتائی ابن چنگیز خاں کی اولاد کے تسلط میں رہے تھے[1]

اب ہم کو سیرا اردا میں دعوت اسلام کی تاریخ پر نظر کرنی چاہیے مغلانِ سیرا اردا کی خیمہ زنی کے لیے وہ سرسبز قطعات ملک تھے جو دریائے ولگا سے سیراب ہوتے ہیں۔ اس دریا کے کنارے پر اُنھوں نے سرائے کا شہر جو اُن کا دارالحکومت تھا آباد کیا تھا۔ اور یہی پایہ تخت تھا جہاں روس کے بادشاہ خان سیرا اردا کو خراج بھیجا کرتے تھے۔ برکہ خاں کے اسلام لانے سے اور سلطنت مصر سے اُس کے تعلقات نے جو زمانہ مابعد میں پیدا ہوئے اسلام کی بڑی ترقی کی۔ برکہ خاں کی طرح سیرا اردا کے اُمرا اور ارا کین دولت بھی جو نسل مغل تھے

---

[1] ابو الغازی۔ ج ۲۔ ص ۲۰۔ صفحہ ۱۶۶-۱۶۸۔

رفتہ رفتہ مسلمان ہوگئے۔ لیکن بعض مغل جرگوں نے مخالفت بھی کی کہ اسلام ان میں شائع نہ کیا جاوے۔ اور جب خان سیرا اوردا کے مسلمان ہونے کا اعلان ہوا تو ان لوگوں نے برکہ خاں کو تاج وتخت کا اہل نہ سمجھا۔ اور ہلاکو خاں کو خانیت سیرا اوردا پر مسلط ہونے کے لیے لکھا۔ یہ مخالفت ایسی بڑہی کہ جرگہ توگائی جدا فرقہ کی حیثیت سے قائم ہوگیا۔ اس جرگہ نے اپنا نام برکہ خاں کے سپہ سالار توگائی خاں کے نام پر رکھا تھا۔ جب سیرا اوردا کے اور شہزادے بھی مسلمان ہوگئے تو جرگہ توگائی بدستور اپنے آبائی مذہب پر قائم رہا۔ اور جن مغلوں نے اپنا مذہب ترک نہ کرنا چاہا اُنھوں نے جرگہ توگائی کی طرف رجوع کیا توگائی خاں کی بیٹی جس کی شادی ایک شامانی المذہب مغل سے ہوئی تھی کچھ عرصہ کے بعد مسلمان ہوگئی اور اُس کو اپنے خاوند کے ظلم وستم سہنے پڑے[۱]۔

اُزبک خاں کو جو ۱۳۱۳ء سے ۱۳۲۰ء تک سیرا اوردا کا خان رہا مغلوں کو مسلمان کرنے میں بڑی شہرت ہوئی۔ لیکن مغل اس سردار سے یہ کہا کرتے تھے کہ "جو کچھ تم کو چاہیے وہ ہماری اطاعت اور فرمانبرداری ہی۔ ہمارے مذہب سے تمھیں کیا بحث۔ ہم کیوں چنگیز خاں کا مذہب چھوڑکر عربوں کا دین قبول کریں"۔ لیکن باوجود سخت مخالفتوں کے جو اُزبک کو آئیں اُس نے کثرت سے اُن لوگوں کو اُس مذہب میں شامل کرلیا جس کا وہ خود نہایت پُرجوش حامی تھا اور یہ صرف اُسی کی کوشش تھی کہ جس ملک کا وہ خان تھا اُس ملک میں اسلام شائع ہوگیا[۲]۔ اُزبک خاں ہی کا اثر وسط ایشیا کے جرگہ اُزبک میں پہنچا جس کا نام اس خان کے نام سے چلا اور اُسی کے عہد میں غالباً اس قوم ازبک نے اسلام قبول کیا۔ سلطان اُزبک نے اس کی تدبیر یہی سوچی کہ کسی طرح ملک روس میں اسلام پھیل جاوے[۳]۔ لیکن اس میں وہ کامیاب نہوا۔ اگرچہ روس کے ملک میں مغلوں کو دو سو برس سے بہت قوت حاصل تھی۔ لیکن ملک کے باشندے نیز اُنکی کسی بات کا خاصکر مذہب کا مطلق اثر نہ پڑا۔ سلطان اُزبک خاں کو

[۱] ہوورتھ۔ دوسری جلد۔ صفحہ ۱۰۱۵۔ [۲] ابوالغازی۔ توم ۲۔ صفحہ ۱۸۴۔ [۳] دے گوین۔ تیسری جلد۔ صفحہ ۳۵۱۔

اشاعت اسلام کا حد درجہ خیال تھا لیکن باوجود اس خیال کے عیسائی رعایا کو اُس نے بالکل مذہبی آزادی دے رکھی تھی اور اُنکی مذہبی رسوم میں کسی طرح کی دست اندازی نہ کی جاتی تھی بلکہ عیسوی مذہب کی اشاعت کی بھی اجازت اُس نے دے رکھی تھی مسلمانوں کے طریق صلح کل کے ثبوت میں اور غیر مذہب والوں کو مذہبی آزادی دینے کی شہادت میں جو تاریخی دستاویزیں ملتی ہیں اُن میں سب سے بڑھکر وہ فرمان ہی جو ازبک خاں سیرا وارد نے مطران بطرس (میٹروپولیٹن پیٹر) کے نام جاری کیا۔ فرمان یہ ہی۔

"خدائے بزرگ کے حکم اور قدرت سے اُس کی عظمت اور رحمت سے اُزبک کا مراسلہ ہمارے سرداروں کے نام خواہ اعلیٰ ہوں یا ادنیٰ۔ کسی شخص کو نہیں چاہیے کہ مطران کے کلیسا کی توہین کرے جس کا افسر بطرس ہی۔ اور نہ اُس کے نوکروں یا قسیسوں کو بُرا کہے۔ کسی آدمی کو نہیں چاہیے کہ اُن کے مال واسباب یا آدمیوں پر قبضہ کرے۔ جو شخص ایسا کرے گا اور ہمارے فرمان کو توڑے گا وہ خدا کے سامنے تقصیروار ہوکر عذاب کا مستوجب ہوگا اور ہماری طرف سے اُس کو موت کی سزا ملے گی۔ مطران کو امن و حفاظت کے ساتھ رہنے دینا چاہیے تاکہ انصاف اور اطمینان قلب سے وہ یا اُس کا نائب مذہبی معاملات کے انصرام میں مصروف رہے۔ ہم اقرار کرتے ہیں کہ نہ ہم خود اور نہ ہماری اولاد اور نہ ہماری قلمرو کے بادشاہ اور نہ ہمارے ملکوں کے صوبے عیسوی کلیسا یا مطران کے معاملات میں دست اندازی کرینگے اور نہ اُن کے شہروں میں اور نہ اُن کی شکارگاہوں اور مچھلی پکڑنے کی جگہوں میں اُنکے مزاحم ہونگے اور نہ اُن کے شہد کے چھتوں اور اُن کی زمینوں سے اور نہ اُن کے میدانوں اور جنگلوں اور قصبات اور دیگر مقامات سے جو اُن کے عاملوں کے انتظام میں ہونگے اور نہ اُن کے انگورستانوں سے نہ اُن کی چکیوں سے اور جاڑے میں مویشیوں کی رہنے کی جگہ سے یا کلیسا کے مال واسباب سے ہمکو کسی طرح کا تعرض ہوگا۔ مطران کے دل کو ہمیشہ پریشانی سے دور رہنے دو اور اُن کو ہمارے لیے اور ہماری اولاد اور قوم کیلیے اطمینان قلب کے ساتھ خدا سے دعا کرنے دو۔ کوئی شخص

جو کلیسا کی کسی مقدس چیز پر ہاتھ ڈالیگا وہ گناہگار ہوگا اور خدا کا قہر اُس پر نازل ہوگا اور موت کی سزا اُسے ملے گی تاکہ اور لوگ اُس سے عبرت پکڑیں۔ جس وقت خراج جس میں چنگی یا ہٹی اور جوتے کا محصول یا آدمیوں کا محصول شامل ہو کیا جاوے یا جس وقت ڈاک کے لیے گھوڑے کسی سے طلب کیے جاویں یا ہم فوج کیلیے رعایا میں سے آدمی بھرتی کریں تو بڑے کلیساؤں سے جو مطران بطرس کے تحت میں ہیں کچھ نہ لیا جاوے اور نہ اُن کے قسیسوں سے کچھ وصول کرنا چاہیے جو کچھ قسیسوں سے لیا جائیگا وہ تگنا کرکے دینا پڑے گا ....
اُن کے آئین و قوانین کا اُن کے گرجاؤں اور خانقاہوں کا ادب کرنا ہوگا اور جو کوئی اُن کے مذہب کو متہم کرے گا یا اُس کی توہین کرے گا وہ کسی عذر یا حیلہ سے بے قصور تصور نہ ہوگا بلکہ موت کی سزا اُس کو ملے گی۔ قسیسوں اور اُسقفوں کے بھائی اور بیٹے جو ایک ہی دسترخوان پر کھاتے ہوں اور ایک ہی چھت کے نیچے رہتے ہوں اُن کو بھی یہ سب حقوق حاصل ہوں گے"[۱]

سلطان اُزبک خاں کے اِس فرمان میں خالی لفظ ہی لفظ نہ تھے بلکہ جس مذہبی آزادی کا وعدہ ہوا وہ فی الواقع عیسائیوں کو ملی۔ اور اُس کے ثبوت میں وہ مراسلہ ہی جو ۱۳۳۸ء میں پوپ جان بست و دوم نے سلطان ازبک کے پاس بھیجا اور خان سیرا اوردا کا شکریہ ادا کیا کہ اُس نے اپنی عیسائی رعایا کے حال پر بڑی مہربانی کی[۲]۔ اُزبک کے جانشینوں میں اشاعت اسلام کیلیے وہ ہمت اور جوش نہ تھا جو خود ازبک کے دل میں موجود تھا اور جہاں اس بادشاہ کو اسلام پھیلانے میں کامیابی نہ ہوئی وہاں اُس کے جانشینوں کو کیا کامیابی ہوسکتی تھی۔ جس وقت تک روس کی رعایا محصول دیے جاتی تھی اُس کو آزادی تھی کہ جس طرح چاہے اپنے دین و آئین پر قائم رہے۔ عیسائی مذہب اُس کی زندگی کا ایسا جزو ہوگیا تھا کہ اگر اس دین سے اُس کو علیحدہ کرنے کی کوشش بھی کی جاتی تو کامیابی نہ ہوتی کیونکہ

---

[۱] کارامسین۔ چوتھی جلد۔ صفحہ ۳۹۱-۳۹۴ [۲] ہامر پرگستال "تاریخ سیرا اوردا در قپچان" صفحہ ۲۹۰۔

دریائے ولگا کے کناروں پر مغلوں کے آباد ہونے سے تین سو برس پہلے عیسوی دین باشندگان روس کا قومی مذہب بن چکا تھا۔

مغلوں سے سو برس پہلے بلغاریہ کے مسلمانوں نے روسیوں کو مسلمان کرنا چاہا تھا مگر وہ کامیاب نہ ہوئے۔ دسویں صدی عیسوی میں دریائے ولگا کے کناروں پر بلغاریہ کے مسلمان آباد تھے اور یہ لوگ غالباً اُن مسلمان تاجروں کی ہدایت سے مسلمان ہوئے تھے جو شمالی ملکوں میں پشمینہ وغیرہ کی تجارت کیا کرتے تھے۔ غالباً ۹۲۱ء میں یہ تاجر روسیوں میں پہنچے کیونکہ ۹۲۱ء میں خلیفہ مقتدر باللہ نے روسیوں کے پاس سفیر بھیجے تھے تاکہ جو روسی اسلام لے آئے ہیں اُن کے دین کو استحکام دیا جاوے اور علم دین کی اُنکو تعلیم و تلقین ہو۔[۵۱]

ان بلغاری مسلمانوں نے وال دمیر کو جو اُن کے وقت میں روس کا بادشاہ تھا مسلمان کرنا چاہا۔ ایک روسی مؤرخ نے لکھا ہے کہ اس بادشاہ کو یہ ضرورت پیش آئی کہ بت پرستی سے بہتر کوئی مذہب اختیار کرے۔ لیکن وال دمیر نے شراب کی ممانعت اور ختنہ کی رسم کو تسلیم کرنے سے انکار کیا اور مسلمان اُس کے اس انکار کو توڑ نہ سکے۔ اس بادشاہ نے مسلمانوں سے کہدیا کہ روسی کبھی شراب پینی نہ چھوڑیں گے کیونکہ یہی چیز اُن کی زندگی کا سب سے زیادہ خوش کن مشغلہ ہے مسلمانوں کی طرح یہودی بھی جو بحر خضر کے ساحل سے خضر کے ملک میں آئے تھے روسیوں کو اپنے دین پر نہ لا سکے۔ البتہ خضر کے بادشاہ کو اُنھوں نے موسوی دین کا معتقد کر لیا۔[۵۲] وال دمیر نے یہودیوں کے مذہبی عقائد و دلائل کا حال سن کر اُن سے پوچھا کہ تمھارا ملک کہاں ہے۔ یہودیوں نے کہا "بیت المقدس ہمارا ملک ہے لیکن خدا کا عتاب ہم پر نازل ہوا اور ہم تمام دنیا میں منتشر کر دیے گئے"۔ بادشاہ یہ سن کر بولا کہ خدا کے معتوب ہو کر بھی دوسروں کو اپنا دین سکھاتے ہو۔ جاؤ۔ ہم کو شوق نہیں ہے کہ تمھاری

۵۱ "باشکر قوم کا بیان" مرتبہ ابن فضلان (یاقوت۔ توم ۱۔ صفحہ ۶۲۲ (۱۸۶۶ء) ۵۲ ابو عبید البکری۔ صفحہ ۱۸۴-۱۸۱۔

طرح ہم بھی بے وطن ہو جاویں"۔ لیکن یونانی کلیسا کے ایک اُسقف نے وال دمیر کی طبیعت
پر اس طرح اثر ڈالا کہ عیسائی مذہب کے علاوہ جس قدر مذہب تھے اُن پر مختصر اعتراض کر کے
عیسوی دین کی تعلیم کو آفرینش عالم اور حضرت آدم کے قصہ سے لیکر کلیسائے یونان کے
سات مذہبی مجلسوں کے انعقاد تک جن کے فیصلوں کو یونان کے کلیسا نے تسلیم کیا
تھا بیان کر گیا۔ اور پھر بادشاہ کو قیامت کی تصویر دکھائی جس میں خدا کے پاک بندے بہشت
میں داخل ہوتے تھے اور گنہگار دوزخ میں جھونکے جاتے تھے۔ اس اسقف نے
بادشاہ سے وعدہ کیا کہ اگر اُس نے اصطباغ لیا تو "آسمان سے اُس کو ورثہ ملے گا"۔

لیکن وال دمیر کا یہ قصد نہ تھا کہ بے سوچے سمجھے بت پرستی چھوڑ کر کوئی نیا مذہب
قبول کرے۔ چنانچہ اُس نے اپنی سلطنت کے تمام عمائد و رؤسا کو جمع کر کے اُن سے
مشورہ کیا۔ ان لوگوں نے عرض کیا کہ "اے بادشاہ وال دمیر۔ ہر شخص اپنے مذہب کی
تعریف و توصیف کرتا ہی۔ اگر تجھکو بہترین مذہب کی تلاش ہی تو عقلمند لوگوں کو مختلف
ملکوں میں بھیج تاکہ وہ دریافت کریں کہ قوموں میں سے کونسی قوم ہے جو اپنے خدا کی اُسکی
شان اور عظمت کے لائق طاعت و تعظیم کرتی ہی"۔ بادشاہ نے یہ سُن کر دس آدمیوں کو جو بڑے
صاحب عقل مشہور تھے اس کام کیلیے تجویز کیا۔ یہ لوگ روانہ ہو کر بلغاریہ کے مسلمانوں میں پہنچے
لیکن دیکھا کہ مسلمانوں کی مسجدیں ادنیٰ قسم کی ہیں اور طریقہ عبادت میں بھی کچھ شان و شوکت
کا اظہار نہیں ہے۔ مسلمانوں کی صورتیں بھی اُن کو مغموم اور سنجیدہ نظر آئیں۔ جرمنی کے رومن
کیتھولک عیسائیوں کی مذہبی رسوم میں بھی کچھ آب و تاب باقی نہ رہی تھی۔ غرض یہ لوگ قسطنطنیہ
میں پہنچے اور قیصر روم نے اپنے لوگوں سے کہا کہ "ان روسیوں کو ہمارے خدا کا جلال
دیکھنے دو"۔ پس یونانی عیسائی ان روسیوں کو سانتا سوفیا کے کلیسا میں لیگئے جہاں
بطریق پر تکلف لباس پہنے ہوئے نماز پڑھاتا تھا۔ گرجا کی شان و شوکت۔ قسیسوں کے
قیمتی لباس۔ قربانگاہوں کی زیب و زینت۔ بخور کی خوشبوئیں۔ نمازیوں کا سکوت اور ہر طرف

ایسا عبرت کا عالم طاری پایا کہ ان وحشی روسیوں کے دل حیرت اور تعجب سے لبریز ہو گئے۔ وہ سمجھے کہ بس یہی مکان ہی جو خدا کے رہنے کی جگہ ہی اور یہی جگہ ہی جہاں وہ اپنا جمال فانی انسان پر ظاہر کرتا ہی غرض جب یہ روسی کیف کے شہر کو واپس آئے تو بادشاہ کے سامنے ساری سرگذشت بیان کی مسلمانوں کے مذہب کا ذکر اُنھوں نے حقارت سے کیا اور رومن کیتھولک مذہب کی حمایت میں بھی کچھ نہ بولے۔ لیکن کلیسائے یونان کی تعریف بڑے جوش و خروش سے کی۔ اور یہ کہا کہ "جس شخص نے ایک دفعہ میٹھے شربت کو لبوں سے لگایا ہو پھر وہ تلخ چیز سے ہمیشہ نفرت کرے گا۔ پس جب ہم کو یونانی کلیسا کے مذہب کا علم ہو گیا تو ہم اور کسی مذہب کی خواہش نہیں رکھ سکتے۔" وال دمیر نے ایک دفعہ اور امرائے سلطنت سے اس بارہ میں مشورہ کیا لیکن اُنھوں نے کہا "اگر یونانی کلیسا کا دین سب سے فائق نہ ہوتا تو وال دمیر کی وادی اولگا جو عورتوں میں سب سے زیادہ دانشمند تھی کبھی اس مذہب کو قبول نہ کرتی۔" اب وال دمیر نے کچھ تذبذب نہ کیا اور ۹۸۸ء میں وہ عیسائی ہو گیا۔ اور جس دن یہ مذہب اختیار کیا اُسی دن اُن بتوں کو توڑ ڈالا جن کی پرستش اُس کے باپ دادا کیا کرتے تھے۔ اور فرمان جاری کیا کہ روس کے کل باشندے خواہ آزاد ہوں یا غلام امیر ہوں یا مفلس فوراً عیسائی مذہب کا اصطباغ لیں[1]۔

غرض اس طریقہ سے عیسائی مذہب روسیوں کا قومی مذہب ہو گیا۔ مغلوں کی فتح کے بعد روسیوں اور تاتاریوں کے مختلف قومی خصلتوں نے ان دونوں قوموں کو آجتک علیحدہ رکھا ہی اور تاتاریوں کی حکومت سے روسیوں کی نفرت اور عیسوی مذہب سے اُن کا مستحکم تعلق اور مذہبی امور میں تاتاریوں کی سہل انگاری وہ چیزیں تھیں جنھوں نے روس کے محکوم باشندوں کو اپنے فاتحوں کا مذہب اختیار کرنے نہ دیا۔ یہ فرض کیا گیا ہی کہ خاص کر شراب پینے کی ممانعت نے روسیوں کو اسلام قبول کرنے سے باز رکھا۔

---

[1] کارامسین۔ توم ۱۔ صفحہ ۲۵۹۔ ۲۷۱۔

لیکن پھر بھی یہ نہیں کہہ سکتے کہ ملک روس میں اسلام پھیلانے کیلیے مغلوں نے کچھ نہ کیا۔ کریمیا کے مسلمانوں کی صورتیں جن کو تاتاری نسل سے فرض کیا جاتا ہی یونانیوں کے چہروں سے بہت مشابہ ہوتی ہیں۔ اور اس وجہ سے قیاس کیا گیا ہی کہ مسلمانوں نے یونان اور اٹلی کے عیسائیوں کو جو جزیرہ نمائے کریمیا میں آباد تھے مسلمان کرکے اپنی جماعت میں شامل کرلیا اور اسی جماعت میں کریمیا کے اصلی باشندوں اور گینوی قوم کی مسلمانوں کی اولاد شامل ہی[۱]۔ سترہویں صدی عیسوی کے ایک سیاح نے لکھا ہی کہ کریمیا کے مسلمان تاتاریوں نے اپنے غلاموں کو ترغیب دی کہ وہ مسلمان ہوجاویں اور اکثر غلاموں کو آزادی کے وعدہ پر مسلمان کرلیا[۲]۔

دریاے ولگا کی فن قوم کے لوگ بھی ان نومسلموں میں سے تھے جنکو تاتاریوں نے مسلمان کیا۔ چنانچہ لکھا ہی کہ چرمس قوم کے لوگ برائے نام عیسائی ہیں۔ اب اُن میں سے بعض لوگ روسی طریقے اختیار کرتے جاتے ہیں لیکن اُن کے گاؤں کے گاؤں مسلمان ہوچکے ہیں۔ چوواش کے لوگ بھی جو کریمیا کے جنوبی حصہ میں آباد ہیں اور چرمس کے ہمقوم ہیں مسلمان ہوگئے ہیں۔ اگر روسی گورنمنٹ کی طرف سے مسلمانوں کو اشاعتِ اسلام میں وہی حقوق ملے ہوئے ہوتے جو عیسائی مذہب کو اپنی اشاعت کیلیے حاصل ہیں تو غالباً قوم فن کے کل لوگ جو کریمیا کے جنوبی حصہ میں آباد ہیں اب تک مسلمان ہوگئے ہوتے[۳]۔

دعوت اسلام کی تاریخ میں سب سے عجیب وغریب واقعہ وسط ایشیا کی قوم قرغیز کے اسلام لانے کا ہی۔ اٹھارہویں صدی عیسوی میں اس قوم میں اسلام لانے کی ترغیب تاتاری مسلمانوں کی طرف سے ہوئی جن کو روسی گورنمنٹ نے وہاں بھیجا تھا قرغیز کے لوگ ۱۷۳۱ء سے سلطنت روس کے محکوم ہونے شروع ہوئے اور ایک سو بیس برس تک

[۱] رکلو۔ توم ۵۔ صفحہ ۴۱۳۔ [۲] "رلاسیوں دے تاتار یا ریکی مے لوکا" صفحہ ۱۱ (تیونو۔ توم ۱-) [۳] رکلو۔ توم ۵۔ صفحہ ۴۰۴، ۴۰۹۔

گورنمنٹ روس کی طرف سے تمام ملکی تحریریں تاتاری زبان میں لکھی ہوئی اُنکے پاس اس خیال سے بھیجی جاتی تھیں کہ قرغیز کی قوم اُسی نسل سے ہو جس نسل سے دریاے ولگا کے تاتاری ہیں۔ دوسری غلطی جو روسی گورنمنٹ سے ہوئی وہ یہ تھی کہ قرغیز کو روس کی گورنمنٹ نے مسلمان فرض کرلیا تھا حالانکہ اٹھارہویں صدی عیسوی میں قرغیز کے تقریبًا کل آدمی شامانی مذہب رکھتے تھے چنانچہ اُنکے بہت لوگ ابھی تک اسی دین پر قائم ہیں جس وقت قرغیز کا ملک سلطنت روس میں شامل کیا گیا تو بجز اُن کے چند سرداروں کے کسی کو اسلام کا علم نہ تھا اور یہ سردار بھی دین اسلام سے اچھی طرح واقف نہ تھے۔ بلکہ اس مذہب کا بہت خلط ملط اور غیر واضح علم رکھتے تھے۔ تمام قوم میں ایک مسجد یا ایک ملا تک موجود نہ تھا۔ غرض قرغیز میں اسلام کی اشاعت کا سبب یہ ہوا کہ روسیوں نے اُن کو مسلمان سمجھکر اُن کے ساتھ وہی برتاؤ کیا جو مسلمانوں کیساتھ وہ رکھتے تھے مسجدوں کی تعمیر کیلیے بڑی بڑی رقمیں اُنکے پاس بھیجیں اور اسلامی مدارس جاری کرنیکے لیے ملا اور معلم روانہ کیے گئے تاکہ بچوں کی دینی تعلیم ہو۔ طالب علموں کی بسر اوقات کیلیے روزانہ کچھ روپیہ دیا جاتا اور والدین کو روپے سے اور اور طریقوں سے ترغیب دی جاتی تھی کہ اسلامی تعلیم و تربیت کے لیے وہ اپنے بچوں کو مدرسے میں بٹھائیں۔ اس بات کا ثبوت کہ کوہستان قرغیز میں روسی گورنمنٹ کی طرف سے اسلام کی اشاعت ہوئی یہ ہو کہ قرغیز کی وہ قومیں جو یورپ سے متصل آباد ہیں اکثر مسلمان ہوگئی ہیں۔ لیکن جو مشرق میں رہتی ہیں اُن میں اسلام ابھی تک کمزور ہو یہانتک کہ خیوا اور بخارا اور توقند کے قرب و جوار میں قرغیز کے جرگے خانہ بدوش رہتے ہیں۔ اُن میں شامانی مذہب ابتک چلا آتا ہے حالانکہ یہ ملک صدہا برس سے اسلامی ملک ہونے کی حیثیت رکھتے ہیں[ل]۔ کوئی اور نظیر غالبًا ایسی نہیں ہو جس میں کسی عیسائی گورنمنٹ نے اس طرح نادانستہ اسلام کی اشاعت میں مدد پہنچائی ہو اور ایسے وقت میں جبکہ روسی گورنمنٹ خود یورپ کے مسلمانوں میں عیسائی مذہب کو زور و ظلم کے وسائل سے

ل "وسط ایشیا کے متعلق روسیوں کی حکمت عملی" مصنفہ پروفیسر گریگوریف۔ (شوائر "ترکستان" دوسری جلد صفحہ ۴۰۵-۴۰۶ پانچویں ایڈیشن مطبوعہ لندن ۱۸۷۶ء)

جاری کرنے کی کوشش کر رہی تھی۔ عیسوی مذہب کی یہ اشاعت اُسی سلسلہ میں تھی جبکہ سترہویں صدی عیسوی میں خانیت کازان کی فتح کے بعد روسی گورنمنٹ نے تاتاریوں کو زبردستی عیسائی کرنا شروع کیا تھا۔ پادریوں کو پولس اور محکمہ مال کے حاکموں سے اپنے کام میں مدد ملتی تھی۔ تھوڑے سے تاتاری البتہ عیسائی ہوگئے۔ لیکن ایک عیسائی مصنف نے لکھا ہو کہ "یہ لوگ نہایت بے شرمی سے عیسائی ہو جانے پر بھی تاتاری رسوم کے پابند رہتے ہیں۔ عیسائی مذہب کا نہ اُن کو علم ہے اور نہ وہ اُس کو دل سے مانتے ہیں۔" جس وقت پادریوں کی تعلیم وتلقین کارگر نہ ہوئی تو روسی گورنمنٹ نے اپنے اہلکاروں کے پاس حکم بھیجا کہ "ایسے لوگوں کو جو عیسائی ہوگئے ہیں اور مطران کے احکام کو نہیں مانتے اوّل اُن کو سمجھایا جاوے کہ تاتاری مذہب سے خائف ہو کر وہ اُس کو چھوڑ دیں۔ لیکن اگر اس پر بھی وہ نہ مانیں تو اُنکو قید کرو اور لوہے کی زنجیروں میں جکڑ دو۔" جب یہ سخت حکم بھی بیکار ثابت ہوا تو ۱۸۰۲ء میں ملکہ کیتھرائن دوم نے حکم دیا کہ جس قدر تاتاری عیسائی ہوئے ہیں وہ اس مضمون کا ایک دستخطی اقرار نامہ داخل کریں کہ "وہ کفر کی غلطیوں سے قطعی پرہیز کرینگے کافروں سے کوئی تعلق نہ رکھینگے بلکہ بغیر تذبذب کے دل سے عیسائی دین اور اُس کے عقائد کی پابندی کریں گے۔" مگر باوجود ان تمام باتوں کے وہ تاتاری جن کو "عیسائی کہا جاتا تھا" عیسوی مذہب سے ایسے ہی دور رہے جیسے سولھویں صدی عیسوی میں تھے گو سرکاری رجسٹروں میں ان کا نام عیسائیوں کی فہرست میں لکھا تھا لیکن وہ نہایت استقلال اور ہمت کے ساتھ اُن تمام کوششوں کا مقابلہ کرتے رہے جو اُن کو عیسائی بنانے کیلیے کی جاتی تھیں۔ ۱۸۷۲ء عیسوی میں ایک نیم سرکاری مضمون چھپا تھا جس میں مضمون نگار نے لکھا تھا کہ "عیسائی مذہب ترک کرنیکے واقعات اُسی وقت سے پیش آئے جبکہ لوگوں کو عیسائی مذہب میں پختہ کرنے کیلیے طرح طرح کی کوششیں کی جاتی تھیں۔ اس لیے کوئی قوی دلیل اس بات کی ضرور ہوگی کہ لوگوں نے عیسوی مذہب ایسے وقت میں کیوں ترک کیا جبکہ اُس کے خلاف توقع ہونی لازمی تھی" اس کی اصلی وجہ

یہ بھی کہ یہ تاتاری مسلمان تھے اور دل سے مذہب اسلام کے پیرو تھے۔ اس لیے اُنہوں نے اُن تمام طریقوں کی مخالفت کی جس سے ان ظاہرا عیسائیوں کو حقیقی عیسائی بنانے کی کوشش کی جاتی تھی[1]۔ آج کل بھی روسی گورنمنٹ تاتاری رعایا میں عیسوی مذہب کے مدرسے جاری کرکے اُن کو عیسائی بنانے کی کوشش میں ہی اور اس طریقے سے اُس کو امید ہے کہ تاتاریوں کے بچے عیسائی ہو جاویں گے۔ تاتاریوں کو عیسائی بنانے کیلیے سوائے مدرسے جاری کرنے کے اور کوئی طریقہ کارگر نہیں ہی۔ ایک روسی پروفیسر لکھتا ہی کہ کازان کے تاتاریوں کو عیسائی کرنا نہایت دشوار ہے لیکن گاؤں اور قصبوں سے کم عمر لڑکے ایسے ملجاتے ہیں جنکو خدا سے خوف کرنے کی تعلیم دیجا سکتی ہی۔ جب ایک دفعہ یہ تاتاری لڑکے ہمارے ساتھ ہو جاتے ہیں تو پھر کبھی وہ عیسائی مذہب سے سر نہیں پھیرتے[2]۔ اسکی ایک وجہ یہ بھی ہی کہ روسیوں کے ضابطہ فوجداری میں بہت سی دفعات ایسی ہیں جن کی رو سے عیسائی مذہب ترک کرنے والوں[3] کو سزا ملسکتی ہی اور کوئی شخص جو عیسائی کو مسلمان کرنیکے جرم میں ماخوذ ہوتا ہی وہ تمام حقوق سے محروم ہو کر آٹھ برس سے دس برس تک کی قید سخت کی سزا پاتا ہی۔ لیکن باوجود ان سخت قوانین کے اسلام کو ترقی ہی اور گاؤں کے گاؤں مسلمان ہو جاتے ہیں۔ اسلام کی اشاعت خاصکر اُن قوموں میں ہی جو روس کے شمال مشرقی ملکوں میں آباد ہیں[4]۔

سائبیریا کے تاتاریوں میں دعوت اسلام کے چند واقعات دریافت ہوتے ہیں

[1] مکنزی والس "روس"۔ پہلی جلد صفحہ ۲۴۲-۲۴۴ (مطبوعہ لندن ۱۸۸۳ء چوتھی ایڈیشن)، [2] ہیپورتھ ڈکسن "آزاد روس" دوسری جلد صفحہ ۲۸۴ (لندن ۱۸۸۰ء)، [3] اس کی نظیر یہ ہی کہ ۱۸۸۰ء میں موضع ابوزاف کے چند تاتاری کاشتکار اس جرم میں ماخوذ ہو کر کازان کی عدالت میں حاضر کیے گئے کہ وہ عیسائی مذہب چھوڑ کر مسلمان ہو گئے ہیں۔ ملزموں نے بیان کیا کہ وہ ہمیشہ سے مسلمان ہیں۔ لیکن عدالت نے اس بیان کو نہ سُنا اور سات آدمیوں کو قید سخت کی سزا اس جرم میں دی گئی کہ وہ عیسائی مذہب چھوڑ کر مسلمان ہوئے۔ بہت لوگ جنھوں نے عیسائی مذہب ترک کیا سزا پاکر سائبیریا بھیجدیے گئے"۔ اناتول لیوری بولیو "ایمپیئر دے ستار ایے دے روس" توم ۳۔ صفحہ ۲۴۵۔ (مطبوعہ پیرس ۱۸۸۹ء و ۱۸۸۲ء)

[4] میکنزی والس "روس" پہلی جلد صفحہ ۲۴۵۔

سولہویں صدی عیسوی سے پہلے اس ملک میں اسلام کا چرچا نہ ہو سکا۔ اگرچہ اس زمانہ میں دعاۃ اسلام اس ملک میں کبھی کبھی اس توقع سے آتے رہے کہ بت پرستوں کو مسلمان کریں گے لیکن اُن میں سے اکثر کو سوائے اس کے کچھ حاصل نہ ہوا کہ شہادت کا رتبہ مل گیا۔ کوچم خاں کے عہد میں جب سائبیریا کا ملک مسلمانوں کے قبضہ میں آیا تو ان داعیان اسلام میں سے سات آدمیوں کی قبریں ایک شیخ کو دریافت ہوئیں جو بخارا سے اُن کی تلاش میں سائبیریا میں آیا تھا اور چاہتا تھا کہ ان بزرگان سلف کی کوئی یادگار جو خدا کی راہ میں شہید ہوئے تھے سائبیریا میں قائم ہو جاوے اس شیخ نے ان ساتوں شہیدوں کے نام بتائے اور اخیر صدی تک سائبیریا کے تاتاریوں میں ان کو بہت مانا جاتا تھا[۱]۔ ۱۵۷۰ء کے وقت جس وقت کوچم خان جو جوجی ابن چنگیز خاں کی نسل سے تھا سائبیریا کو فتح کرکے یا وہاں کے باشندوں کی مرضی سے جس کا خان لاولد مرا تھا[۲]۔ اس ملک کا خان ہوا تو اُس نے رعایا کو مسلمان کرنے میں بہت کوشش کی اور بخارا کو آدمی روانہ کیے تاکہ واعظ اور داعیان اسلام اس کار حسنہ میں مدد دینے کیلیے سائبیریا میں آویں ایک داعی اسلام نے جو بخارا سے سائبیریا کو روانہ کیا گیا تھا اپنا حال لکھا ہے کہ کس طرح وہ اور اُس کا ایک ساتھی کوچم خان کے دارالحکومت میں جو دریاے ارتش کے کنارے پر واقع تھا پہنچا۔ دو برس کے بعد اُس کے ساتھی نے انتقال کیا اور کسی وجہ سے جو بیان نہیں کی گئی یہ داعی اسلام کوچم خاں کے دارالحکومت سے اپنے وطن کو واپس چلا آیا۔ خان سائبیریا نے جب دوبارہ بخارا سے مدد طلب کی تو یہی شخص ایک آدمی کو ساتھ لیکر سائبیریا میں اسلام کی اشاعت کیلیے آیا[۳]۔ کازان سے بھی داعیان اسلام اس ملک میں آئے۔ لیکن روسیوں کی فتوحات نے کوچم خاں کی کوششوں کا خاتمہ کر دیا اور اس اسلامی تحریک میں بہت کام باقی رہگیا۔ جس کی خاص وجہ یہ بھی تھی کہ بعض تاتاری جرگوں نے جو کوچم خان کے محکوم تھے

---

[۱] جی۔ ایف۔ مولر۔ سالملنگ روسیشر گشیشتے۔ ساتویں جلد صفحہ ۱۹۱ [۲] جی۔ ایف۔ مولر۔ سالملنگ روسیشر گشیشتے۔ ساتویں جلد صفحہ ۱۸۳۔ ۱۸۴ [۳] رادلوف۔ پہلی جلد۔ صفحہ ۱۴۷

اسلام قبول کرنے سے سخت مخالفت ظاہر کی تھی۔

روسیوں کی فتوحات نے اگرچہ اسلام کی ترقی میں خلل[1] ڈالا مگر یہ ترقی کسی حال میں بند نہ ہو سکی۔ بخارا اور وسط ایشیا کے علماے دین اور کازان کے مسلمان تاجر سائبیریا کے لوگوں میں بڑی سرگرمی سے اپنا مذہب شائع کرتے رہے۔ ۱۸۴۵ء عیسوی میں برباؔ کے تاتاریوں میں جو دریاے ارتش اور اوب کے دوآبہ میں آباد تھے اسلام پھیلنا شروع ہوا۔ موجودہ صدی کے شروع میں یہ تاتاری بت پرست تھے لیکن اب وہ مسلمان ہیں[1]۔ اقوام قرغیز کے اسلام لانے کا حال ہم لکھ چکے ہیں اور باقی قوموں کے حالات کہ اُنھوں نے کس طرح اسلام قبول کیا بالکل تاریکی میں ہیں لیکن غالباً زمانہ حال میں یہ قومیں مسلمان ہوئی ہیں۔ آجکل جن وسائل سے تاتاریوں میں اسلام کی اشاعت ہوئی ہے اُن میں یہ طریقہ بہت دلچسپ ہے کہ قرغیز کے گیتوں میں قصہ اور کہانیوں کے ساتھ اسلام کے حقائق بھی بیان ہوتے ہیں جو تاتاریوں کے دل پر اثر کر جاتے ہیں[2]۔

[1] یادرن زف۔ صفحہ ۱۳۰۔ رادلوف پہلی جلد صفحہ ۲۴۱۔

[2] رادلوف پہلی جلد۔ صفحہ ۴۷۲۔ ۴۹۷۔

باب نہم

ہندوستان میں اسلام کی اشاعت

اکثر عہد نویس یا زمانۂ مابعد کے مؤرخوں نے ہندوستان پر مسلمانوں کی چڑھائیوں کا ذکر اور اس ملک میں اسلامی سلطنت کے قائم اور سرسبز ہونیکے حالات لکھے ہیں لیکن کسی مؤرخ نے آجتک یہ کوشش نہیں کی کہ میدان جنگ کی فتوحات اور نظم و عدالت کے کارناموں سے اشاعت مذہب کے حالات علیحدہ کر کے دعوتِ اسلام کی تاریخ جدا لکھتا۔ یہ کام فی الحقیقت بہت لوگونکو ناممکن معلوم ہوا ہوگا کیونکہ ہندوستان خصوصیت کے ساتھ ایسا ملک خیال کیا جاتا ہی جہاں اسلام کے رائج ہونے اور رائج رہنے کا سبب یہ ہوا کہ غیر ملکوں کے مسلمان جو ملکوں کو فتح کرتے پھرتے تھے اس ملک میں آباد ہوئے اور اپنا مذہب اپنی اولاد میں چھوڑ گئے یا جہاں کہیں اُس کی اشاعت کی تو زور و ظلم کے وسائل سے کام لیا۔ چنانچہ یہ فرض کیا جاتا ہے کہ ان مسلمانوں نے تبلیغ اسلام میں جو کچھ ہمت اور جوش دکھایا یا وہ اپنی اصلی صورت میں اس طرح ظاہر ہوا کہ سلطان محمود غزنوی نے برہمنوں کو قتل کیا اورنگ زیب نے ہندوؤں پر ظلم کئے۔ حیدر علی اور ٹیپو سلطان نے ہندوؤں کو زبردستی مختون کر کے مسلمان کیا اور ایسی ہی اور سختیاں لوگوں پر کی گئیں۔

لیکن پانچ کروڑ ستر لاکھ مسلمانوں میں سے جو ہندوستان میں آباد ہیں کثرت سے لوگ ایسے نومسلم یا نومسلموں کی نسل سے ہیں جن پر مسلمان ہونیکے لیے کسی طرح کا جبر یا تشدد نہیں ہوا بلکہ دعاۃ اسلام کی تعلیم و ہدایت سے اُنہوں نے بخوشی اسلام قبول کیا۔ اس قسم کے مسلمانوں

کی جماعت اُن مسلمانوں سے جو زبردستی مسلمان کیے گئے اور اُن مختلف النسل لوگوں سے جو ہندوستان کے مسلمانوں میں شمار کیے جاتے ہیں جدا نظر آتی ہے۔ ہندوستان کے مسلمانوں کو دو طرح پر تقسیم کیا جا سکتا ہے۔ ایک قسم کے مسلمان تو وہ ہیں جو غیر ملکوں ہی سے مسلمان آئے اور اس ملک میں آباد ہوئے۔ دوسری قسم کے مسلمان وہ ہیں جو ہندوستان کے قدیم مذہبوں میں سے کسی مذہب کو پہلے مانتے تھے لیکن مختلف وقتوں اور زمانوں میں تعلیم و تلقین کے ذریعہ سے اُن کو مسلمان کر لیا گیا۔ اب غیر ملکوں کے مسلمان جو ہندوستان میں آباد ہوئے اُن کو بھی تین گروہوں میں ترتیب دے سکتے ہیں۔ اوّل گروہ جو تعداد میں بھی سب سے زیادہ ہے وہ ہے جو سرحد شمال مغرب سے داخل ہو کر ہندوستان میں آباد ہوا۔ اور جس کے لوگ ملک سندھ و پنجاب میں خاصکر موجود ہیں۔ دوسرا گروہ وہ ہے جس میں مختلف مسلمان شاہی خاندان جو ہندوستان میں گذرے ہیں اُن کے اہلکاروں اور سپاہ کی اولاد شامل ہے۔ یہ گروہ بھی زیادہ تر شمالی ہندوستان میں اور کسی قدر دکن میں آباد ہے۔ تیسرے یعنی اخیر گروہ میں غالباً اہل عرب کی نسلیں ہیں جو ہندوستان کے تمام مغربی ساحل پر آباد ہیں اور جن کے آبا و اجداد ہندوستان میں سمندر کی راہ سے داخل ہوئے[1] لیکن غیر ملکوں کے اسلامی خاندان جو ملک میں مستقل طور پر آباد ہوئے اُن کا شمار سوائے پنجاب اور پنجاب کے قرب و جوار کے اور کہیں زیادہ نہیں ہے۔ ہندوستان کے مسلمانوں میں نصف سے زیادہ ایسے لوگ ہیں جو اپنے نام کے ساتھ شیخ بیگ یا خان کا لفظ بلکہ بعض صورتوں میں سید کا لقب اختیار کرتے ہیں۔ ان لوگوں کے بھی دو حصے ہیں بڑا حصہ تو وہ ہے جس کے لوگ نومسلم یا نومسلموں کی نسل سے ہیں اور جن بزرگوں نے اُن کو مسلمان کیا اُن کا لقب اُنھوں نے اختیار کر لیا یا کسی اور سبب سے سید۔ شیخ۔ مرزا یا خان ہو گئے[2]۔ دوسرا حصہ وہ ہے

---

[1] ہندوستان کی مردم شماری ۱۸۹۱ء۔ جنرل رپورٹ مؤلفہ بینز صفحہ ۱۲ مطبوعہ لندن ۱۸۹۳ء۔ [2] ہندوستان کی مردم شماری ۱۸۹۱ء۔ جنرل رپورٹ مؤلفہ بینز صفحہ ۱۲۶-۲۰۰۔

جس میں بعض لوگوں نے بلاشبہ بادشاہوں اور حاکموں کے دباؤ سے اسلام قبول کیا لیکن باقی لوگ جن کی تعداد بہت ہے بطیب خاطر مسلمان ہوئے۔ مؤرخوں نے دعوتِ اسلام کی تاریخ اور اُن تمدنی خیالات کی طرف بہت کم توجہ کی ہے جن سے اس ملک میں اسلام کی اشاعت ہوئی۔ ہندوستان کی تمام ایسی تاریخوں میں جو آسانی سے دستیاب ہوتی ہیں خواہ اس ملک کے مؤرخوں کی لکھی ہوئی ہوں خواہ یورپین مصنفوں کی تحریر سے ہوں صرف لڑائیوں کے حالات یا بادشاہوں کے کارنامے درج ہوتے ہیں لوگوں کی مذہبی حالت کا ذکر جو مختلف وقتوں میں رہی ہو ان کتابوں میں نہیں ملتا البتہ اگر اس مذہبی حالت نے کبھی تعصب یا مذاہب کی بنا پر ظلم وستم کی صورت پکڑی تو ضرور اُس کا ذکر کر دیا جاتا ہے۔ مشائخ اور اولیاے اسلام کے تذکروں سے یا ایسی روایات سے جو کسی جگہ کے لوگوں میں مشہور چلی آتی ہوں تبلیغ اسلام کے ایسے حالات کسی قدر دریافت ہو جاتے ہیں جن کو لوگوں کے پولیٹکل تعلقات سے واسطہ نہ ہو۔ لیکن ان حالات کو بیان کرنے سے پہلے ہم وہ واقعات لکھتے ہیں جن میں حکومت کے زور سے اسلام پھیلا اور بادشاہوں نے تبلیغ کے کاموں میں حصہ لیا۔

آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی وفات کے پندرہ برس بعد سے لیکر جب کہ عرب سے ایک مہم ساحلِ سندھ کو روانہ کی گئی اٹھارہویں صدی عیسوی تک سمت شمال مغرب سے ہندوستان پر اسلامی لشکرکشیوں کا تار بندھا رہا جن میں سے بعض بڑی بڑی سلطنتوں کے بانی ہوئے اور بعض فقط لڑتے مرتے ادھر بھی نکل آئے کچھ تو ایسے تھے جو لوٹ مار کر کے چلے گئے اور بہت سی غنیمت ساتھ لیگئے اور کچھ وہ تھے جنہوں نے ملک میں آباد ہو کر ایسی سلطنتوں کی بنیاد ڈالی جن کا اثر ملک میں آج تک موجود ہے۔ لیکن یہ تحقیق نہیں ہوتا کہ ان فاتحوں میں سے کسی کے ساتھ بھی واعظ اور داعیان اسلام ملک میں آئے ہوں یہ بھی نہیں کہہ سکتے کہ اُن کو مذہب کی طرف سے بے پروائی تھی کیونکہ ان فاتحوں میں سے بعض نے ہندوستان پر لشکرکشی کرنے کو مذہبی لڑائی تصور کیا تھا۔ چنانچہ

محمود غزنوی اور تیمور کا یہی خیال تھا۔ تیمور نے دہلی فتح کرنیکے بعد توزک تیموری میں لکھا ہی کہ "مجھ کو دہلی میں آئے ہوئے پندرہ دن ہوئے ہیں۔ یہ زمانہ میں نے بڑی خوشی اور مسرت میں صرف کیا۔ جشن ملوکانہ کیے اور لوگوں کو ضیافتیں دیں۔ اس کے بعد میں نے خیال کیا کہ میں ہندوستان میں کافروں سے لڑنے آیا تھا۔ اور یہ مہم ایسی مبارک ہوئی کہ جہاں کہیں میں پہنچا ظفریاب ہوا۔ کئی لاکھ کافروں اور بت پرستوں کو میں نے تہ تیغ کیا اور دین کی تلوار کو دشمنانِ اسلام کے خون سے رنگا۔ اس عظیم الشان فتح کے بعد خیال آیا کہ اب زیادہ آرام کرنا مصلحت نہیں بلکہ ہندوستان کے اہل ضلالت سے لڑنے پر آمادہ ہونا چاہیے"[1] تیمور نے "دین کی تلوار کا" بہت ذکر کیا ہی لیکن اس تلوار نے بظاہر اس کے سوا کچھ کام نہ دیا کہ کافروں کو مار کر جہنم واصل کرتی رہے اکثر مسلمان لشکرکشوں نے اپنا یہی طریق رکھا کہ خدا کا نام لیکر بتوں کو توڑا برہمنوں کو قتل کیا اور مندروں کو مسمار کیا اور بعض دفعہ مندروں کی جگہ مسجدیں بنا دیں۔ یہ سچ ہی کہ لڑائی شروع کرنے سے پہلے ہندوؤں سے اسلام لانے کی درخواست کی جاتی تھی[2] اور خوف سے بعض وقت یہ لوگ مسلمان ہو جاتے تھے۔ مگر دریافت ہوتا ہی کہ قدیم اسلامی فتوحات کے زمانہ میں جو ہندو اس طرح اسلام لاتے تھے وہ کچھ دنوں کے بعد جب اسلامی فوجیں ملک سے رخصت ہوتی تھیں تو اسلام ترک کر دیتے تھے۔ چنانچہ بلند شہر کے راجہ ہردت کی نظیر سے اس بات کی تصدیق ہوتی ہی۔ اس راجہ نے محمود غزنوی کی جس طرح اطاعت قبول کی اُس کا حال محمود کے وزیر نے یہ لکھا ہی کہ "آخر کار (۱۰۱۸ء) میں سلطان محمود برن[3] کے قلعہ پر پہنچا جو ہردت کی ریاست میں تھا۔ ہردت وہاں کا

[1] ایلیٹ دوسری جلد صفحہ ۴۴۴ [2] پہلی صدی ہجری کے ختم ہونے سے پہلے خلیفہ عمر ابن عبد العزیز کے زمانہ میں ہندوستان کے راجاؤں کو اسلام کی دعوت دی گئی (ایلیٹ پہلی جلد صفحہ ۱۷۵ و ۲۰۷) جس وقت محمد قاسم نے سندھ پر چڑھائی کی تو اُس نے بھی راجاؤں سے اسلام قبول کرنیکے لیے کہا (ایلیٹ پہلی جلد صفحہ ۱۷۰ و ۲۰۷) اس کا ذکر ایلیٹ نے اُس موقع پر کیا ہی جہاں خلیفہ اسلام کی طرف سے قنوج کے راجہ کو ایک مراسلہ کی روانگی کا ذکر کیا ہی۔ محمد قاسم کے بعد جن مسلمانوں نے ہندوستان پر چڑھائیاں کیں وہ بھی شریعت اسلام کے بہت پابند تھے [3] برن سے مطلب برن ہی جو بلند شہر کا قدیم نام ہی۔

رلئے تھا جو ہندی زبان میں بادشاہ کا مرادف ہی۔ جس وقت ہردت نے اس مہم کا حال سُنا جس کے لڑنے والے خدا کی امان میں سمندر کی موجوں کی طرح بڑھتے چلے آتے تھے اور فرشتے اُن کے گرد تھے تو ہردت نہایت پریشان ہوا اُس کے پیر لڑکھڑا گئے اور جان کا خوف اُس پر طاری ہوا اُس نے سوچا کہ اب سلامتی اسی طرح مل سکتی ہی کہ اسلام قبول کرے کیوں کہ خدا کی تلوار نیام سے نکل چکی تھی اور سزا کا تازیانہ بلند ہوچکا تھا۔ پس وہ دس ہزار آدمیوں کو لیکر قلعہ سے باہر آیا اور سب نے اسلام قبول کرنے کی نیت ظاہر کی اور بت پرستی سے انکار کیا[۱]۔

لیکن ان نومسلموں نے غالباً سلطان محمود کے جاتے ہی اسلام سے منحرف ہونے کا موقع پایا۔ یہ ایسا فعل تھا جس کی شکایت قدیم مسلمان مؤرخوں نے ہندوستان کی نسبت ہمیشہ کی ہی۔ چنانچہ سنہ ۱۱۹۳ء میں جب قطب الدین ایبک نے برن کو فتح کیا اور چندر سین نے جو اُس وقت وہاں کا راجہ تھا بڑی دلاوری سے مقابلہ کیا تو اُس وقت یہ راجہ جیسا کہ اُس کے نام سے معلوم ہوتا ہی ہندو مذہب رکھتا تھا۔ حالانکہ وہ ہردت کی اولاد سے تھا جو محمود کے سامنے مسلمان ہوا تھا۔ علاوہ اِس کے قطب الدین ایبک کے زمانہ میں چندر سین کی رعایا میں بھی کسی مسلمان کا باقی ہونا دریافت نہیں ہوتا[۲]۔

لیکن ہندوستان کے ان مسلمان فاتحوں کے دل میں کوئی ایسا خیال جسکو دوسروں کی "آخرت کی بھلائی چاہنے کا خیال" کہتے ہیں موجود نہ تھا جو مذہب کے ہر سچے داعی کے دل میں ہوا کرتا ہی اور جس نے خود اسلام کی اشاعت میں بڑے بڑے کام کیے ہیں۔ خلجی (سنہ ۱۲۹۰-۱۳۲۰ء) اور تغلق (سنہ ۱۳۲۰-۱۴۱۲ء) اور لودی بادشاہ (سنہ ۱۴۵۱-۱۵۲۶ء) لڑائیوں میں عموماً ایسے مصروف رہے کہ اسلام کو ترقی دینے کی اُن کو مہلت نہ ہوئی۔ لوگوں کو مسلمان کرنے کی جگہ ملکوں سے

---

[۱] تاریخ الیٹ۔ دوسری جلد۔ صفحہ ۴۲-۴۳۔ [۲] گزیٹیر ممالک مغربی و شمالی۔ تیسری جلد۔ دوسرا حصہ۔ صفحہ ۵۰۔

خراج وصول کرنے کا اُن کو زیادہ خیال رہا[1]۔ مذہبی حمیت ان میں کچھ کم نہ تھی۔ گکھڑوں کی نسبت لکھا ہی جو شمالی پنجاب کے پہاڑی اضلاع کی ایک وحشی قوم تھی کہ بارہویں صدی عیسوی کے اخیر میں خود سلطان محمد غوری کی ہدایت اور کوشش سے اُس نے اسلام قبول کیا۔ اس بادشاہ نے گکھڑوں کے سردار کو قید کرکے اُس کو مسلمان ہونے کی ہدایت کی اور جب یہ سردار مسلمان ہوگیا تو بادشاہ نے گکھڑ قوم کی سرداری پر اُس کو مستقل کرکے اُس کی قوم کے پاس بھیجا تاکہ گکھڑوں کو مسلمان کرے۔ چونکہ گکھڑوں کا مذہب خود کچھ قوی نہ تھا اس لیے وہ آسانی سے مسلمان ہوگئے[2]۔ ابن بطوطہ کا خیال ہی کہ خلجی بادشاہوں نے اسلام کو اس طرح ترقی دی کہ نومسلم ہمیشہ دربار میں حاضر کیے جاتے تھے اور طلائی جوشن اور ایک ایک خلعت بادشاہ اُن کو دیتا تھا[3]۔ لیکن قدیم زمانہ میں جو اسلامی خاندان ہندوستان پر حکمران ہوئے اُن کے بادشاہوں نے تبلیغ مذہب میں بہت کم ہمت صرف کی۔ اور اُن کی تاریخوں میں دعوت مذہب کے متعلق ایسی کوئی نظیر جیسے فیروز شاہ نے اپنی سوانح عمری میں بیان کی ہی نہیں ملتی۔ فیروز شاہ تغلق (۸۸-۱۳۵۱ء) نے

---

[1] سر الفرڈ لائل نے لکھا ہی کہ "جو فاتحین اسلام شمالی ہند میں شاہی خاندانوں کے بانی ہوئے یا جنھوں نے دکن میں اسلامی سلطنتیں قائم کیں اُن کو مذہب کی کچھ پرواہ نہ تھی ان میں اکثر ایسے تھے جنکو تبلیغ مذہب کی مہلت ہی نہ ملی کیونکہ یا تو ملک فتح کرنے میں اُن کا وقت صرف ہوا یا خانہ جنگیوں سے اُنکو فرصت نہ ہوئی۔ یہ مسلمان فاتح اکثر وحشی مغل یا تاتاری ہوتے تھے۔ پیغمبر عرب (صلعم) کے دین پر خود اُن کو استحکام نہ تھا اور وہ جوش اور ولولہ جو سام ابن نوح کی اولاد کا خاصہ ہے اور جس کا نمونہ عرب کے قدیم علم برداران اسلام نے دکھایا تھا ان کو چھو تک نہ گیا تھا۔ جو سلطنت اُنھوں نے قائم کی اُس کی حیثیت ہمیشہ جنگی سلطنت کی رہی۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ ملکی فتوحات اُن سے کبھی تکمیل کو نہ پہنچیں اور تبلیغ اسلام میں اُن کو عموماً ناکامی رہی۔ اتنی طاقت البتہ اُن میں تھی کہ اگر مذہبی حیثیت سے ہندوؤں میں اتفاق پیدا ہو تو اس کو توڑ دیں اور ہندوؤں کے مختلف گروہ اگر متفق اور متحد ہو کر ایک قوم بننا چاہیں تو اُن کو ایک قوم نہ بننے دیں۔ ہندوستان کی رعایا کو مسلمان بنانا تو چیز دیگر تھا۔ اسلام سے اتنا بھی نہ ہوا کہ مسلمان مسلمان ہونے کی وجہ سے تمام بادشاہی عہدہ پر بلا شرکت غیرے متصرف ہو سکتے۔" (سر الفرڈ لائل۔ ایشیاٹک سٹڈیز صفحہ ۲۰۹ مطبوعہ لنڈن ۱۸۸۲ء) [2] تاریخ فرشتہ پہلی جلد صفحہ ۱۰۴۔ [3] ابن بطوطہ توم ۳۔ صفحہ ۱۹۷۔

لکھا ہو کہ "میں نے اپنی بت پرست رعایا کو اسلام قبول کرنے کیلیے ترغیب دی اور منادی کی کہ جو شخص اسلام قبول کریگا وہ جزیہ سے بری سمجھا جائیگا۔ جب یہ خبر لوگوں کے کانوں تک پہنچی تو کثرت سے ہنود حاضر ہوئے جن کو اسلام سے شرف بخشا گیا۔ پس روزانہ ہر طرف سے لوگ آتے تھے اور اسلام قبول کرکے جزیہ سے بری اور انعام و اکرام سے مالا مال ہو کر واپس جاتے تھے"[1]۔

جب ہندوستان میں مسلمانوں کی سلطنت خاصکر دولت مغلیہ کے عہد حکومت میں خوب مستقل ہوگئی تو اسلام کا اثر بھی ملک میں زیادہ استحکام اور استقلال سے پھیلا اسلام قبول کرنے کی سب سے زیادہ ترغیب و تحریص اُس وقت ہوئی جبکہ بت پرست ہونا شاہی درباروں میں حصول اعزاز کا مانع قرار پایا۔ اگرچہ مذہبی آزادی کا اصول جس کو اکبر اعظم کے دور حکومت میں سب سے زیادہ ترقی ہوئی ہندوؤں کے مذہب کے ساتھ اکثر برتا جاتا تھا یہاں تک کہ شاہی اوقاف جو مندروں کے لیے مقرر ہوتے تھے[2] اُن کا لحاظ ہوتا تھا اور بدنامی کے خوف نے ہندوؤں کے مذہب میں دست اندازی نہ کرنیکی حکمت سکھا دی تھی جس سے ایسی سختیاں اور تعصب کے ہنگامے برپا نہ ہوتے تھے جو قدیم زمانہ کی لڑائیوں اور فتوحات کا خاصہ تھے لیکن باوجود ان باتوں کے اکثر ہندوؤں نے دنیوی نفع کے خیال سے مسلمان ہونا گوارا کیا۔ ہزارہا راجپوت اسی طرح مسلمان ہوگئے جن کی اولاد اب تک ملک کے دولتمند زمینداروں میں شمار ہوتی ہی۔ ان میں بچگوٹی راجپوتوں کا مسلمان خاندان سب سے زیادہ معزز ہے جو ملک اودہ کے مسلمان تعلقہ داروں کی فہرست میں اول درجہ رکھتا ہی۔ ایک روایت کے موافق اس خاندان کے مورث اعلے تلوک چند کو بابر بادشاہ قید کرکے لیگیا اور تلوک چند نے قید سے رہائی پانیکے لیے

[1] ایلیٹ۔ تیسری جلد۔ صفحہ ۳۸۶۔ [2] سر رچرڈ ٹمپل کی کتاب "ہندوستان ۱۸۸۰ء میں" صفحہ ۱۴۷ (مطبوعہ لندن ۱۸۸۱ء) مسلمان بادشاہوں کی طرف سے مندروں کیلیے اراضی کا وقف ہونا اگرچہ شاذ و نادر تھا لیکن یہ نہیں کہ بالکل ہی معدوم ہو"۔ کرنیل یول کا مارکو پولو۔ دوسری جلد۔ صفحہ ۳۱۰۔

اسلام قبول کیا[۱]۔ دوسری روایت یہ ہی کہ تلوک چند ہمایوں بادشاہ کے زمانہ میں مسلمان ہوا اور وہ اس طرح کہ ہمایوں نے تلوک چند کی بیوی کے حسن و جمال کا شہرہ سُنا اور جب وہ کسی میلہ میں گئی ہوئی تھی تو اُس کو پکڑوا کر بلوایا۔ جب بادشاہ کے سامنے وہ حاضر کیگئی تو بادشاہ کو اپنی حرکت پر سخت ندامت اور شرمندگی ہوئی ہمایوں نے اُسی وقت تلوک چند کو طلب کیا۔ تلوک چند کو اُمید نہ تھی کہ پھر بیوی کی صورت دیکھنی نصیب ہوگی۔ جب وہ بادشاہ کی خدمت میں حاضر ہوکر اپنی بیوی سے ملا تو خاوند اور بیوی نے بادشاہ کے شکریہ میں اسلام قبول کیا جس نے بادشاہ کے دل میں ایسی فیاضی اور نیکی ڈالی تھی[۲]۔ یہ راجپوت مسلمان مذہب کے بڑے پابند ہیں لیکن پھر بھی اُن کا ہندوؤں کی نسل سے ہونا خوب ظاہر ہوجاتا ہی۔ بلند شہر کے ضلعے میں مسلمانوں کا ایک گھرانا ہی جس کے لوگ لال خانی کہلاتے ہیں۔ ان میں سوائے چند لوگوں کے اکثر ایسے ہیں جو ہندی لقب اپنے نام کے ساتھ لگاتے ہیں۔ شادی بیاہ میں ہندوانی رسموں کی پابندی کرتے ہیں اور اُن کی قوم کے وہ لوگ جو ہندو ہیں اُن کے قریب ہی رہتے ہیں[۳]۔ مرزا پور کے ضلعے میں گہروار راجپوت آباد ہیں جو مسلمان ہیں اور خانگی امور میں ہندوؤں کے آئین و رسوم کے پابند ہیں ان کے نام مسلمانوں کے سے ہوتے ہیں لیکن عزت کے خطاب جو ہندوؤں کے لیے مخصوص ہیں وہ بھی اپنے نام کے ساتھ لگاتے ہی ہیں[۴]۔ بادشا حاکموں کے دباؤ سے اورنگ زیب کے زمانہ میں ہندوؤں کو زیادہ تر مسلمان ہونا پڑا۔ پنجاب کے مشرقی اضلاع میں بہت سی مثالیں ایسی موجود ہیں کہ کسی گاؤں میں اگرچہ مسلمان آباد ہیں تو اُن کا مورث اعلیٰ اورنگ زیب کے زمانہ میں اپنی زمین بچانے کیلیے مسلمان ہوا تھا[۵]

---

[۱] اودہ کے خطابوں کی کتاب"۔ صفحہ ۸۰ (الہ آباد ۱۸۸۹ء) [۲] گزیٹیر صوبہ اودہ۔ پہلی جلد صفحہ ۲۲۴ [۳] گزیٹیر ممالک مغربی شمالی تیسری جلد۔ تیسرا حصہ۔ صفحہ ۲۶۴۔ [۴] گزیٹیر ممالک مغربی شمالی جلد ۱۴ صفحہ ۹۴۔ کانپور کے ضلع میں دیکست ٹھاکروں کے خاندان کا ایک حصہ ہی جسکو مسلمان لکھا جاتا ہی ان لوگوں کے ہاں شادی غمی میں مسلمانوں کی رسمیں کیجاتی ہیں اگرچہ یہ لوگ عموماً نماز نہیں پڑہتے مگر عبادت کے وقت مسلمانوں کی طرح سجدہ کرتے ہیں چیچک کے ڈر سے چیچک دیوی کو پوجتے ہیں اور اپنی ذات کے لوگوں سے جو ابتک ہندو ہیں[۵] بیاہ رکھتے ہیں اور ہندوؤں کے سے نام رکھتے ہیں۔ (گزیٹیر ممالک مغربی شمالی چھٹی جلد صفحہ ۶۴۔)

دہلی کے قریب گوڑگاویں میں بنیوں کا ایک گھرانا ہی جو اپنے نام کے ساتھ شیخ کا لفظ لگاتے ہیں (شیخ کا لقب اکثر ہندو نومسلم اختیار کرتے ہیں) اور اس کی وجہ یہ بیان کیجاتی ہے کہ اس گھرانے کے ایک شخص نے جس کی اولاد میں اب کوئی باقی نہیں ہی موروثی جائداد کو ضبطی سے بچانے کیلیے اسلام قبول کر لیا تھا[۵۱] ضلع کانپور کے بہت زمیندار مجبور ہوے کہ اپنی جائداد کو محفوظ رکھنے کیلیے اسلام قبول کرلیں[۵۲]۔ بعض جگہ کے نومسلم یہ بیان کرتے ہیں کہ بادشاہی حاکموں نے اُن کے بزرگوں کو قید کر لیا یا ضمانت میں پکڑ لیا اور دہلی لے گئے اور وہاں زبردستی ختنہ کر کے اُن کو مسلمان کر لیا[۵۳]۔ مگر ان باتوں کو پڑھتے وقت یہ یاد رکھنا چاہیے کہ اُنکی شہادت میں صرف مقامی اور خاندانی روایتیں ہیں۔ لیکن اورنگ زیب کے عہد کی کتب تواریخ میں (جہاں تک مجھ کو پتہ چلا ہی) بجبر مسلمان کرنے کا کہیں ذکر نہیں ہی[۵۴]۔ مگر یہ بات بھی بغیر شک وشبہ کے ثابت ہوگئی ہی کہ اس ملک میں مسلمان بادشاہوں نے ہندوؤں کو زبردستی مسلمان کیا اور قرین قیاس ہی کہ اورنگ زیب نے جس کی طبیعت میں مذہب کا بڑا جوش تھا شمالی ہند کے بہت سے ہندوؤں کو (جن کے مسلمان ہونیکی تاریخ فراموش ہوگئی ہے) اس بات کا موقع دیا کہ وہ اپنے مسلمان ہونیکی وجہ کو اس بادشاہ کا ظلم قرار دیں۔ اور یہ وجہ ہی بھی ہیں جسکے بتانے میں کچھ دقت نہیں ہوتی۔ اسی حیدر علی اور ٹیپو سلطان نے (جو قریب کے زمانہ کے مشہور بادشاہ گذرے ہیں) اس بات میں شہرت حاصل کی کہ اُنہوں نے بہت سے ہندو خاندانوں اور ہندو رعایا کے بعض حصوں کو زبردستی مسلمان کر لیا حالانکہ اُنکا مسلمان ہونا ان بادشاہوں کے عہد سے بہت پہلے کا واقعہ ہی جس کے تاریخی حالات ہم تک مطلق نہیں پہنچے[۵۵]۔ اورنگ زیب کے فرامین اور

---

۵۱ ایبٹ سن صفحہ ۱۶۳ ۵۲ گزیٹیر ممالک مغربی شمالی چھٹی جلد صفحہ ۴۹۔ مقابلہ کرو جلد ۱۴ تیسرا حصہ صفحہ ۴ مسلمان زمیندار زیادہ نہیں ہیں اور جو ہیں وہ نومسلم ہیں اور اپنے خاندان کا اول مسلمان ہونا اورنگ زیب کے عہد میں بتلاتے ہیں اور بیان کرتے ہیں کہ کبھی تو بادشاہ کی سختیوں سے اور کبھی اس غرض سے کہ شاہی مالگزاری ادا کرنے کی صورت میں ان کے حقوق برقرار رہیں انکے بزرگوں نے اسلام قبول کر لیا ۵۳ ایبٹ سن صفحہ ۱۶۳ ۵۴ تاریخ فرشتہ میں لکھا ہی کہ "ترقی دین کے جوش میں اُس نے نومسلموں کے ساتھ کھلے ہاتھ سے فیاضی کی۔ لیکن اُس نے غیر مذہب کے لوگوں پر مذہبی باتوں میں سختیاں نہیں کیں" تاریخ ہندوستان مترجمہ الگزانڈر ڈاؤ تیسری جلد صفحہ ۳۶۱ (مطبوعہ لندن ۱۸۱۲ء) ۵۵ گزیٹیر صوبہ بمبئی۔ بائیسویں جلد صفحہ ۲۴۳ تیئیسویں جلد صفحہ ۲۰۲۔

مراسلات کے ایک قلمی مجموعہ میں جو ابھی تک طبع نہیں ہوا ہی[1] مذہبی آزادی کا وہ جامع و مانع اصول درج ہی جو ہر ایک بادشاہ کو غیر مذہب کی رعایا کے ساتھ برتنا ضروری ہی۔ جس واقعہ کے متعلق یہ اصول بیان ہوا ہی وہ یہ ہے کہ عالمگیر کو کسی شخص نے عرضی دی کہ دو پارسی ملازموں کو جو تنخواہ تقسیم کرنے پر مقرر تھے اس علت میں برخاست کر دیا جاوے کہ وہ آتش پرست ہیں اور اُن کی جگہ کسی تجربہ کار معتبر مسلمان کو مقرر کیا جاوے۔ کیوں کہ قرآن شریف میں آیا ہے۔ یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوْا عَدُوِّیْ وَعَدُوَّکُمْ اَوْلِیَآءَ (اے ایمان والو میرے اور اپنے دشمنوں کو دوست مت جانو) عالمگیر نے عرضی پر حکم لکھا کہ مذہب کو دنیا کے کاروبار میں دخل نہیں ہی اور نہ ان معاملات میں تعصب کو جگہ مل سکتی ہی۔" اور اس قول کی تائید میں یہ آیت نقل کی لَکُمْ دِیْنُکُمْ وَلِیَ دِیْنِ (تم کو تمھارا دین اور ہم کو ہمارا دین) بادشاہ نے لکھا کہ جو آیت عرضی نویس نے نقل کی ہی اگر یہی سلطنت کا دستور العمل ہوتا تو "ہم کو چاہیے تھا کہ اس ملک کے سب راجاؤں اور اُن کی رعیت کو غارت کر دیتے" مگر یہ کس طرح ہو سکتا تھا۔ بادشاہی نوکریاں لوگوں کو اُن کی لیاقت اور قابلیت کے موافق ملیں گی اور کسی لحاظ سے نہیں مل سکتیں یہ امر مشکوک ہی کہ خود اورنگ زیب کا بھی اس صلح کل اُصول پر عمل تھا لیکن یہ ضروری ہی کہ عالمگیر پر جو اکثر اس بات کا الزام لگایا جاتا ہی کہ اُس نے ہندوؤں کو زبردستی مسلمان کیا تو اس الزام کو پہلے اچھی طرح تحقیق و تفتیش کر لینا چاہیے۔

اب یہ دیکھنا چاہیے کہ مسلمان بادشاہوں کی سختیوں سے اسلام کی اشاعت کس حد تک ہو سکی۔ دہلی اور آگرہ کے اضلاع میں جو اسلامی قوت اور سطوت کا مرکز تھے مسلمانوں کی تعداد ہندوؤں سے بہت کم ہی۔ دہلی کے ضلع میں دسویں حصہ سے زیادہ اور آگرہ کے ضلع میں چوتھائی حصہ بھی کل آبادی کا مسلمان نہیں ہی۔[2] معلوم ہوتا ہی کہ جو ہندو زبردستی

---

[1] اس مجموعہ کا قلمی نسخہ مولوی عبدالسلام خاں صاحب کے پاس ہی میں خاں صاحب ممدوح کا مشکور ہوں کہ اُنھوں نے یہ قلمی نسخہ مجھکو دیکھنے دیا۔

[2] سر ڈبلیو ڈبلیو ہنٹر "ہندوستان کے مذہب" (اخبار ٹائمز ۱۸ فروری ۱۸۸۸ء)

مسلمان کیے گئے ان کا اثر اُن کے متعلقین پر کچھ نہ ہوا مثلاً ضلع گورکھپور میں مجھولی کے راجہ بودہ مل کا مسلمان ہونا اس بات کی نظیر ہے۔ کہا جاتا ہے کہ اکبر بادشاہ نے اس راجہ کو مالگزاری ادا نہ کرنیکے جرم میں گرفتار کیا اور دہلی لیگیا۔ یہاں بادشاہ نے راجہ کو مسلمان کر کے اس کا نام محمد سلیم رکھا لیکن جب راجہ دہلی سے چلکر اپنے وطن میں آیا تو رانی نے اُس کو قلعہ میں نہ آنے دیا۔ چونکہ رعایا کو بھی رانی کے ساتھ ہمدردی تھی اس لیے رانی اپنے بیٹے بھوانی مل کی صغرسنی میں راج کی مالک و منتظم رہی اور اس طرح حقوق وراثت میں کسی طرح کا خلل نہ پڑا[۱]۔ کچھ زمانہ گذرا کہ وشنی قوم میں بھی جن کے مذہب میں سب باتوں کو چھوڑکر صرف وشنو کو مانا جاتا ہے۔ بعض اسلامی رسوم پائی جاتی تھیں جن سے معلوم ہوتا تھا کہ وہ کسی زمانہ میں بالکل عارضی اور بے معنی طریق پر مسلمان ہو گئے تھے۔ یہ لوگ اپنے مُردوں کو جلانے کی جگہ دفن کرتے تھے اور مسلمانوں کے سے نام جیسے غلام محمد وغیرہ ہی رکھتے تھے اور اسلامی طریقے پر ایک دوسرے کو سلام کرتے تھے۔ ان باتوں کو اختیار کرنے کی نسبت اُن میں یہ مشہور ہے کہ اُنھوں نے ایک دفعہ کسی مسلمان قاضی کو جو ستی کے معاملہ میں مخل ہوا تھا مار ڈالا تھا اور اس قصور کی پاداش میں اُن کو بجبر اسلام قبول کرنا پڑا۔ لیکن اب وشنی قوم کے لوگوں نے یہ رسمیں چھوڑکر ہندوانی رسوم اختیار کرلی ہیں[۲]۔

جبراً اشاعت مذہب میں بادشاہوں اور حاکموں کو خواہ ان واقعات سے جو اوپر بیان ہوئے زیادہ کامیابی حاصل ہوئی ہو اور خواہ اس قول میں کہ "ہندوستان میں اسلام کی ترقی کا حال بغیر مسلمانوں کی حکومت کا اندازہ کیے معلوم ہونا ممکن ہے[۳]" کتنی ہی صحت ہو مگر اس میں ہرگز شبہ نہیں کہ ہندوستان میں اسلام کو اپنے اشاعت میں بڑی اور مستقل کامیابی ایسے اوقات اور مقامات پر ہوئی ہے جہاں مسلمانوں کی پولیٹکل قوت بہت ہی ضعیف تھی۔ جنوبی ہندوستان اور مشرقی بنگال اس کی نظیر میں پیش ہو سکتے ہیں۔ اس لیے

---

[۱] گزیٹیر ممالک مغربی و شمالی چھٹی جلد صفحہ ۵۱۸ [۲] گزیٹیر ممالک مغربی و شمالی پانچویں جلد پہلا حصہ صفحہ ۳۰۲-۳۰۳ [۳] سر الفرڈ لائل۔ ایشیاٹک سٹڈیز صفحہ ۲۳۶-

اب ہم اشاعت اسلام کا حال اس ترتیب سے لکھتے ہیں کہ جنوبی ہند اور ملک دکن سے شروع کر کے سندھ۔ کچھ اور گجرات کے واقعات پر سرسری نظر ڈالیں گے۔ اور پھر صوبہ بنگال کا حال لکھ کر داعیان اسلام کے حالات تحریر کرینگے جنھوں نے ان صوبجات کی حدود سے باہر ہندوؤں کو مسلمان کیا ان داعیان اسلام میں سے اکثر لوگ ایسے ہیں جنکے ناموں اور مقامات کے سوا جہاں اُنہوں نے مذہب کی اشاعت کی زیادہ کچھ نہیں لکھا گیا۔ جس صورت میں کہ ان لوگوں کے مفصل حالات دریافت ہی نہیں ہوسکتے تو جو واقعہ اُن کے متعلق تفصیل سے معلوم ہوا اس کو از اول تا آخر لکھ دیا ہی۔

جنوبی ہندوستان میں اسلامی تحریک کا آغاز آٹھویں صدی عیسوی سے چلتا ہو کہ چند مسلمان جن کو موپلا قوم اپنا بزرگ مانتی ہو ملک عراق سے آئے اور اس ملک کے جنوبی حصہ پر آباد ہو گئے گرم مسالوں اور ہاتی دانت اور جواہرات وغیرہ کی تجارت سینکڑوں برس سے ہندوستان اور یورپ کے درمیان عربوں اور ایرانیوں کے توسل سے جاری تھی۔ اسلئے اسلام کا اثر جنوبی ہند کے مغربی ساحل پر برابر پہونچتا رہا۔ باہر کے مسلمانوں کی کثرت آمدورفت سے مغربی ساحل ہند کے تجارتی شہروں کی آبادی خلط ملط ہو گئی اور اکثر لوگ آدھے ہندو آدھے عرب اور آدھے ایرانی ہو گئے۔

یہ تحقیق ہے کہ مسلمان تاجروں اور ہندو راجاؤں میں آشتی پیدا ہو گئی تھی والیانِ ملک نے تجارت کا بازار گرم رکھنے کے خیال سے اور ملک کی ترقی کو جو مسلمان سوداگروں کی بود و باش کا نتیجہ تھی مدنظر رکھ کر مسلمانوں کو اپنی حفاظت اور سرپرستی میں لیا[۱]۔ اور یہ بھی

---

[۱] دیکھو تحفۃ المجاہدین۔ مترجمہ ایم۔ جے۔ رولنڈسن (مطبوعہ لندن ۱۸۳۳ء) مغربی ساحل ہند کے بندرگاہوں میں مختلف ملکوں سے تاجر بکثرت آتے ہیں۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا ہے کہ نئے شہر آباد ہو گئے ہیں اور مسلمانوں کی تجارت سے اُن میں آبادی بڑھ گئی ہی۔ اور مکانات کثرت سے بن گئے ہیں۔ یہاں کے سردار اور امیر مسلمانوں پر سختیاں کرنے سے پرہیز کرتے ہیں۔ باوجودیکہ یہ سردار اور اُن کی سپاہ بت پرست ہی مگر وہ مسلمانوں کے مذہب اور اُن کی رسوم کا بہت پاس و لحاظ کرتے ہیں اور سوائے ایسے موقعوں کے جب غیر معمولی اشتعال ہو وہ مسلمانوں پر (دیکھو صفحہ ۲۸۳)

دریافت ہوتا ہو کہ اُنھوں نے کسی طرح کی مزاحمت ان کاموں میں نہ کی جو مسلمان دعوتِ
اسلام کیلیے بڑی سرگرمی سے اختیار کرتے تھے[۵]

دوسری صدی ہجری میں چند داعیان اسلام نے دین کی اشاعت میں جو کوششیں صرف کیں وہ اس طرح مشہور ہیں کہ ایک بزرگ شیخ شریف ابن ملک اپنے بھائی ملک ابن دینار اور بھائی کے بھتیجے ملک ابن حبیب اور چند مصاحبوں کے ساتھ قلعہ آدم کی زیارت کیلیے جزیرۂ سیلون کو جاتے تھے۔ راستہ میں گرانکانور میں یہ لوگ اُترے۔ ملیبار کے راجہ نے جب اُن کے آنے کی خبر سُنی تو سب کو بُلایا اور بہت تواضع و مدارات سے پیش آیا۔ شیخ شریف کو راجہ کے اس لطف و کرم سے جرأت ہوئی اور اُنھوں نے رسول مقبول صلے اللہ علیہ وسلم کے حالاتِ مبارک راجہ کے سامنے بیان کیے اور حقیقت اسلام سے اُس کو آگاہ کیا۔ اور تائیداً معجزہ شق القمر بیان کیا۔ خدا کی برکت سے راجہ کے دل میں پیغمبر خدا صلعم کی رسالت کا یقین پیدا ہوا اور آپکی محبت سے اُس کا سینہ منور ہوا اور وہ اسلام پر ایمان لایا

(بقیہ صفحہ ۲۰۲) کسی طرح کا ظلم نہیں ہونے دیتے بت پرستوں اور مسلمانوں کے اس اتحاد سے اس لیے اور تعجب پیدا ہوتا ہو کہ مسلمانوں کی تعداد کل آبادی کا دسواں حصہ بھی نہیں ہو" (صفحہ ۱۰۱) "میں یہ بات سمجھانی چاہتا ہوں کہ قدیم زمانہ میں ملیبار کے مسلمان نہایت امن و عافیت سے رہتے تھے جس کی وجہ یہ تھی کہ اس ملک کے باشندوں کے ساتھ وہ کسی طرح کی زیادتی نہ کرتے تھے۔ اور ہندوؤں کے قدیم رسم و رواج کا پاس و لحاظ اُنھوں نے ہمیشہ رکھا تھا اور بلا قید مذہب آشتی کے تعلقات اُن میں ہمیشہ سے چلے آتے تھے۔ (صفحہ ۱۰۳) چونکہ ملیبار کے مسلمانوں میں کوئی امیر ایسا نہ تھا جس کو مسلمانوں پر حکومت کرنیکے لیے کافی قدرت اور قوت حاصل ہوتی اس لیے اہل اسلام بت پرست سرداروں کے محکوم ہیں جو نہایت ایمانداری سے مسلمانوں کی جان و مال کی حفاظت کرتے ہیں اور اُن کا انصاف کرتے ہیں اور ایسے حقوق اُن کو دیتے ہیں جن سے مسلمانوں کو نفع پہنچتا ہو۔ اگر کوئی مسلمان اپنے ہی قصور اور جرم سے سزا پانیکے لائق بنا تو مجبوری ہو ورنہ بحیثیت مجموعی ملیبار کے ہندو سرداروں کا برتاؤ مسلمانوں کے ساتھ عزت اور مہربانی کا ہو کیونکہ اُن کے ملک میں زیادہ شہروں کا آباد ہو جانا انہی مسلمان تاجروں کی بود و باش کا نتیجہ ہو (صفحہ ۱۰۵) نائر قوم کے لوگ اپنے ایسے ہم قوموں سے جو بت پرستی چھوڑ کر مسلمان ہو جاتی ہیں مزاحمت نہیں کرتے اور نہ اُن کو دھمکیاں دیکر ڈراتے ہیں بلکہ وہ ان کے ساتھ ایسی ہی عزت اور سلوک سے پیش آتے ہیں جیسے اور مسلمانوں کے ساتھ اُن کا برتاؤ ہو کوئی نو مسلم کیسی ہی نیچی ذات سے مسلمان ہوا ہو" (تحفۃ المجاہدین صفحہ ۳۳)

رخصت کے وقت راجہ نے شیخ شریف سے یہ اصرار کیا کہ قلعہ آدم کی زیارت سے فارغ ہوکر وہ اپنے ہمراہیوں سمیت کرانگانور کو واپس آویں کیونکہ وہ بھی اُن کے ہمراہ عرب چلنے کا قصد رکھتا ہے۔ راجہ نے شیخ کو یہ بھی سمجھا دیا کہ میرے اس پوشیدہ عزم کو ملیبار کے کسی آدمی پر ظاہر نہ کریں۔[۱] غرض جب شیخ شریف اور اُن کے ساتھی زیارت سے فارغ ہوکر دوبارہ کرانگانور میں آئے تو راجہ چپکے سے جہاز پر سوار ہوکر جو ساحل عرب کو جاتا تھا اُنکے ساتھ روانہ ہوگیا اور سلطنت کا انتظام ایک نائب کے سپرد کر گیا۔ عرب میں کچھ عرصہ تک رہکر جب وطن چلنے کا اس نیت سے ارادہ کیا کہ وہاں پہنچکر مسجدیں تعمیر کرے اور رعایا کو اسلام پر دعوت دے تو دفعتًا بیمار پڑکر اُس نے انتقال کیا۔ حالت نزع میں اپنے رفیقوں کو وصیت کی کہ ملیبار میں دین برحق کی تبلیغ کا جو اُنھوں نے مصمم ارادہ کرلیا تھا اُس میں ہرگز التوا نہ ہو اور اس کام میں امداد کے لیے راجہ نے سفارش کے خطوط نائب کے نام لکھ کر شیخ شریف کو دیدیے۔

شیخ شریف اور اُن کے ساتھی ان خطوط کو لیکر کرانگانور میں آئے اور راجہ کے نائب کے سامنے انھیں پیش کیا۔ اس سردار نے راجہ کی ہدایتوں سے جو مراسلہ میں بیان تھیں اطلاع پاکر چند قطعات زمین کے اور چند باغات نامہ بروں کو دیدیے جنھوں نے اُن میں سکونت اختیار کی اور ایک مسجد وہاں تعمیر کی۔ ملک ابن دینار نے یہاں مستقل طور پر رہنے کا ارادہ کرلیا لیکن ملک ابن حبیب جو ابن دینار کا بھتیجا تھا کچھ عرصہ کے بعد مسجدیں تعمیر کرنے کے قصد سے کرانگانور سے روانہ ہوگیا اول شہر کولن میں پہنچا اور اپنا سب مال و متاع بیوی اور بچوں کے ساتھ لیا گیا۔ یہاں اُس نے ایک مسجد تعمیر کی اور اہل و عیال کے رہنے کا بند و بست کرکے خود ہوبای موراد ی کے شہر کو روانہ ہوا۔ وہاں سے بانگور منگلور اور کنجر کوٹ کے شہروں میں پہنچا۔ ہر شہر میں مسجدیں بنا تا گیا جب

---

[۱] تحفۃ المجاہدین صفحہ ۴۹-۵۰۔

اس کام سے فارغ ہوا تو پھر ہوباہی موراوی کے شہر میں آیا اور تین مہینہ تک یہاں مقیم رہا۔ اس شہر سے چلکر زر فتن۔ در فتن۔ فندریہ اور شالیات کے شہروں کو گیا۔ اور ان سب شہروں میں مسجدیں تعمیر کیں۔ شالیات میں پانچ مہینے قیام کرکے اپنے چچا ملک دینار کے پاس کرانگانور میں پہنچا۔ یہاں اُس نے کچھ دنوں قیام کرکے جو مسجدیں تعمیر کیں تھیں اُن کے انتظام اور اوقاف کے اور بندوبست کیلیے پھر سفر پر سفر اختیار کیا۔ جب یہ کام بھی ختم ہوا تو پھر کرانگانور میں آیا۔ اب اُس کا دل خدا کی رحمت کا منت گذار تھا، کیونکہ اسلام کا نور اُس زمین پر پھیل گیا تھا جہاں کثرت سے بت پرستی ہوتی تھی۔ اس کے بعد ملک ابن دینار اور ملک ابن حبیب اپنے متعلقین اور مصاحبوں کو لیکر کولن کے شہر میں چلے آئے۔ یہاں ملک ابن حبیب اور اُس کے متعلقین نے سکونت اختیار کرلی۔ لیکن ملک ابن دینار خراسان کے سفر کو اُٹھا اور وہاں پہنچکر انتقال کیا۔ ابن حبیب نے اپنے لڑکوں کو تو کولن میں آباد کردیا اور بیوی کو لیکر خود کرانگانور میں چلا آیا یہاں ان دونوں نے انتقال کیا۔[۱]

مذکورۂ بالا واقعات تاریخی حیثیت سے مستند ہوں یا غیر مستند مگر اس میں شبہ نہیں کہ ساحل ملیبار پر اسلام کی اشاعت کیلیے امن وامان کے طریقے صدیوں سے جاری ہیں سولھویں صدی عیسوی کے شروع میں موپلا قوم کے نومسلم ملیبار کی کل آبادی کا پانچواں حصہ تھے۔ اُن کی زبان وہی تھی جو وہاں کے ہندوؤں کی زبان ہوا اور صرف لمبی داڑھی اور سر کے عجیب لباس سے اُن کو اور لوگوں سے تمیز کیا جاتا تھا۔ اگر پرتگیز ملیبار میں نہ پہنچے تو ہندوستان کے اس ساحل پر سب ہندو مسلمان ہو جاتے کیونکہ رعایا کثرت سے اسلام قبول کرتی تھی اور مسلمان تاجروں کا اثر جو گجرات اور دکن عرب اور ایران سے وہاں آئے تھے بہت تھا۔[۲] جنوبی ہند میں دعوت اسلام کی تاریخ ہمیشہ ایسی سلامت روی اور امن کی

[۱] تحفۃ المجاہدین صفحہ ۵۳ و ۵۵ [۲] اوڈاردوبار بوسا۔ صفحہ ۱۴۱ اسی طرح خیال کیا گیا ہے کہ اگر پرتگیز سیلون میں نہ آئے ہوتے تو اس جزیرے میں اسلامی ریاست قائم ہو جاتی۔ کیونکہ بحر ہند میں پرتگیزی جہازوں کے آنے سے پہلے اہل عرب اس جزیرہ کی تجارت کے بالکل مالک تھے اُنکی تجارت کی منڈیاں اس جزیرہ پر آنحضرت کی ولادت سے صدہا برس پہلے قائم ہو

نہیں رہی جیسے اوپر بیان ہوئی۔ لیکن وہاں کی قدیم تاریخ میں ایسی سختیوں کی نظیر موجود نہیں ہے جو ہندوؤں کو بجبر مسلمان کرنے کیلیے ایسے وقتوں میں کی جاتی تھیں جب کہ حیدر علی (۱۷۶۶-۱۷۸۲ء) اور ٹیپو سلطان (۱۷۸۲-۱۷۹۹ء) کے زمانہ میں مسلمانوں کی سلطنت کو عروج تھا۔ ان بادشاہوں نے جو کچھ سختیاں کیں ہوں لیکن اسمیں شبہ کی کوئی وجہ نہیں کہ قدیم زمانہ میں ادنیٰ قومیں امن وامان کے وسائل سے بکثرت مسلمان کر لی جاتی تہیں[51] اور اب تک یہ ہی حال ہی۔ غرض ہندو اس کثرت سے مسلمان ہوے کہ جنوبی ہند کے مشرقی اور مغربی ساحل کے نومسلموں میں اپنی قدیم باتوں اور ہندوانی رسوم کی طرف میلان پایا جاتا ہے اور سولے شریف نومسلموں کے اُن کی وہی کیفیت ہوتی جاتی ہے جو اس ملک کے اصلی باشندوں کی تھی۔ غیر ملک کے مسلمانوں کے خون کا اثر اُن میں بہت کم رہگیا ہی[52]۔

مغربی ساحل ہند کے اضلاع میں ذاتوں کا امتیاز بہت سخت ہی اس کی صرف ایک مثال بیان کرتے ہیں۔ تراونکور میں بعض نیچ قوم کے آدمیوں کے لیے ضروری ہی کہ برہمن سے چوہتر قدم دور رہیں اس سے زیادہ قریب آنے کی جرأت نہ کریں اور جب رستہ میں ہوں تو پکارتے چلیں تاکہ اور لوگ اُن کے پاس نہ آویں[53] اس قسم کی اور نظیریں کثرت سے بیان ہوسکتی ہیں۔ پس کیا تعجب ہی کہ ان ادنیٰ قوموں نے

بقیہ (صفحہ ۲۸۵) قائم ہوچکی تہیں۔ ہر بندر اور شہر میں عرب موجود تھے ملیبار سے ہی تجارت کیلیے اہل عرب سیلون میں آتے تھے جیسا اور جگہ حال تھا اسی طرح اس جزیرہ میں بہی عربوں نے جزیرہ کی عورتوں سے شادیاں کرلیں اور ساحل سیلون پر اسلام کی اشاعت کردی لیکن معلوم ہوتا ہی کہ سیلون میں تبلیغ اسلام کیلیے زیادہ عملی کوششیں صرف نہیں کیگئیں یا یہ ہوا کہ سیلون کے لوگوں ہی نے اسلام قبول کرنا نہ چاہا کیونکہ آج کل جس قدر مسلمان اس جزیرہ میں ہیں وہ عرب کی نسل سے ہیں ــ ..... سر جیمس ایمرسن ٹنینٹ۔ سیلون پہلی جلد صفحہ ۶۳۱-۶۳۳ (پانچویں ایڈیشن) مطبوعہ لندن ۱۸۵۹ء [51] دیکھو وہ عبارت جو تحفۃ المجاہدین صفحہ ۴۰ سے نقل کیگئی ہی اسی کتاب کے صفحہ ۲۶۹ میں ان ہندوؤں کا ذکر کیا گیا ہی جو ذات سے خارج ہوکر اسلام کے احاطہ میں پناہ لیتے تھے [52] صوبہ مدراس کی رپورٹ مردم شماری ۱۸۷۱ء مؤلفہ کورنش صفحہ ۶۲-۱۰۹ مطبوعہ مدراس ۱۸۷۴ء۔ [53] ذات۔ ذات کا پیدا ہونا ذات کی تاریخ اور اس کا اثر۔ صفحہ (۳۰) مطبوعہ مدراس ۱۸۸۴ء۔

مسلمان ہونے سے مسلمانوں کی تعداد میں جلد ترقی ہوتی ہو۔ یہ لوگ مسلمان ہوکر ذلت اور خواری کی حالت سے نجات پاتے ہیں اور تہذیب و تمدن کے لحاظ سے اپنی اور اپنی اولاد کی ترقی کرتے ہیں۔

مغربی ساحل پر موپلا قوم کے مسلمانوں کی تعداد نیچ قوموں کے مسلمان ہونے سے اس قدر جلد ترقی کر رہی ہو کہ چند سال میں مغربی ساحل کی کل نیچ قوموں کا مسلمان ہو جانا ممکن ہو[۱]۔

ساحل ملیبار ہی سے غالباً جزائر لکادیپ اور مالدیپ میں اسلام کی اشاعت ہوئی جہاں اب بالکل مسلمان آباد ہیں۔ ان جزیروں میں عربی اور ایرانی تاجروں کی کوشش سے اسلام پھیلا اور وہاں کے لوگ مسلمان ہوئے ان تاجروں نے ان جزیروں میں آباد ہوکر وہاں کی عورتوں سے شادیاں کرنی شروع کیں اور اپنے مذہب کو پھیلانے کے لیے راستہ صاف کر لیا۔ جزائر لکادیپ و مالدیپ کے پہلے مسلمان بادشاہ یعنی سلطان محمد شنورازہ کا اسلام لانا[۲] سنہ ۱۲۰۰ عیسوی میں قیاس کیا جا سکتا ہو لیکن ممکن ہی کہ اس زمانہ سے تین سو برس پہلے مسلمان تاجروں نے اپنے مذہب کو ان جزیروں میں شائع کیا ہو[۳]۔ لیکن اس کے حالات تفصیل کے ساتھ بالکل دریافت نہیں ہوسکتے۔

مالی کے شہر میں جو ان جزائر کا پایۂ تخت ہی شیخ یوسف شمس الدین کا مزار ہی یہ بزرگ ایران کے شہر تبریز کے رہنے والے تھے اور ان کی نسبت مشہور ہی کہ جزائر کے سب لوگوں کو اُنھوں نے مسلمان کیا اُن کی قبر کی اب تک بہت تعظیم ہوتی ہی اور مزار کی

۱؎ دوسری دہ سالہ مشنری کانفرنس منعقدہ کلکتہ کی رپورٹ سنہ ۱۹۰۲ء صفحہ ۲۰۰-۲۲۳-۲۴۰ (مطبوعہ کلکتہ سنہ ۱۹۰۲ء)

۲؎ ابن بطوطہ۔ توم ۴۔ صفحہ ۱۳۰۔ ابن بطوطہ جزائر مالدیپ میں سنہ ۱۳۴۳ء سے سنہ ۱۳۴۴ء تک مقیم رہا۔ اور یہاں کے وزیر کی بیٹی سے اُس نے شادی کی "یہ وزیر سلطان داؤد کا پوتا تھا اور سلطان داؤد سلطان احمد شنورازہ کا پوتا تھا" (توم ۴۔ صفحہ ۱۵۴) اس عبارت سے سنہ ۱۲۰۰ء کی تاریخ جو سلطان شنورازہ کے مسلمان ہونے کی ہم نے بیان کی ہی قیاسی طور پر مستنبط کی گئی ہی۔ ۳؎ بل۔ جزائر مالدیپ صفحہ ۲۳-۲۵-۵۰-۵۵-۱۰۵ (مطبوعہ کولمبو سنہ ۱۸۸۳ء)"

عمارت ہمیشہ اچھی حالت میں رکھی جاتی ہے انکی قبر کے پاس ہی اونکے چند اہل وطن بھی دفن ہیں جو اونکو تلاش کرتے ہوئے ان جزیروں میں پہنچے تھے اور مرتے دم تک ان جزیروں میں مقیم رہے۔[۵۱]

ملک دکن بھی دعاۃ اسلام کی کوششوں کا منظر رہا ہے ہم یہ لکھ چکے ہیں کہ عرب کے تاجر مغربی ساحل ہند پر بہت قدیم زمانہ سے آمد و رفت رکھتے تھے دسویں صدی عیسوی میں یہ عرب تاجر کونکان کے شہروں میں کثرت سے آباد ہوگئے اور وہاں کی عورتوں سے نکاح کرکے اپنے دین و آئین کے ساتھ ان شہروں میں آباد رہے۔[۵۲] سلاطین بہمنی ۱۳۴۷ء-۱۴۹۰ء اور بیجاپور ۱۴۸۹-۱۶۸۶ء کے زمانہ میں اہل عرب کو ان ریاستوں میں آباد ہونے کی بہت جرات دلائی گئی۔ عرب کے تاجروں اور سپاہیوں کے ساتھ واعظ بھی ملک میں داخل ہوئے تاکہ اسلام کو ترقی دیں اور تعلیم و تلقین سے کافروں کو راہ راست پر لائیں۔ دکن کے شاہان سلف کے زمانہ میں غیر مذہب والوں کو مذہبی آزادی تمام و کمال حاصل تھی۔[۵۳]

واعظین عرب میں سے ایک شخص جنکا نام پیر مہابیر کندایت مشہور ہوا ۱۳۰۴ء عیسوی میں اسلام کی اشاعت کے لئے دکن میں آئے بیجاپور کے کاشتکار مسلمانوں میں اُن جینی مت کے لوگوں کی اولاد موجود ہے جنکو پیر مہابیر نے مسلمان کیا۔[۵۴] چودہویں صدی عیسوی کے آخر میں سید حسین گیسو دراز جنکو سید مخدوم گیسو دراز بھی کہا جاتا ہے گلبرگہ میں بڑے پیر ہوئے اونھوں نے پونہ کے ہندؤں کو مسلمان کیا اور بیس برس کے بعد ہلگام کے ہندؤں کو مسلمان کرنے میں اون کو بہت کامیابی ہوئی۔[۵۵] دہانوں میں شیخ بابا عجب کی

---

[۵۱] "جزایالدیپ کے باشندہ و نیز مضمون" مصنفہ سک درگرائیڈ یر جیوگرافیکل سوسائٹی بمبئی کی کارروائی ۱۸۳۶ لغایت ۱۸۳۸ء صفحہ ۳۷ جلد بمبئی ۱۸۴۴ء

[۵۲] مسعودی توم ۲ صفحہ ۸۵-۸۶ [۵۳] بمبئی گزیٹیر دسویں جلد صفحہ ۱۳۲، سولھویں جلد صفحہ ۵۷ [۵۴] بمبئی گزیٹیر تیئیسویں جلد صفحہ ۲۸۲

[۵۵] بمبئی گزیٹیر اٹھارہویں جلد صفحہ ۵۰۱۔ اکیسویں جلد صفحہ ۲۱۸ و ۲۲۳۔

اولاد ابتک موجود ہے۔ یہ بزرگ سید عبد القادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ سے قرابت رکھتے تھے اور تقریباً چارسو برس گذرے کہ مغربی ہند مین وہ آئے اور کانکان مین ہزارہا بت پرستوں کو مسلمان کرکے وہانومین انتقال کیا اور وہین دفن ہوئے[۵۱]۔ دہوار کے اضلاع میں کثرت سے مسلمان کپڑا بُننے والے آباد ہین جنکے بزرگون نے ہاشم پیر گجراتی کی ہدایت سے اسلام قبول کیا تھا۔ ہاشم پیر بیجاپور کے بادشاہ ابراہیم عادل شاہ ثانی کے اوستاد تھے جو سولھوین صدی عیسوی کے آخر مین گذرا ہے۔ یہ مسلمان جولاہے اپنے پیر کا نہایت ادب کرتے ہین اور اوس کی اولاد کے ساتھ بڑی تعظیم سے پیش آتے ہین[۵۲]۔ ناسک مین شاہ محمد صادق سرمست حسینی کی اولاد ابتک موجود ہے۔ انکی نسبت لکھا گیا ہے کہ دعوت اسلام میں وہ نہایت درجہ کامیاب ہوئے ۱۵۶۸ء میں مدینہ طیبہ سے روانہ ہوئے اور مغربی ہند کے اکثر مقامات کا سفر کرکے اونھون نے ناسک مین سکونت اختیار کی تھی ناسک کے ضلع مین ایک اور بزرگ خواجہ کھمیر حسینی گذرے ہین جنھون نے شاہ محمد صادق سے پچاس برس پہلے دعوت اسلام مین کوشش کی[۵۳] دو اور بزرگون کے نام لکھے جاتے ہین جنھون نے اسلام کی اشاعت کی۔ ایک ان مین سید محمد ابن سید علی تھے اور دوسرے سید عمر ایدروس باشیبان تھے[۵۴]۔

تبلیغ اسلام کی دوسری بڑی تحریک کا مرکز ملتان کا شہر اور اوسکے حوالی تھے[۵۵]۔ اہل عرب کے قدیم فتوحات کے زمانہ مین جبکہ ۷۱۲ء مین محمد قاسم نے سندہ مین اسلامی حکومت قایم کی تو یہ شہر سندہ کی سرحد پر واقع تھا۔ عربون کے دور حکومت مین جو تین سو برس تک قائم رہا ہندوؤن نے کثرت سے اپنے فاتحون کا مذہب اختیار کیا سندہ کے کئی ہندو

---

۵۱ بمبئی گزیٹیر۔ تیرھوین جلد صفحہ ۲۲۱ ۵۲ بمبئی گزیٹیر بائیسوین جلد صفحہ ۲۴۲ ۵۳ بمبئی گزیٹیر سولھوین جلد صفحہ ۷۵-۷۶

۵۴ بمبئی گزیٹیر اکیسوین جلد صفحہ ۲۰۳ ۵۵ محمد قاسم کی فتح کے زمانے میں سندہ کے ہندو راجہ کی ریاست شمال کے سمت مین ملتان تک تھی لیکن اب یہ شہر سندہ کے ملک میں نہین شمار کیا جاتا۔

شہزادوں نے خلیفہ عمرؓ ابن عبد العزیزؒ کی دعوت سے اسلام قبول کیا[1]۔ ساوندری کے لوگوں نے محمد قاسم کی اطاعت قبول کر لی تھی اور اُن کو امان اس شرط پر ملا تھا کہ وہ مسلمانوں کی مدارات کریں گے اور رستہ بتانیکے لیے آدمی دیں گے۔ مؤرخ بلاذری[2] نے محمد قاسم کے زمانہ سے سو برس بعد لکھا ہی کہ اُس کے وقت میں ساوندری کے لوگ مسلمان تھے۔ محمد قاسم کے مراسلات میں ہندوؤں کے مسلمان ہونے کا اکثر ذکر آیا ہی۔

عربوں کا قاعدہ تھا کہ جب اُن کے اول حملہ کا جوش خروس جو سخت بلا انگیز ہوتا تھا دشمن کو شکست دیکر دھیما پڑ جاتا تھا تو وہ مفتوح کے ساتھ سلوک سے پیش آتے تھے اور اُن کو مذہبی آزادی دیتے تھے اس لیے اہلِ عرب کے زمانہ میں ہندوؤں نے اپنی خوشی اور رضامندی سے اسلام قبول کیا۔ برہمن آباد پر جب اہل عرب سخت حملہ کرکے قابض ہوئے تو وہاں کے لوگوں کو مندروں کی مرمت کی اجازت دے دی کیونکہ ان ہی مندروں سے برہمنوں کا گذارا ہوتا تھا اور کسی شخص کو اُس کے مذہب کی پیروی سے منع نہ کیا[3]۔ اطاعت قبول کرتے ہی دشمن کو امان اور اُس کے دین و آئین پر قائم رہنے کی اجازت مل جاتی تھی۔

نویں صدی کے اخیر نصف حصہ میں جب خلافت بغداد طرح طرح کی شکلوں میں مبتلا ہو گئی تو سندہ کی طرف سے غفلت ہوئی۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ سندہ کی حکومت چھوٹے چھوٹے امیروں میں تقسیم ہو گئی۔ ان میں ملتان اور منصورہ کے امیر بہت قوی تھے اس نفاق و تقسیم نے مسلمانوں کی ملکی طاقت کو ضعیف کر دیا اگرچہ یہ انحطاط نویں صدی

---

[1] "جب عبد الملک کے فرزند خلیفہ سلیمان کا انتقال ہوا تو ۷۱۷ عیسوی میں عمرؓ ابن عبد العزیز سریر خلافت پر بیٹھا اُس نے ہندوستان کے راجاؤں سے خلیفہ کی اطاعت اور اسلام قبول کرنیکے لیے کہا ان راجاؤں نے عمرؓ ابن عبد العزیز کا حال سنا تھا کہ وہ کیسا نیک خصلت اور وعدہ کا سچا ہی۔ پس جیسنیا داہر اور راجاؤں نے مسلمان ہو کر اپنے نام عربوں کے سے رکھے" (ایلیٹ پہلی جلد صفحہ ۱۲۴-۱۲۵)۔ [2] ایلیٹ۔ پہلی جلد صفحہ ۱۲۲۔ [3] ایلیٹ پہلی جلد۔ صفحہ ۱۸۵-۱۸۶۔

عیسوی کے شروع ہی سے پیدا ہوگیا تھا جبکہ معتصم باللہ (۸۳۳-۸۴۱ء) کے عہد حکومت میں سندان[1] کے ہندو اسلامی حکومت سے آزاد ہو کر خود مختار ہوئے تھے لیکن ان ہندوؤں نے مسلمانوں کی مسجد کو جو اُن کی ریاست میں تھی صحیح سلامت رہنے دیا۔ مسلمان مسجد میں جاکر نماز پڑھتے تھے اور کوئی دست اندازی نہ کرتا تھا[2]۔ ملتان کے مسلمان اپنی پولیٹیکل آزادی کو قائم رکھنے میں کامیاب رہے اور راجاؤں کو یہ دہمکی دیکر اُن کے حملوں سے بچتے رہے کہ اگر پھر فوجکشی کی گئی تو وہ بت توڑ دیا جائیگا جس کی ہندو بہت تعظیم کرتے ہیں اور اس کی پوجا کیلیے دیس دیس سے آتے ہیں[3]۔ لیکن اس زوال سلطنت کے زمانہ میں بھی اسلام کی ترقی برابر جاری رہی۔ ملک عسیفان جو کشمیر کابل اور ملتان کے بیچ میں کہیں واقع تھا اُس کے بادشاہ کے مسلمان ہونے کا حال مورخ بلاذری نے اس طرح[4] لکھا ہو کہ اس ملک کے لوگ ایک بت کو پوجا کرتے تھے جس کے لیے اُنہوں نے ایک مندر بنایا تھا ایک دفعہ وہاں کے راجہ کا بیٹا بیمار پڑا راجہ نے مندر کے برہمنوں کو بلاکر کہا کہ دیوتا سے دعا مانگو کہ میرا بیٹا اچھا ہو جاوے۔ برہمن یہ سُنکر چلے گئے اور تھوڑی دیر کے بعد راجہ کے پاس آئے اور کہا کہ ہم نے دعا کی تھی وہ قبول ہوئی۔ لیکن زیادہ وقت نہ گذرا تھا کہ راجہ کا بیٹا مرگیا۔ اس پر راجہ نے مندر کو مسمار کیا۔ بت کو توڑ کر برہمنوں کو قتل کر دیا۔ اور مسلمان تاجروں کو اپنے پاس بلایا جنہوں نے راجہ کو توحید کا یقین دلایا راجہ فوراً ایمان لایا۔ اسی طرح اور مسلمان تاجر بھی جن کے گروہ ہندوستان کے بت پرست شہروں میں تجارت کرتے پھرتے تھے تبلیغ اسلام کا باعث ہو جاتے تھے۔ دسویں اور بارہویں صدی کے جغرافیہ دانان عرب نے اُن شہروں کے نام لکھے ہیں جو ساحل پر یا ملک کے اندر واقع تھے اور جہاں مسلمانوں نے مسجدیں بنائی تھیں اور ہندو راجاؤں کی حفاظت اور سرپرستی میں رہتے تھے بلکہ اپنے آئین و قوانین کے ساتھ وہاں آباد رہنے

[1] سندان سے مراد ابراسا کے سندان سے ہے جو کچھ کا جنوبی ضلع ہے [2] البلاذری۔ حصہ ۴۴۶ [3] ایلیٹ۔ پہلی جلد صفحہ ۲۷-۲۸ [4] البلاذری۔ صفحہ ۴۴۶-

کی راجاؤن نے اونکو اجازت دے رکھی تھی[۵۱]۔ اس زمانہ میں سندھ اور ہند کے متصل ملکون اور باقی ساری دنیا سے تجارت کا سلسلہ عربون ہی کے دم سے قائم تھا۔ چین اور سیلون کی پیداوار سندھ کے بندرگاہون مین لاتے تھے اور وہان سے ملتان ہوتے ہوئے ترکستان اور خراسان لیجاتے تھے[۵۲]

تعجب ہوتا اگر یہ عربی تاجر جو بت پرستون کے شہرون مین جابجا موجود تھے تبلیغ اسلام مین وہ ہی ہمت اور جوش صرف نہ کرتے جو اور مسلمان تاجرون نے دوسرے ملکون مین صرف کیا تھا ایسے ہی تاجرون کی ہدایت و تلقین سے غالبًا ساما کی قوم نے اسلام قبول کیا جو ۱۳۵۱ء سے ۱۵۲۱ء تک سندھ پر حکمران رہی۔ اس قوم کے ایک بادشاہ جام نندا بن بابنیہ کی نسبت لکھا ہے کہ اس کا زمانہ ایسے امن وامان کا تھا کہ وہ کبھی اسکو میدان جنگ مین سوار ہوکر جانا پڑا اور نہ کوئی دشمن اوس سے میدان جیت سکا[۵۳]۔ اور اس بادشاہ کا عہد عدل وانصاف اور اسلام کی ترقی کے اعتبار سے بھی مشہور تھا"۔ اب ظاہر ہے کہ اسلام کی یہ ترقی صرف امن وامان کے وسائل سے جو دعاۃ نے اختیار کیئے ہوئی ہوگی۔ یہان کے داعیان اسلام مین سب سے زیادہ مشہور ومعروف سید یوسف الدین تھے جو ۱۴۲۲ عیسوی مین سندھ مین آئے تھے۔ دس برس کی محنت اور جستجو کے بعد لوہانا قوم کے سات سو خاندانون کو اونھون نے مسلمان کرلیا۔ اول اس قوم کے دو آدمی سندرجی اور ہنس راج شاہ صاحب کی کرامات دیکھکر مسلمان ہوئے تھے اور اپنا نام اونھون نے آدم جی اور تاج محمد رکھا تھا۔ جب یہ لوگ مسلمان ہوگئے تو پھر اونکی قوم کے سات سو گھرانون نے اسلام قبول کیا۔ آدم جی کا پوتا جب لوہانون کا سردار ہوا تو اُسکے وقت مین یہ قوم سندھ سے اٹھکر کچھ مین چلی گئی۔ اور جب وہان پہنچی تو کچھ کے لوہانون نے بھی اسلام قبول کرکے مسلمانون کی

---

[۵۱] ایلیٹ پہلی جلد صفحہ ۲، ۳، ۲۷، ۸۸، ۴۵۷ [۵۲] ایلیٹ۔ پہلی جلد صفحہ ۲۱ - [۵۳] بمبئی گزیٹیر پانچوین جلد صفحہ ۹۳ -

تعداد میں اضافہ کیا[1]۔ چار سو برس گذرے کہ فرقۂ اسماعیلیہ کے ایک بزرگ پیر صدر الدین نے اپنے مذہب کو سندہ میں شائع کیا اور اون اصولون کے مطابق جو اس مذہب میں اپنے تئیں دوسرون کے مناسب حال بنانے کے لیئے رائج ہین پیر صدر الدین نے اپنا نام ہندوؤن کا سا رکھا اور ہندو مذہب کے بعض عقائد کو تسلیم کرلیا تاکہ اسماعیلیہ مذہب کی اشاعت مین آسانی ہو۔ ایک کتاب دساوتار ہندوؤن مین شائع کی جس مین حضرت علی کو وشنو کا دسوان اوتار لکھا ہے۔ یہ کتاب اُسی وقت سے خوجہ قوم کا مقدس صحیفہ سمجھی جاتی ہے اور تمام مذہبی موقعون پر اور حالت نزع مین مریض کے بستر کے قریب پڑھی جاتی ہے۔ اس میں وشنو کے نو اوتارون کو تسلیم کیا گیا ہے لیکن وہ ناقص ہین اور صداقت کے کامل رتبہ کو اوس وقت تک نہین پہونچ سکتے جبتک کہ وشنی مذہب مین اسماعیلیہ کے عقائد کا یہ مسئلہ شامل نہ کیا جاوے کہ حضرت علی وشنو کے دسوین اوتار ہو کر دنیا مین عنقریب خروج کرنیوالے ہین۔ علاوہ اس مسئلہ کے پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کو برہما اور حضرت علیؑ کو وشنو اور حضرت آدم علیہ السلام کو شیو سے تعبیر کیا ہے۔ پیر صدر الدین کی ہدایتون کو اول شمالی ہند کے دیہاتی لوگون نے تسلیم کیا اور یہ ہندو اسماعیلیہ مذہب مین شامل ہوگئے۔ ان پیر صاحب نے کچھ میں بھی وعظ شروع کیا اور مذہب اسماعیلیہ اس ملک سے اشاعت پاکر گجرات اور سندہ مین پھیل گیا۔ اس مذہب کے پیرو یعنی خوجہ قوم کے لوگ مغربی ہند کے تمام شہرون مین اور بحر ہند کے ساحلون پر کثرت سے موجود ہین[2]۔

داعیان ملت اسلامیہ مین پیر صدر الدین ہی پہلے شخص تھے جو ہندوستان مین آئے بلکہ اُنکے آنے سے کئی سو برس پہلے اس مذہب کا ایک واعظ جسکا نام نور ستاگر تھا قلعہ الموت سے جہان اسماعیلیون کا سردار رہتا ہے ہندوستان کو روانہ کیا گیا

[1] بمبئی گزیٹیر۔ پانچوین جلد صفحہ ۹۳ و [2] خوجہ ونیانٹ صفحہ ۲۰۸ - سر بارٹل فریری کی کتاب "خوجہ قوم۔ پہاڑ کے بڑے آدمی کی معتقد قوم" میکمیلن کا میگزین چونتیسوین جلد صفحہ ۴۳۱ و ۴۳۳ - ۴۴۴ مطبوعہ لندن ۱۸۷۶ء

تھا۔ یہ واعظ اول گجرات میں راجہ سدھاراج کے زمانہ میں (سنہ ۱۰۹۴–۱۱۴۳ء) پہنچا اور اُس نے اپنا نام ہندوؤں کا سارکھا لیکن مسلمانوں کو اپنا اصلی نام سید سعادت بتایا۔ کنبیؔ اور کھاروا اور کوری قوم کے لوگوں کو جو گجرات کی نیچی ذاتیں تھیں اسماعیلیہ مذہب میں شامل کیا[9]۔

کچھ کے اکثر مسلمان جو کسی زمانہ میں ہندو تھے داول شاہ کو جن کا اصلی نام ملک عبداللطیف تھا اپنا پیر مانتے ہیں۔ ملک عبداللطیف گجرات کے مشہور بادشاہ سلطان محمود بیگڑہ کے ارکین سلطنت میں سے کسی شخص کا بیٹا تھا۔ محمود بیگڑہ کی نسبت مشہور ہی کہ اُس کے وقت میں ہندوؤں نے کثرت سے اسلام قبول کیا[1]۔

سلطان محمود بیگڑہ کی کوشش سے بورہ قوم کے لوگوں کا مسلمان ہونا لکھا جاتا ہی یہ ایک مشہور تجارت پیشہ قوم ہے جو پہلے ہندو تھی اور اب شیعہ مذہب رکھتی ہی اس کے لوگ صوبہ بمبئی کے تمام تجارتی شہروں میں آباد ہیں[2]۔ چونکہ شیعی واعظین اور داعیان مذہب کا ہندوستان میں آنا اور شمالی گجرات[3] میں انہلواڑا کے راجاؤں کا اُن کے ساتھ سلوک اور مہربانی کرنا محمود بیگڑہ کے زمانہ سے پہلے چودھویں[4] صدی ملکہ گیارہویں صدی عیسوی میں بیان کیا جاتا ہی اس لیے خیال ہو سکتا ہی کہ بورہ قوم کا مسلمان ہونا فوری نہ تھا بلکہ کئی نسلوں تک بتدریج عمل میں آیا۔ چودھویں صدی عیسوی کے شروع میں داعی اسلام ملا علی نے اس قوم میں مذہب کی اشاعت کیلیے جو کوشش کی اُس کو ایک شیعہ مورخ[5] نے اس طرح بیان کیا ہی "گجرات کے لوگ بت پرست تھے اور اُن کا ایک گرو تھا جس کے یہ لوگ چیلے تھے اور اُس کے نہایت معتقد تھے۔ ملا علی نے اس میں مصلحت دیکھی کہ اول اس گرو کا اپنے تئیں چیلا بنائے اور پھر مضبوط دلائل سے اس کو لاجواب کرکے گرو کو مسلمان کرلے اور پھر اور بت پرست مسلمان ہو جاویں۔ پس ملا علی کئی برس تک اس گرو کی خدمت میں حاضر

[1] خوجہ ورتیانت۔ صفحہ ۱۰۵۔ [2] بمبئی گزیٹیر۔ پانچویں جلد صفحہ ۹۰۔ [3] بمبئی گزیٹیر۔ دوسری جلد۔ صفحہ ۱۱۴۔ تیسری جلد صفحہ ۳۲ - ۱۰۳۔ [4] بمبئی گزیٹیر۔ ساتویں جلد صفحہ ۶۰۔ [5] کولبروک۔ مختلف مضامین[6] تیسری جلد۔ صفحہ ۲۰۲ - مطبوعہ لندن (سنہ ۱۸۷۳ء)۔ [9] بمبئی گزیٹیر تیرھویں جلد۔ صفحہ ۲۴۴۔ [8] نور اللہ شوستری۔ مجالس المومنین (کولبروک کے مضامین تیسری جلد صفحہ ۲۰۲)

رہا اور اُس کی زبان اور علوم سیکھے اور اُس کی کتابوں سے خوب واقف ہو گیا۔ اب ملا علی نے گرو کے سامنے اسلام کے عقائد بیان کیے اور آخر کار اُس کو مسلمان کر لیا۔ گرو کے ساتھ ہی بعض چیلوں نے بھی اپنا مذہب تبدیل کیا۔ رفتہ رفتہ یہ خبر اس ملک کے راجہ کے وزیر کو پہنچی۔ وزیر گرو کے پاس آیا اور گرو کی اطاعت کی عادتیں اپنے میں پیدا کر کے مسلمان ہو گیا۔ لیکن ایک عرصہ تک گرو اور اُس کے چیلوں اور وزیر نے اپنے مسلمان ہونے کو راجہ کے خوف سے پوشیدہ رکھا +

آخر کار وزیر کے مسلمان ہونے کی خبر راجہ کو پہنچی اور ایک دن وہ وزیر کے مکان پر آیا اور دیکھا کہ وزیر نماز پڑھ رہا ہے۔ راجہ غصہ سے بیتاب ہو گیا۔ وزیر بھی راجہ کے آنے کا منشا سمجھ گیا اور جان گیا کہ راجہ کا غصہ اس وجہ سے ہے کہ میں نماز میں مصروف ہوں پس وزیر نے بڑی دانائی سے یہ حیلہ کیا گویا وہ سانپ کے دیکھنے کو جھکا تھا اور مُنھ سے جو کچھ بولتا تھا وہ بھی سانپ ہی کا منتر تھا۔ راجہ نے یہ سن کر مکان کے گوشہ کی طرف نظر ڈالی۔ خدا کی قدرت سے ایسا ہوا کہ راجہ کو اُسی جگہ ایک سانپ نظر آیا۔ وزیر کا عذر معقول معلوم ہوا اور راجہ کی بدگمانی جاتی رہی +

کچھ عرصہ کے بعد راجہ بھی مسلمان ہو گیا لیکن راج کی مصلحتوں سے اُس نے اپنا مسلمان ہونا پوشیدہ رکھا۔ مرتے وقت البتہ اُس نے حکم دیا کہ اُس کا مردہ ہندؤں کی رسم کے مطابق جلایا نہ جاوے۔

جب اس راجہ کا انتقال ہوا تو سلطان فیروزشاہ تغلق شہنشاہ دہلی (۱۳۵۱-۱۳۸۸ء) کے عمائد سلطنت میں سے ایک شخص سلطان ظفر نے صوبۂ گجرات کو فتح کیا چند علمائے سنت جماعت نے جو سلطان ظفر کے ساتھ تھے شیعہ نو مسلموں کو سنی کرنا چاہا چنانچہ کیرا[۱] کے ضلع میں بورہ قوم کے ایسے چند لوگ موجود ہیں جو سنی ہیں لیکن اکثر بورے شیعہ ہیں +

---

[۱] بمبئی گزیٹیر۔ تیسری جلد۔ صفحہ ۳۲۔

چودہویں صدی عیسوی کے اخیر میں ایک اور داعی اسلام جنھوں نے صوبۂ گجرات میں تبلیغ کے لیے کوشش کی شیخ جلال تھے جو مخدوم جہانیاں کے نام سے زیادہ تر مشہور ہیں۔ یہ بزرگ گجرات میں آکر سکونت پذیر ہوئے تھے اور بہت ہندوؤں کو اُنہوں نے اور اُن کی اولاد نے مسلمان کیا[1]۔

داعیانِ اسلام نے تعداد کے لحاظ سے جیسی کامیابی صوبہ بنگال میں حاصل کی اُس کی نظیر کسی اور صوبہ میں نہیں ملتی۔ بارہویں صدی کے اخیر میں بختیار خلجی نے بنگال بہار کو فتح کر کے اوّل اسلامی سلطنت یہاں قائم کی اور گور کو بنگال کا پایۂ تخت قرار دیا۔ یہاں مدت تک مسلمانوں کی حکومت رہنے سے اسلام کو قدرتاً زیادہ ترقی ہوئی۔ دس برس کیلیے راجہ کنس کے زمانہ میں ہندوؤں کا راج پھر بنگال میں قائم ہوگیا۔ اس راجہ کے عہد میں مذہبی آزادی سب کو حاصل تھی اور مسلمان رعایا بھی راجہ کو بہت پسند کرتی تھی[2] لیکن اُس کے بیٹے جٹ مل نے ہندو مذہب چھوڑ کر اسلام قبول کر لیا۔

سنہ ۱۴۱۴ء میں جب جٹ مل کا باپ راجہ کنس مرگیا تو اُس نے راج کے تمام سرداروں کو جمع کیا اور اُن کے سامنے مسلمان ہونے کا قصد ظاہر کیا اور کہا کہ اگر سردار اُس کو گدی پر نہ بیٹھنے دیں گے تو وہ خوشی سے اپنے بھائی کو راج کا مالک بنا دیگا۔ سرداروں نے یہ گفتگو سُن کر کہا کہ راجہ جو مذہب چاہے اختیار کرے ہم ہر حال میں اُس کو اپنا بادشاہ مانیں گے۔ اس کے بعد جٹ مل نے اکثر علمائے اسلام کو مدعو کیا تاکہ جس وقت سر دربار ہندو مذہب چھوڑ کر وہ مسلمان ہو تو وہ بھی اس واقعہ کے شاہد ہوں۔ جٹ مل نے مسلمان ہوتے ہی اپنا نام جلال الدین محمد شاہ رکھا۔ مشہور ہے کہ اُس کے زمانۂ حکومت میں کثرت سے ہندو مسلمان ہوگئے[3]۔ مگر اُن میں سے اکثر لوگ زبردستی مسلمان کیے گئے۔

[1] بمبئی گزٹیر۔ چوتھی جلد۔ صفحہ ۱۸۱ [2] تاریخ فرشتہ میں اس طرح لکھا ہے لیکن بلوک مین کے مضامین بنگال کی تاریخ اور جغرافیہ پر بھی دیکھنے چاہئیں (جے۔ اے۔ ایس۔ بی۔ بیالیسویں جلد نمبر (۱) صفحہ ۲۶۴-۲۶۶ (مطبوعہ ۱۸۷۳ء) [3] ریون شا کی کتاب "گور کا شہر اُس کے کھنڈر اور کتبے" صفحہ ۹۹ (مطبوعہ لندن ۱۸۷۸ء)

اور مشرقی بنگال میں مسلمانوں کی ساڑھے پانچسو برس کی حکومت میں صرف جلال الدین محمد شاہ کا زمانہ ایسا ہی جس میں بیان کیا گیا ہو کہ ہندوؤں پر ظلم ہوئے[1]۔ افغانوں کے جو گروہ بنگال میں آباد ہوئے اُنھوں نے بھی یہاں کے ہندوؤں کو مسلمان کرنے میں بڑی کوشش کی۔ ان افغانوں کی جو اولاد ہندنیوں کے پیٹ سے ہوتی تھی وہ تو بہرحال مسلمان ہوتی ہی تھی۔ مگر قحط کے زمانہ میں وہ مفلس ہندوؤں کے بچّوں کو بھی کثرت سے خرید کر اُن کی تعلیم و تربیت اسلامی طریقہ پر کرتے تھے[2]۔ لیکن بنگالی نومسلموں کی کثرت ایسے شہروں میں نہیں ہو جو کسی زمانہ میں اسلامی سلطنت کا پایہ تخت رہے تھے بلکہ اُن کی جس قدر کثرت ہی وہ دیہات میں یا ایسے اضلاع میں ہی جہاں مغربی صوبوں کے نوآباد مسلمانوں کا نشان تک نہیں۔ بلکہ صرف نیچ قوموں کے ہندو قوم اور برادری سے خارج ہو کر وہاں کثرت سے آباد ہیں[3]۔ نومسلموں اور نیچ قوم کے ہندوؤں میں اوضاع و اطوار کا ایک سا ہونا ذات کی تفریق کا اُن میں موجود ہونا اور اُن کی آپس کی جسمانی مشابہت ایسی چیزیں ہیں جس سے ثابت ہوتا ہی کہ بنگال کے مسلمان اور بنگال کے اصلی باشندے ایک ہیں

[1] وائز صفحہ ۲۹ [2] چارلس سٹیوارٹ۔ تاریخ بنگال۔ صفحہ ۱۷۶ (مطبوعہ لندن ۱۸۱۳ء) ایچ بلوک مین مضامین بنگال کے تاریخ و جغرافیہ پر (جے۔ اے ایس۔ بی)، بیالیسویں جلد صفحہ ۲۲۰ (مطبوعہ ۱۸۷۳ء) [3] انڈین ایوانجلیکل ریویو جنوری ۱۸۷۳ء۔ نیز مقابلہ کرو گرو پرشاد سین کا مضمون "انٹروڈکشن ٹو دی سٹڈی آف ہندوازم (کلکتہ ریویو ۱۸۹۰ء صفحہ ۲۳۱-۲۳۴) گرو پرشاد سین لکھتا ہی "بنگال کے ایک کروڑ نوّے لاکھ مسلمانوں میں سے پچیس ہزار سے زیادہ مسلمان ایسے نہیں ہیں جنکو بھدر لوگ کی جماعت میں شمار کیا جاوے باقی جس قدر مسلمان ہیں وہ کاشتکار اور مزدور ادنی پیشہ ور درزی اور نوکر ہیں۔ یہ لوگ پہلے جل اچل ذات کے ہندو تھے پھر وہ مسلمان کرلیے گئے۔ بحیثیت مجموعی یہ لوگ ہندوستان کے سب سے زیادہ خوشحال کاشتکاروں میں ہیں اور اُن کی حالت بجائے تنزل کے جیسا کہ ہندوستان کے تمام مسلمانوں کی نسبت فرض کیا جاتا ہی روزانہ ترقی کی ہی۔ یہ لوگ کاشتکار ہونے سے بڑھکر کبھی کوئی حیثیت نہ رکھتے تھے اور تاریخ کے کسی زمانہ میں بھی وہ سرکاری ملازم یا سرکاری سپاہی یا زمیندار یا ہندوستان کے فاتح یا فاتحین کے ساتھی نہیں رہے وہ بنگال ہی میں پیدا ہوئے بنگالی زبان ہی بولتے ہیں بنگالی خط لکھتے ہیں۔ بنگالیوں کا سا لباس پہنتے ہیں اور غذا بھی وہی رکھتے ہیں جو اور بنگالیوں کی ہی سوائے مذہب کے وہ سب باتوں میں بنگال کی رعیت سے مشابہ ہیں"

صوبۂ بنگال میں برخلاف شمال مغربی ہند کے اسلام کو کسی ایسے قومی مذہب کا مقابلہ نہیں کرنا پڑا جو اُس کی ترقی میں مخل ہوتا۔ شمال مغربی صوبوں میں مسلمان حملہ آوروں کو خوب معلوم ہوگیا تھا کہ برہمنوں کا مذہب بدھ مذہب کو غارت کرکے بہت زور پکڑ گیا ہی اور باوجود مسلمانوں کی سخت گیری کے وہ ہندوؤں میں مخالفت کے وقت زور پیدا کر دیتا ہی اور سخت سے سخت تکلیف اور ذلت کی ساعت میں بھی ہندوؤں کو اپنے سے علیحدہ نہیں ہونے دیتا۔ لیکن داعیانِ اسلام جب بنگال میں پہنچے تو نیچ ذات کے ہندو اور وہاں کے اصلی باشندے جو ہندوؤں کے مذہب سے قریب قریب خارج سمجھے جاتے تھے اور اپنے آرین سرداروں کے ہاتھوں سے طرح طرح کی ذلتیں اور اذیتیں اُٹھاتے تھے مسلمانوں کی طرف ہاتھ پھیلا کر بڑھے۔" ان لوگوں کے نزدیک جنہیں مفلس مچھلی پکڑنے والے اور شکاری اور قزاق اور ادنیٰ قوم کے کاشتکار تھے اسلام ایک اوتار تھا جو اُن کے لیے آکاش سے اُترا تھا۔ وہ حکمران قوم کا مذہب تھا اور اُس کے پھیلانے والے وہ با خدا لوگ تھے جو توحید کی خبر اور سب انسانوں کے برابر ہونے کا مژدہ ایسی قوم کے پاس لائے تھے جس کو سب ذلیل و خوار سمجھتے تھے۔ اسلام کی ابتدائی رسوم ایسی ہوتی تھیں کہ ہندو کو مسلمان ہوکر پھر ہندو مذہب اختیار کرنا ناممکن ہو جاتا تھا اس لیے ہندو نو مسلم اور اُس کی اولاد ہمیشہ کو مسلمان ہو جاتی تھی۔ غرض اس طرح اسلام ہندوستان کے ایسے شاداب اور زرخیز خطہ پر شائع ہوگیا جو بڑی سے بڑی اور جلد سے جلد بڑھنے والی آبادی کو اپنی پیداوار سے پرورش کرسکتا ہی۔ جبراً مسلمان کرنے کے بھی واقعات کہیں کہیں بیان ہیں۔ لیکن جنوبی بنگال میں اسلام کو مستقل کامیابی جبر و اکراہ کی بدولت حاصل نہیں ہوئی بلکہ اسلام ہر شخص سے خود مخاطب ہوا اور مفلسوں میں سے لاکھوں کو اپنا پیرو بنالیا۔ اُس کی تعلیم نے خدا کا اور انسانی اخوت کا عالی ترین خیال پیدا کردیا اور بنگال کی کثرت سے بڑھنے والی قوموں کو جو صدہا سال سے ہندوؤں کے طبقہ سے

قریب قریب خارج ہو کر ہزار ذلت و خواری کے ساتھ اپنے دن کاٹ رہی تھیں اُن کو اسلام نے اپنی اُخوت کے دائرے میں بلا تکلف شامل ہونے دیا[۱]۔

صوبۂ بنگال میں تبلیغ اسلام کے لیے خاص کوششوں کا ہونا اس طرح سے اور ثابت ہوتا ہے کہ خاص خاص حامیانِ دین کے واقعات مشہور ہیں جنھوں نے اسلام کے پھیلانے میں کوششیں کیں[۲]۔ ان بزرگوں میں سے بعض کے مزاروں کی ابتک لوگ تعظیم کرتے ہیں اور ہر سال صدہا آدمی اُن کی زیارت کو جاتے ہیں[۳]۔ لیکن ان داعیانِ اسلام کے کاموں کا حال تفصیل سے نہیں دریافت ہوتا۔

موجودہ صدی میں صوبۂ بنگال کے مسلمانوں میں مذہب کو از سرِ نو زندہ کیا گیا ہے اور بہت فرقوں نے جن کی اصل فرقۂ وہابیہ سے ہوا اپنے واعظ اس ملک میں بھیجے تاکہ جو ہندوانی تعصبات نومسلموں میں چلے آتے ہیں وہ رفع ہوں اور مذہبی حرارت اُنمیں پیدا ہو اور ہندوؤں میں اسلام اشاعت پاوے[۴]۔

ان واعظوں کی بدولت اور چند سوشل اور طبعی حالات کی وجہ سے جو ہندوؤں کے مقابلہ میں مسلمانوں کی تعداد جلد بڑہا دیتے ہیں چند سال کے اندر ہی مسلمانوں کی مردم شماری میں تعجب انگیز ترقی پیدا ہوئی ہے[۵]۔ بعض داعیان اسلام کا حال جنھوں نے

ف۱ سر ڈبلیو ڈبلیو ہنٹر۔ ہندوستان کے مذہب (اخبار ٹائمز فروری ۱۸۸۸ء)، دیکھو وائز صفحہ ۱۳۲ ف۲ واگان کی کتاب "ترسول ہلال اور صلیب" صفحہ ۱۲۸ (مطبوعہ لندن ۱۸۷۶ء)، ف۳ وائز صفحہ ۲ ف۴ وائز صفحہ ۴۸-۵۵۔

ف۵ یہ بات مردم شماری کے نقشوں سے ثابت ہو گئی ہے کہ ہر دس ہزار آدمی پیچھے سو آدمی شمالی بنگال میں اور ۲۶۶ آدمی مشرقی بنگال میں اور ۱۱۰ آدمی مغربی بنگالہ میں مسلمان ہو گئے ہیں یعنی کل بنگال میں بحساب اوسط فی دس ہزار ۱۵۷ لوگ مسلمان ہوئے ہیں۔ مسلمانوں کی یہ ترقی بہت اور اصلی ترقی ہے۔ لیکن اگر یہی حال رہا تو ساڑہے چھ سو برس میں سارا بنگال مسلمان ہو جائیگا۔ بلکہ مشرقی بنگال صرف چار سو برس میں اس حالت کو پہنچ جائیگا کہ وہاں کی آبادی بالکل مسلمان ہو جاوے۔۔۔۔ اُنیس برس گذرے کہ بنگال خاص میں ہندوؤنکی تعداد مسلمانوں کی تعداد سے پانچ لاکھ زیادہ تھی۔ لیکن بیس برس سے کم کا عرصہ گذرا ہے جس میں مسلمانوں کی تعداد ہندوؤنکی برابر ہی نہیں ہوئی بلکہ اُس سے پندرہ لاکھ بڑھ گئی۔ ہندوستان کی مردم شماری ۱۸۹۱ء تیسری جلد بنگال کے جنوبی صوبے اور اُنکی ریاستیں مولفہ سی جے اوڈونل صفحہ ۱۴۶-۱۴۷ (مطبوعہ کلکتہ ۱۸۹۲ء)

اسلام کو ہندوستان کے اِن حصوں میں شائع کیا جن کا اوپر ذکر نہیں آیا ہے ہم یہاں لکھتے ہیں۔ ان بزرگانِ دین میں سب سے قدیم شیخ اسماعیل ہیں جو بخارا کے ساداتِ عظام میں سے تھے اور علم ظاہر و باطن میں کامل تھے۔ ان کی نسبت لکھا جاتا ہے کہ وہ واعظین اسلام میں سب سے پہلے شخص تھے جنھوں نے لاہور کے شہر میں جہاں ۱۰۰۵ عیسوی میں وہ آئے تھے وعظ کیا۔ اُن کی مجلس وعظ میں سامعین کا ہجوم کثرت سے ہوتا تھا اور ہر روز صدہا لوگ خلعت اسلام سے مشرف ہوتے تھے اور جو شخص ایک دفعہ اُن کے وعظ میں آتا تھا وہ بغیر کلمۂ توحید پڑھے اور اسلام پر ایمان لائے واپس نہ جاتا تھا[۱]

پنجاب کے مغربی صوبوں کے باشندوں نے خواجہ بہاء الحق[۲] ملتانی اور بابا فرید پاک پٹنی کی تعلیم و تلقین سے اسلام قبول کیا۔ یہ دونوں بزرگ تیرہویں صدی عیسوی کے قریب خاتمہ اور چودھویں صدی عیسوی کے شروع میں گذرے ہیں[۳]۔ بابا فرید شکر گنج کا تذکرہ جس مصنف نے لکھا ہے اُس نے تحریر کیا ہے کہ سولہ قوموں کو اُنھوں نے تعلیم و تلقین سے مشرف باسلام کیا۔ لیکن افسوس ہے اس مصنف نے ان قوموں کے مسلمان ہونے کا مفصل حال نہیں لکھا[۴]۔

ہندوستان کے مشہور و معروف اولیای کبار میں سے خواجہ معین الدین چشتی علیہ الرحمۃ ہیں جنھوں نے ملک راجپوتانہ میں اسلام کی اشاعت کی۔ اور ۱۲۳۴ عیسوی میں اجمیر میں اُن کا انتقال ہوا یہ بزرگ سجستان کے رہنے والے تھے جو ایران کے مشرق میں ہے مشہور ہے کہ خواجہ صاحب جب مدینہ طیبہ کی زیارت کو جاتے تھے تو ہندوستان کے کفار میں تبلیغ اسلام کا اُن کو حکم ملا۔ پیغمبر خدا صلے اللہ علیہ وسلم خواب میں تشریف لائے اور فرمایا کہ خدا نے ہندوستان کا ملک تیرے سپرد کیا ہے۔ جا اور اجمیر میں سکونت اختیار کر

---

[۱] مفتی غلام سرور لاہوری۔ خزینۃ الاصفیا دوسری جلد۔ صفحہ ۲۳۔ [۲] یہ بزرگ شیخ بہاء الدین زکریا کے نام سے بھی مشہور ہیں [۳] ایبٹسن۔ صفحہ ۱۶۳۔ [۴] مولوی اصغر علی جواہر فریدیہ ۱۰۳۳ھ صفحہ ۳۹۵ (لاہور ۱۸۸۴ء)

خدا کی مدد سے دین اسلام تیرے اور تیرے ارادتمندوں کے تقدس سے اس سرزمین پر پھیل جاویگا" خواجہ صاحب نے اس حکم کی تعمیل کی اور اجمیر میں آئے جہاں کا راجہ ہندو تھا اور جہاں ہرطرف بت پرستی پھیلی ہوئی تھی یہاں پہنچتے ہی پہلے جس ہندو کو اُنھوں نے مسلمان کیا وہ ایک جوگی راجہ کا گرو تھا۔ رفتہ رفتہ بہت لوگ خواجہ صاحب کے معتقد ہوگئے اور اُنہوں نے بت پرستی چھوڑکر اسلام قبول کیا۔ اب خواجہ صاحب کی شہرت سب طرف ہوگئی اور اخیر میں ہندوؤں کے گروہ کے گروہ اُن کی خدمت میں حاضر ہوکر مسلمان ہوتے تھے[۱] مشہور رہی کہ جس وقت خواجہ صاحب دہلی سے اجمیر جاتے تھے تو رستہ میں سات سو ہندوؤں کو اُنہوں نے مسلمان کیا۔

تیرہویں صدی عیسوی کے اخیر میں ایک بزرگ بوعلی شاہ قلندر نے جو عراق عجم کے رہنے والے تھے پانی پت میں سکونت اختیار کی اور سو برس کی عمر پاکر ۱۳۲۴ء عیسوی میں انتقال کیا۔ پانی پت کے مسلمان راجپوت جن میں تین سو مرد ہیں ایک شخص امیر سنگھ کی اولاد سے ہیں جسکو شاہ صاحب نے مسلمان کیا تھا۔ قلندر صاحب کے مزار کی لوگ بہت تعظیم کرتے ہیں اور اُس کی زیارت کو جاتے ہیں۔

ایسے ہی ایک بزرگ شیخ جلال الدین ایرانی تھے جو چودہویں صدی عیسوی کے اخیر نصف حصہ میں ہندوستان میں آئے اور جنوبی آسام کے شہر سلہٹ میں سکونت اختیار کی تاکہ وہاں کے بت پرستوں کو مسلمان کریں ان بزرگ کو بہت شہرت حاصل ہوئی اور اُنکی کوششیں نہایت کامیاب ہوئیں[۲]۔

موجودہ زمانہ میں بھی بہت مسلمان ایسے ہیں جو ہندوستان میں اپنے مذہب کی اشاعت چاہتے ہیں اور اُن کو بہت کامیابی ہوتی ہے۔ ہندوستان میں ہر سال جس قدر لوگ مسلمان ہوتے ہیں اُن کی تعداد دس ہزار پچاس ہزار ایک لاکھ اور چھ لاکھ تک تخمینہ

[۱] ایلیٹ۔ دوسری جلد۔ صفحہ ۲۰۵ [۲] ابن بطوطہ توم ۴۔ صفحہ ۲۱۷۔ یول (۲) صفحہ ۵۱۵۔

کی جاتی ہے[۵۱]۔ لیکن اس تعداد کا ٹھیک تخمینہ کرنا مشکل ہے کیونکہ اشاعت کے متعلق کوئی سررشتہ یا محکمہ مسلمانوں میں ایسا نہیں ہے جو اپنی کارگذاری رپورٹوں کی صورتوں میں لکھے بلکہ ہر مسلمان بذات خود تبلیغ اسلام میں کوشش کرتا ہے اس لیے تعداد کے متعلق صحیح صحیح اطلاع نہیں ہوسکتی لیکن اس میں شبہ نہیں کہ داعیانِ اسلام اپنے مذہب کی اشاعت میں کوشش کرکے کامیابی حاصل کرتے ہیں۔ پنجاب میں ایک شخص حاجی محمد گذرے ہیں جن کی نسبت کہا جاتا ہے کہ اُنھوں نے دو لاکھ ہندوؤں کو مسلمان کیا[۵۲]۔ بنگلور کے ایک مولوی صاحب کو دعویٰ ہے کہ اُنھوں نے پچھلے پانچ برسوں میں ایک ہزار آدمیوں کو بنگلور کے شہر اور حوالی میں مسلمان کیا یہ بیانات خواہ کتنے ہی مشتبہ ہوں لیکن فقط ان کا ذکر ہی اس بات کی دلیل ہے کہ مسلمان اپنے مذہب کو شائع کرنے میں ایسی عملی کوششیں کرتے ہیں جن میں تبلیغ مذہب کے حقیقی اُصول موجود ہوتے ہیں۔ مفصلہ ذیل حالات مستند تحریروں سے اقتباس کیے گئے ہیں اور بعض صورتوں میں خاص اُن لوگوں سے جنہوں نے اسلام کی اشاعت کی اُن کو تحقیق کیا گیا ہے۔ پٹیالہ میں مولوی عبید اللہ نے جو پہلے بڑے عالم و فاضل برہمن تھے اپنے تئیں بڑا کامیاب واعظ ثابت کیا اور باوجود اُن مشکلات اور رخنوں کے جو اُن کے رشتہ داروں نے اُنکے کام میں پیدا کیے تبلیغ اسلام میں اُن کو اس قدر کامیابی ہوئی کہ پٹیالہ کا ایک پورا محلہ اُن لوگوں سے آباد ہے جن کو مولوی صاحب نے مسلمان کیا۔ مولوی عبید اللہ نے چند کتابیں عیسائی اور ہندو مذہب کے رد میں لکھیں جو بار بار طبع ہوئیں۔ ایک کتاب میں اُنھوں نے اس طرح اپنے مسلمان ہونے کا حال لکھا ہے "محمد عبید اللہ بیٹا کوٹے مل متوطن قصبۂ پائل کا لکھتا ہے کہ یہ فقیر لڑکپن میں اپنے باپ کے جیتے جی گرفتار دین بت پرستی کا تھا اتنے میں رحمت الٰہی نے ہاتھ پکڑ کر کھینچا یعنی دین اسلام کی خوبیاں اور

[۵۱] انڈین ایونجلیکل ریویو فروری ۱۸۸۸ء صفحہ ۱۸۰ (کلکتہ ۱۸۹۰ء) ۱۷ ستمبر - ۱۵ - اکتوبر ۱۸۸۸ء صفحہ ۱۳۰۲
[۵۲] گارسن دے تاسی لا لانگ ایٹ لا لیتراتور ہندوستانی ۱۸۶۹-۱۸۷۰ء صفحہ ۳۴۲ (پیرس ۱۸۷۱ء)

اور ہندوؤں کے دین کی قباحتیں میرے دل پر کھل گئیں اور دل و جان سے دین
اسلام قبول کیا اور اپنے آپ کو رسول برحق صلے اللہ علیہ وسلم کے فرمانبرداروں میں
گن لیا اور پھر دوبارہ عقل خداداد نے مشورہ دیا کہ دین اور مذہب کی تحقیق میں کہ
ہمیشہ کا عذاب اُسی پر موقوف ہے غفلت کرنا اور بے تحقیق کیے صرف ماباپ کی
رسم سے گمراہی کے جال میں پھنسے رہنا کمال نادانی ہے۔ پس یہ خیال کر کے مشہور
اور رواجی دینوں کا حال دریافت کرنے لگا۔ اور بدون رعایت کسی دین کے ہر
مذہب میں فکر و خوض کیا۔ ہندوؤں کے دین کو بخوبی تحقیق کیا اور اُن کے بڑے
بڑے پنڈتوں سے گفتگو کی اور دین نصاریٰ کے اعتقاد کو بخوبی معلوم کیا اور دین
اسلام کی کتابیں بھی دیکھیں اور عالموں سے بات چیت رہی اور سب دینوں کو بنظر
انصاف بغیر لگاؤ کسی دین کے سوچا اور خوب چھانا سب کو غلطی اور گمراہی پر پایا
سوائے دین اسلام کے کہ خوبی اُس کی اچھی طرح ظاہر ہو گئی۔ پیشوا اس دین کے جناب
محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایسی خوبیوں اور اخلاق کے ساتھ موصوف ہیں کہ زبان
اُس کے بیان سے عاجز ہے اور اعتقادات اور عبادات اور معاملات اور اخلاق
جو اس دین کے اندر ہیں جو کوئی معلوم کرتا ہے خود جان لیتا ہے کہ سبحان اللہ کیا
سچا دین ہے کہ کوئی بات اُس کی ایسی نہیں ہے کہ جس میں معبود حقیقی کی طرف توجہ نہ ہو
الحاصل اللہ کی عنایت سے حق اور ناحق مانند دن اور رات اور اوجالے اور اندھیرے
کے جدا جدا ہو گیا۔ ہر چند کہ بہت مدت سے حال ساتھ نور اسلام کے منور اور موافق
ساتھ کلمہ شہادت کے معطر تھا لیکن نفس اور شیطان نے عیش و آرام دنیائے
بے بنیاد کی زنجیروں میں جکڑ رکھا تھا اور مدت تک حال ظاہری رسم کفر سے خراب رہا
آخر جذبۂ توفیق الٰہی کا بزبان حال فرمانے لگا کہ اس گوہر بے بہا کو کب تلک پردہ کے
صدف میں اور اس عطر راحت افزا کو کہاں تک حجاب کے صندوقچہ میں رکھے گا اس موتی کو

گلے کا ہار بنانا چاہیے اور اس عطر کی خوشبو سے فائدہ اُٹھانا چاہیے اور علمائے باعمل نے بھی فتوی دیا کہ دین اسلام کو چھپانا اور لباس اور وضع کفار کی رکھنا جہنم کو پہنچاتا ہی سو الحمدللہ کہ سن بارہ سو چونسٹھ میں دن مبارک عید الفطر کے آفتاب اسلام اس فقیر کا ابر حجاب سے نکلکر جلوہ گر ہوا اور بھائی مسلمانوں کے ساتھ عید کی نماز پڑھی ہے[۵۱]

مولوی بقا حسین خاں نے جو شہر شہر وعظ کہتے پہرتے ہیں کئی برس میں دو سو اٹھائیس آدمیوں کو جو بمبئی کان پور اجمیر اور راولپنڈی اور شہروں کے رہنے والے تھے مسلمان کیا مولوی حسن علی کی تلقین سے پچیس آدمیوں نے اسلام قبول کیا جن میں سے بیندرہ پونہ کے اور باقی حیدرآباد اور ہندوستان کے اور صوبوں کے رہنے والے تھے[۵۲]

---

[۵۱] تحفۃ الہند صفحہ ۳ (مطبوعہ دہلی ۱۳۰۹ھ) [۵۲] مولوی حسن علی مرحوم نے ۱۸۹۶ء میں اپنے انتقال سے پہلے یہ تعداد مجھ کو بتائی تھی ۴ - اپریل ۱۸۹۶ء کے اخبار مسلم کرونیکل میں جو اطلاع مولوی صاحب کے انتقال کی چھپی اُس میں مفصلۂ ذیل حالات بھی مولوی صاحب مرحوم کی زندگی کے شائع ہوئے تھے "مولوی صاحب زمانہ طالبعلمی میں بہت ذہین تھے اور تھوڑے ہی عرصہ میں اُنہوں نے بہت ترقی کر لی" - کم عمری ہی میں انٹرنس کا امتحان پاس کیا اور اُنکو وظیفہ ملا اسکے بعد اُنہوں نے ایف اے کے کلاس میں پڑھنا شروع کیا لیکن اس زمانہ میں اُنکو تلاش حق کا شوق پیدا ہوا اور پڑھنا لکھنا چھوڑ کر اُنہوں نے مختلف مذہب کے لوگوں سے ملنا شروع کیا - فقیروں پنڈتوں عیسائیوں سے ملاقات کی گرجاؤں میں جا کر بیٹھے جنگل اور صحرا اور شہروں میں گئے صرف خدا پر توکل اور اُسکی رحمت کی اُمید اُنکی مددگار اور معاون تھی ایک سال تک وہ مختلف مذہبوں کی تحقیق میں مصروف رہکر ۱۸۷۷ء میں اُنہوں نے پٹنہ سکول میں ہیڈ ماسٹری قبول کی" چونکہ وہ داعی اسلام ہونیکے لیے پیدا ہوئے تھے اسلیے اُنہوں نے اس اسامی کو جس سے سو روپے ماہوار تنخواہ ملتی تھی چھوڑنا چاہا" مولوی صاحب مرحوم کے دوستوں نے اُنکو منع کیا کہ نوکری نہ چھوڑیں مگر اُنہوں نے نہ مانا اور استعفا داخل کر دیا اور ایک ماہواری رسالہ "نور الاسلام" نکالکر کچھ زمانہ تنگ گذراوقات کرتے رہے پٹنہ میں اسلام پر کئی لکچر اُنہوں نے دیے اور پہر وہ کلکتہ چلے گئے - یہاں اُنہوں نے انگریزی زبان میں ایک لکچر دیا اس لکچر کا اثر سامعین پر ایسا اثر ہوا کہ کئی یورپین پادریوں نے اسلام کے برحق ہونے کو تسلیم کیا اور ایک مشہور بابو صاحب بابو بپن چندر پال کی تو یہ حالت ہوئی کہ قریب تہا کہ وہ مسلمان ہو جاویں - پہر ڈھاکہ کے لوگوں نے مولوی صاحب مرحوم کو بلایا جہاں اُنکے وعظ اور لکچروں نے لوگوں کے دلوں میں اُن کے نام کو اب تک نقش کر رکھا ہے - کئی کتابیں اور رسالے اور اردو اور انگریزی کے لکچر جو مختلف شہروں میں دیے گئے مولوی صاحب مرحوم کی تصنیف سے ہیں - ان تصانیف سے مولوی صاحب کا نام تاریخی دنیا میں ہمیشہ زندہ رہیگا تقریباً سو آدمی اُن کی کتابیں پڑھکر اور لکچر سن کر مسلمان ہوئے" دعوت اسلام کا شوق جو اُنکے دل میں تہا آخر حالت میں بھی ظاہر ہوا چنانچہ جب نزع کی حالت تھی تو اُن کی زبان سے یہ لفظ سُنے گئے "اپنا مذہب چھوڑ دو اور مسلمان ہو جاؤ" جب اُن سے پوچھا کہ کس سے باتیں کرتے تھے تو جواب دیا کہ ایک عیسائی سے گفتگو کر رہا تہا۔

صوبہ بمبئی کے ضلع خاندیش میں قاضی سید صفدر علی نصیر آبادی کے وعظ سے لوہاروں اور اسلحہ سازوں کا ایک گروہ مسلمان ہوا[1]۔ پچیس برس ہوئے کہ انہیں لوہاروں اور اسلحہ سازوں کے دو سو آدمی عجب طرح سے مسلمان ہوئے ناسک کے پیرس بٹیرین پادری مدت سے کوشش کرتے تھے کہ ان لوگوں سے ہندو مذہب چھوڑا کر ان کو عیسائی کرلیں یہ ہندو لوہار اس پس وپیش میں تھے کہ عیسائی مذہب قبول کریں یا نہیں کہ بمبئی سے ایک درویش آئے جو اُن کی عادات اور خصائل سے خوب واقف تھے اور اُنہوں نے وعظ کر کے سب ہندوؤں کو مسلمان کرلیا[2]۔

آج کل کے مسلمان واعظوں نے عیسائی مشنریوں کے سے طریقے اختیار کیے ہیں۔ مثلاً گلی کوچوں میں وعظ کہتے ہیں کتابیں تقسیم کرتے ہیں اور دعوت مذہب کے لیے ایسے ہی اور کام اختیار کیے ہیں۔ ہندوستان کے اکثر بڑے بڑے شہروں میں مسلمان واعظ بازاروں میں روزانہ وعظ کہتے نظر آتے ہیں۔ بنگلور میں یہ طریقہ بہت عام ہے اور وہاں ایک واعظ جو کسی مسجد کے امام بھی ہیں اس قدر مشہور ہو گئے ہیں کہ بعض وقت ہندو بھی اُن کو بُلا کر اُن کا وعظ سنتے ہیں۔ بازار میں وہ ہمیشہ وعظ کہتے ہیں اور گذشتہ سات یا آٹھ برس میں بیالیس آدمیوں کو مسلمان کر چکے ہیں۔ بمبئی میں ایک واعظ شہر کے خاص خاص بازاروں میں روزانہ وعظ کرتا ہے۔ کلکتہ میں کئی مکان وعظ کہنے کیلیے بنے ہوئے ہیں جہاں ہر وقت واعظ موجود رہتے ہیں اور جو لوگ مسلمان ہوتے ہیں اُن میں کبھی کبھی یورپین عیسائی بھی ہوتے ہیں لیکن اکثر مفلوک الحال۔ زیادہ تر ہندو ہی ہوتے ہیں[3]۔ ہندوستان کے ایسے شہروں میں جہاں مسلمان بہت ہیں کثرت سے اسلامی انجمنیں قائم ہو گئی ہیں اور اُن میں سے بعض انجمنوں نے جہاں اور کام اپنے ذمے لیے ہیں ایک کام

[1] بمبئی گزیٹیر بارہویں جلد۔ صفحہ ۱۲۶ [2] بمبئی گزیٹیر چودھویں جلد صفحہ ۱۰ [3] انڈین ایوانجیلکل ریویو ۱۸۸۴ء صفحہ ۱۲۹ گارسن دے تاسی: "لا لانگ ئے لا لیترا تور ہندوستانی دے ۱۸۵۰ - آ ۱۸۶۹" صفحہ ۸۵ (مطبوعہ پیرس ۱۸۷۴ء) گارسن دے تاسی: "لا لانگ ایٹ لا لیترا تور ہندوستانی آین ۱۸۷۱ء" صفحہ ۱۲ (پیرس ۱۸۷۲ء)۔

یہ بھی ہو کہ مسلمان واعظوں کو بازاروں میں وعظ کہنے کیلیے بھیجیں چنانچہ انجمن حمایت اسلام لاہور اور انجمن حامی اسلام اجمیر یہ ہی کرتی ہیں - یہ انجمنیں واعظوں کو تنخواہ پر مقرر کرتی ہیں لیکن وعظ کہنے کا کام زیادہ تر وہ لوگ کرتے ہیں جو دن بھر تو کسی پیشہ یا کام میں مصروف رہے اور شام کو فرصت کا وقت اُنہوں نے اس کارِ حسنہ میں صرف کیا -

ہندوستان کے مسلمانوں میں دعوت اسلام کا جوش اب اس طرح صرف ہوتا ہی کہ پادریوں کی تعلیم سے جو خیالات اسلام کی مخالفت میں پیدا ہو جاتے ہیں اُن کو دور کیا جاوے - اس لیے مسلمانوں کا کام اب بجائے اشاعت کے زیادہ تر اسلام کے بچاؤ کرنے کا ہی بعض واعظ ایسے لوگوں میں مذہب کو پختہ کرنے کی طرف توجہ کرتے ہیں جنمیں اسلام کی بنیاد تو پڑ گئی لیکن مضبوط نہیں ہوئی - بعض اس طرف مائل ہوتے ہیں کہ جاہل مسلمانوں کے ذہن سے ہندوانی تعصبات دور کرکے مذہب کو زیادہ پاک صورت میں اُن کے دل پر نقش کریں - اس قسم کی کوششیں اکثر حالتوں میں قدیم داعیان اسلام کے ادھورے کام کو تکمیل دینے کیلیے کی جاتی ہیں - کیونکہ بعض صورتوں میں داعیانِ اسلام نے ہندوؤں کو اچھی طرح مسلمان نہیں کیا - بہت سے برائے نام مسلمان ایسے موجود ہیں جو آدھے ہندو ہوتے ہیں - ذاتوں کا فرق مانتے ہیں - ہندوؤں کے تہوار مناتے ہیں اور بت پرستی کی اکثر رسموں کے پابند ہیں بعض اضلاع میں جیسے میوات اور گوڑگانوہ میں بہت مسلمان ایسے ہیں جو اپنے مذہب سے بجز نام کے کچھ واقفیت نہیں رکھتے - نہ اُنکے ہاں مسجدیں ہیں اور نہ وہ نماز کے پابند ہیں یہ حال خاص کر اُن دیہات یا ایسے مقامات کے مسلمانوں کا ہی جو مسلمانوں کے بڑے شہروں سے دور واقع ہیں - شہروں میں مولویوں کی وجہ سے بہت سے قدیم تعصبات نومسلموں کے دل سے رفع ہو جاتے ہیں اور اُن کی مذہبی زندگی زیادہ عقل اور پاکیزگی سے بسر ہوتی ہی - چند سال سے ہندوستان کے مسلمانوں میں عام طور پر اس بات کی تحریک دریافت ہوئی ہی کہ نوجوان مسلمانوں میں

عام طور پر اس بات کی تحریک ہمیشہ ہوتی رہی کہ نوجوان مسلمانوں میں کسی طرح مذہبی تعلیم کو ترقی دیجائے تاکہ اُن میں مذہب کی پابندی کا اچھی طرح خیال پیدا ہو۔ تعلیم کے عام ہونے سے مذہبی اُصولوں کو زیادہ غور اور تجسس کے ساتھ سمجھا جاتا ہے اور مذہبی معلم ایسے اضلاع میں بھی زیادہ ہوگئے ہیں جن کی طرف پہلے کسی کو توجہ نہ تھی۔ اصلاح مذہب کی تحریک خواہ وہ کسی وجہ سے پیدا ہوئی ہو ہندوستان کے ہر حصہ میں دیکھی جاتی ہے مثلاً پنجاب کے مشرقی اضلاع میں غدر کے بعد سے مسلمانوں میں مذہب کی بہت ترقی ہوئی ہے۔ واعظوں نے تمام ملک میں شہر شہر سفر کیا اور مسلمانوں کو بت پرستی کی رسمیں چھوڑنے کی تاکید اور راہ راست پر چلنے کی ہدایت کی۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ وہاں کے بہت گاؤں میں جہاں مسلمانوں کے پاس زمینیں تھیں مسجدیں تعمیر ہوگئیں اور بت پرستی کی موٹی باتیں جو علانیہ مانی جاتی تھیں بند ہوگئیں[1]۔ راجپوتانہ میں بھی دیہات کی وہ ہندو قومیں جو وقتاً فوقتاً مسلمان ہوئیں صوم و صلوٰۃ کی زیادہ پابند ہوگئی ہیں۔ بعض رسمیں جو اُن میں اور ہندوؤں میں ایک سی تھیں چھوڑ دی گئی ہیں مثلاً مرات قوم کے مسلمان اب شادی میں بجائے پھیروں کے نکاح پڑھاتے ہیں اور جنگلی سور کے گوشت کو بھی حرام سمجھتے ہیں[2]۔ صوبہ بنگال میں ایسی مذہبی اصلاح اور ترقی کا ذکر ہم پہلے کر چکے ہیں۔

لیکن اس قسم کی تحریکیں اور دعوت اسلام میں شخصی کوششیں ہندوستان میں مسلمانوں کی ترقی تعداد کی پوری پوری توجیہ نہیں کرتیں۔ اور یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ علاوہ معمولی ترقی کے جو کسی قوم کی تعداد میں معمولاً ہوا کرتی ہے وہ کون سے اسباب ہیں جنھوں نے مسلمانوں کی تعداد کو غیر معمولی طریقہ سے بڑھا دیا۔ اس کا جواب ہندوؤں کی سوشل کیفیت کو دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے۔ اونچی ذات کے ہندو نیچی ذات کے ہندوؤں کو نہایت ذلیل و خوار سمجھتے ہیں اور جب کسی نیچی ذات کے ہندو کو اپنی ترقی کا خواہاں پاتے ہیں تو اُسکو

[1] ایبٹسن۔ صفحہ ۱۶۴ [2] راجپوتانہ گزیٹیر۔ پہلی جلد صفحہ ۹۰۔ دوسری جلد صفحہ ۲۴ (کلکتہ ۱۸۷۹ء)۔

طرح طرح سے نقصان پہنچاتے ہیں۔ جب ان باتوں کا ایسے مذہب سے مقابلہ کیا جاتا ہی جس میں کوئی ذات سے خارج نہیں ہوسکتا اور ہر شخص کو ترقی کرنے کیلیے آزادی ملتی ہی تو اسلام کے حقیقی فوائد دل پر روشن ہوجاتے ہیں بنگال کے جلاہے جو سوتی کپڑا بُنتے ہیں اُن کو ہندو بہت ناپاک جانتے ہیں اس لیے یہ جلاہے مسلمان ہوجاتے ہیں تاکہ کسی طرح اس ذلیل حالت سے چھٹکارا ہو[1]۔ بنگال کے شمال مشرقی حصہ میں اسی طرح کا ایک واقعہ یہ پیش آیا کہ ۱۵۵۰ء میں کوچ کے ہندوؤں نے جو ہندوستان کے اصلی باشندے تھے سردار ہاجو کے زمانہ میں کوچ میں اپنا راج قائم کیا جب ہاجو کا بیٹا راج کا مالک ہوا تو ریاست کے بڑے لوگ تو ہندو کی اونچی ذاتوں میں شمار ہونے لگے[2]۔ اور غریب رعایا نے یہ دیکھ کر کہ اپنی ہی قوم اور برادری کے آدمی اب ہمکو ذات سے خارج سمجھتے ہیں اسلام قبول کرلیا[3]۔ غرض اسی طرح کی بہت مثالیں ہندوستان کے ہر ایک صوبے کی تاریخ سے بیان ہوسکتی ہیں اگر کوئی ہندو کسی طرح ذات سے خارج ہوجاتا ہی اور اُس کے عزیز اور دوست اسی وجہ سے اُس سے ملنا جلنا چھوڑ دیتے ہیں تو اُس کو قدرتی طور پر ایسے مذہب کی طرف رغبت پیدا ہوتی ہی جو ہر شخص کو بلا امتیاز اپنا شریک بناتا ہی اور اپنی سوسائیٹی میں اُس کو وہی رتبہ دیتا ہی جو شائستگی اور تہذیب کے لحاظ سے اُس کو اپنی قدیم سوسائیٹی میں حاصل تھا۔ اس طریقہ سے جو ہندو مسلمان ہوتے ہیں اُن کو تبدیل مذہب کے وقت اسلام کے ساتھ جس قدر جوش عقیدت ہو وہ کم ہی لیکن ایسے ہندو بھی جن کو اپنے دیوتاؤں کے نام اور اُن کی گنتی تک یاد نہیں ہوتی ذات سے خارج ہونے کا بہت غم کرتے ہیں اور بغیر اعتقاد کے مسلمان ہوجاتے ہیں مسلمانوں کا علم ادب پڑھنے اور اُن کی صحبت میں بیٹھنے سے بھی ہندوؤں پر اسلام کا ایسا اثر پڑتا ہی جس کو وہ دور نہیں کرسکتے۔ راجپوتانہ اور بندیل کھنڈ کے رجپوت راجاؤں اور سرداروں

[1] ڈالٹن۔ صفحہ ۲۲۴۔ [2] ہندوستان کے اصلی باشندوں پر ہندوؤں کے مذہب نے کیونکر اثر کیا۔ اگر اس کا حال پڑھنا ہو تو سرالفرڈ لائل کی کتاب ایشیاٹک سٹڈیز کا صفحہ ۱۰۲۔۱۰۴ دیکھنا۔ [3] ڈالٹن۔ صفحہ ۸۹۔

میں ابتک اسلام کی طرف میلان پایا جاتا ہی[۱]۔ اور یہ ایسا ہی کہ اگر تیموریہ سلطنت سلامت رہتی تو یہ سب راجہ اور سردار کبھی کے مسلمان ہوگئے ہوتے۔ یہ لوگ درویشوں اور پیروں کی تعظیم و تکریم ہی نہیں کرتے بلکہ اپنی اولاد کی تعلیم و تربیت کے لیے مسلمانوں کو معلم اور اتالیق مقرر کرتے ہیں۔ شرع کے بموجب جانور کو ذبح کرکے کھاتے ہیں اور بعض اسلامی مجالس میں فقیرانہ لباس پہنکر شریک ہوتے ہیں اور ان موقعوں پر مسلمانوں کی طرح عبادت کرتے ہیں[۲]۔ علاوہ اس کے لوگوں کا یہ بھی خیال ہی کہ موجودہ حالت میں جبکہ ملک پر ایسی گورنمنٹ مسلط ہی جو مذہبی معاملات میں کسی فریق کی مطلق طرف داری نہیں کرتی تو اسلام کی اشاعت میں بہ نسبت اُس زمانہ کے زیادہ ترقی ہوگی جبکہ مسلمانوں کی حکومت تھی اور ہندو اپنے مسلمان دشمنوں سے ہمیشہ دست و گریبان رہتے کیونکہ جب سے آپس میں زیادہ متفق اور قوی ہوگئے تھے۔ مزاروں اور درگاہوں میں عُرس کے وقت ہندو بھی شریک ہوتے ہیں۔ اور ایک بے اولاد شخص جو ہزاروں خداؤں کو مانتا ہوا اس خیال سے کہ مراد مانگنے میں کوئی خدا چھوٹ نہ جائے مسلمانوں کے خدا کو بھی اپنی فریاد سُناتا ہی۔ اگر اس کے بعد وہ صاحب اولاد ہوگیا تو اُس کا سارا کنبہ (چنانچہ اکثر ایسا ہوا ہی) مسلمان ہو جاتا ہی[۳]۔

کبھی یہ ہوتا ہی کہ کسی ہندو کو کسی مسلمان عورت سے عشق پیدا ہوا اور وہ مسلمان ہوگیا۔ بغیر اس کے اُن میں شادی ہونی ممکن نہیں۔ کیونکہ اسلامی شریعت میں مسلمان عورت کا

[۱] سر الفرڈ لائل نے ایشیاٹک سٹڈیز کے صفحہ ۲۰۹ میں لکھا ہی کہ بعض موقعوں پر ہندو سرداروں نے اسلام قبول کرنے کی طرف صاف صاف میلان خاطر ظاہر کیا۔ [۲] گزیٹیر صوبہ اودھ۔ پہلی جلد صفحہ ۱۹۔ [۳] جو ہندو اس طرح مسلمان ہوگئے اُن کی صرف ایک مثال یہاں بیان کرتے ہیں۔ ضلع کانپور میں موضع گھاتم پور میں ہندوؤں کا ایک بڑا خاندان ہی۔ اس خاندان کی ایک بڑی شاخ اپنے کسی بزرگ گھاتم دیو بائیس کی منت سے مسلمان ہوگئی۔ گھاتم دیو نے مدار شاہ کے مزار کی منت مانی تھی کہ اگر اُس کے ہاں لڑکا پیدا ہو تو اُس کی آدھی اولاد مسلمان ہو جائیگی۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا (گزیٹیر ممالک مغربی و شمالی چھٹی جلد صفحہ ۶ و ۲۳۸)۔ ہندوؤں میں مسلمان پیروں کا اس قدر مانا جاتا ہی کہ ۱۹۰۱ء کی مردم شماری میں صرف ممالک مغربی و شمالی و اودھ میں تئیس لاکھ تین ہزار چھ سو سینتالیس ہندو (یعنی ہندوؤں کی تعداد میں سے ۵ء۰ فیصدی ہندو) ایسے تھے جنھوں نے اپنے تئیں پیر پرست لکھوایا (ہندوستان کی مردم شماری ۱۹۰۱ء۔ جلد ۱۶۔ حصہ ۱۔ صفحہ ۲۱۰-۲۲۴) (الہ آباد ۱۹۰۲ء)

نکاح کا فرسے قطعی ممنوع ہی - ہندوؤں کے بچوں کو اگر کسی دولتمند مسلمان نے تبنے کرلیا تو مسلمانوں کے طریقے پر اُنکی تعلیم و تربیت ہوتی ہی - اگر کوئی ہندنی کسی مسلمان کی بیوی بنی تو وہ بھی خاوند کے مذہب میں آجاتی ہی - چونکہ اس کے برعکس کوئی عمل نہیں ہوسکتا (یعنی مسلمان ہندو نہیں بن سکتا)، اس لیے ہندوؤں کے مقابلہ میں مسلمانوں کی تعداد ترقی پر ہی - ہندو جو کسی وجہ سے ذات برادری سے خارج ہو جاتے ہیں - اور ایسے مفلس ہندو جو مسلمانوں کی خیرات پر پلتے ہیں یا عورتیں اور بچے جو ماں باپ اُن کو چھوڑ کر چلے جاتے ہیں اور وہ مسلمانوں کی حفاظت میں آجاتے ہیں (چنانچہ قحط سالی میں اکثر ایسا ہوتا ہی) تو وہ بھی مسلمان کرلیے جاتے ہیں اور اس طریقہ سے مسلمانوں کی تعداد میں ہندوؤں کے ہاں سے برابر اضافہ ہوتا رہتا ہی بعض دفعہ مقامی حالات ایسے پیش آتے ہیں جس سے اسلام کی اشاعت میں ترقی ہو جاتی ہی مثلاً یہ بیان کیا گیا ہی[۱] کہ ترائی کی بعض بستیوں میں مسلمانوں اور ہندوؤں کی تعداد تقریباً برابر ہوتی ہی - اگر کبھی مسلمانوں کا کچھ شمار بڑھ گیا تو گاؤکشی کے جھگڑے اُٹھائے جاتے ہیں اور ایسی باتوں سے جو ہندوؤں کو مذہباً ناگوار ہوتی ہیں فساد برپا کیے جاتے ہیں - نتیجہ یہ ہوتا ہی کہ ہندو رفتہ رفتہ گاؤں چھوڑ کر چل دیتے ہیں - صرف چمار کاشتکار جو مسلمان زمینداروں کے نوکر ہوتے ہیں رہجاتے ہیں - یہ لوگ کچھ دنوں کے بعد مسلمان ہو جاتے ہیں - اور دلی اعتقاد سے نہیں بلکہ تنہائی اور علیحدگی کی تکلیف سے[۲] بچنے کے لیے اپنا مذہب چھوڑ دیتے ہیں -

ملک اودھ کے بعض زرعی اضلاع میں نیچی ذات کے ہندوؤں کا مسلمان ہونا عجیب طرح سے پیش آتا ہی اگرچہ اودھ میں مسلمانوں کی تعداد کل حصوں کی مردم شماری کا دسواں حصہ بھی نہیں ہی لیکن جہاں جہاں مسلمان کاشتکاروں کے گروہ موجود ہیں

[۱] ممالک مغربی شمالی کی مردم شماری کی کیفیت ۱۸۸۱ء مصنفہ ایڈورڈ وائٹ صفحہ ۹۲ (الہ آباد ۱۸۸۲ء)

[۲] ” ” ” ” صفحہ ۶۳ (”)

وہاں نیچی ذات کے ہندو اونچی ذات والوں کے ظلم وستم سے عاجز آکر جمع ہو جاتے اور مسلمانوں کی پناہ ڈھونڈھ کر اکثر لوگ اسلام قبول کر لیتے ہیں[1]۔ جس جس طرح کی پابندیوں سے یہ چمار اور کوڑھی جو ہندوؤں میں سب سے زیادہ ذلیل سمجھے جاتے ہیں مسلمان ہو کر آزاد ہو سکتے ہیں اور جس قسم کا نفع انکو اسلام قبول کرنے سے ملتا ہے وہ ذیل کی عبارت سے ظاہر ہے جسمیں ان قوموں کی حالت ہندو ہونے کی حیثیت سے بیان کی گئی ہے[2]۔ "کوڑھی چمار۔ جلاہے۔ موچی مصیبت اور ذلت کے پنجے سے نیچے طبقے پر پڑے ہیں۔ اُن میں سے اکثر لوگ جو شمالی ضلاع میں رہتے ہیں اُن کی زندگی بالکل غلامی میں بسر ہوتی ہے۔ کبھی اُن کو اتنی ہمت نہیں ہوتی کہ انگریزی عدالتوں میں آکر اپنا انصاف چاہیں۔ وہ اور اُن کی اولاد نسلاً بعد نسلاً اس طرح دوسروں کے قبضے میں آتی ہے جیسے خریدے ہوئے مال کا نفع۔ برہمنوں اور چھتریوں کے لیے جو اُن کے آقا ہوتے ہیں اور اور اونچی ذات کے غرور میں ہل کو ہاتھ تک نہیں لگاتے ان مصیبت کے ماروں کو ہل جوتنا پڑتا ہے گاؤں سے دور ایک علیحدہ جگہ جہاں سوروں کے وڑبے ہوتے ہیں لیکن جو ان سے زیادہ پاک خیال کیے جاتے ہیں اُن کو رہنا پڑتا ہے۔ ہمیشہ فاقوں سے مرنے کی نوبت۔ بدن زار۔ رنگتیں سیاہ۔ صورتیں بدہیئت۔ چہروں پر بے وقوفی کے آثار۔ غلیظ اور ناپاک ایسے کہ دیکھنے سے نفرت ہو۔ غرض یہ سب باتیں اُن کے پھوٹے کرم اور کھوٹی تقدیر کا ثبوت ہیں جس نے ان کو ذلت اور خواری کے اُس درجہ پر پہنچا دیا ہے جس میں انسان ہو کر وہ جانوروں سے بدتر شمار ہونے لگے۔ یہ بھی نہیں کہ اُن میں ترقی کرنے کا مادہ نہ ہو۔ کیونکہ اُن کے صدہا آدمیوں نے انگریزوں کے ہاں اصطبل کی نوکریوں میں معقول تنخواہیں پاکر اپنے تئیں ہوشیار نوکر ثابت کیا۔ تبدیل مذہب ان لوگوں کی رہائی کا موجب ہوتا ہے اور جو اصلی مذہب اُن کا ہے اُس کے وہ خیرخواہ نہیں ہو سکتے"۔

ہندوستان میں اسلام کو جس بات سے اصلی قوت حاصل ہے وہ یہ ہے کہ اُس میں

[1] گزیٹر صوبہ اودھ۔ پہلی جلد صفحہ ۱۹۔ [2] گزیٹر صوبہ اودھ پہلی جلد۔ صفحہ ۲۳-۲۲

ذاتوں کی تفریق نہیں ہو اور یہی بڑی چیز ہی جس سے وہ ہندوؤں کو کثرت سے اپنا پیرو بناتا ہی۔

اس باب کو ختم کرنے کے لیے اب کشمیر اور سرحد ہندوستان سے باہر ملک تبت کا حال لکھنا باقی ہی۔ ہندوستان کی تمام دیسی ریاستوں اور انگریزی صوبوں سے سوائے صوبہ سندھ کے کشمیر میں مسلمانوں کی تعداد کیا بلحاظ شمار کے اور کیا بلحاظ نسبت کے سب سے زیادہ ہی (یعنی کشمیر میں مسلمان ستر فی صدی آباد ہیں) کشمیر کے تقریباً کل مسلمان ہندوؤں اور باشندگان تبت کی نسل سے ہیں۔ لیکن تاریخی حالات جن سے وجہ معلوم ہو کہ مسلمانوں کی یہ کثرت کس طرح ہوئی نہایت قلیل ہیں۔ جس قدر تاریخی شہادتیں بہم پہنچتی ہیں اُن سے یہی نتیجہ نکلتا ہی کہ درویشوں اور پیروں نے (جن میں مذہب اسماعیلیہ کے دعاۃ بھی الموت سے آکر شریک ہوئے[1]) جو متواتر کوششیں تبلیغ اسلام کیلیے مدت تک جاری رکھیں وہ ہی اس ترقی کا باعث ہوئیں۔

یہ بات بتانی مشکل ہی کہ کشمیر میں اسلامی تحریک کی ابتدا کس زمانہ میں ہوئی۔ کشمیر کے سب سے پہلے مسلمان بادشاہ کی نسبت کہا گیا ہی کہ اُس نے چودھویں صدی عیسوی کے شروع میں کسی درویش بلبل شاہ نامی کی ہدایت اور تلقین سے اسلام قبول کیا۔ اور صرف یہی شاہ صاحب تھے جنہوں نے بادشاہ کو تحقیق حق میں مطمئن کیا۔ کیونکہ اس بادشاہ کو اپنے قدیم مذہب کی طرف سے اطمینان نہ تھا اور کسی نئے مذہب کو قبول کرنے کی تلاش میں رہتا تھا۔ ۱۳۸۸ء عیسوی کے قریب سید علی ہمدانی کشمیر میں آئے اور اُن کی وجہ سے اسلام کو بہت ترقی ہوئی۔ یہ بزرگ جب تیمور کے معتوب ہوئے تو اپنے وطن ہمدان کو چھوڑکر جو فارس میں ہی کشمیر میں چلے آئے اور سات سو سید اُن کے ہمراہ تھے جو کشمیر پہنچکر مختلف مقامات میں عزلت گزیں ہوئے۔ اور اپنے

---

[1] خوجہ وریتانت۔ صفحہ ۱۴۱۔

اثر سے ہندوؤں کو مسلمان کرتے رہے ان کی کوششوں سے تعصب کو بھی بہت تحریک ہوئی یہاں تک کہ سلطان سکندر (۱۳۹۳ء تا ۱۴۱۷ء) نے ہندوؤں کے بتوں اور بت خانوں کو توڑ کر بت شکن کا لقب اختیار کیا۔ سلطان سکندر کے وزیر اعظم نے جو ہندو سے مسلمان ہوا تھا ہندوؤں پر ظلم کئے لیکن اُس کے مرنیکے بعد مذہبی آزادی کا اصول پھر اس سلطنت کا دستور العمل بن گیا[51]۔ پندرہویں صدی عیسوی کے ختم ہونے کے قریب ایک بزرگ میر شمس الدین جو شیعہ مذہب رکھتے تھے ملک عراق سے کشمیر میں آئے اور اپنے مریدوں کی مدد سے اُنھوں نے کشمیر کے بہت لوگوں کو مسلمان کرلیا۔

اکبر اعظم کے عہد میں جب کشمیر سلطنت مغلیہ کا ایک صوبہ ہوگیا تو اسلامی اثر کو ملک میں استحکام ہوا۔ اور علمائے دین کثرت سے کشمیر میں پہنچ گئے۔ عالمگیر کے زمانہ میں کشتوار کے رجپوت راجہ نے سید شاہ فریدالدین کی کرامات مشاہدہ کرکے اسلام قبول کیا اور راجہ کے مسلمان ہوتے ہی رعایا بھی کثرت سے مسلمان ہوگئی۔ شاہان مغلیہ نے جس راستہ سے ترقی دولت کیلیے کشمیر میں آمد و رفت رکھی اُس کے کناروں پر ایسے راجہ ابتک موجود ہیں جن کے رجپوت بزرگوں نے بہت سے اسلامی طریقے اختیار کرلیے تھے[52]۔

کشمیر کے شمال میں اسکردو یا تبت خرد ہی جس میں تین سو برس سے مسلمان موجود ہیں لیکن اسلام کی اشاعت کے ابتدائی حالات جو اس ملک میں گذرے اُن کی نسبت مختلف روایتیں ہیں۔ تبت کے گوشہ شمال مشرق میں بدھ مذہب کے لوگوں میں اسلام شائع ہوتا جاتا ہی[53] اور کشمیر کے مسلمان تاجروں نے تبت خاص میں بھی اسلام کا چرچا کردیا ہی۔ ملک کے تمام بڑے شہروں میں کشمیری سوداگروں کے گروہ آباد ہیں۔ لاسا میں

---

[51] تاریخ فرشتہ چوتھی جلد۔ صفحہ ۴۶۴ و ۴۶۹۔

[52] الیف ڈریو ”جموں اور کشمیر کی ریاستیں“ صفحہ ۱۲ (مطبوعہ لندن ۱۸۷۵ء)

[53] جے۔ ڈی۔ کننگھم ”تاریخ سکھ“ صفحہ ۱۰ مطبوعہ لندن ۱۸۳۵ عیسوی۔

جو تبت کا پایۂ تخت ہے ان کشمیری سوداگروں کی تعداد ایک ہزار کے قریب ہے۔ یہ لوگ تبت کی عورتوں سے نکاح کرتے ہیں جو اکثر اپنے خاوندوں کا مذہب اختیار کر لیتی ہیں مسلمان اپنے مذہب کی اشاعت کیلیے علانیہ کوئی کوشش حکام تبت کے خوف سے نہیں کر سکتے[1] اس ملک میں اسلام نے ایران اور چین کے صوبۂ یانان کی سمت سے بھی راہ کی[2]۔

[1] ان واقعات کی بابت خود لاسا کے لاماگردوں نے مجکو اطلاع دی ہے۔

[2] اے یاستین نے "گشیخٹے دیرایندہ چینیزن" صفحہ ۱۵۹ (لائپ زگ ۱۸۶۶ء)

باب دوم

ملک چین میں اسلام کی اشاعت

صرف چند سال سے لوگوں کو چین کے مسلمانوں کی طرف توجہ ہوئی ہے۔ اس سے پہلے کسی کو اُن کا خیال نہ تھا۔ یہ بے توجہی بھی تعجب سے خالی نہیں کیونکہ چین میں مسلمانوں کا موجود ہونا ایک عرصہ سے یورپ کے لوگوں کو معلوم تھا اور مدت ہوئی کہ یورپ کے سیاحوں نے اُن کا ذکر اپنی کتابوں میں لکھا تھا۔ تیرہویں صدی عیسوی میں اول مارکوپولو نے مسلمانوں کا حال لکھا جن سے وہ چین کے سفر میں ملا تھا۔ وہ لکھتا ہے کہ صوبہ کاراجان میں (جس کو اب یانان کہتے ہیں) مختلف قسم کے لوگ آباد ہیں۔ ان میں سارا سین (مسلمان) اور بت پرست ہی نہیں ہیں بلکہ کچھ نسطوری عیسائی بھی شامل ہیں[1]۔" اسی طرح شہر سنجو کے حال میں (جس کو آج کل سینگ فو کہتے ہیں) لکھا ہے کہ یہاں کی آبادی میں بت پرست اور مسلمان اور تھوڑے سے نسطوری عیسائی ہیں[2]۔"

سترہویں صدی کے اخیر اور اٹھارہویں عیسوی کے شروع میں فرقۂ جیسوئٹ کے پادریوں اور مشنریوں نے بھی چین کے مسلمانوں کا اکثر ذکر کیا۔ لیکن اُن کے تاریخی حالات تحقیق کرنے یا تعداد اور حالت کو معلوم کرنے کی طرف ان پادریوں نے توجہ نہیں کی۔ یہ زمانہ وہ تھا کہ یورپ کے لوگوں کو چین کے مسلمانوں کے ساتھ کچھ دلچسپی نہ تھی[3]۔

---

[1] کرنل یول کا مارکوپولو۔ دوسری جلد۔ صفحہ ۳۹۔ [2] کرنل یول کا مارکوپولو۔ پہلی جلد۔ صفحہ ۲۴۱۔
[3] بحری و برّی سفر کے حالات"۔ دوسری جلد صفحہ ۶۰۰، ۶۰۹ (مطبوعہ لندن ۱۷۴۵ء) ایضاً پہلی جلد صفحہ ۱۷۱ (لندن ۱۷۴۵ء) جے بی دو ہالدے "ملک چین کا بیان" توم ۱۔ صفحہ ۱۳۳ (مطبوعہ پیرس ۱۷۳۵ء)

چین کے مسلمانوں کے متعلق غیر ملکوں کے مسلمانوں کے پاس بھی کوئی ذریعۂ معلومات سوائے ابن بطوطہ کے جس نے چودھویں صدی عیسوی میں چین کا سفر کیا موجود نہیں ہے۔ ابن بطوطہ نے لکھا ہے کہ چین کے مسلمان مجھ سے مل کر بہت خوش ہوئے جو اسلامی ملک سے اُن کے پاس پہنچا تھا۔ چین کے ہر ایک شہر میں شہر کا ایک حصہ مسلمانوں کے رہنے کے لیے مخصوص ہوتا ہے جہاں اُن کی مساجد ہوتی ہیں۔ چین کے لوگ مسلمانوں کی عظمت اور توقیر کرتے ہیں۔[۵۱]

لیکن جس وقت چین کے صوبہ یانان میں مسلمانوں نے بغاوت کی جس کو بیس برس ہوئے کہ بہت زور پکڑ گئی تو کل دُنیا کو مجبوراً ماننا پڑا کہ چین میں بھی مسلمان کثرت سے موجود ہیں۔ اس موقع پر مسلمانوں کے حال میں دو کتابیں لکھی گئیں۔ ان میں سے ایک کتاب میں جو پروفیسر واسلیف کی تالیف سے ہے اس بات کا خوف پیدا کیا گیا ہے کہ چین میں مسلمانوں کی ایسی کثرت ہے جس کا پہلے کسی کو گمان تک نہ تھا یورپ کی تہذیب و شائستگی کو خطرے میں پڑ جانے کا اندیشہ ہے۔ اور یہ کہ ایک دن اسلام چین کا قومی مذہب ضرور ہو جائیگا۔ پروفیسر واسلیف لکھتا ہے کہ "اگر چین کے ملک نے جس میں دنیا کی آبادی کا تہائی حصہ آباد ہے مسلمان ہو کر اسلامی سلطنت کی صورت قبول کر لی تو مشرقی ملکوں سے جو تعلقات چلے آتے ہیں اُن میں سخت انقلاب پیدا ہوگا۔ جس وقت اسلام کی دنیا جبل طارق سے لیکر بحرالکاہل تک پھیل جائیگی تو ضرور ہے کہ پھر ایک دفعہ مسلمان سر اُٹھائیں اور مسیحی دنیا میں ہل چل ڈالدیں۔ اگر چینیوں کی عافیت پسند اور محنتی زندگی متعصب مسلمانوں کے قبضہ میں آگئی تو یہ مسلمان ان غریب چینیوں کو جُوا بنا کر دوسری قوموں کی گردن پر رکھدیں گے۔" ترکستان اور زنگیریا کے مسلمان سلطنت چین پر حملہ کرنے سے باز نہ آئیں گے جہاں اُن کے ہم مذہب اور ہم قوم جابجا موجود ہیں۔ اگر ترکستان اور زنگیریا کے ملک سلطنت چین کے محکوم بھی ہوگئے تو کیا اسلام

---

[۵۱] ابن بطوطہ توم ۴۔ صفحہ ۲۷۰ [۵۲] ابن بطوطہ۔ توم ۴۔ صفحہ ۲۵۸۔

اس وجہ سے کمزور ہو جائے گا۔ اور اُس کی اشاعت اور ترقی رُک جائیگی؟ یہ سوال ایسا پیدا ہوا ہی کہ صرف چند سال کیلیے۔ فرض کرو دس برس یا حد سے حد سَو برس کے لیے ہم اس کو ملتوی رکھ سکتے ہیں۔ لیکن اس عرصہ میں بھی اسلام کی ترقی جاری رہیگی۔ اور یہ مذہب اپنی آرزوئیں پوری کرنے کیلیے موقع کا منتظر رہے گا۔ اور جو کچھ چاہتا ہی آخرکار اُس کو حاصل کرلیگا" اگر چین کے مسلمان فقط اُن پردیسی مسلمانوں کی اولاد ہوتے جن کو چین میں آباد ہوئے مدت ہوگئی ہی تو ہم کو اس سوال سے بحث نہ ہوتی کہ چین کا کل ملک ایک دن مسلمان ہو جائیگا یا نہیں۔ لیکن اس سوال سے پہلے ہی یہ فرض کرلینا پڑتا ہی کہ چین کے دیسی لوگ اسلام قبول کرتے جاتے ہیں۔ اس لیے اب ہم یہ پوچھتے ہیں کہ اس مذہب کی یہ ترقی کبھی ختم بھی ہوگی یا نہیں؟ "مگر یہ کہ اگر کبھی اسلام چین کا فرمانروا مذہب ہوگیا اور رعایا سے اُس نے اپنی پیروی چاہی تو کون ہی جو اُس وقت مسلمان ہونے سے انکار کرسکے گا؟ ہمارے خیال میں اس وقت کوئی شخص ایسا نہ ہوگا جو اسلام قبول کرنے سے انکار کرے۔ بلکہ چینیوں کو مذہب کا تبدیل کرنا لباس کے تبدیل کرنے سے جیسا کہ موجودہ شاہی خاندان چین کی تخت نشینی پر ہوا زیادہ آسان معلوم ہوگا[۲]" ان عبارتوں کو پڑھکر ہر شخص کو تردد ہوگا کہ وہ کونسی مستند تحریریں ہیں جن سے یہ عجیب وغریب نتیجے نکالے گئے ہیں۔ اصل میں جن واقعات کے اعتبار سے یہ نتیجے نکالے گئے ہیں اُن کی تفصیل سابق کونسل جنرل و سفیر چین دبری دہ تیرسان کی تالیف میں بیان ہی[۳]۔ اس مؤلف نے چین کے مسلمانوں کی تاریخ بہت تصریح سے لکھی ہی اور اُن کا حال کہیں تو تاریخوں اور مذہبی کتابوں سے اقتباس کیا ہی اور کہیں شاہی فرامین سے جو شہنشاہ چین نے مسلمان رعایا کے نام جاری کیے لکھا ہی اور کہیں اُن کے عالموں اور فاضلوں اور اور ذریعوں سے حالات تحقیق کرکے درج کیے گئے ہیں۔

چینی مسلمانوں کے متعلق کوئی اور کتاب سوائے تیرسان کی تاریخ کے ایسی نہیں ہے

---

[۲] واسلیف۔ صفحہ ۳ و ۵ و ۱۴ و ۱۷ [۳] "چین کے مسلمان" (مطبوعہ پیرس ۱۸۷۸ء)

جس میں اس قدر تفصیل سے مسلمانوں کے حالات درج ہوں۔ اور جس میں معلومات کا ایسا قیمتی ذخیرہ موجود ہو۔ میں نے بھی سوائے اُن مقامات کے جہاں خاص طور پر دوسری کتابوں کا حوالہ دیا ہی تیرسان کی تاریخ سے چینی مسلمانوں کے حالات لکھے ہیں۔

اس تاریخ کے مضامین کی تصدیق بحیثیت مجموعی چین کے ایک مسلمان سید سلیمان سے بھی ہوئی ہی جو صوبہ یانان کے رہنے والے ہیں اور ایک چینی گورنر کے فرزند ہیں سید سلیمان نے اپنے بھائی کے ساتھ ٹرکی اور اسلامی ملکوں کا سیر و سفر کیا اور ۱۸۹۴ء عیسوی میں جب وہ قاہرہ پہنچے تو ثمراۃ الفنون کے ایک نامہ نگار نے اُن سے ملاقات کی اور اس موقع پر جو گفتگو ہوئی وہ اس عربی رسالہ میں شائع کی گئی[۱]۔

مذکورۂ بالا کتابوں کا ذکر کرنے کے بعد جن کا پڑھنا چینی مسلمانوں کے حالات لکھنے کے لیے ضروری ہی اب ہم تاریخی حالات کی طرف توجہ کرتے ہیں۔ چین میں اسلام دو طرف سے داخل ہوا۔ جنوبی حصہ میں سمندر کی راہ سے پہنچا اور شمال مشرقی اطراف چین میں خشکی کے رستہ سے پہنچکر شائع ہوا۔ چین کے شمال مغربی صوبجات کانسوہ اور شانسی میں مسلمانوں کی تعداد اور سب صوبوں سے زیادہ ہی۔ یہ زیادتی صرف شمار ہی میں نہیں ہی بلکہ نسبتاً بھی یہ تعداد اور صوبوں کے مسلمانوں سے زائد ہی۔ چنانچہ چین کے دو کروڑ مسلمانوں میں سے تین چوتھائی حصہ اس آبادی کا ان دونوں صوبوں میں آباد ہی[۲]۔

---

[۱] ثمراۃ الفنون (بیروت) ۱۴ شعبان - ۲۶ شوال ۱۳۱۱ ہجری مطابق ۱۸۹۴ء عیسوی)، [۲] کانسوہ میں تراسی لاکھ پچاس ہزار مسلمان آباد ہیں اس تعداد کو اور صوبجات کے مسلمانوں کی تعداد سے چھ اور پانچ یا چار کی نسبت ہی۔ شانسی میں پینسٹھ لاکھ مسلمان ہیں (دے تیرسان۔ توم ۱ صفحہ ۴۰-۴۱) [۳] مسلمانوں کی مردم شماری کا یہ تخمینہ تیرسان کا کیا ہوا ہی اور چینی حاکموں سے اطلاع حاصل کرکے یہ تخمینہ کیا گیا ہی۔ دوسرا بیان یہ ہی کہ چین میں غالباً تین کروڑ مسلمان ہیں (ایشیا مصنفہ اے ایچ کین۔ مرتبہ سر رچرڈ ٹیمپل صفحہ ۵۰ مطبوعہ لندن ۱۸۸۲ء) سید سلیمان نے بیان کیا کہ مسلمانان چین کی تعداد کے یہ سب غلط تخمینے ہوگئے ہیں مسلمانوں کی مردم شماری میں ہر سال ترقی ہوتی ہی۔ سید سلیمان کا خیال ہی کہ کاشغر کے مسلمانوں کو چھوڑ کر چین کے مسلمانوں کی تعداد سات کروڑ ہے۔ (ثمراۃ الفنون ۲۶ ماہ رمضان صفحہ ۳) چینی مسلمانوں کی تعداد کے متعلق جس قدر لاعلمی ہی اُس کا اندازہ اس سے ہوتا ہی کہ مسٹر ڈلفر بلنٹ نے ڈیڑھ کروڑ (صفحہ ۱۴) اور ڈاکٹر جاسپ (صفحہ ۱۵) نے صرف ۴۰ لاکھ اور ارکیمندریت پلا دیوس نے تیس اور چالیس لاکھ کے درمیان مسلمانوں کا شمار کیا ہی۔ (ز یڈ۔ ڈی۔ ایم۔ جی۔ جلد ۱۲ صفحہ ۵۰۲ ۱۸۹۶ء)

سلطنت چین کے شمال مغربی ملکوں میں داعیان اسلام اوّل وسط ایشیا سے پہنچے
وجہ اس کی یہ تھی کہ قدیم زمانۂ خلافت میں شاہان چین اور خلفاے اسلام میں جو عرب کے
متصل ملکوں کو فتح کرتے جاتے تھے آشتی پیدا ہوگئی تھی چینیوں کو دوسری صدی عیسوی سے
ملک عرب کا حال معلوم تھا۔ لیکن خلیفۂ اسلام اور شہنشاہ چین میں ملکی تعلقات یزدجرد بادشاہ
ایران کی موت کے بعد پیدا ہوئے۔ جب یزدجرد کا انتقال ہوا تو فیروز ابن یزدجرد نے دشمنوں
کی مدافعت کیلیے شہنشاہ چین سے فوجی مدد چاہی۔ شہنشاہ نے جواب بھیجا کہ ایران چین سے
اس قدر دور ہی کہ فوج روانہ نہیں ہوسکتی البتہ حضرت عثمانؓ سے فیروز کی سفارش ہوسکتی ہی
جب چین کا سفیر حضرت عثمانؓ کی خدمت میں فیروز کی سفارش کے لیے آیا تو اُس کی بہت
مدارات ہوئی اور واپسی کے وقت ایک عرب سپہ سالار اُس کے ساتھ کر دیا گیا۔ ۶۵۱ء
میں شہنشاہ چین نے اس عرب کی بہت خاطر و تواضع کی۔ خلیفہ ولید ابن عبدالملک کے
عہد میں (۷۰۵-۷۱۵ء) قطیبہ ابن مسلم خراسان کا حاکم مقرر ہوا اور دریائے جیحون عبور کرکے اُس نے
وہ معرکہ آرائیاں شروع کیں جنہیں بخارا سمرقند اور اور ملک مسلمانوں نے فتح کرلیے اور ان
ملکوں میں اسلام کی اشاعت کردی۔ ان فتوحات کے بعد قطیبہ ابن مسلم مشرق میں سرحد چین
کی طرف اپنی فتحمند فوجوں کو لیکر بڑھا اور شہنشاہ چین کے پاس ایلچی روانہ کیے۔ عربی مورخوں
نے لکھا ہی کہ شہنشاہ نے ان ایلچیوں کو بہت روپیہ دیکر اپنے دربار سے رخصت کیا گویا یہ
علامت تھی کہ اُس نے خلیفہ اسلام کی بزرگی تسلیم کی۔ اسی زمانہ کے چند سال بعد چین کی
تاریخوں میں بیان ہی کہ چین میں کئی اور سفیر خلیفہ ہشام (۷۲۴-۷۴۳ء) کی طرف سے تحائف
لیکر آئے۔ ۷۵۷ء عیسوی میں خلیفہ منصور نے شہنشاہ سوتسنگ کے پاس سفیر بھیجے۔ یہ زمانہ
وہ تھا جس میں تجارت کو بہت ترقی تھی۔ اس وقت سے اکثر سفیروں کا چین میں آنا بیان
ہوا ہی۔ جب چین اور خلافت بغداد میں تعلقات قائم ہوگئے اور تجارت کو ترقی ہوئی تو ضرور ہی
کہ مسلمان تاجروں کی وجہ سے جن کو تبلیغ اسلام کا بہت شوق تھا اور جو دور و دراز ملکوں سے

مثلاً ماوراالنہر۔ بخارا۔ عرب سے چین میں آکر تجارت کرتے تھے دعوت اسلام میں بہت سہولت پیدا ہوئی ہوگی۔ اس زمانہ (یعنی ۶۱۳ء لغایت ۶۴۲ء) کے ایک چینی مورخ نے لکھا ہی کہ "سو مختلف سلطنتوں سے جو ہمارے ملک سے تین تین ہزار میل کے فاصلہ پر ہیں مغربی وحشیوں کے گروہ سیلاب کی طرح اس ملک میں آگئے ہیں۔ یہ لوگ آتے ہیں اور اپنی کتب مقدسہ شہنشاہ کے سامنے پیش کرتے ہیں جو قبول کیجاتی ہیں اور محل کے ایک خاص مکان میں جہاں دینی کتابوں کا ترجمہ ہوتا ہی محفوظ کردی جاتی ہیں۔ جب سے یہ اجنبی لوگ آئے ہیں مختلف ملکوں کے مذہب چین میں رائج ہوئے ہیں اور علیٰ رؤس الاشہاد اُن کی پیروی ہوتی ہی"

۷۴۲ء میں چین کے شمالی صوبہ یعنی شانسی کے خاص شہر میں سب سے پہلے مسجد تعمیر ہوئی اور ایک چینی اہلکار مسلمانوں پر نگران مقرر ہوا اور کپتان ریت پلا دیوس نے لکھا ہی کہ سنگانفو میں (جہاں سے نسطوریوں کا مشہور کتبہ کھود کر نکالا گیا تھا) ایک کتبہ نکلا جسمیں یہ ہی تاریخ یعنی ۷۴۲ء لکھی تھی اور اسلام کے شائع ہونے کا ذکر تھا لیکن اس واقعہ کے متعلق کتبہ میں ایک غلطی ہی یعنی چین میں اسلام کے شروع ہونے کا زمانہ سوی خاندان کے بادشاہ کا رہنگ کے عہد میں لکھا ہی جو ۵۸۱ء عیسوی سے ۶۰۰ء عیسوی تک چین کا بادشاہ رہا۔ بہرکیف جس قدر شہادت اس کتبہ سے بہم پہنچتی ہی اُس سے قطعی ثابت ہی کہ بہت قدیم زمانہ سے اسلام ملک چین میں موجود ہی[۱]

اسلام کی اشاعت کے مفصل حالات بہت کم تحقیق ہوتے ہیں۔ معلوم ہوتا ہی کہ اوّل صوبۂ کانسوہ میں اسلام کی اشاعت ہوئی جو آٹھویں صدی عیسوی کے وسط سے ہوی ہو قوم کی سلطنت میں شامل تھا۔ اس قوم کا اصلی وطن دریائے ارتش اور ارکھان کے بیچ میں واقع تھا۔ یہ امر تحقیق ہونا بہت دشوار ہی کہ دسویں صدی عیسوی کے وسط میں

---

[۱] بریت شنیدر (۱) پہلی جلد۔ صفحہ ۲۶۶۔ دوسری جلد صفحہ ۳۰۵۔

جب ہوی ہو قوم کا خان - ساتوک مسلمان ہوا تو اُس قوم میں اسلام کس حد تک شائع ہو چکا تھا
اس خان نے کافروں پر جہاد کیا اور اپنی رعایا کو زبردستی مسلمان کرنا چاہا - ساتوک خان
کے جانشینوں نے بھی ایسا ہی اور سوائے نسطوری عیسائیوں کے تمام غیر مذہب والوں
کو اُن کے مذہب کی پیروی سے منع کیا - لیکن تیرھویں صدی عیسوی میں چنگیز خان
نے ہوی ہو کی سلطنت کو تاراج کرکے سب کو مذہبی آزادی دی - خان ہوی ہو کی رعایا
میں اوگر کا گروہ بھی شامل تھا - یہ گروہ ایک ترکی جرگہ تھا جس سے عثمانیہ ترکوں کا سلسلہ
چلتا ہی اور وہ چینی ترکستان میں کہامل کے مقام سے اُٹھ کر ہوی ہو کی سلطنت میں آباد
ہوا تھا[1] - اوگر کے گروہ سے تنگانیوں کی اصل بھی بیان کی جاتی ہی - تنگانی ترکی زبان کا لفظ ہی
جس کے معنے نومسلم کے ہیں - غرض ایک بیان یہ ہی[2] - کہ تنگانی یعنی چین کے مسلمان اوگر کے
گروہ سے ہیں جو چین کے شاہی خاندان تھانگ کے عہد (سنہ ۶۱۸-۹۰۷ عیسوی) میں دیوارِ چین
قریب بسا دیا گیا تھا اوگر کا یہ گروہ جس وقت دیوارِ چین کے قریب آباد ہوا تو اُس نے چینی
عورتوں سے شادیاں کیں - اور زمانہ مابعد میں جب اس گروہ نے اسلام قبول کیا تو اُس
کے ہم قوم بھی جو خاص چین میں رہتے تھے مسلمان ہوگئے[3] - چین کی عورتوں سے شادی کرنیکا
دستور اُن میں ابتک چلا آتا ہی اور جو بچے ان عورتوں سے ہوتے ہیں وہ مسلمانوں کی طرح تعلیم
و تربیت پاتے ہیں - کچھ زمانہ کے بعد تنگانیوں یعنی چین کے مسلمانوں میں اس طرح اور اضافہ
ہوا کہ اُن کے ہم قوم شانسی اور کانسوہ میں چلے آئے اور وہاں آباد ہوگئے - وجہ اس کی یہ
تھی کہ تیرھویں صدی عیسوی کے شروع میں چنگیز خان کی فتوحات سے ایشیا کے شرقی
اور غربی ملکوں میں آمد و رفت کا سلسلہ جاری ہوگیا تھا - تنگانی مسلمان تجارت کے پیشہ
کو بہت پسند کرتے ہیں اور تمام وسط ایشیا میں اُن کی راستبازی مشہور ہی - معمولی چینیوں سے

---

[1] اینڈرسن - صفحہ ۱۶۲ [2] یول کا مارکو پولو - پہلی جلد - صفحہ ۲۵۵ - ۲۵۶ [3] جس زمانہ میں (سنہ ۱۲۱۰-۱۲۱۶ع) تاتاریوں نے
چین کو فتح کیا تو اس فتح سے ڈھائی سو برس پہلے اوگر کے جرگہ نے بدھ مذہب چھوڑ دیا تھا - اینڈرسن - صفحہ ۱۴۸

اُن کی شناخت اس طرح ہوتی ہو کہ جسمانی قوت وہ زیادہ رکھتے ہیں اور اس لیے پولس کی نوکریوں پر یہ مسلمان ہی زیادہ مقرر کیے جاتے ہیں۔

مغلوں کی فتوحات کے زمانہ میں شام اور عرب اور ایران کے مسلمان چین میں بکثرت آباد ہوگئے[۱]۔ یہ لوگ یا تو تاجروں اور سپاہیوں پیشہ وروں کی حیثیت سے اس ملک میں آئے یا محض دوسرے ملک میں آباد ہونے کے خیال سے یا لڑائیوں میں گرفتار ہوکر چین میں پہنچ گئے غرض چین میں مسلمان کثرت سے آباد ہوگئے اور اُن کو سب طرح ترقی ہوئی اور چینی عورتوں سے اُنھوں نے شادیاں کرکے اپنی قومی خصوصیتیں معدوم کردیں دریافت ہوتا ہو کہ مغلوں کے زمانۂ سلطنت میں مسلمان بڑے بڑے عہدے اور منصب رکھتے تھے۔ ۱۲۴۷ء میں عبدالرحمٰن کابلی خزانہ کا افسر اعلیٰ مقرر ہوا اور ملک سے محصول جمع کرنے کے اختیارات اُس کو ملے[۲]۔ ۱۲۵۹ عیسوی میں قوبلائی خاں نے تخت نشین ہوکر سید اجل کو جو بخارا کا رہنے والا تھا شاہی خزانہ سپرد کیا۔ ۱۲۷۰ عیسوی میں سید اجل نے انتقال کیا اور دیانتداری میں بڑی شہرت حاصل کی۔ سید اجل کے بعد ایک شخص احمد نامی خزانہ کا افسر مقرر ہوا مگر یہ شخص ایسا ہی بدنام ہوا جیسا سید اجل نیکنام تھا۔ چین کے مؤرخ جہاں قوبلائی خاں کے عہد کی تعریف کرتے ہیں وہاں اس بات سے ضرور شاکی ہوتے ہیں کہ ترکوں اور ایرانیوں کی جگہ اُس نے چینیوں کو بڑے عہدوں پر مقرر نہیں کیا[۳]۔ پیکن کے شہر میں قوبلائی خاں نے ہوی ہو کی قوم کے لیے جس نے اسلام قبول کرلیا تھا ایک شاہی مدرسہ جاری کیا۔ یہ دوسرا ثبوت اس بات کا ہو کہ چین میں مسلمانوں کی قدر بڑھتی جاتی تھی۔ چودھویں صدی عیسوی کے اخیر میں ایک عہدنویس مؤرخ نے لکھا ہو کہ صوبۂ یانان کے کل باشندے اُس کے زمانہ میں مسلمان ہوچکے تھے[۴]۔

---

[۱] دے تیرسان۔ توم۔ اصفحہ ۴۔ ۱۲۲۲ء میں ملک چین کے ایک راہب نے وسط ایشیا میں گذر کر ایران تک کا سفر کیا۔ اس راہب کے سفرنامہ میں لکھا ہو کہ چین کے کچھ باشندے مسلمانوں کے مفتوحہ ملکوں میں چلے آئے تھے اور یہاں اُنپر اسلام کا اثر پڑا۔ سمرقند کے ذکر میں اس سیاح نے لکھا ہو کہ "یہاں چین کے اہل حرفہ ہر جگہ موجود ہیں"۔ ابریت شنیدر۔ [۲] پہلی جلد۔ صفحہ ۸۔
[۳] ہوورتھ۔ پہلی جلد صفحہ ۱۶۱ [۳] ہوورتھ۔ پہلی جلد صفحہ ۲۵۰ [۴] رشیدالدین دیول کا کاسٹے۔ صفحہ ۲۶۹۔

مغلوں کی سلطنت کے زمانہ تک چین میں مسلمان غیر ملک کے آدمی خیال کیے جاتے تھے لیکن جب تیرہویں صدی عیسوی کے اخیر میں تخت چین سے مغلوں کا خاندان معزول ہوا تو چین کے مسلمانوں کو باہر کے اسلامی ملکوں سے تعلق نہ رہا اور اس خیال سے کہ نئے حکمران خاندان کو اُن سے بدگمانی نہ ہو اُنہوں نے یہ طریقہ اختیار کیا (اور اب تک اُن میں یہی دستور رہی) کہ کوئی ظاہرا علامت وہ ایسی نہ رکھیں جس سے اُن کا مذہب جدا معلوم ہو مسلمانوں نے یہ کوشش کی کہ جس طرح چین کے اور باشندے ہیں اُن میں جہاں تک ممکن ہو یہ بھی شامل نظر آویں۔ جب مغلیہ سلطنت کو زوال ہوا تو چین کے شمالی ملکوں میں اسلام بخوبی شائع ہو گیا تھا۔ اب اُس نے جنوب کی طرف آہستہ مگر جما کر قدم رکھنے شروع کیے اور اشاعت کیلیے بہت احتیاط کے ساتھ وہ طریقے اختیار کیے جو کسی کی بات میں مخل معلوم نہ ہوں۔ یہ اسلامی تحریک جو شمال سے جنوب کی طرف شروع ہوئی اُس کے حالات تاریکی میں دبے پڑے ہیں۔ لیکن مسلمانوں کی قومیں جو اس وقت تک یہاں موجود ہیں اس تحریک کی کامیابی کا ثبوت ہیں۔ جنوبی منگولیا کے تمام شہروں میں جہاں کی آبادی عموماً بدھ مذہب کی پیرو ہے مسلمان بھی بکثرت موجود ہیں۔ دارالحکومت پیکین میں مسلمانوں کے بیس ہزار خاندان موجود ہیں۔ اور تیرہ مسجدیں ہیں۔ جن کے ملاّ مغربی ملکوں سے پیکین میں نہیں آئے بلکہ لنزن چو کے رہنے والے ہیں جو پیکین کے جنوب مشرق میں بادشاہی نہر کے کنارے پر واقع ہے اور جو شمال مشرقی صوبجات چین کے ایسے شہروں میں سے ہے جہاں اسلام کا اثر سب سے زیادہ پیدا ہوا[1]۔

یہ واقعہ بھی دلچسپ ہے کہ چین کے یہودیوں نے اسلام قبول کر کے چینی مسلمانوں کی تعداد کو بڑھا دیا۔ یہ یہودی چین میں بہت قدیم زمانہ سے آباد تھے۔ گورنمنٹ چین نے اُنکو نوکریاں دی تہیں اور بڑی بڑی جائدادوں کے وہ مالک تھے۔ لیکن سترہویں صدی عیسوی کے خاتمہ پر اُن کے بہت لوگوں نے اسلام قبول کر لیا[2]۔

---

[1] پلیف صفحہ ۹ ــ ۵۲ "وسط چین کا سفر" مصنفہ کلارک ایل ۳۶۱۰ (لنڈن ۱۸۸۵ء)

اٹھارہویں صدی عیسوی میں مسلمانوں نے اپنے مذہب کی اشاعت میں بڑی کوشش کی اور نومسلموں کی تعداد بہت بڑھ گئی[1]۔ ایک سبب اس ترقی کا یہ بھی تھا کہ چینیوں کو وسط ایشیا میں فتوحات حاصل ہوئی تھیں اور اُن کی سلطنت مغرب کی طرف بڑھ گئی تھی اس لیے ملک تیان شان کے اسلامی شہروں اور مغربی ترکستان کی ریاستوں میں تجارت کا بازار گرم ہوا اور چین کے شمال مغربی صوبوں پر بیرون باہر کے مسلمانوں کا براہ راست اثر پڑا[2]۔

ملک چین کے شمال مغربی صوبجات میں تو اسلام کا چرچا ہو ہی رہا تھا کہ جنوب میں بھی سمندر کے رستہ سے مسلمان چین میں پہنچ گئے۔ لیکن ان مسلمانوں کا حال بالکل جدا ہے۔ تعداد کے لحاظ سے یہ اسلامی تحریک جو جنوبی ملکِ چین میں پیدا ہوئی زیادہ قوی نہیں ہے۔ لیکن تاریخی وقعت اُس میں زیادہ ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت سے پہلے عرب اور چین میں بحری رستہ سے تجارت شروع ہو گئی تھی۔ عرب اور شام کے ملکوں اور بحرۂ شام کے بندرگاہوں کو مشرقی ملکوں کی پیداوار تجارت کی غرض سے روانہ کی جاتی تھی۔ چھٹی صدی عیسوی میں جزیرۂ سیلون کے رستہ سے چین اور عرب کی تجارت نے بہت ترقی کی ساتویں صدی عیسوی میں چین اور ایران اور عرب کی تجارت نے اور زور پکڑا اور سیراف کا شہر جو خلیج فارس کے ساحل پر واقع تھا۔ چینی تاجروں کا بڑا تجارت گاہ بن گیا۔ غرض یہ زمانہ تھا یعنی چین میں تھانگ کے شاہی خاندان کا عہد (۶۱۸ تا ۹۰۷ء) شروع ہوا تھا کہ چین کے مؤرخوں نے عربوں کا ذکر اپنی تاریخوں میں لکھا[3]۔ چین کے مؤرخوں نے لکھا ہے کہ بہت اجنبی آدمی انام۔ کمبوج۔ مدینہ اور اور ملکوں سے چین میں چلے آئے ہیں۔ ان اجنبی لوگوں کی جو عادات اور رسوم ان مؤرخوں نے بیان کی ہیں اُن سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ یہ لوگ عرب کے مسلمان تھے۔ چین کے مؤرخ لکھتے ہیں

[1] لیترا یہ لفیانت دسے کوریوز۔ توم ۱۹۔ صفحہ ۴۸۔ ۱۷۲۱ء میں ایک عیسائی مشنری نے پیکن کے شہر سے لکھا کہ مسلمانوں کے گروہ روز بروز ترقی پر ہیں۔ دیکھو لاسے گروسے۔ توم ۴۔ صفحہ ۵۰۔ [2] دیمیر میلر۔ سی بولگر "تاریخ چین" دوسری جلد صفحہ ۵۲۹۔۔ ۵۳۰ (لندن ۱۸۹۸ء) [3] بریت شنیدر۔ (۲) صفحہ ۶۔

کہ "یہ باہر کے رہنے والے ایک خدا کی بندگی کرتے ہیں اور اُن کے عبادتخانوں میں بُت یا مورت یا تصویر نہیں ہوتی۔ مدینہ کا شہر ہندوستان کے قریب کہیں ہی۔ اسی شہر یا ملک میں ان لوگوں کا مذہب جو بدھ کے مذہب سے مختلف ہی شروع ہوا۔ یہ لوگ شراب اور سور کے گوشت کو قطعی حرام سمجھتے ہیں اور جس جانور کو خود ذبح نہیں کرتے اُس کے گوشت کو ناپاک جانتے ہیں۔ آج کل چین کے باشندے ان لوگوں کو ہوئی ہوئی کہتے ہیں[۵۱]۔ یہاں اُن کا ایک عبادت خانہ ہی جس کو وہ کسی بزرگ کی یادگار سمجھتے ہیں (اس عبادتخانہ سے مراد وہاب ابن کبشہؓ کی مسجد سے ہی جس کا ذکر آگے آئیگا) یہ عبادت خانہ خاندانِ تھانگ کے آغاز عہد میں تعمیر ہوا تھا۔ اور اُس کے پہلو میں ایک سو ساٹھ فیٹ بلندی کا ایک مینار ہی جس کو یہ لوگ کانگٹا کہتے ہیں (یعنی سادہ مینار) یہ اجنبی لوگ اس عبادت خانہ میں روز جاتے ہیں کہ اپنی مذہبی رسوم ادا کریں۔ شہنشاہ سے اجازت لیکروہ کانٹن میں آباد ہوئے ہیں اور اُنھوں نے بڑے عالیشان مکان بنائے ہیں جنکی وضع ہمارے ملک کی طرز تعمیر سے جدا ہی۔ یہ لوگ بہت دولتمند ہیں اور جس شخص کو اپنا امیر منتخب کر لیتے ہیں اُس کی ہمیشہ فرمانبرداری کرتے ہیں[۵۲]۔

یہ بات صحیح تحقیق ہوئی کہ کانٹن میں عربوں کا سردار یا امیر کون تھا ناممکن ہی چین کے مسلمان بھی اس سوال کے جواب میں قیاس سے کام لیتے ہیں۔ لیکن ان کے ہاں مشہور یہ ہی کہ اس امیر کا نام سارتا یا سکاپا یا وانگ کازی مشہور تھا۔ سکاپا کا لفظ کسی قدر قابل لحاظ ہی کیونکہ اس سے صرف اتنا پتہ چلتا ہی کہ امیر کانٹن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ میں سے تھے اور چینی مسلمانوں کی ہر ایک روایت میں یہ ضرور بیان ہوتا ہی کہ یہ صحابی آنحضرت

---

[۵۱] چین کے مسلمان اپنے تئیں ہوئی ہوئی کہتے ہیں۔ اس لفظ میں رجوع اور طاعت دونوں معنے ساتھ پیدا ہوتے ہیں یعنی راست طریقے سے اللہ کی طرف رجوع ہونا" اور خدا کی مرضی کی طاعت کرنا"

[۵۲] دے تیرساں۔ توم ۱۔ صفحہ ۱۹-۲۰۰۔

صلے اللہ علیہ وسلم کے ماموں تھے۔[۵۱]

دے تیرساں کی رائے میں ان امیر یا صحابی سے مراد وہاب ابن ابی کبشہؓ ہیں جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ماموں تھے۔ دے تیرساں کا خیال ہو کہ مفصلۂ ذیل حالات کی نسبت یہ یقین کرلینا چاہیے کہ اُن میں وہاب ابن ابی کبشہؓ کے واقعات زندگی تاریخی حیثیت سے بیان ہیں۔ کیوں کہ اُن قصوں اور افسانوں کو جو اصلی واقعات پر اضافہ ہوگئے ہیں دور کرکے یہ حالات لکھے جاتے ہیں۔ حالات یہ ہیں کہ سنہ ۶ ہجری مطابق ۶۲۸ء عیسوی میں جس کو سنۃ الوفود کہتے ہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے وہاب ابن ابی کبشہ کو شہنشاہ چین کے پاس اسلام کی خبر دینے کے لیے روانہ فرمایا تھا۔ کانٹن میں اُن کی بہت تعظیم وتکریم ہوئی اور بادشاہ کی طرف سے اُن کو اور اُن کے مصاحبین کو سلطنت چین میں اسلام کی علانیہ پیروی کرنے اور مسجد تعمیر کرنے کی اجازت ملگئی ۶۳۲ء عیسوی میں وہاب ابن کبشہؓ اس کام سے فارغ ہوکر عرب کو واپس گئے۔ لیکن جب وہاں پہنچے تو پیغمبر خدا صلے اللہ علیہ وسلم کے انتقال کی جانکاہ خبر سنی جو اُسی سال میں ہوا تھا۔ معلوم ہوتا ہو کہ اس دفعہ وہاب ابن کبشہؓ نے عرب میں بہت کم قیام کیا کیونکہ جب وہ دوبارہ چین کو روانہ ہوئے تو ایک جلد قرآن شریف کی اُن کے ساتھ تھی جو ہجرت کے گیارہویں یا بارہویں سال (۶۳۲ یا ۶۳۳ء) میں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں جمع ہوا تھا۔ کانٹن پہنچکر وہاب ابن کبشہؓ نے سفر کی تکان سے بیمار پڑکر انتقال کیا۔ اور شہر کے قریب دفن کیے گئے۔ یہاں ابتک اُن کا مزار مسلمانان چین کی زیارت گاہ ہو۔ جو مسجد اُنھوں نے اپنی زندگی میں بنوائی تھی اُس کے گرد عرب کے تاجروں کی بڑی بستی آباد ہوگئی اور اُس کو ہر چیز میں ترقی ہوئی۔ کیونکہ یہ عربی تاجر چینیوں سے اتحاد قائم رکھتے تھے اور یہاں اُن کے آباد ہونے سے دونوں کو فائدہ تھا۔ کچھ زمانہ تک یہ عرب غیروں کی طرح اس ملک میں رہے

۵۱ علامہ شیخ حسین ابن محمد ابن الحسن الدیار البکری نے تاریخ الخمیس میں لکھا ہو کہ حضرت آمنہ ام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نہ کوئی بھائی تھا نہ بہن۔ لیکن بنو زہرہ اپنے تئیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ماموں کہا کرتے تھے۔ کیونکہ حضرت آمنہ اُن کے قبیلہ سے تھیں۔ (تاریخ الخمیس پہلی جلد صفحہ ۱۸۴ مطبوعہ قاہرہ ۱۳۰۲ھ)۔

چنانچہ نویں صدی عیسوی کے وسط میں عرب کے ایک تاجر نے لکھا کہ کانٹن کے مسلمانوں کے ہاں اُن ہی کا قاضی ہو اور وہ چین کے بادشاہ کا خطبہ نہیں پڑہتے بلکہ اپنے خلیفہ کا خطبہ پڑھتے ہیں۔ غرض جس وقت کانٹن میں مسلمانوں کی آبادی قائم ہوگئی تو مسلمانوں کی تعداد بڑھنی شروع ہوئی۔ کچھ تو اس طرح کہ باہر سے مسلمان آئے اور کانٹن کے مسلمانوں کے ساتھ رہنے لگے اور کچھ اس طرح کہ مسلمانوں نے چین کی عورتوں سے شادیاں کرنی شروع کیں اور چینیوں کو مسلمان کرکے اپنی تعداد کو بڑھالیا۔ ۷۵۸ئہ عیسوی میں ایک اور طریقے سے مسلمانوں کی تعداد زیادہ ہوگئی اور وہ یہ تھا کہ خلیفہ منصور نے چار ہزار عرب کی جمعیت ستسنگ بادشاہ چین کمک کے لیے روانہ کی تاکہ بادشاہ کے خلاف جو بغاوت برپا تھی اُس کو فرو کیا جاوے جب بغاوت فرو ہوگئی تو ان چار ہزار عربوں نے وطن کو واپس جانے سے انکار کیا اور جب شہر کے حاکم نے اُن کو مجبور کرکے روانہ کرنا چاہا تو اُنہوں نے عربی اور ایرانی تاجروں کے ساتھ ہوکر شہر کی بڑی بڑی منڈیوں کو لوٹنے کا قصد کیا۔ حاکم شہر نے فصیلوں میں چھپکر اپنی جان بچائی اور عرب کی سپاہ کے سامنے اُس وقت تک نہ آیا کہ بادشاہ سے اُن کے قیام کی اجازت حاصل نہ کرلی۔ مختلف شہروں میں سکونت کے لیے مکان اور زمینیں ان عربوں کو دی گئیں۔ اور چینی عورتوں سے شادیاں کرکے اُنہوں نے چین کے اُن مسلمانوں کو پیدا کردیا جو شہنشاہ چین کی قلمرو میں اب تک بکثرت موجود ہیں۔ اس کے بعد مسلمانان چین کی تعداد میں سوائے اُس ترقی کے کہ چنگیز خاں اور اُس کی اولاد کی فتوحات سے غیرملکوں کے مسلمان چین میں چلے آئے اور کسی طرح کی ترقی نہیں ہوئی۔ اور اس کا حال ہم اوپر لکھ چکے ہیں۔ غالباً یہی زمانہ تھا کہ ملک چین میں جابجا مسلمانوں کے گروہ پیدا ہوگئے۔ اور بعض حالتوں میں اُن کی تعداد اس قدر بڑھی کہ جب آباد ہونے کے لیے اُن کو دیہات ملے تو گاؤں کے گاؤں ایسے نظر آتے تھے جن میں صرف مسلمان ہی آباد تھے۔ سلطنت مغلیہ کے زوال کے بعد سے مسلمانوں کی اس تدریج گر مستقل ترقی میں غیر ملکوں سے کسی طرح کی مدد نہیں پہونچی کیونکہ

اس زمانہ سے سلطنت چین نے یہ اُصول قرار دے لیا تھا کہ غیر ملکوں کے لوگوں کو ملک سے دور رکھا جاوے۔ یہ قاعدہ مدت تک جاری رہا مگر اب کچھ عرصہ سے منسوخ ہوگیا ہی۔ غرض جب اس طرح غیر ملکوں کے مسلمانوں سے چینی مسلمانوں کا تعلق قطع ہوگیا تو چین کی عورتوں سے شادیاں کرکے اور چینیوں کی عادات اور رسوم اختیار کرکے یہ مسلمان چین کی اور رعایا میں مل جل گئے۔ جس وقت تک چین کے لوگ مجبور رہتے کہ تجارت کی غرض سے اسلامی سلطنت سے موافقت رکھیں اور جس وقت تک باشندگانِ تبت کی مدافعت کے لیے جو چینیوں اور مسلمانوں کے یکساں دشمن تھے خلیفہ اسلام سے اتحاد رکھنا ضروری سمجھا گیا اُس وقت تک چین میں چین کے مسلمانوں کو ہر طرح کی سختیوں سے حفاظت حاصل تھی۔ لیکن جب یہ حفاظت کے سامان باقی نہ رہے تو بھی دریافت ہوتا ہی کہ گورنمنٹ چین کی طرف سے مسلمانوں کو ملکی اور مذہبی آزادی بدستور حاصل رہی۔ اس حفاظت کا میسر رہنا زیادہ تر اس وجہ سے تھا کہ مسلمانوں نے ہمیشہ چینیوں کے مذہبی تعصبات کو روکنے کیلیے مناسب وقت تدبیریں اختیار کیں۔ روزانہ زندگی میں مسلمانانِ چین کی عادات اور رسوم وہی ہیں جو اور چینیوں کی ہیں۔ لمبی لمبی چوٹیاں رکھتے ہیں۔ چینیوں کے سے کپڑے پہنتے ہیں۔ صرف مسجد میں جانے کیوقت عمامہ سر پر رکھ لیتے ہیں۔ اور اس خیال سے کہ چینیوں کے مذہبی تعصب کو اُن کے خلاف اشتعال نہ ہو مسلمان اپنی مسجدوں کے مینار بھی زیادہ بلند نہیں بناتے[۵۱]۔ چینی تاتار میں مسلمان سپاہیوں کو خاص طور پر اجازت ہی کہ اپنی جماعت کو چینیوں سے علیحدہ رکھیں۔ لیکن وہاں بھی فوج کے مسلمان افسروں کا لباس اُسی وضع کا ہی جو سرکاری طور پر اُن کے لیے مقرر ہی۔ لمبی لمبی موچھیں اور چوٹیاں رکھتے ہیں۔ ارمینیوس وامبیری نے اپنے سفرنامہ میں لکھا ہی کہ تعطیل کے دن بادشاہ کو تعظیم دینے کا جو قاعدہ حکام سلطنت کیلیے مقرر ہی اُسی کے مطابق مسلمان حاکم بھی تعظیم دیتے ہیں۔ یعنی بادشاہ کی

[۵۱] واسلیف۔ صفحہ ۱۵۱۔

تصویر کے سامنے تین دفعہ ماتھے سے زمین کو چھوتے ہیں[1]۔ اسی طرح تمام مسلمان حاکم اور اور لوگ جو صوبجات ملک میں مختلف عہدوں پر مامور ہیں وہ رسوم ادا کرتے ہیں جو تہواروں کے دن کنفیوشس کے مندر میں جاکر ادا کرنی ہر حاکم کا فرض ہے۔ غرض مسلمان بہت جتیا[2] کرتے ہیں کہ کسی طرح اُن کا مذہب بادشاہ کے مذہب سے مخالف نہ نظر آوے اور یہی باعث ہی کہ اسلام کے خلاف چین میں وہ ہنگامے برپا نہیں ہوئے جو عیسوی اور موسوی مذہبوں کے خلاف پیدا ہوئے۔ مسلمان اپنے ہموطن چینیوں سے یہاں تک کہتے ہیں کہ ہمارا مذہب کنفیوشس کی تعلیم وتلقین سے اتفاق رکھتا ہی۔ فرق صرف اس قدر ہی کہ ہم اپنے بزرگوں کے طریقے کے مطابق نکاح اور تجہیز وتدفین کی رسمیں ادا کرتے ہیں۔ شراب اور سور کے گوشت اور تنباکو سے پرہیز کرتے ہیں جُوا نہیں کھیلتے اور کھانا کھانے سے پہلے ہاتھ دھو لیتے ہیں[3]۔ مسلمانوں کی کتابوں اور تحریروں میں کنفیوشس اور چین کے پیشوایانِ مذہب کی کتابوں کا بڑا ادب لکھا ہی اور جہاں کہیں ممکن ہوتا ہی مسلمان اپنے مذہب اور کنفیوشس کے مذہب میں جو باتیں مشابہ ہیں اُن کو جتلاتے ہیں[4]۔

چینی مسلمانوں کی ان باتوں کا معاوضہ چین کی گورنمنٹ نے یہ کیا ہی کہ مسلمان رعایا کو (سوائے بغاوت کی حالت کے) وہی حقوق عطا کیے ہیں جو اور رعایا کو حاصل ہیں سلطنت کے کسی عہدے سے وہ محروم نہیں ہیں۔ صوبوں کے گورنر ہوتے ہیں۔ سپاہ میں جرنیل مقرر کیے جاتے ہیں اور حکومت اور وزارت کے عہدوں پر مامور ہو کر حاکم اور محکوم دونوں کی نظروں میں معزز اور معتمد ثابت ہوتے ہیں۔ چین کی کتب تواریخ میں مسلمانوں کے نام مشہور حکام سلطنت ہی کی فہرست میں نہیں ملتے بلکہ صنعت وحرفت علوم وفنون میں خاصکر ریاضی اور ہیئت کے علوم میں اُنھوں نے بہت نام پیدا کیا[5]۔ مسلمانوں کے حال پر سلطنت کی طرف سے جو مہربانیاں ہوئیں اُنھوں نے چینی حاکموں کے دل میں مسلمانوں کی طرف سے بارہا

[1] ارمینوس وامبیری "وسط ایشیا کا سفر" صفحہ ۴۰۴ (مطبوعہ لندن ۱۸۶۴ء)۔ [2] داسلیف صفحہ ۱۹۔ [3] ڈے تیرسان توم ۲ صفحہ ۳۶۶-۳۶۷۔ [4] ڈے تیرسان۔ توم ۱ صفحہ ۲۲۶۔ [5] ثمرۃ الفنون ۲۰۔ شعبان۔ صفحہ ۳۔

رشک اور حسد پیدا کر دیا۔ ۱۷۳۱ء عیسوی میں شہنشاہ چین نے ایک فرمان اُن الزاموں کی تردید میں جاری کیا جو چینیوں نے صوبۂ شانسی کے مسلمانوں پر لگائے تھے۔ یہ فرمان یہاں نقل کرنے کے قابل ہے کیونکہ اُس سے تحقیق ہو جاتا ہے کہ چین کے شہنشاہوں نے اپنی مسلمان رعایا کو ہمیشہ کس مہربانی اور لطف کی نظر سے دیکھا۔

فرمان کا مضمون یہ ہے: "ہماری سلطنت کے ہر صوبہ میں صدہا برس سے مسلمان موجود ہیں جو ہماری رعایا کا ایک حصہ ہیں اور جس طرح اور ہماری رعایا مثل ہماری اولاد کے ہے اسی طرح یہ مسلمان بھی ہماری اولاد ہیں۔ میں مسلمانوں میں اور اُن لوگوں میں جو مسلمان نہیں ہیں کچھ فرق نہیں سمجھتا۔ بعض حاکموں نے مسلمانوں کی خفیہ شکایتیں ہم سے کی ہیں۔ جن کی بنا صرف یہ ہے کہ مسلمانوں کا مذہب چینیوں کے مذہب سے اختلاف رکھتا ہے۔ مسلمان وہ زبان نہیں بولتے جو اور چینی بولتے ہیں اور لباس بھی اور چینیوں سے مختلف وضع کا ہے۔ اُن پر نافرمانی گستاخی۔ اور باغیانہ خیالات رکھنے کا الزام لگایا گیا ہے اور ہم سے درخواست کی گئی ہے کہ مسلمانوں کے خلاف سخت طریقے اختیار کیے جاویں۔ لیکن تحقیق و تفتیش کے بعد ہم کو معلوم ہوا کہ ان شکایتوں اور الزاموں کی کوئی بنیاد نہیں ہے۔ مسلمان جس مذہب کے پابند ہیں وہ فی الحقیقت اُن کے بزرگوں کا مذہب ہے۔ یہ سچ ہے کہ اُن کی زبان وہ نہیں ہے جو اور چینیوں کی زبان ہے لیکن چین کے ملک میں بہت سی مختلف قوموں کی زبانیں بولی جاتی ہیں۔ اُن کی مسجدوں کی نسبت اور اُن کے لباس اور طرز تحریر کے بارے میں جو چینیوں کی وضع اور طرز سے مختلف ہیں جس قدر شکایتیں کی گئی ہیں وہ ہرگز لحاظ کے قابل نہیں۔ یہ سب رواج اور دستور کی باتیں ہیں۔ مسلمانوں کا چال چلن ایسا ہی اچھا ہے جیسے اور ہماری رعایا کا چال چلن ہے۔ اور کسی بات سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ وہ بغاوت کرنے پر آمادہ ہیں۔ پس ہماری یہ خواہش ہے کہ مسلمان اپنے مذہب کی پیروی میں آزاد رہیں جس کا مقصد یہ ہے کہ لوگوں کو نیکی سے زندگی بسر کرنی سکھائی جاوے۔ اور جو انسانی اور ملکی فرائض انسان پر ہیں اُن کو ادا کیا جاوے ہماری

گورنمنٹ کے اُصولوں کو مسلمانوں کا مذہب تسلیم کرتا ہو۔ اس سے زیادہ ہمکو کیا چاہیے پس اگر مسلمان اپنے تئیں نیک اور خیرخواہ رعایا ثابت کرتے رہیں گے تو اُن پر ہمارا لطف وکرم ایسا ہی جاری رہیگا جیسے ہماری اور اولاد پر ہو۔ مسلمانوں میں سے لوگ مالی اور فوجی حاکم ہوئے ہیں جو اپنے عہدوں پر اونچے سے اونچے درجے تک پہنچے۔ یہ اس بات کا ثبوت ہو کہ اُنھوں نے ہماری عادات اور رسوم اختیار کرلی ہیں اور وہ ہماری کتب مقدسہ کی نصیحتوں پر عمل رکھتے ہیں۔ وہ علم ادب کے امتحانوں میں اور لوگوں کی طرح امتحان دیکر کامیاب ہوتے ہیں اور ہمارے قانون کے بموجب جو رسمیں ادا کرنی ضروری ہیں اُن کو وہ ادا کرتے ہیں۔ مختصر یہ کہ چینیوں کے بڑے بھاری کنبہ کے ایک رکن مسلمان بھی ہیں اور وہ انتظامی اور ملکی فرائض کو ٹھیک طور پر ادا کرنے کی کوشش کرتے ہیں جس وقت کسی حاکم کے سامنے مقدمہ پیش ہوگا تو فریقین کے مذہب وملت سے اُس کو کچھ بحث نہیں ہوسکتی میری رعایا کیلیے صرف ایک قانون ہو اور وہ یہ ہو کہ جو بھلائی کریں گے اُن کو انعام ملیگا اور جو بُرائی کرینگے اُن کو سزا دیجاویگی"[۵۱]

بہرحال یہ فرض نہیں کرنا چاہیے کہ گورنمنٹ کی بدظنی کے خوف سے چین کے مسلمان اور چینیوں سے علیحدہ اور مخصوص گروہ ہونے کی حیثیت نہیں رکھتے۔ مسلمانوں و چینیوں میں جو سخت ہنگامے ہوئے اور جن میں ہزاروں کا خون بہ گیا اُن سے ظاہر ہو کہ اگر چین کے تمام مسلمانوں میں نہیں تو کم سے کم ہر صوبہ کے چینی مسلمانوں میں رشتۂ اتحاد کیسا مضبوط ہو۔ صوبۂ یانان میں پانتھی کی مشہور بغاوت اس اتحاد کی نظیر ہو۔ برسوں کے مقابلہ (۱۸۵۵ء–۱۸۷۴ء) اور کشت وخون کے بعد چین کی گورنمنٹ اس بغاوت کو فرو کرسکی۔ اور کہا جاتا ہے کہ بیس لاکھ چینی مسلمانوں کا ان ہنگاموں میں خون ہوا[۵۲]۔ چین کے تمام مسلمانوں نے متفق ہوکر ابتک کوئی کام نہیں کیا ہو۔ یہ سب ہنگامے اور فساد صرف خاص خاص مقامات اور

---

۵۱ ڈے تیرساں۔ قوم ا صفحہ ۱۵۶-۱۵۷۔ ۵۲ سید سلیمان کا بیان ہو کہ صوبۂ یانان کی دو کروڑ ستر لاکھ کی آبادی میں اب بھی اس تعداد کا نصف حصہ مسلمان ہی جو آجکل موجود ہی۔ ثمراۃ الفنون (۲۱ شعبان ۱۳۱۲ ہجری)۔

صوبجات میں برپا ہوئے مگر ان باتوں سے اس قدر نتیجہ ضرور پیدا ہوتا ہے کہ چین کے مسلمان پولٹیکل حیثیت سے ایسے کمزور یا کسی اسلامی تحریک میں شریک ہونے سے ایسے عاجز اور قاصر نہیں ہیں جیسا کہ بعض لوگوں نے اُن کی نسبت فرض کر رکھا ہے[۱]۔ اس کے ساتھ ہی یہ دریافت ہوتا ہے کہ چین کے مسلمان لوگوں کو چپکے چپکے مسلمان کرنے میں بہت ساعی ہیں اور ان کوششوں سے یہ ہوتا ہے کہ چینیوں کے مختلف گروہ اسلام قبول کر کے آپس میں متحد و متفق ہو جاتے ہیں۔

چین میں اسلام کی اشاعت اس طریقے سے نہیں ہوئی کہ علانیہ اسلام کا وعظ کہا گیا ہو۔ اس بات سے مسلمانوں کو بغاوت کے جرم میں ماخوذ ہو جانے کا خوف ہوتا ہے چنانچہ اس خیال کی تصدیق ایک رپورٹ سے ہوئی ہے جس کو ۱۷۸۳ء میں صوبہ کوانگسی کے گورنر نے شہنشاہ چین کی خدمت میں روانہ کیا۔ اس رپورٹ کا مضمون یہ تھا"۔ میں (صوبہ کوانگسی کا گورنر) بادشاہ کی خدمت میں عرض کرتا ہوں کہ صوبہ کوانگ سی کا ایک شخص جس کا نام ہانفویون ہے آوارہ گردی کے جرم میں گرفتار ہوا ہے۔ جب اس شخص سے اس کا پیشہ پوچھا گیا تو اُس نے بیان کیا کہ دس برس کے عرصہ سے وہ سلطنت چین کے ہر ایک حصہ میں سفر کرتا رہا ہے تاکہ اپنے مذہب کے متعلق اطلاع حاصل کرے۔ اس شخص کے ایک صندوق میں سے تین ۳ کتابیں نکلی ہیں جن میں سے بعض خود اُس کی لکھی ہوئی ہیں اور بعض ایسی زبان میں تحریر ہیں جن کو یہاں کوئی نہیں سمجھ سکتا ان کتابوں میں مغرب کے کسی بادشاہ محمد (صلے اللہ علیہ وسلم) کی بہت تعریف کی گئی ہے۔ جب ہانفویون کو (اقبال جرم) کیلیے) تکلیفیں پہنچائی گئیں تو اُس نے اقرار کیا کہ اُس کے سفر کا مقصد ان کتابوں کی اشاعت تھا جن میں اُس کا مذہب بیان ہے۔ ہانفویون بہ نسبت اور مقامات کے صوبہ شانسی میں سب سے زیادہ عرصہ تک رہا۔ میں نے ان کتابوں کو دیکھا ہے۔ ان میں بعض مشتبہ

---

[۱] سر جے۔ ڈی۔ ٹیل "مشرقی تجربہ" صفحہ ۳۲۲ (مطبوعہ لندن ۱۸۸۴ء)

غیر زبان میں لکھی ہوئی ہیں۔ کیونکہ میں اُن کو نہیں سمجھ سکا۔ مگر جو کتابیں چینی زبان میں تحریر ہیں وہ بہت خراب ہیں بلکہ میں یہ کہوں گا کہ وہ ہنسنے کے قابل ہیں کیونکہ اُن میں ایسے لوگوں کی تعریف لکھی ہی جو تعریف کے اس لیے مستحق نہیں ہیں کہ میں نے کبھی اُن کا ذکر نہیں سُنا۔ شاید ہانفویوں صوبہ کانسوہ کا کوئی باغی ہی اُس کا چال چلن مشتبہ ہی کیونکہ معلوم نہیں ہوتا کہ ملک میں دس برس تک سفر کرنے سے اُس کا اصلی مقصد کیا تھا۔ میں اس مقدمہ کو اچھی طرح تحقیق و تفتیش کرنا چاہتا ہوں۔ لیکن اس اثنا میں میری درخواست یہ ہی کہ ہانفویون کے عزیزوں کے پاس جو چھاپنے کی تختیاں ہیں اور جن سے یہ کتابیں چھاپی گئی ہیں وہ جلادی جاویں اور جن لوگوں نے ان تختیوں پر چھاپنے کیلیے عبارت کندہ کی ہی وہ گرفتار ہوں اور کتابوں کے مصنف بھی پکڑے جاویں۔ جو کتابیں ملزم کے پاس سے برآمد ہوئی ہیں وہ بادشاہ کی خدمت میں روانہ کی جاتی ہیں۔ اور درخواست ہی کہ اُنکے بارے میں بادشاہ کا جو کچھ حکم ہو اُس سے مجھ کو اطلاع بخشی جاوے[۵۱]"

آخر کار یہ واعظ اسلام ہانفویون رہا ہوگیا۔ اور بادشاہ نے گورنر کی اس حرکت پر سخت اعتراض کیا۔ لیکن اس واقعہ سے ظاہر ہی کہ اسلام کی علانیہ اشاعت میں کیسے خطرات شامل ہیں۔ ہر سال چینیوں میں سے لوگ مسلمان ہوتے رہتے ہیں۔ لیکن یہ تبلیغ اسلام مسلمانوں کی چپ چاپ کوششوں کا نتیجہ ہی۔ یہ ہی وجہ ہی کہ موجودہ زمانہ میں اسلام اس طرح شائع نہیں ہوسکتا کہ ایک دفعہ ہی بہت سے چینی اسلام قبول کرلیں۔ گذشتہ صدی میں البتہ اس قسم کا واقعہ پیش آیا۔ ۱۸۳۰ء میں جب زنگیریا کی بغاوت فرو ہوئی تو چین کے مختلف صوبجات سے دس ہزار سپاہی پیشہ لوگ مع اپنے کنبوں کے جن کے ساتھ اور بہت لوگ ہوگئے زنگیریا کو روانہ کیے گئے تاکہ بغاوت سے جسقدر ملک برباد ہوا تھا اُس کو پھر آباد کردیں۔ زنگیریا میں مسلمان ہر طرف موجود ہی تھے اس لیے یہ سب لوگ مسلمان ہوگئے[۵۲]

[۵۱] دے تیرساں۔ توم ۲ صفحہ ۲۶۱-۲۶۳۔ [۵۲] دے تیرساں۔ توم ۱ صفحہ ۱۶۱-۱۶۲۔

شہروں میں مسلمان رفتہ رفتہ اپنے محلے علیحدہ کر لیتے ہیں اور پھر ایسے شخص کو جو مسجد میں نہ جاتا ہو اپنے محلوں میں آباد ہونے نہیں دیتے[۱]۔ اسلام کو خاص چین میں بہت استحکام ہو گیا ہی۔ اس کا باعث یہ ہو کہ جب کسی صوبہ کی آبادی وبا یا قحط کی بلاؤں سے جن کا گذر اکثر اس ملک میں رہتا ہو غارت ہو جاتی ہو تو مسلمان بہت خوشی سے اور مستعدی سے ان برباد مقاموں کو آباد کر دیتے ہیں۔ قحط کے زمانہ میں مفلسوں سے اُن کے بچے خرید لیتے ہیں اور اُن کو مسلمان کر کے پرورش کرتے ہیں۔ جب وہ جوان ہو جاتے ہیں تو اُن کی شادی کر کے اُن کو سکونت کیلیے علیحدہ مکان دیدیتے ہیں اور اس طریقے سے گاؤں کے گاؤں نومسلموں سے آباد کر دیے جاتے ہیں[۲]۔ ۱۷۹۰ء میں جب کوانگ سی کے صوبہ میں قحط پڑا تو مسلمانوں نے دس ہزار بچے کنگلوں سے خریدے جنھوں نے تنگدستی اور فاقہ کشی سے مجبور ہو کر اپنے قحط زدہ بچوں سے مفارقت گوارا کی[۳]۔ سید سلیمان نے بیان کیا کہ جو چینی اس طرح مسلمان ہوئے ہیں اُن کی تعداد بیشمار ہی[۴]۔ مسلمانوں میں پابندی مذہب کے لیے ہر طرح کی کوشش کیجاتی ہی۔ یہاں تک کہ غریب سے غریب آدمی کو بھی ابتدائی کتابوں کی مدد سے اسلام کے ضروری احکام اور ارکان سکھائے جاتے ہیں[۵]۔ سید سلیمان کا خیال ہو کہ آجکل اکثر لوگ چینی مسلمانوں کی مذہبی کتابوں کے اثر سے اسلام قبول کرتے ہیں[۶]۔ غرض چین کے مسلمانوں میں اگرچہ کوئی باضابطہ محکمہ یا سر رشتہ اشاعت مذہب کیلیے موجود نہیں ہو لیکن اُن میں تبلیغ اسلام کا شوق اس قدر بڑھا ہوا ہو کہ بہت لوگ مسلمان ہو کر مسلمانوں کی قوم میں شامل ہو جاتے ہیں اور یہ مسلمان اُس وقت کے منتظر ہیں جبکہ تمام سلطنت چین میں ہر جگہ اسلام ہی اسلام ہو گا[۷]۔

---

[۱] لابے گردسے "ڈے لاچین"۔ توم ۴۔ صفحہ ۵۰۰ (مطبوعہ پیرس ۱۹۰۱ء)۔ [۲] اینڈرسن صفحہ ۱۵۱۔ لابے گردسے "ڈے لاچین"۔ توم ۴۔ صفحہ ۵۰۰۔ [۳] ثمرات الفنون ۱۰ شوال صفحہ ۴۔ [۴] ڈبلیو جے سمتھ صفحہ ۱۸۰۔ [۵] ثمرات الفنون ۱۱ شوال صفحہ ۳۔ [۶] ڈے تیرسان۔ توم ۱۔ صفحہ ۳۔ [۷] ثمرات الفنون۔ ۲۲ شوال صفحہ ۴۔

باب یازدہم

افریقہ میں اسلام کی اشاعت

افریقہ میں دعوت اسلام کی تاریخ لکھنی بہت دشوار رہی۔ اگر زمانہ دیکھئے تو تقریباً تیرہ سو برس سے اسلام یہاں شائع ہو اور اگر وسعت ملک پر نظر کیجئے تو برّاعظم افریقہ کے دو ثلث حصّہ پر جسمیں کثرت سے مختلف قومیں اور جرگے آباد ہیں مسلمان موجود ہیں۔ غرض وقت کی قید اور ترتیب سے کہ کس کس زمانہ میں اس برّاعظم کے مختلف حصّوں میں اسلام شائع ہوا دعوت اسلام کے حالات لکھنے ناممکن ہیں۔ مصر۔ شمالی افریقہ۔ نوبیہ اور حبشہ کے مسیحی کلیساؤں سے جو تعلقات اسلام کے رہے وہ اس کتاب کے باب چہارم میں بیان ہوچکے ہیں۔ اب صرف یہ تجویز ہو کہ اول شمالی افریقہ کی بت پرست قوموں میں ترقی اسلام کا حال لکھا جاوے اور پھر سوڈان اور مغربی ساحل افریقہ کا ذکر لکھے مشرقی ساحل کے حالات تحریر ہوں اور اخیر میں کیپ کالونی کا حال لکھا جاوے کہ وہاں اسلام کی اشاعت کس طرح ہوئی۔

شمالی افریقہ کی بت پرست قوموں میں دعوت اسلام کے جس قدر حالات تحقیق ہوتے ہیں وہ اُن چند واقعات سے تعداد میں کم نہیں ہیں جو یہاں کے مسیحی کلیسا کے زوال کی نسبت ہم نے اس کتاب کے چوتھے باب میں درج کیے ہیں۔ بہرکیف یہ تحقیق ہو کہ قوم بربر میں جس کے قومی خصائل و عادات عربوں سے بہت ملتے تھے اسلام نے بہت جلد ترقی کی۔ اہل عرب بربر قوم کے فاتح تھے اور جس وقت ۷۰۳ء کی اخیر لڑائی میں بربر کی قوم سپاہ عرب کے مقابلہ پر جمی تو اُس کی ملکہ کاہنہ نے یہ سمجھ کر کہ آج قسمت میں شکست

تھی ہوا اپنے بیٹوں کو عرب کے سپہسالار کے پاس اس ہدایت سے روانہ کیا کہ وہاں پہنچکر اسلام قبول کریں اور جو دشمن کا مقصد ہو اُس کو اپنا مقصد بنالیں۔ خود ملکہ نے اپنے حق میں یہ بہتر سمجھا کہ اس معرکۂ عظیم میں جو کاہنہ کے چشموں کے قریب واقع ہوا اور جس میں قوم بربر کی قوت قطعی زائل ہو گئی ملکہ کاہنہ اپنی قوم کی سردار بنی ہوئی لڑتے لڑتے مرجائے۔[۱] غرض جس وقت بربر کی قوم ملکی آزادی سے محروم ہوئی تو اُس نے اسلام قبول کرلیا جو اپنی سہولت کی وجہ سے اُس کو قدرتی طور پر اچھا مذہب معلوم ہوا۔ اور جس کو قبول کرنے کیلیے اُس کی ملکہ نے بھی اپنا منشاء اس طور پر ظاہر کیا تھا کہ گویا وہ بھی اس دین کی اطاعت کرنی چاہتی تھی۔

سالشہ ء میں جس وقت بارہ ہزار بربر کا لشکر طارق کی سرکردگی میں (جو خود بھی بربر تھا) جہازوں پر سوار ہو کر ہسپانیہ کی تسخیر کو اُٹھا تو اس لشکر میں وہ لوگ تھے جن کو اسلام قبول کیے ہوئے تھوڑا زمانہ گذرا تھا۔ ان لوگوں کی نسبت خاص طور پر لکھا گیا ہو کہ اُنھوں نے سچی نیت اور عقیدے سے اسلام قبول کیا تھا اور عرب کے عالم اور فقیہ مقرر تھے کہ "ان کے سامنے قرآن پڑھیں اور قرآن کی عبارت اُن کو سمجھائیں"۔ اور نئے مذہب کے جسقدر فرائض ہیں اُن کی تعلیم و تلقین کریں۔[۲] افریقہ کے فاتح اکبر یعنی موسیٰ نے تبلیغ اسلام کا شوق اس طرح ظاہر کیا کہ خلیفہ عبد الملک نے جس قدر روپیہ موسیٰ کے پاس بھیجا وہ ایسے غلاموں کے خریدنے میں صرف ہوا جن کی صورت سے معلوم ہوتا تھا کہ وہ بطیب خاطر اسلام قبول کرلیں گے۔ المکاری لکھتا ہو کہ "فتح کے بعد جب غلام فروخت کیے جاتے تھے تو موسیٰ ایسے غلاموں کو خرید لیتا تھا جن کو سمجھتا تھا کہ وہ خوشی سے مسلمان ہو جاویں گے اور جو صورت سے بھی شریف اور ظاہرا چست و چالاک نوجوان معلوم ہوتے تھے اگر ذہن اور عقل کی جلا کے بعد اور حقائق اسلام کو قبول کرنے کے لائق بنکر وہ اسلام

---

[۱] ایے مولر پہلی جلد صفحہ ۲۱۲ ھ[۲] المکاری۔ پہلی جلد صفحہ ۲۵۲۔

قبول کر لیتے تھے جو سب مذہبوں میں بہتر دین ہی اور ان کا اسلام لانا صدق دل سے ہوتا تھا تو موسیٰ اُن کی قابلیتوں کی آزمائش کیلیے اُن کو کسی کام پر مقرر کرتا تھا - اگر وہ اچھے مزاج اور عمدہ لیاقت کے آدمی ثابت ہوئے تو آزاد ہو کر فوج کے بڑے عہدوں پر مامور کر دیے جاتے تھے اور لیاقت کے موافق ترقی پاتے تھے اگر اس کے خلاف اُنھوں نے اپنے کام میں کچھ شوق ظاہر نہیں کیا تو موسیٰ اُن کو پھر وہاں بھیجدیتا تھا جہاں لڑائی کے قیدی جمع رہتے تھے تاکہ قدیم دستور کے موافق جس میں مال غنیمت تیروں سے تقسیم کیا جاتا تھا وہ پھر تقسیم کر دیے جائیں[1] اسمٰعیل ابن عبداللہ کی نسبت جو خلیفہ عمر ابن عبدالعزیز کے عہد میں افریقہ کا گورنر تھا یہ کہا گیا ہی کہ اُس نے اپنے حلم اور عادلانہ انتظام سے بربر کے لوگوں کو مسلمان کیا - لیکن یہ کہنا کہ قوم بربر کا کوئی آدمی اُس کے وقت میں ایسا نہ رہا جس نے اسلام قبول نہ کیا ہو درست نہیں ہی[2] - کیوں کہ اس قوم کو مسلمان کرنا صدہا برس کا کام تھا - اگرچہ اس قوم میں اشاعت اسلام کے حالات کبھی تحریر نہیں ہوئے لیکن ایسے واقعات بیان ہو سکتے ہیں جنھوں نے مسلمان کرنے کے لیے اس قوم پر غالباً بتدریج اثر پہونچایا -

بربر کے لوگ اہل عرب سے ہمیشہ بغاوت کرتے رہتے تھے اور اہل تشیع کے داعیان اسلام جنھوں نے دسویں صدی عیسوی میں فاطمی خاندان کو قائم کرنے کا بندوبست کیا - جس وقت بربر کی قوم میں پہنچے تو اُن کا خیر مقدم ہوا اور بربر کے بعض جرگوں نے جس جوش و خروش سے اس تحریک بغاوت میں اہل تشیع کی مدد کی اُس سے یہ بات خلاف قیاس نہیں معلوم ہوتی کہ ان جرگوں کے بہت لوگوں نے جو اس واقعہ سے پہلے مسلمان ہونا اور ملکی آزادی سے محروم ہونا ایک بات تصور کرتے تھے اب اسلام قبول کر لیا ہو - گیارہویں صدی کے وسط میں ایک اور واقعہ ایسا پیش آیا جس سے بربر

[1] المکاری - صفحہ ۶۵ - [2] ویل - پہلی جلد صفحہ ۵۰۳ -

کے بہت فرقے مسلمانوں کی طرف رجوع ہوئے۔ گیارہویں صدی کے شروع میں بربر
کے صحرائی فرقوں میں لمطونا فرقہ کا سردار جس وقت حج سے فارغ ہوکر واپس آیا تو شمالی
افریقہ کے اسلامی شہروں میں اس کو ایک ایسے عالم اور متقی مسلمان کی تلاش ہوئی جو اُس
کے ساتھ چلکر اُس کی جاہل قوم کو جو ضلالت میں مبتلا تھی اسلام پر دعوت دے۔ اوّل
اوّل اُس کو کوئی ایسا آدمی نہ ملا جو علم کے گوشۂ عافیت کو چھوڑ کر صحرا کے خطرے جھیلنے
پر آمادہ ہوتا لیکن اخیر میں عبداللہ ابن یسین سے اُس کی ملاقات ہوئی جو علم ظاہر و باطن
میں ماہر تھے اور اس دشوار کام کو انجام دینے کی قابلیت بھی اُن میں بخوبی موجود تھی۔
بربر کے صحرائی جرگوں میں اگرچہ واعظین اسلام نویں صدی عیسوی سے پہنچے ہوئے
تھے جہاں اُنھوں نے اسلام شائع کیا تھا لیکن صحرا کے یہ باشندے اچھی طرح مذہب کے
پابند نہ تھے۔ چنانچہ عبداللہ ابن یسین جب ان کے پاس پہنچے تو دریافت ہوا کہ وہ لوگ
بھی جو اسلام کا اقرار کرتے ہیں پابند مذہب نہیں ہیں اور سب طرح کی بُری باتوں پر
اُن کا عمل ہے۔ عبداللہ ابن یسین نے بہت جانفشانی سے لمطونا کو راہ راست پر لانے
اور فرائض مذہب میں اُن کو تربیت دینے کا کام اپنے ذمے لیا۔ لیکن اُنھوں نے کسی قدر
سختی اور درشتی سے ان لوگوں کی عیب چینی کی اور اُن کی حالت کی اصلاح کرنی چاہی
اس لیے ان لوگوں کو اپنے اُستاد کے ساتھ ہمدردی نہ رہی اور عبداللہ ابن یسین کو
ایسی مایوسی ہوئی کہ اُنھوں نے اس سرکش قوم کو چھوڑ کر سوڈان کے باشندوں
میں تبلیغ اسلام کا قصد کرلیا۔ جب لوگوں نے اُن کو سمجھایا کہ جو کام شروع کیا ہے
اُس کو چھوڑنا نہ چاہیے تو عبداللہ ابن یسین اپنے مریدوں سمیت دریائے سنیگال
کے ایک جزیرہ میں جارہے یہاں اُنھوں نے ایک خانقاہ بنائی جہاں پیر و مرید
ہر وقت ریاضت و مجاہدت میں مصروف رہنے لگے۔ جس وقت عبداللہ ابن یسین نے
اس جزیرہ میں سکونت اختیار کی تو صحرا کے بعض نیکبخت لوگوں کو اس خیال سے سخت

پشیمانی ہوئی کہ اُنھوں نے اپنی شرارت سے ایسے بزرگ اور خدا رسیدہ شخص کو اپنے سے علیحدہ کر دیا اور وہ معذرت کیلیے جزیرہ میں آئے اور مرشد سے التجا کی کہ حقائق مذہب کی پھر اُن کو تعلیم و تلقین کریں۔ غرض اس طریقے سے عبد اللہ ابن یسین کے پاس مرید جمع ہونے شروع ہوئے یہاں تک کہ اُن کا شمار ایک ہزار کے قریب ہو گیا۔ اب عبد اللہ ابن یسین کو خیال ہوا کہ وہ وقت آگیا ہے کہ اشاعت دین کیلیے عملی طریقے اختیار کیے جاویں۔ اُنھوں نے اپنے مریدوں سے کہا کہ جس خدا نے وحی کی رحمت اُنکے لیے نازل کی اُن کا شکر اس طرح ادا کرنا مناسب ہے کہ اسی وحی کے علم کو دوسروں تک پہنچایا جاوے"۔ لوگو۔ اپنی اپنی قوم کے پاس جاؤ۔ اور خدا کی شریعت اُن کو سکھاؤ اور اُس کی مار سے اُن کو ڈراؤ۔ اگر وہ اپنی غلطیوں پر نادم ہوں تو اُن کے طریقوں کی اصلاح کرو اور اُن سے کہو کہ سچی بات قبول کریں۔ اور اُن کو امن و امان سے رہنے دو اگر وہ انکار کریں اور اپنی غلطیوں پر مصر ہوں اور گناہ کی زندگی نہ چھوڑیں تو اُن کے خلاف خدا سے مدد مانگو اور ان سے لڑو جس وقت تک خدا ہم میں اور اُن میں انصاف کرے۔ یہ سُنکر ہر شخص اپنی قوم میں گیا اور لوگوں کو سمجھایا کہ گناہ سے باز آئیں اور خدا پر ایمان لائیں لیکن کامیابی نہ ہوئی۔ خود عبد اللہ ابن یسین بھی خانقاہ سے روانہ ہو کر بربر کے سرداروں کے پاس اس توقع سے گئے کہ اب وہ اُن کے وعظ کو دل سے سُنیں گے مگر اُن کو بھی کامیابی نہ ہوئی۔ آخر کار ۱۰۴۲ء میں اُنھوں نے اپنے مریدوں کو جمع کیا اور بربر کے فرقوں پر جو قریب رہتے تھے حملہ کیا اور دشمنوں کو بجبر مسلمان کر لیا۔ عبد اللہ ابن یسین کے معتقدین کا نام مرابطین رکھا گیا تھا۔ یہ لفظ اُسی مادہ سے ہے جس سے رباط کا لفظ ہے رباط سے مراد خانقاہ ہے جو دریائے سنیگال کے جزیرہ میں اُنھوں نے بنائی تھی۔ جب عبد اللہ ابن یسین کو فتح ہوئی تو صحرا کی قوموں کو یہ جنگ و جدل کے معرکے وعظ و نصیحت کے مقابلہ میں زیادہ دلکش معلوم ہوئے اور وہ خوشی خوشی ایسے مذہب کو قبول کرنے

چلے آئے جس کے معتقدین کو ایسی عظیم الشان فتوحات حاصل ہوئی تھیں ۱۰۵۹ء میں عبداللہ ابن یسین نے وفات کی۔ لیکن جو اسلامی تحریک اُنھوں نے اپنی زندگی میں پیدا کی تھی وہ اُن کے مرنیکے بعد زندہ رہی۔ اور بربر کے اکثر بت پرست فرقوں نے مسلمان ہوکر ہموطن مسلمانوں کی تعداد بڑھا دی۔ مسلمان ہونیکے بعد یہ قومیں صحرا سے نکلکر شمالی افریقہ میں پہنچیں اور آخرکار ہسپانیہ کی بھی مالک بن گئیں[1]۔

یہ بات قرین قیاس ہو کہ بربر میں جس وقت دوسری قومی تحریک شروع ہوئی یعنی بارہویں صدی عیسوی کے شروع میں بنو مہدی نے زور پکڑا تو اُس وقت بربر کے بعض جرگے جو ابھی تک اسلام نہ لائے تھے مسلمان ہوگئے۔ دولت مہدوی کے بانی ابوعبداللہ محمد ابن تومرت نے توحید کی تعلیم شروع کرنے کے لیے بربر زبان میں ایک کتاب لکھی جس کا نام توحید تھا اور اسلام کے اُصول اپنے خیال کے موافق اُس میں درج کیے[2]۔ پندرہویں صدی عیسوی تک بربر کے بعض جرگے بت پرست رہے[3]۔ لیکن عام میلان اسی طرف تھا کہ چھوٹے چھوٹے گروہ مسلمان ہوکر مسلمانوں کی قوم میں شامل ہوجاویں۔

صحرا میں شائع ہونے کے بعد اسلام کی تبلیغ سوڈان کی نیگرو قوموں میں شروع ہوئی اس تحریک کی ابتدائی تاریخ تاریکی میں ہو غالباً گیارہویں صدی عیسوی میں عربوں کے چند گروہ (جو خالص عرب نہ تھے تو اُن میں عرب کا خون ضرور تھا) سوڈان میں آکر یہاں کی قوموں میں آباد ہوگئے۔ لیکن اُن سے بھی پہلے بربر کے واعظین اسلام اور عرب کے تاجروں نے نیگرو قوم میں رسوخ پیدا کیا تھا۔ دولت مُراکو کا بانی اور خاندان مرابطین کا دوسرا امیر یوسف ابن تشفین تبلیغ اسلام میں بہت کامیاب ہوا اور نیگرو جو اُس کی سلطنت میں رہتے تھے کثرت سے مسلمان ہوگئے[4]۔ بربر کے دو فرقے یعنی لمطونہ اور جدالہ جن کا وطن کسی قدر سوڈان کی سرحد پر اور کسی قدر اس ملک کے اندر تھا اشاعت میں

[1] صالح ابن عبدالحلیم۔ صفحہ ۱۶۸-۱۷۳۔ [1] لے مولر۔ دوسری جلد صفحہ ۶۱۱-۶۱۳ [2] صالح ابن عبدالحلیم۔ صفحہ ۲۵۰۔ [3] لیو افریکانوس۔ (راموسیو۔ توم۔ ۱۔ صفحہ ۱۱۔) [4] لیو افریکانوس۔ صفحہ ۷۷۰۔

بہت سرگرم رہے[۱]۔ نیگرو کی قوموں میں اشاعت کے متعلق جس قدر حالات دریافت ہوتے ہیں اُن سے ظاہر ہی کہ اول شمال کی سمت سے نیگرو کے مغربی جرگوں میں اسلام کا چرچا ہوا اور پھر مغربی اطراف میں اس مذہب کو ترقی ہوئی۔ یہاں سب سے پہلے جس شخص کا مسلمان ہونا تحریر ہوا ہی وہ سونری کے شاہی خاندان ساکا پندرہواں پادشاہ تھا اس بادشاہ کا نام ساکاسی تھا اور سنہ ۴۰۰ھ مطابق سنہ ۱۰۰۹ء کے قریب وہ مسلمان ہوا تھا۔ سونری کی عملداری شہر تمبکتو کے جنوب مشرق میں ہی غرض اس زمانہ میں دریاے نائگر (قورہ) کے بالائی جانب جو عملداریاں ہیں وہ اسلامی حصار بن گئیں اور اُن کو تہذیب و شائستگی میں اپنے زمانہ کے اعتبار سے اعلیٰ درجہ کی ترقی ہوئی[۲]۔ تمبکتو کا شہر جو سنہ ۱۱۰۰ء میں آباد ہوا اسلامی علوم و فنون کی وجہ سے مشہور ہوگیا۔ اور بڑے بڑے عالم و فاضل قدردانی کے خیال سے وہاں جمع ہوگئے۔ ابن بطوطہ نے چودہویں صدی عیسوی کے وسط میں اس ملک کا سفر کیا اور نیگرو قوم کے مسلمانوں کی تعریف میں لکھا کہ "وہ پابند صوم و صلوٰۃ ہیں اور قرآن پڑھتے ہیں اگر جمعہ کے روز کوئی شخص بہت پہلے مسجد میں نہ پہنچے تو پھر جگہ ملنی نا ممکن ہی کیونکہ جمعہ میں نمازیوں کی بہت کثرت ہوتی ہی[۳]"۔ ابن بطوطہ کے زمانہ میں مغربی سوڈان میں مالی کی عملداری سب سے زبردست تھی۔ اس عملداری کو ماندنگو کی قوم نے ابن بطوطہ کے سفر سے سو برس پہلے قائم کیا تھا۔ یہ قوم افریقہ کی بہترین قوموں میں سے ہی لیو افریکانوس[۴] نے لکھا ہی کہ ماندنگو بہت شائستہ ہوتے ہیں اور نیگرو کی قوموں میں وہ سب سے زیادہ قابل عزت اور دیانت دار ہیں[۵]۔ یہ لوگ تبلیغ اسلام میں نہایت درجہ ساعی ہوتے ہیں اور جو قومیں اونکے

---

[۱] کرذنک و سلطان فوربورنو - مرتبہ او توبلو صفحہ ۲۴۴ [۲] اوپل صفحہ ۲۰۸ [۳] ابن بطوطہ - توم ۴ - صفحہ ۴۲۱-۴۲۲ [۴] راموسئو - توم ۱ - صفحہ ۷۰ [۵] وائن وڈ ریڈ نے لکھا ہی کہ ماندنگو "بلند قامت خوبصورت اور گندمی رنگ کے لوگ ہوتے ہیں ان کا مذہب اسلام ہی اور اُن کے پاس گھوڑے اور مویشیوں کے گلے ہوتے ہیں وہ روئی - اخروٹ اور اکثر قسم کے اناج کی زراعت کرتے ہیں میں ان لوگوں کی مہربانی اور مہمان نوازی سے بہت خوش ہوا اور اُنکی عورتوں کی متین صورتیں اور وضع اور اونکے گھروں کی صفائی اور خاموشی دیکھکر مجکو بہت مسرت ہوئی"۔ ڈبلیو - وائن ڈ ریڈ "افریقن سکیچ بک" پہلی جلد صفحہ ۲۰۳ -

پڑوس میں رہتی ہیں اُن کو مسلمان کرچکے ہیں۔[5]

ملک سوڈان کے زیادہ مغربی اطراف میں اسلام کی ترقی گیارہویں صدی عیسوی کے وسط میں ہوئی جبکہ بورنو کے بادشاہ وقت نے اسلام قبول کیا اور اپنا نام سلطان احمد ابن جلیل رکھا[6] بورنو کی عملداری جھیل جاد کے مشرقی ساحل پر ہے۔ اسی زمانہ میں کانم کی عملداری جو جھیل جاد سے شمال اور شمال مشرق میں ہے مسلمان ہوئی اور مسلمان ہوتے ہی وہ بڑی سلطنت ہوگئی اور مشرقی سوڈان سے لیکر مصر اور نوبیہ کی سرحد تک جس قدر قومیں آباد تھیں وہ اُس کے مطیع ہوئیں پس اس طریقے سے افریقہ کے مرکز تک اسلام پہنچ گیا جہاں سے وہ ہر سمت میں جلد پھیلنا شروع ہوا۔ اور یہاں اسلامی کوششوں کے گویا دو دریاؤں کا سنگم ہوگیا۔ یعنی تبلیغ اسلام کا ایک دریا مغرب سے اور دوسرا شمال مشرق سے چلا اور دونوں افریقہ کے وسط میں ملگئے۔ مشرقی سوڈان میں کاردوفان کے سوداگروں کو یہ دعویٰ ہے کہ وہ اہلِ عرب کی نسل سے ہیں جو بارہویں صدی عیسوی میں دولت فاطمیہ مصر کے زوال کے بعد یہاں پہنچے تھے۔ چودھویں صدی عیسوی میں تنگور کے عرب طونس سے اُٹھکر جنوب کی سمت میں آباد ہوئے اور بورنو اور وادی سے گذر کر دارفر کے ملک میں پہنچ گئے۔ ان عربوں میں ایک شخص احمد تھا جس پر دارفر کا بادشاہ بہت مہربان ہوا یہاں تک کہ اُس کو اپنے محل کا مہتمم مقرر کردیا اور تمام موقعوں پر اُس سے صلاح اور مشورہ لینے لگا۔ چونکہ احمد کو حکومت کے زیادہ مہذب طریقے معلوم تھے اس لیے سلطنت کے انتظام میں اُس نے اکثر باتوں کی اصلاح کی اور اپنے حسن انتظام سے ملک کے سرکش سرداروں کو سلطنت کا مطیع کردیا۔ مفلسوں میں زمینیں تقسیم کرکے رات دن کی قزاقیوں کو دور کیا اور رعایا کو ایسا امن میسر ہوا جس کو پہلے وہ جانتی تک نہ تھی۔ دارفر کے بادشاہ نے احمد سے اپنی بیٹی کا نکاح کردیا اور چونکہ اُس کا کوئی بیٹا نہ تھا اسلیے احمد ہی کو اپنا وارث

[6] وبلا صفحہ ۱۰-۱۹ ۔ ۵ و توبلو صفحہ ۳۲۲-

اور جانشین مقرر کیا۔ یہ تقرر ایسا تھا جس کو رعایا نے بھی بہت پسند کیا غرض دارفر کے ملک میں جو اسلامی خاندان اس طرح قائم ہوا وہ ابتک موجود ہی سلطان احمد اور اُس کی اولاد نے دارفر کے باشندوں کی تہذیب و تربیت کے لیے جو کام کیے اُن میں اشاعت اسلام کی کوششیں بھی شامل تھیں لیکن عربوں نے جو طونس سے یہاں آکر آباد ہوئے تھے بت پرستوں کو مسلمان کرنے میں کچھ کوشش نہ کی۔ بلکہ دارفر کے ملک کو اُس کے بادشاہ سلیمان نے جس کا عہد ۱۵۹۶ء میں شروع ہوا پورے طور پر مسلمان کیا۔ سولھویں اور سترھویں صدی عیسوی سے پہلے وادی اور باجرمی کے ملکوں میں جو کاردوفان اور جھیل جاد کے مابین واقع ہیں اسلام شائع نہ ہو سکا لیکن وادی کی عملداری جس کا بانی ۱۶۱۲ء میں عبدالکریم ہوا جس وقت مسلمان ہو گئی تو وہ اسلام کا مرکز بن گئی۔ سترھویں صدی عیسوی میں کت سینا اور کانو کی عملداریاں جو ہوسا کے ملک میں تھیں مسلمانوں کی حکومت میں آگئیں اور صدی کے ختم ہوتے ہوتے سوڈان کے ملک میں ہر جگہ کثرت سے لوگ مسلمان ہو گئے۔[۵۳]

سترھویں اور اٹھارہویں صدی میں دعوت اسلام کے جو واقعات افریقہ میں گذرے وہ تعداد میں کم ہیں اور جس وقت موجودہ صدی کے حالات تبلیغ سے اُن کا مقابلہ کیا جاتا ہی تو وہ بہت قلیل معلوم ہوتے ہیں۔ اٹھارہویں صدی میں افریقی مسلمانوں کو مذہب کی طرف سے ایسی بے پروائی رہی کہ اُن کو اس غفلت سے بیدار کرنے کے لیے قوی علاج کی ضرورت ہوئی۔ چنانچہ گذشتہ صدی کے خاتمہ پر فرقۂ وہابیہ کی کوشش سے اُن میں مذہبی بیداری پیدا ہوئی اور یہی وجہ ہی کہ آج کل نیگرو قوموں میں دعوت اسلام کے حالات ایسے دریافت ہوتے ہیں جو گذشتہ واقعات کی طرح قلیل التعداد نہیں ہیں بلکہ اکثر اسلامی تحریکوں

۵۱ سلاتین پاشا "سوڈان میں آگ اور تلوار" صفحہ ۴۰-۴۲ (لندن ۱۸۹۶ء) ۵۲ کانو کی عملداری کی نسبت کہا جاتا ہی کہ دسویں صدی عیسوی کے وسط میں قائم ہوئی تھی۔ اس کے پچیس بادشاہ بت پرست ہوئے لیکن چھبیسواں بادشاہ مسلمان تھا۔ اسکے بعد پھر چھ بادشاہ بت پرست ہوئے لیکن ان کے بعد سے ابتک یہ عملداری اسلامی حکومت کے تحت میں ہی۔ (رابنسن "ہوسا کا ملک" صفحہ ۱۸۰) (لندن ۱۸۹۶ء) ۵۳ اویل۔ صفحہ ۲۹۰ و ۲۹۱۔

کے پیدا ہونے اور ترقی کرنے کا مفصل حال تحقیق ہوتا ہی۔

اٹھارہویں صدی عیسوی کے اخیر میں فلاحین افریقہ میں سے شیخ عثمان دانفودیو بڑا مصلح[۵۱] قوم اور لڑاکر مذہب پھیلانے والا پیدا ہوا۔ جس وقت شیخ عثمان مکہ سے حج کرکے سودان کو واپس آیا تو مسلمانوں کی اصلاح اور شعار اسلام کو زندہ کرنے کا جوش اُس کے دلمیں ہرا تھا۔ عثمان جس زمانہ میں مکہ میں تھا تو فرقہ وہابیہ وہاں بہت ترقی پر تھا۔ عثمان پر بھی وہابیوں کا اثر پڑا اور اُس نے فاتحہ اور نذر نیاز کی رسموں کو اور مقابر کی زیارت کو بُرا بتایا بلکہ لوگوں کو سمجھایا کہ پیغمبر خدا صلے اللہ علیہ وسلم کی بھی بیجد تعظیم نہ کی جاوے اور سودان کے باشندوں میں جو دو قسم کے سخت گناہ پھیلے ہوئے تھے یعنی شراب خوری اور بدکاری اُن پر عثمان نے نہایت سختی سے حملہ کیا۔

ابتک فلاحین افریقہ چھوٹے چھوٹے گروہ رکھتے تھے جن کا کام کاشتکاری تھا ان لوگوں کو مسلمان ہوئے مدت ہوئی تھی اور اُنہوں نے اسی پر قناعت کی تھی کہ سودان کے مختلف حصوں میں زراعت سے یا مویشی چراکر اپنی گذراوقات کریں۔ اٹھارہویں صدی کے شروع میں اس قوم کے جو کچھ حالات تحریر ہوئے ہیں اُن سے معلوم ہوتا ہی کہ وہ ایک عافیت پسند اور محنتی قوم تھی۔ سنہ ۱۷۳۱ع میں فلاحین افریقہ کی بستیوں میں جو دریائے گامبیا کے کناروں پر واقع تھیں ایک سیاح[۵۲] پہنچا اور اُس نے لکھا کہ دریائے گامبیا جن ملکوں اور عملداریوں میں سے گذرتا ہی اُن میں بھورے رنگ کے لوگ آباد ہیں جن کو (فولی) فلاحین کہتے ہیں۔ یہ لوگ عربوں سے مشابہت رکھتے ہیں اور اُن میں سے اکثر عربوں ہی کی زبان بولتے ہیں کیونکہ عربی زبان اُن کے مدرسوں میں سکھائی جاتی ہی اور قرآن جو اُن کا قانون ہی وہ بھی اسی زبان میں ہی۔ یہ لوگ عربی زبان اس قدر سیکھے ہوئے ہوتے ہیں کہ یورپ کے لوگ لیٹن زبان اس قدر نہیں جانتے۔ کیونکہ اکثر فلاحین عربی بول سکتے ہیں۔ انکی

[۵۱] کوبے۔ بلیکنگنا افریکانا" صفحہ ۱۹ (لندن ۱۸۴۸ع) دائن ڈورینڈ پہلی جلد صفحہ ۳۰ اور ڈیل صفحہ ۲۹۱ [۵۲] فرانسس مور صفحہ ۷۵۔ ۷۷

ایک دیسی زبان ہو جس کو فولی کہتے ہیں۔ اس قوم کے آدمی طائفوں اور جرگوں میں رہتے ہیں۔ وہ اپنے شہر علیحدہ بناتے ہیں اور بادشاہوں میں سے جن کی حدود سلطنت میں وہ رہتے ہوں کسی بادشاہ کے محکوم نہیں ہوتے۔ کیونکہ اگر کسی قوم میں رہکر اُن کو آزار پہنچتا ہی تو وہ اپنی بستیاں توڑ دیتے ہیں اور دوسری جگہ آباد ہو جاتے ہیں۔ فلاحین کے سردار اپنی قوم پر اس طرح نرمی سے حکومت کرتے ہیں کہ اُن کی گورنمنٹ کا حکم بجاے اس کے کہ ایک شخص کا حکم معلوم ہو کل قوم کا حکم معلوم ہوتا ہی۔ اُن کی گورنمنٹ ایسی ہو جس کا انتظام بہت آسانی سے ہوسکتا ہی کیونکہ ساری قوم نیک مزاج اور بے شر ہی عدل و انصاف کے اعتبار سے اُن کی تعلیم ایسی ہوتی ہو کہ کوئی شخص جو بُری حرکت کرتا ہی اُس سے تمام قوم نفرت کرنے لگتی ہی۔ .... سب لوگ بہت جفاکش اور سیدھے سادے ہوتے ہیں اور اپنے صرف سے زیادہ اناج پیدا کرلیتے ہیں جس کو وہ واجبی قیمت پر بیچ ڈالتے ہیں۔ اُن کی مہمان نوازی ایسی مشہور ہی کہ اس دیس کی اور قومیں فلاحین کے شہروں کا اپنے پڑوس میں آباد ہونا نعمت تصور کرتی ہیں۔ علاوہ اس کے وہ اس قدر نیکنام ہیں کہ اُنکی قوم کے کسی آدمی کے ساتھ مہربانی یا مہمان نوازی سے پیش نہ آنا بہت بُرا سمجھا جاتا ہی اگرچہ اس قوم کی انسانی ہمدردی عام ہی لیکن اپنی ہی قوم والوں کے ساتھ اُس کو دوگنی ہمدردی ہوتی ہی۔ اگر اُن کو معلوم ہو جاوے کہ قوم کا کوئی آدمی غلام کرلیا گیا ہی تو کل قوم ملکر اُس کو آزاد کرلیتی ہی۔ چونکہ کھانے پینے کا سامان اُنکے پاس ضرورت سے زیادہ ہوتا ہی اس لیے وہ اپنے کسی آدمی کو بھوکا یا ننگا نہیں رہنے دیتے جس طرح قوم کے اور لوگوں کی خدمت کیجاتی ہی اسی طرح بڈھوں اندھوں اور اپاہجوں کے ساتھ سلوک سے پیش آتے ہیں۔ اُن کو کبھی غصہ نہیں آتا۔ اور میں نے کبھی نہیں سُنا کہ اُن میں سے کسی ایک نے دوسرے کی بُرائی کی ہو۔ ان کا یہ حلم اور تحمل اس وجہ سے نہیں ہو کہ اُن میں دلیری اور بہادری کی کمی ہی۔ نہیں بلکہ افریقہ کی اور قومیں جس قدر دلیر اور بہادر ہیں اُسی قدر بہادر یہ لوگ بھی

ہیں۔ اور ہتھیار چلانے میں بڑے مشاق ہیں۔ اُن کے ہتھیاروں میں چھوٹی تلواریں تیر اور کمان اور بعض دفعہ بندوقیں ہوتی ہیں .... یہ قوم بڑی متشرع مسلمان ہے اور اُس کا کوئی آدمی برانڈی یا پانی سے زیادہ کوئی تیز پینے کی چیز نہیں پیتا"۔

لیکن عثمان وانفودیو نے فلاحین کے منتشر گروہوں اور جرگوں کو ملا کر ایک قوم بنا دیا۔ اور اُن میں مذہب کا جوش پیدا کر کے جس کی وجہ سے آجتک تبلیغ اسلام میں اُن کی کوششیں مشہور ہیں۔ اُن کو ملک ہوسا کی بت پرست قوموں سے لڑنے کیلیے لے گیا۔ اور بتبکتو بورنو وغیرہ کے بادشاہوں کو خطوط روانہ کیے جنمیں حکم تھا کہ یا تو اپنی اور اپنی رعایا کی اصلاح کریں نہیں تو خدا کی طرف سے اُن کو سزا دینے کیلیے عثمان اُن کے پاس آتا ہے۔ غرض فلاحین ملک فتح کرتے ہوئے جنوبی اور مغربی اطراف میں بڑھے اور ملک کے ملک برباد کر دیے جو قوم مغلوب ہوئی اُس کو بجبر مسلمان کیا اور جو منتشر گروہ فتح ہوئے اُن کو ملا کر ایک قومی انتظام میں ترتیب دیا۔ ان فتوحات کے بعد فلاحین نے سکوتو کا شہر تعمیر کیا جو اسلامی حکومت کا دارالسلطنت قرار پایا۔ ۱۸۳۷ء میں کئی بت پرست عملداریوں کو برباد کر کے اُن کی جگہ اداموا کی عملداری قائم ہوئی۔ بروبا کے ملک میں آویو کا شہر عثمان نے مسمار کر دیا اور اُس کے قریب الورین کا شہر بنایا جس کے بازار بہت چوڑے تھے اور جسمیں چوک اور مسجدیں بہت تھیں غرض فلاحین کی قوم ملک فتح کرتی ہوئی مغرب کی طرف سمندر کے کنارے تک پہنچ گئی اور ملک سنی گامبیا اور سوڈان میں جو چار اسلامی عملداریاں آجتک قائم ہیں وہ اس بات کی دلیل ہیں کہ عثمان وانفودیو نے تبلیغ اسلام میں کیسی ہمت صرف کی۔ عثمان نے اپنی قوم کو فاتح قوم بنا دیا اور سب سے بڑھکر یہ کیا کہ اُن میں اسلام کا ایسا جوش عقیدت پیدا کیا کہ عملی جد و جہد کے لحاظ سے افریقہ کے داعیان اسلام میں فلاحین کو سب سے زیادہ تفوق حاصل ہے اُن کی تہذیب وتعلیم نے اُن کو اس کام کیلیے لائق اور قابل بنا دیا۔ ملکی فتوحات سے اسلام کو اس قدر ترقی نہیں ہوئی جس قدر کہ ان فتوحات کے بعد امن و امان کے وسایل

سے دعوت اسلام میں فلاحین کو کامیابی حاصل ہوئی۔

افریقہ کے اِس حصہ میں اسلام کی تبلیغ اور ترقی زیادہ تر ایسے لوگوں نے کی جنھوں نے کافرونکو مسلمان کرنیکے لیے کبھی تلوار نہیں اُٹھائی۔ یہ ترقی صوفیہ کے بعض مشہور خاندانوں کیوجہ سے ہوئی جن کا اثر شمالی افریقہ کے مسلمانوں میں بہت ہی۔ موجودہ صدی میں انہی صوفیوں کی کوشش سے مہتم بالشان نتیجے پیدا ہوئے ہیں۔ اگرچہ اُن کے کام کبھی مفصل تحریر نہیں ہوئے لیکن بعض اسلامی تحریکیں دریافت ہوتی ہیں جنکے یہ بانی ہوئے۔

صوفیہ کی طرف سے جس قدر دعوت اسلام کی تحریکیں ہوئیں اُن میں سب سے قدیم تحریک کے بانی سی احمد ابن ادریس ہوئے[۵۱] جن کو ۱۷۹۷ء سے ۱۸۳۳ء تک مکہ معظمہ میں اپنے علم و فضل کی وجہ سے بڑی شہرت رہی۔ اس وقت یہ بزرگ خاندان خضریہ کے سردار تھے ۱۸۳۵ء میں اُن کا انتقال ہوا اور اس سے پہلے اُنھوں نے اپنے ایک مرید محمد عثمان الامیرغنی کو دعوت اسلام کیلیے افریقہ روانہ کیا۔ محمد عثمان بحراحمر عبور کرکے کسیر میں اُترے اور یہاں سے دریائے نیل کی طرف روانہ ہوئے وادی نیل تک اُنکی صرف یہ کوشش رہی کہ مسلمانوں کو خاندان خضریہ میں مرید کریں۔ لیکن جس وقت تک سمت شمال میں دریائے نیل کے کنارے کنارے سفر کرکے وہ اسوان کے شہر تک نہیں پہنچے تبلیغ میں اُن کو بجوبی کامیابی نہیں ہوئی۔ البتہ اسوان سے ڈنگولا تک اُن کو نہایت کامیابی ہوئی۔ نوبیہ کے لوگ بکثرت بیعت کرنیکے لیے دوڑے آئے عثمان کو اب بادشاہوں کا سا شان و تجمل حاصل ہوگیا تھا۔ جس سے اہل نوبیہ کے دل بہت متاثر ہوئے اور اُن کی کرامات کی شہرت نے ہزاروں آدمیوں کو اُن کا مرید بنا دیا۔ عثمان نے ڈنگولا پہنچکر کاردوفان جانیکے لیے وادی نیل کا سفر ترک کیا اور کاردوفان میں بہت عرصہ تک قیام کیا۔ بت پرستوں کو مسلمان کرنا یہاں سے شروع ہوا۔ کاردوفان اور سینار میں بہت سے فرقے ایسے تھے جو ابھی تک

---

[۵۱] لنڈن صفحہ ۴۰۳-۴۰۴-

بت پرست تھے۔ لیکن محمد عثمان کے وعظ کا لوگوں پر ایسا اثر ہوا کہ اُن کو تبلیغ اسلام میں بڑی کامیابی ہوئی اور یہ کامیابی اس طریقہ سے اور دیرپا ہوگئی کہ محمد عثمان نے کاردوفان میں بہت سے نکاح کیے اور جو اولاد ہوئی اُس نے باپ کے انتقال (۱۸۵۳ء) کے بعد اشاعت کے لیے وہی کام جاری رکھے جو باپ نے شروع کیے تھے۔ محمد عثمان کی اولاد امیر غنیہ کے نام سے مشہور ہوئی[۱]۔

محمد عثمان کے سفر سے چند سال پہلے موجودہ خاندان مصر کے بانی محمد علی پاشا کی فوجوں نے مشرقی سوڈان میں فتوحات حاصل کیں۔ اور گورنمنٹ مصر نے بعض صوفیہ خاندانوں کے مریدوں کو اس جدید مفتوحہ ملک میں جانے کی ترغیب اس خیال سے دی کہ اُن کی کوشش سے ملک میں امن ہو جائیگا۔ ان لوگوں کو اپنی محنت اور کوشش میں ایسی کامیابی ہوئی کہ زمانۂ حال میں جو ہنگامے مہدی کیوجہ سے سوڈان میں ہوئے اُن کا سبب یہی بیان کیا جاتا ہے کہ ان واعظین کی تلقین سے سوڈان کی رعایا کو ان ہنگاموں کا اشتعال ہوا[۲]۔

افریقہ کے مغربی اطراف میں سلسلہ قادریہ اور تجانیہ کی کوششوں سے اسلام کی ترقی ہوئی قادریہ کو جو صوفیہ کے تمام سلسلوں میں باعتبار اشاعت کے سب سے زیادہ دور پھیلا ہوا ہے بارھویں صدی عیسوی میں شاہ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ نے قائم کیا تھا جن کو تمام اولیائے عظام میں سب سے زیادہ تعظیم و تکریم کے ساتھ ہر جگہ یاد کیا جاتا ہے[۳]۔ پندرھویں صدی عیسوی میں اس خاندان کے مریدوں نے جو صحرائے اعظم میں توات کے چشموں سے اُٹھکر مغربی افریقہ میں پہنچے تھے یہاں سلسلۂ قادریہ کو رواج دیا ولاتا کا شہر پہلا مقام تھا جہاں یہ لوگ جمع ہوئے۔ لیکن کچھ عرصے کے بعد اس شہر سے قادریہ کی اولاد نکال دی گئی۔ اور اُس نے تمبکتو کے شہر میں پناہ لی جو ولاتا سے مشرق

---

[۱] لی کیتیلیئر۔ (۱) صفحہ ۲۳۱-۲۳۲ [۲] لی کیتیلیئر (۲) صفحہ ۹۰-۹۱ [۳] رن صفحہ ۱۷۵

کی طرف تھا۔ موجودہ صدی کے شروع میں وہابیہ کی مذہبی تحریک نے جس سے اسلامی دنیا پر بہت
بڑا اثر ہوا صحرائے اعظم اور مغربی سودان کے قادریوں میں سخت مذہبی جوش پیدا کیا اور زیادہ
زمانہ گذرنے نہ پایا کہ قادریہ کے بڑے بڑے عالموں اور صوفیوں کے گروہ ملک سودان
میں اور سلسلہ کوہستان پر جو ساحل گنی کے متوازی چلا گیا ہے جا بجا نظر آنے لگے۔ بلکہ مغرب کی
طرف یہ لوگ اسقدر بڑھے کہ لائبیریا کی خود مختار سلطنت میں پہنچ گئے۔ مولوی ملا۔ تعویز لکھنے والے
کاتب یا معلم بنکر یہ مسلمان بت پرستوں کے ملکوں میں آئے جنہوں نے اُن کی خاطر و مدارات کی
اور وہ بت پرستوں میں اسطرح جا بجا آباد ہو گئے گویا جدا جدا دائروں کے مرکز تھے جہاں سے اسلامی
اثر ہر طرف پھیلنا شروع ہوا۔ بت پرستوں میں یہ مسلمان رفتہ رفتہ رسائی پیدا کرتے تھے اور ایک
ایک دو دو آدمیوں کو مسلمان کر کے تھوڑے عرصہ میں نومسلموں کا معقول گروہ اکٹھا کر لیتے تھے
جو نومسلم لائق ہوئے اُن کو ایسے شہروں میں تحصیل علم کیلیے روانہ کیا جاتا تھا جہاں قادریہ کے لوگ
موجود ہوں۔ فارغ التحصیل ہو کر یہ نومسلم اپنے وطن کو واپس آتے تھے۔ اور اب وہ اہل وطن کو
مسلمان کرنیکے لیے بخوبی تیار ہوتے تھے۔ غرض بت پرستوں اور فیتش کے پوجنے والوں میں
ایسا خمیر ملا دیا گیا جو آہستہ آہستہ پھولنا شروع ہوا یعنی اسلام کی اشاعت اُن میں بتدریج
ہونے لگی۔ موجودہ صدی کے وسط میں سودان کے مدرسوں اور مکتبوں میں فرقہ قادریہ کے
معلم و مدرس مقرر ہوتے تھے اور یہی قادریہ کا خاندان تھا جس نے بت پرستوں میں تبلیغ اسلام
کا نہایت باقاعدہ انتظام جاری کیا جس میں مذہب کی اشاعت ہمیشہ امن کے طریقوں سے
ہوئی۔ قادریہ نے نیک زندگی کی عمدہ مثالوں اور وعظ و نصیحت پر اپنی کوششوں کا دار و مدار رکھا۔
شاگرد پر اُستاد کے اثر کو اور تعلیم دین کی اشاعت کو اپنے کام میں زیادہ معاون و مددگار سمجھا[1]
ان لوگوں نے اپنے مرشد کی نصیحتوں کی ہمیشہ تعمیل کی اور جو بات اس خاندان کی مشہور تھی اُسکو
برقرار رکھا۔ شاہ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ کی نصیحت تھی کہ ہمسایہ سے محبت اور سلوک اور تحمل سے

[1] لی کیتلیئر (۲) صفحہ ۱۰۰-۱۰۹۔

پیش آنا چاہیے شاہ صاحب کو اکثر بادشاہ اور امیر نذریں بھیجتے تھے لیکن اُن کی سخاوت اُن کو ہمیشہ مفلس رکھتی تھی۔ شاہ صاحب کے ملفوظات یا معقولات میں کوئی قول ایسا نہیں ملتا جس میں عیسائیوں سے بغض یا عداوت کہنا بتایا گیا ہو۔ بلکہ جہاں کہیں اُنھوں نے اہلِ کتاب کا ذکر کیا ہو وہاں اُن کی غلطیوں پر افسوس ظاہر کیا ہو اور خدا سے دعا کی ہو کہ وہ راہ رست پر آئیں غرض یہ صلح کل اصول تھے جن کو شاہ صاحب اپنے ارادتمندوں میں پیدا کر گئے اور قادریہ کے لوگوں کو ہمیشہ ان اصولوں کا پابند دیکھا گیا ہو۔[۱]

اٹھارھویں صدی عیسوی کے اخیر میں تجانیہ کا صوفیہ خاندان الجزیرہ میں قائم ہوا موجودہ صدی کے وسط سے اس خاندان کے مرید سوڈان میں آباد ہوئے اور تبلیغ اسلام کے لیے اُنھوں نے وہی طریقے اختیار کیے ہیں جو خاندان قادریہ کے ہیں۔ تجانیہ کے مدارس سے اسلام کی اشاعت میں بڑی مدد پہنچی لیکن قادریہ کی طرح تجانیہ نے بزور شمشیر اسلام پھیلانے سے اجتناب نہیں کیا۔ اور افسوس ہو کہ اُن کے جہادوں کی شہرت نے تبلیغ کے ایسے واقعات کو جو مغربی افریقہ میں امن کے طریقوں سے پیش آئے تاریکی میں ڈالدیا ہو۔ حالانکہ تجانیہ کے لوگ جنھوں نے امن و امان کے وسائل سے اپنے مذہب کو شائع کیا تبلیغ اسلام میں اُن مجاہدوں سے زیادہ کامیاب ہوئے جنھوں نے لڑکر چھوٹی چھوٹی عملداریاں قائم کیں اور جن میں اُن کے خاندان کچھ دنوں بادشاہی کر گئے ان جہادوں کے حالات لکھنے کی طرف اہلِ یورپ کو خاص کر ایسی صورت میں توجہ کرنے کی قدرتاً ضرورت ہوئی جبکہ اُن کی تجارت یا ملک گیری کے منصوبوں میں ان جہادوں سے خلل پڑا۔ اور مسلمان واعظوں اور معلموں کے حالات تحریر کرنے کی جگہ کہ کس طرح سہولت کے ساتھ اُنھوں نے اسلام کو ترقی دی اہلِ یورپ کو اسلامی لڑائیوں کی سرگذشت لکھنے کا زیادہ شوق رہا۔ اس میں شک نہیں کہ یہ لڑائیاں اسلام کی اشاعت میں ایک طرح مفید بھی ثابت ہوئیں۔ اور اشاعت مذہب کے لیے اُن کا مفید ہونا کچھ اسلام

---

[۱] ر ن صفحہ ۱۰۴۔

ہی کے ساتھ مخصوص نہیں ہو بلکہ عیسوی مذہب کی اشاعت میں بھی ایسی لڑائیوں نے اکثر اس طرح نفع پہنچایا ہی کہ ملک کے فتح ہونیکے بعد داعیان مذہب کے لیے رستہ کھل گیا تاکہ غیر قوموں میں وہ اپنے مذہب کو پھیلائیں اور اپنے ہم مذہبوں کو بتائیں کہ ابھی ایسے ملک موجود ہیں جہاں کے باشندوں کو راہِ راست پر لانا باقی ہی۔

تجانیہ کی پہلی تحریک جس میں لڑائی اور اسلام کی اشاعت شامل ہوئی عمر الحاجی نے پیدا کی یہ شخص مکہ معظمہ میں تجانیہ خاندان کے ایک بزرگ سے ملا اور اس خاندان میں مرید ہو گیا عمر الحاجی فتہ تورو کا رہنے والا تھا اور معلوم ہوتا ہی اُس کے پاس بہت دولت تھی۔ اپنے ملک میں وہ رسوخ رکھتا تھا اور اُس کی صورت بہت بارعب تھی۔ عرب کے ایک عالم نے اُس کو تعلیم و تربیت کیا تھا اور کئی برس تک اس عالم سے اُس نے عربی زبان سیکھی تھی ۱۸۴۵ء یا ۱۸۵۵ء میں جس وقت عمر الحاجی بیت اللہ سے تین حج کرکے سوڈان کو واپس آیا تو اُس نے اپنے غلاموں کو مسلح کیا اور بیس ہزار آدمیوں کا لشکر جمع کرکے اشاعت اسلام کیلیے ان قوموں کے خلاف معرکے شروع کیے جو دریائے نائیگر اور سنیگال کے بالائی ملکوں میں ابتک بت پرست چلی جاتی تھیں۔

مغربی سوڈان میں اسلام کے پھیلنے کا کسی قدر حال اوپر لکھ آئے ہیں۔ یہاں عبد اللہ ابن یسین نے اور اُن کے ساتھیوں نے اسلام کا جو تخم بویا تھا وہ مسلمان تاجروں اور معلموں اور جیشمہ الحوض کے عربوں کی آمد و رفت اور تاثیر سے پھوٹ نکلا پندرہویں صدی عیسوی کے ایک سیاح نے لکھا ہی کہ عربوں نے زنگی سرداروں کو مسلمان کرنے میں کس طرح کی کوشش کی۔ اہلِ عرب نے ان سرداروں سے کہا کہ بغیر خدا کی شریعت کو مانے ہوئے عوام الناس کی طرح جو کسی دین و آئین کے پابند نہیں زندہ رہنا اُن کے لیے بڑی شرم کی بات ہی۔ اس بیان سے معلوم ہوتا ہی کہ قدیم دعاۃ اسلام نے مذہب اسلام اور اسلامی طریقوں کے رعب و داب سے افریقہ کے غیر مہذب وحشیوں کے دل پر اثر کیا تھا[۱]۔ لیکن باوجودیکہ ان زنگی قوموں میں مسلمان

[۱] سفر نامہ میسر الویسی دا کا دا موستو (۱۴۵۴ء)۔ راموسیو ۱۱ صفحہ ۱۰۱۔

صدہا برس سے موجود تھے مگر انیسویں صدی میں عمر الحاجی کو معلوم ہوا کہ اُس کے ملک کے بہت لوگ ابھی تک اپنے بت پرست بزرگوں کی طرح کفر اور گمراہی میں مبتلا ہیں۔ عمر نے اول مبیک کی ماندنگو قوم پر حملہ کیا اور اُس کے بعد دریائے سنیگال کے بالائی ملک میں پہنچکر سیگو سے بت پرستی کو خارج کیا۔ سیگو میں ببارا کی قوم اب تک بُت پرست تھی۔ عمر نے یہاں کی بعض اسلامی ریاستوں کی بھی اصلاح کی جن میں بت پرستی کے خیالات ابھی تک رائج تھے۔ عمر نے سیگو اور موسلینا میں قیام کیا اور ببارا کی قوم کو مغلوب کرکے مسلمان کیا اور اکثر موقعوں پر اسلام کی بجبر اشاعت کی۔ ۱۸۶۴ء میں عمر الحاجی مارا گیا۔ اور اُس کے بیٹے بالائی سنیگال اور نائگر کے وسط میں تمام ملک پر جو اُن کے باپ نے فتح کیا تھا مسلط رہے۔[1]

عمر الحاجی کے کئی جانشینوں نے بھی جو اُس کے خاندان یا معتقدین میں سے ہوئے اسلام کو اسی طرح ترقی دی جس طرح اُن کے سردار یعنی عمر نے فرقۂ تجانیہ کو جہاد پر آمادہ کرکے مذہب کو پھیلایا تھا لیکن ان جانشینوں کے زمانہ میں جو چھوٹی چھوٹی لڑائیاں ہوئیں اُن کے حالات بہت کم دریافت ہوتے ہیں۔ یا جس قدر دریافت ہوتے ہیں وہ کافی نہیں کیونکہ عمر الحاجی کی سلطنت اُس کے مرنیکے بعد چھوٹی چھوٹی کمزور ریاستوں میں تقسیم ہوگئی البتہ زمانۂ حال میں اشاعت اسلام کی ایک اور تحریک جس میں جہاد سے کام لیا گیا اور جس کا بانی قوم ماندنگو کا ایک سردار ہی جس کو امام صمد کہتے ہیں ایسی پیدا ہوئی جس کے حالات مفصل لکھے گئے ہیں۔ صمد نے مسلمانوں کا ایک لشکر جمع کیا اور خود اُس کا سردار بنا اور بت پرستوں کی کئی جنگجو اور بہادر قوموں کو اپنا مطیع بنالیا ۱۸۸۴ء میں صمد نے فلابا کو کئی مہینے کے سخت محاصرہ کے بعد فتح کیا جو ملک سلیمان کا دارالسلطنت تھا اور سیرالیون سے مشرق میں ۲۵۰ میل کے فاصلہ پر واقع تھا۔ فلابا کے باشندے فلاحین افریقہ کے حملوں کا جو ہر سال اُن کو فتح کرنیکے لیے یورش کیا کرتے تھے پچاس برس تک بخوبی جواب دیتے رہے لیکن

[1] اویل صفحہ ۲۹۲-۲۹۳- بلیدن صفحہ ۱۰-

اب صمد نے اُن کو فتح کر لیا۔ امام صمد کے حالات ایک عہد نویس مورخ نے عربی زبان میں لکھے ہیں۔ جن سے صمد کی بعض فتوحات کا مفصل حال دریافت ہوتا ہی۔ یہ مورّخ لکھتا ہی کہ "امام احمد الصمد ماندن کو کے جہاد کے یہ حالات ہیں۔ . . . . . . جب سے امام صمد نے بت پرست قوموں میں جو سمندرا اور رلک واسولو کے وسط میں رہتی ہیں۔ اِس غرض سے جانا شروع کیا کہ اُن کو خدا کے دین یعنی اسلام کی طرف دعوت دے تو خدا اُس کا ہمیشہ مددگار رہوا۔"

"جو اس کو پڑہیں اُن سب کو معلوم ہو کہ امام صمد کی اوّل کوشش ایک شہر پر صرف ہوئی جس کا نام فلندیہ تھا۔ صمد نے قرآن اور شریعت اور احادیث کے مطابق فلندیہ کے بادشاہ سندیدو کے پاس اس پیغام سے قاصد روانہ کیے کہ سندیدو امام صمد کی اطاعت قبول کرے اور بتوں کو پوجنا ترک کرے اور ایک خدائے برحق پر ایمان لائے جو بزرگ ہی اور برتر۔ جس کی عبادت اُس کے بندوں کے لیے اس زندگی میں اور آنے والی زندگی میں مفید ہی لیکن فلندیہ کے بت پرستوں نے اطاعت سے انکار کیا۔ اس پر صمد نے قرآن کے حکم کے مطابق اُن پر جزیہ مقرر کیا۔ لیکن اُنھوں نے اپنے اندھے اور بہرے پن سے ان باتوں کو نہ مانا۔ تب امام نے ایک مختصر لشکر پانچسو آدمیوں کا جو بہادر اور دلیر تھے جہاد کے واسطے جمع کیا اور فلندیہ پر حملہ کیا۔ بت پرستوں کے خلاف خدا نے امام کی مدد کی۔ اور اُس کو اُن پر فتح دی اور امام نے اپنے گھوڑوں سے اُن کا تعاقب کیا یہاں تک کہ وہ مطیع ہوئے۔ اب وہ بت پرستی کی طرف نہیں لوٹ سکتے کیونکہ اُن کے سب بچے مکتبوں میں قرآن پڑھتے ہیں اور علم دین اُن کو سکھایا جاتا ہی۔"

امام صمد نے اسی طریقے سے اور کئی بت پرست ریاستوں کو اسلامی معلموں اور واعظوں کی مدد سے مسلمان کر لیا۔ اور احکام قرآن کی پابندی اُن کو سکھائی۔ اب جو شہر فتح ہو کر یا اپنی خوشی سے اُس کا مطیع ہو جاتا ہی اُس میں امام صمد ایک مسجد بنوا دیتا ہی اور چند اسلامی مدارس

جن میں لائق معلم مقرر ہوتے ہیں جاری کردیے جاتے ہیں۔ اگرچہ امام ایک بڑے لشکر کا سردار ہو لیکن وہ قرآن پاک اور مدارس اسلامیہ کی تعلیم و تربیت پر بہ نسبت تلوار کے زیادہ بھروسا کرتا ہو اور کہا جاتا ہو کہ اُس کو ایسی قدرت حاصل ہو کہ جس بت پرست قوم کو وہ اسلام پر دعوت دیتا ہو وہ بغیر کشت و خون کے مسلمان ہو جاتی ہو[۱]۔

لیکن ان اسلامی تحریکوں کی نسبت جن میں جنگ و جدل سے کام لیا گیا یہ بات یاد رکھنی چاہیے کہ ملکی فتوحات اور لڑائیوں سے اس ملک میں اسلام کی ترقی زیادہ نہیں ہوئی۔ کیونکہ یہ لکھا گیا ہو کہ عمرالحاجی کی سلطنت کے جو حصے اُس کے جانشینوں کے قبضہ و تصرف میں رہے اُن کی حدود کے باہر جہاں کہیں عمر نے لوگوں کو زبردستی مسلمان کیا تھا وہ کچھ دنوں بعد مسلمان نہ رہے اور باوجودیکہ عمر کی فوجوں میں بہت جوش و خروش تھا اور اُس کی فتوحات نے بہت شان و شوکت دکھائی تھی جو عارضی ثابت ہوئی لیکن اب ایسی اسلامی تحریکوں کے نشان بہت کم باقی ہیں جن میں جنگ و پیکار کے طریقے اشاعت مذہب کیلیے اختیار کیے گئے[۲]۔ مغربی افریقہ کی اسلامی تحریک میں یہ لڑائیاں اس وجہ سے قابل وقعت ہیں کہ مذہبی جوش اُنھوں نے پیدا کر دیا۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ داعیان اسلام نے امن و امان کے طریقوں سے بت پرستوں میں بہت وسعت کے ساتھ اسلام کو شائع کیا۔ ان جہادوں کو اگر بنظر غور دیکھا جاوے تو موجودہ ترقی اسلام کی تاریخ میں اُن کا واقع ہونا محض اتفاقی ہو اور اُن کا شمار ہرگز اُن وسائل اور قوتوں میں نہیں ہو جن سے فی الحقیقت افریقہ میں اسلام کی اشاعت ہوئی۔ اگر بالفرض کسی قوم نے ان جہادوں کی وجہ سے اسلام قبول کر لیا تو بھی جب تک دعاۃ اسلام اس قوم کی تعلیم و تہذیب کیلیے ساعی نہ ہوے اُس کا مسلمان ہونا نہ ہونا برابر تھا بغیر اس کے ناممکن تھا کہ کوئی جماعت ایسی پیدا ہو سکتی جسے صحیح طور پر مسلمان کہ سکتے غرض اس تحریک سے اسلام کی اشاعت اور ملک گنی اور سنی گامبیا کے ملحقہ حصوں میں

---

[۱] بلیڈن۔ صفحہ ۳۵۰۔ ۳۶۰۔ [۲] لی کیٹیلیر۔ (۲) صفحہ ۱۱۲۔

ہوگئی جہاں فلاحین اور ملک ہوسا کے مسلمان تاجر آمد و رفت رکھتے تھے اور لوگوں میں اسلام کی تبلیغ کرتے تھے موجودہ صدی میں ان مسلمانوں نے گنی اور سنی گامبیا کے بت پرستوں کو مسلمان کرلیا ہو۔

اب جن اسلامی فرقہ کے کاموں کا ہم ذکر کرتے ہیں اُس کو مذہب اسلام کی خدمت کے لیے سوائے امن و امان کے وسایل اور تعلیم و تلقین کے طریقوں کے کبھی جنگ و پیکار سے کسی طرح کا تعلق نہیں رہا۔ ۱۸۳۵ء میں الجزائر کے ایک قاضی نے جس کا نام سیدی محمد ابن علی السنوسی تھا فرقہ سنوسیہ کو قائم کیا جس کی غرض یہ تھی کہ مسلمانوں کی اصلاح ہو اور اسلام کی اشاعت کی جائے۔ سیدی محمد ابن علی جنہوں نے ۱۸۵۹ء میں انتقال کیا اور محض اپنی لیاقت کے زور سے بغیر کسی کا خون بہائے وہ ایک ایسی سلطنت کے بانی ہوئے جس کا انتظام خدا کے ہاتھ میں ہو اور جس کی رعایا دل سے اُس کی خدمت گذار رہے اور جس کی وسعت قلمرو کو اون کے جانشین برابر ترقی دے رہے ہیں۔ فرقہ سنوسیہ پر فرض ہو کہ احکام قرآن اور اصول توحید کے مطابق چلیں اور اُن کی پابندی میں سرِمو فرق نہ ہو۔ صرف خدائے وحدہ لاشریک کی بندگی کریں۔ فقیروں اور درویشوں کی بیجد تعظیم اور مقابر کی زیارت سے پرہیز کریں۔ قہوہ اور تمباکو نہ پئیں اور یہودیوں اور عیسائیوں سے کسی طرح کی رسم پیدا نہ کرنے کا اُن کو حکم ملا۔ اور ہر شخص پر فرض تھا کہ اگر وہ ہمیشہ اس فرقہ کی خدمت میں مصروف اور ترقی اسلام میں ہمیشہ ساعی نہ رہ سکے جس کے ساتھ اہلِ یورپ کے اثر سے بچنا بھی ضروری ہو تو وہ اپنی آمدنی کا ایک حصہ اس جماعت کے فائدے کیلیے دیا کرے۔ سنوسیہ کا فرقہ شمالی افریقہ کے سب ملکوں میں پھیلا ہوا ہے۔ اور اُس کی خانقاہیں مصر سے لیکر موراکو تک بلکہ صحرائے اعظم اور سوڈان کے شاداب قطعات میں بھی جا بجا موجود ہیں۔ جغبوب کا گاؤں جو مصر اور طرابلس کے درمیان صحرائے لیبان میں واقع ہو فرقہ سنوسیہ کا صدر مقام ہو۔ یہاں سے ہر سال صدہا مسلمان تعلیم و تربیت پاکر اسلام پر وعظ

وتلقین کے لیے شمالی افریقہ کے ملکوں میں جاتے ہیں۔ سنوسیہ کی تمام شاخیں (جن کی تعداد ۱۲۱ ہے) خانقاہ جغبوب سے اس وسیع فرقہ کے انتظام کے لیے صلاح اور مشورہ حاصل کرتی ہیں جسمیں صدہا مختلف قومیں اور گروہ جن کے ملک ایک دوسرے سے فاصلۂ دراز پر واقع ہیں، شامل ہیں۔ سنوسیہ کو اپنے کام میں بدرجۂ غایت کامیابی ہوئی ہے۔ اُس کی خانقاہیں تو شمالی افریقہ میں مصر سے موراکو۔ سوڈان۔ سنی گامبیا اور ارض سومالی میں موجود ہی ہیں۔ لیکن اُس کے لوگ بھی عرب عراق اور مجمع الجزائر ملایا میں نظر آتے ہیں[۱]۔ اگرچہ سنوسیہ کا مقدم فرض یہی تھا کہ مسلمانوں میں اُن کے مذہب کی اصلاح کریں لیکن اشاعت مذہبی میں اس فرقہ کو اس قدر کامیابی ہوئی کہ افریقہ کی اکثر قوموں میں جو بت پرست یا برائے نام مسلمان ہیں جس وقت سنوسیہ کے لوگ پہونچے تو یہ سب قومیں اسلام کی نہایت پابند ہوگئیں۔ داعیان سنوسیہ آج کل اس جستجو میں ہیں کہ بالی قوم کے اُس حصہ کو جو ابھی تک بت پرست ہے اور بورنو کے مشرق میں اینڈی کے کوہستان میں رہتا ہے کسی طرح مسلمان کرلیں بالی قوم کے ایسے حصوں میں جسکے لوگوں میں اسلام کا علم بہت اوپری تھا اور وہ برائے نام مسلمان تھے سنوسیہ نے ایسا جوش مذہب پیدا کردیا ہے جیسا خود اُن میں موجود ہے[۲] صحرا میں فیضان کے جنوب کی طرف تو یا تبستی کی رہنے والی قوم جس کا نام تیدا ہے اور جو پہلے برائے نام مسلمان تھی سنوسیہ کے پہنچتے ہی متشرع مسلمان ہوگئی۔ اور اب تک سنوسیہ کی کوششوں کی شاہد ہے[۳]۔ سنوسیہ کے دعاۃ اسلام گالا کے ملک میں بھی اشاعت مذہب کرتے ہیں۔ اور ہرار کے شہر سے جہاں اون کو بہت قوت ہے بلکہ امیر ہرار کے دربار میں جس قدر سردار ہیں سب سنوسیہ خاندان کے مرید ہیں[۴] ہر سال نئے لوگ اسلام کی ترقی کیلیے گالا کے ملک میں جاتے ہیں۔ مذہب کے پھیلانیکے لیے یہ لوگ مدرسے کھولتے ہیں

---

[۱] ریدل (۱) صفحہ ۷، ۹۹ و ۱۶۲ ۔ [۲] ناختیگال "صحرا اور سوڈان" دوسری جلد صفحہ ۱۸۵ (برلن ۱۸۷۹ء) [۳] دویریے صفحہ ۴۵ ۔ [۴] پولتش صفحہ ۲۱۴ ۔

اور صحرا کے شاداب مقامات پر بستیاں آباد کر دیتے ہیں۔ غلاموں کو خرید کر وہ مسلمان کر لیتے ہیں خاص کر وادی کی قوموں میں اُنھوں نے اس طریقے سے مسلمانوں کی تعداد بہت بڑھائی ہی۔ جغبوب میں ان غلاموں کو تعلیم و تربیت دی جاتی ہی اور جب وقت وہ سنوسیہ کی تمام باتوں سے واقف ہو جاتے ہیں تو آزاد کر کے وطن بھیج دیے جاتے ہیں تاکہ اپنے بھائی بندوں کو مسلمان کریں[1]۔

سوڈان کی بت پرست قوموں میں مسلمانوں کی کوششوں کے حالات جو اوپر بیان ہوئے اگرچہ کم ہیں لیکن جس قدر ہیں اُن کی قیمت اس لیے زیادہ ہی کہ سوڈان میں اشاعت اسلام کے حالات کا پتہ بہت کم چلتا ہی۔ اگرچہ تاریخی دستاویزوں سے کوئی شہادت بہم نہیں پہنچتی۔ لیکن بت پرست قوموں میں جو مسلمان بہتر مذہب اور بہتر تہذیب کے رکھنے والے موجود ہیں وہ داعیان اسلام کی کوششوں کی زندہ شہادت ہیں۔ سوڈان کے جنوب مغرب میں جہاں تک اسلام پھیل چکا ہی وہاں کی مسلمان اور غیر مسلمان قوموں میں بڑا فرق نظر آتا ہی کہ بت پرستوں کی اخلاقی حالت اہلِ یورپ کی شراب فروشی سے کس درجہ خراب ہوئی ہی۔ اس زمانہ کے ایک سیاح[2] نے اُن قوموں کی خراب حالت کے ذکر میں جو دریائے نائگر کے دہانے کی طرف آباد ہیں لکھا ہی کہ "جب دریائے نائگر میں ہماری دخانی کشتی چڑھاؤ پر جاتی تھی تو دو سو میل تک کوئی چیز ایسی نظر نہیں آئی جو میرے خیالات میں کسی طرح کی تبدیلی پیدا کرتی۔ کیونکہ بت پرستی کے ساتھ مردم خواری اور شراب کی تجارت خوب رونق پر تھی۔ لیکن جب ساحل کا نشیبی ملک پیچھے رہ گیا اور میں وسط سوڈان کی شمالی سرحد کے قریب پہنچا تو لوگوں کی صورت اور شعار میں مجھکو ترقی معلوم ہوئی۔ مردم خواری موقوف ہوتے ہی بت پرستی بھی رخصت ہوئی۔ شراب کی تجارت بھی کم ہو گئی اور لوگوں کے بدن پر کپڑے زیادہ اور صاف نظر آنے لگے اور صورتوں میں

[1] دوویریر۔ لا کونفریری مسلمان دے سیدی محمد بن علی السنوسی (پیرس ۱۸۸۴ء) لوئی رن صفحہ ۴۸۱ و ۵۱۲۔

[2] جوزف ٹامسن (۲) صفحہ ۱۸۵۔

ایسی متانت پائی گئی جس سے معلوم ہوتا تھا کہ اخلاقی ترقی شروع ہوگئی ہی اور ہر ایک چیز سے ظاہر تھا کہ ضرور کوئی خاص بات ہی جس نے ان وحشیوں کی طبیعت پر قدرت پاکر اُن کا قلب ماہیت کر دیا ہی تم کو تعجب ہوگا کہ یہ خاص بات دین اسلام ہی"

"لکوجا سے گذر کر دریائے بینوئی اور نائگر کے سنگم پر ہم اُن مقاموں سے نکل آئے جو داعیان اسلام کے گویا مورچے تھے - اور وسط سوڈان میں داخل ہوے - یہاں پہنچکر معلوم ہوتا تھا کہ ملک کی گورنمنٹ اچھی ہی اور ہوشیار سوداگر اُس میں موجود ہیں جو عمدہ قسم کے کپڑے بنتے ہیں یا پیتل اور چمڑے کا کام کرتے ہیں اور تہذیب و شائستگی کے میدان میں ترقی کر چکے ہیں"

نائگریا میں اسلام کی اشاعت کا صحیح اندازہ کرنے کیلیے ایک بات یہ بھی یاد رکھنی چاہیے کہ مغربی ساحل اور دعوت اسلام کی جنوبی سرحد[1] کے برابر برابر تو داعیان اسلام دعوے لے ہی جاتے ہیں - مگر اُن کی کوششوں کے لیے شمال و مشرق کے ملکوں میں بھی جو دور تک پھیلے ہوئے ہیں بہت میدان کھلا ہی اگرچہ ان ملکوں میں اسلام کو رائج ہوئے مدت ہوئی - لیکن تبلیغ اسلام کے لیے ابھی یہاں کام باقی ہے - قوم فنج جو سینار کی سب سے سر برآوردہ زنگی قوموں سے ہی اُس کے بعض حصے ایسے ہیں کہ کچھ لوگ اُس کے مسلمان ہیں اور کچھ لوگ بت پرست - چنانچہ نوبیہ کے مسلمان سوداگران بت پرستوں کو مسلمان کرنے کی کوشش کر رہے ہیں[2] - سوڈان اور سنی گامبیا کی آبادی میں سے ایسے فرقوں کا شمار بتانا آسان ہے جن میں بت پرستی کے عقائد اور طریقے ابتک جاری ہیں یا جن میں اسلام کی پابندی خفیف ہی گو صدہا برس سے مسلمان ان لوگوں کے قریب آباد ہیں اور یہی وجہ ہی کہ موجودہ صدی میں سوڈان اور سنیگامبیا کے داعیان اسلام کو مسلمانوں کی اصلاح یا تبلیغ کے لیے زیادہ دور نہیں جانا پڑا - پس افریقہ کی تاریخ تبلیغ میں اصلاح مذہب کی تحریکوں کا

[1] افریقہ کا نقشہ دیکھیے [2] اوپل - صفحہ ۳۰۳ -

ذکرا و رشعار اسلام کے زندہ ہونے کا حال ہم کو قابل غور نظر آیا اور ہم نے ناظرین کو اس مضمون کی طرف متوجہ کیا۔

دعاۃ اسلام کی کوششوں کا دوسرا منظر مغربی ساحل افریقہ ہی۔ باوجودیکہ ساحل گنی اور سیرالیون اور ملک لائبیریا میں اسلام کو بہت ترقی ہو چکی تھی بلکہ لائبیریا میں مسلمانوں کی تعداد بت پرستوں سے زائد تھی مگر افریقہ کے مغربی ساحل پر اسلام کو ایسی قوموں سے واسطہ ہوا جو ابھی تک مسلمان نہیں ہوئی تھیں۔ اشانٹی میں جو مغربی ساحل افریقہ کا ملک ہی ۱۷۵۰ء سے کچھ مسلمان موجود تھے اور اُس زمانہ سے آجتک اس ملک میں مسلمانوں نے دعوت اسلام میں ایسی کوشش کی کہ آہستہ آہستہ لیکن ہمیشہ حکمی کامیابی اُنکو حاصل ہوئی۔ اس کا سبب یہ بھی ہو کہ اشانٹی کے باشندے مسلمانوں کی خاطر و مدارات کرتے ہیں اور بادشاہ اشانٹی کے دربار میں اُنکو بڑا دخل ہو جاتا ہی۔ داعیان اسلام نے یہاں اسلامی مدارس جاری کیے ہیں جو بت پرستوں کی اولاد کو اسلام کی طرف رجوع کرتے ہیں۔ اشانٹی میں ایسی علامتیں ظاہر ہو چکی ہیں کہ مذہب اسلام یہاں کے اور تمام مذہبوں پر غالب آ جائیگا کیونکہ اشانٹی کے اکثر سرداروں نے اسلام قبول کر لیا ہی۔ داہومی اور گولڈ کوسٹ پر دعوت اسلام روز افزوں ترقی پر ہی ان ملکوں کے بت پرست سردار اگر ظاہر میں اسلام قبول نہیں کرتے تو وہ داعیان اسلام کے اثر کو ضرور گوارا کر لیتے ہیں اور اس طرح مسلمانوں کو مدد مل جاتی ہی کہ عوام الناس میں وہ اسلام کی اشاعت کریں۔ مغربی ساحل افریقہ پر داہومی اور اشانٹی دو بڑی عملداریاں ہیں جن کے فرمانروا بت پرست ہیں لیکن اُن کا مسلمان ہو جانا اب کوئی دن کی بات سمجھی جاتی ہی۔ لاگوس کے شہر میں تقریباً دس ہزار مسلمان ہیں اور مغربی ساحل کے اُن شہروں میں جہاں تجارت بہت ہوتی ہو ایسے مسلمان بھی آباد ہیں جو اعلیٰ درجہ کی زنگی قوموں سے ہیں۔ مثلاً یہ لوگ فلاحین ماندن گو اور ہوسا

۱؎ ویٹا۔ دوسرا حصہ صفحہ ۲۰۵۔ ۲؎ سامسن صفحہ ۱۱۰۔ ۳؎ پیری پوچ۔ صفحہ ۱۱۰۔ ۴؎ بلیدن۔ صفحہ ۲۰۵۔

کی قوموں کے لوگ ہیں اور اُن کا مذہب اسلام ہے۔ جب یہ زنگی مسلمان تجارت کیلیے یا اس غرض سے کہ یورپ والوں کی فوجوں میں بھرتی ہوں مغربی ساحل افریقہ کے شہروں میں آتے ہیں تو یہاں کے بت پرستوں پر اُن کی صورت اور لیاقت کا اثر پیدا ہوتا ہے اور وہ دیکھتے ہیں کہ یوروپین گورنر اور حکام اور تاجر مسلمانوں کی بہت عزت اور توقیر کرتے ہیں۔ یہ زنگی مسلمان قومی اعتبار سے یا شکل اور لباس میں ایسا فرق نہیں رکھتے کہ بت پرستوں کو اُن کی برادری میں شامل ہونا غیر ممکن معلوم ہو۔ علاوہ اس کے یہ زنگی مسلمان بت پرستوں کو سمجھاتے رہتے ہیں۔ کہ اگر ہمارے شریک بننا چاہتے ہو تو پہلے مسلمان ہو جاؤ۔ جس وقت کوئی بت پرست خواہ وہ کیسے ہی کم درجہ کا اور ذلیل حالت کا آدمی ہو مسلمان ہونے کی نیت ظاہر کرتا ہے تو مسلمان فوراً اُس کو اپنی برادری میں شامل کرتے ہیں اور اُس کو اپنے برابر کا آدمی سمجھتے ہیں اور یہ برابر کا درجہ اس طرح دیا جاتا ہے کہ کسی کو اُس کے دینے میں حسد یا رشک نہیں ہوتا بلکہ جن مسلمانوں کو دعوت اسلام کا شوق اور جوش ہوتا ہے وہ نومسلم کو یہ عزت نہایت خوشی سے دیتے ہیں دریائے سنی گال کے دہانہ سے لاگو کے بندرگاہ تک جن میں دو ہزار میل کا فاصلہ ہے کوئی بڑا شہر لب سمندر ایسا نہیں ہے جس میں کم از کم ایک مسجد نہ ہو۔ اور جہاں داعیان اسلام بڑے جوش و خروش سے تبلیغ میں مصروف نہ ہوں بلکہ بعض صورتوں میں ایک ہی جگہ مسلمان اور پادری اپنے اپنے مذہب کی اشاعت میں کوشش کرتے ہیں[۲]۔

مصنفوں نے بالاتفاق کوئی فیصلا ابتک اس امر کے متعلق نہیں ظاہر کیا ہے کہ جغرافیہ کے اعتبار سے افریقہ میں تبلیغ اسلام کی حدود کہاں تک قائم کی جاویں[۳]۔ اٹکل سے یہ کہہ سکتے ہیں کہ خط استوا سے شمال میں دس درجہ کا عرض بلد تبلیغ اسلام کی

---

[۱] سامن صفحہ ۸۸ [۲] بلیدن صفحہ ۲۰۲ [۳] افریقہ کے نقشہ میں جو نقطوں کا خط اسلام کی جنوبی حد قائم کرنے کیلیے کھینچا گیا ہے اُسکے لیے ڈاکٹر ادسکا یومان صاحب کا میں مشکور ہوں۔ یہ صاحب مشرقی افریقہ جرمنی کے مشہور و معروف محقق ہیں۔

جنوبی حد ہو گو اس عرض بلد سے شمال کے اطراف میں بعض قومیں ابھی تک بت پرست ہیں[1] ہم اوپر لکھ آئے ہیں کہ مغربی ساحل پر اور دریائے نائگر کے دہانے کے قریب جو ملک ہیں اُن میں مدت ہوئی کہ اسلام اس جنوبی حد سے گذر کر شائع ہو چکا ہو۔ لیکن سوائے ملک کے ایسے حصوں کے جن کا ہم آگے ذکر کریں گے وسط افریقہ میں اسلام کا اثر ابھی تک کم ہے اس میں شبہ نہیں کہ وسط افریقہ میں مسلمان اکثر نظر آتے ہیں خاص کر وہ عرب تاجر جو زنجبار سے یہاں پہنچے ہیں لیکن معلوم ہوتا ہو کہ ان عربوں میں تبلیغ اسلام کا شوق یا تو کم ہے یا بالکل نہیں کیونکہ اُنھوں نے ملک سوڈان کی مثل ایسی اسلامی ریاستیں جو احکام قرآن کے بموجب جاری ہو کر اُس کی پابند ہوتیں وسط افریقہ میں قائم نہیں کیں۔ مشرقی ساحل افریقہ میں اسلام کا اثر دوسری صدی عیسوی سے موجود ہو لیکن افریقہ کے اطراف مشرق میں مسلمانوں سے کوئی ایسا کار نمایاں نہیں ہوا جس کو دعوت اسلام کی تاریخ میں جگہ ملتی۔

مشرقی ساحل افریقہ پر اہلِ عرب کے آباد ہونے کے حالات کم دریافت ہوتے ہیں ۱۵۰۵ء میں جب پرتگیزوں کے دون فرانسسکو دالمیدیا نے کیلوا[2] کا شہر فتح کیا تو ایک تاریخ عربی زبان میں لکھی ہوئی اُس کو ملی۔ اس تاریخ میں بیان ہو کہ اوّل مسلمان جو اس ساحل پر آباد ہوئے وہ چند عرب تھے جنھوں نے ایک شخص زید کے باطل مذہب کو تسلیم کیا تھا۔ اور اس کی وجہ سے وہ جلاوطن کر دیے گئے تھے۔ زید رسول اللہ صلعم کے خاندان سے تھے[3] جن زید کا یہاں ذکر ہو اُن سے غالباً زید ابن علی علیہ السلام مراد ہیں جو حضرت امام حسین کے پوتے تھے اور خلیفہ ہشام کے عہد میں اُنھوں نے امام مہدی ہونے کا دعویٰ کر کے اہل تشیع کو بغاوت پر آمادہ کیا تھا۔ ۱۲۲ھ ۷۴۰ء میں خلیفہ ہشام کے عہد میں اُن کو شکست ہوئی اور مارے گئے[4]۔

---

[1] اوپل صفحہ ۲۹۴-۲۹۰ [2] یہ شہر ایک جزیرہ میں ہو جو زنجبار سے جنوب کی طرف ۹ درجہ ہٹا ہوا ہو [3] دے بارس صفحہ ۲۱۱ [4] ابن خلدون۔ تیسری جلد صفحہ ۹۸-۱۰۰۔

یہ عرب افریقہ کی بت پرست قوموں سے ہمیشہ خائف رہے۔ لیکن مشرقی ساحل پر اُنھوں نے اپنی آبادی کو رفتہ رفتہ ترقی دی۔ یہاں تک کہ اہل عرب کا ایک اور گروہ اُن میں شامل ہوا۔ یہ گروہ خلیج فارس سے عرب کے ساحل اور جزیرہ بحرین کے قریب سے تین جہازوں میں بیٹھکر یہاں آیا تھا۔ سات بھائی اس گروہ کے سردار تھے اور عرب سے نکلنے کیوجہ یہ ہوئی تھی کہ شہر الحسا کے بادشاہ نے جس کی سلطنت ان عربوں کے وطن کے قریب تھی اپنر ظلم کیے تھے۔ جب یہ عرب مشرقی ساحل افریقہ پر پہنچے تو اُنھوں نے مقدشو کا شہر پہلے تعمیر کیا۔ جس کو رفتہ رفتہ ایسی قوت حاصل ہوئی کہ ساحل کے تمام عربوں پر حکمران ہو گیا۔ اہل عرب کا پہلا گروہ جو مشرقی ساحل پر آباد ہوا وہ شیعہ تھا اور چونکہ دوسرا گروہ سنی تھا اس لیے اُس نے سرداران مقدشو کی حکومت میں رہنا پسند نہ کیا اور ساحل چھوڑکر ملک کے اندرونی حصوں میں آباد ہو گیا جہاں وہ دیس کے لوگوں میں مل گیا اور دیسی عورتوں سے شادیاں کر کے اُس نے اُن کے طریقے اور رسوم اختیار کر لیے[۱]۔

مقدشو کا شہر دسویں صدی عیسوی کے وسط میں آباد ہوا تھا اور مشرقی ساحل افریقہ پر ستر برس تک وہ بڑے زور کا شہر رہا۔ لیکن اسی اثنا میں خلیج فارس سے ایک اور گروہ یہاں آباد ہونے کی غرض سے آیا۔ اور مقدشو کے مقابلہ میں اُسے ایک نیا شہر آباد کیا۔ اس گروہ کا سردار علی تھا جو شیراز کے سلطان حسن کا بیٹا تھا اُس کے چھ بھائی اور تھے چونکہ علی کی ماں حبشن تھی۔ اس لیے اُس کے بھائی اُس کو حقارت کی نظر سے دیکھتے تھے۔ اور جب سلطان حسن کا انتقال ہو گیا تو اُنھوں نے ایسے ظلم کیے کہ علی نے وطن چھوڑکر کہیں اور آباد ہونے کا قصد کیا اور اہل و عیال اور چند مصاحبوں کو لیکر جزیرہ ارمز دسے جہاز میں سوار ہوا اور جب افریقہ کے مشرقی ساحل پر پہنچا تو مقدشو

[۱] دے بارس۔ صفحہ ۲۱۱-۲۱۲

سے بچکر نکلا کیونکہ وہاں کے لوگ مختلف المذہب تھے اور یہ سنکر کہ زنجبار کے ملک میں سونا ملے گا وہ مقدشو سے جنوب کی سمت میں چلا اور ساحل پر کیلوا کا شہر آباد کیا جہاں وہ خود مختاری کی حیثیت سے رہ سکا۔ اور شمال میں جو عرب آباد تھے اُن کی دسترس سے بچگیا[۱]

غرض اس طرح مشرقی ساحل افریقہ پر خلیج عدن سے لیکر خط جدی تک جس کو زمانۂ وسط کے جغرافیہ دانانِ عرب نے اقوام زنج کا ملک لکھا ہی عربوں کے متعدد شہر آباد ہوگئے زنج کی قوموں میں اہلِ عرب نے اسلام کی اشاعت کیواسطے کچھ ہی کوشش کی ہونگی لیکن اُس کے حالات ہم تک نہیں پہنچے کتاب عجائب الہند جو حالات سفر کی ایک کتاب غالباً دسویں صدی عیسوی کی لکھی ہوئی ہی اُس میں ایک عجیب واقعہ تحریر ہی کہ زنج کی قوموں میں سے ایک قوم کے بادشاہ نے کس طرح اپنی رعایا میں اسلام کی اشاعت کی سنہ ۹۲۲ء میں اہلِ عرب کا ایک جہاز جس پر تجارت کا مال بہرا تھا طوفان میں آگیا اور رستہ سے بھٹک کر آدم خوار زنجیوں کے ملک میں پہنچ گیا اور جہاز والوں کو یقین ہوا کہ اب کوئی دم میں وہ موت کا لقمہ بنتے ہیں۔ لیکن زنجیوں کے بادشاہ نے عربوں پر مہربانی کی اور کئی مہینے تک اُن کو اپنا مہمان رکھا ان تاجروں نے اپنا مال خوب نفع سے بیچا مگر بادشاہ کی مہربانیوں کا عوض بڑی دغابازی سے کیا۔ اور وہ یہ تھا کہ جب ان عربوں کو رخصت کرنے کیلیے بادشاہ اور اُس کے عمائد جہاز تک آئے تو ان عربوں نے سب کو گرفتار کرلیا۔ اور غلام بناکر عمان میں لے آئے۔ اس کے بعد چند سال گذرے تھے کہ ان ہی عرب تاجروں کا جہاز پھر طوفان میں آیا اور رستہ بھول کر زنجیوں کے بندرگاہ میں پہنچ گیا۔ زنجی جو کشتیوں میں سوار تھے جہاز کے پاس آئے اور جہاز والوں کو پہچان لیا۔ ان عرب تاجروں کو اپنے مرنے میں ذرا شک نہ رہا۔ اور وہ توبہ و استغفار میں مصروف ہوئے۔ زنجیوں نے

[۱] دے بارس صفحہ ۲۲۴-۲۲۵-

عربوں کو گرفتار کیا اور بادشاہ کے سامنے لے گئے۔ جب عربوں نے بادشاہ کو دیکھا کہ یہ وہی شخص ہے جس کے ساتھ اُنھوں نے دغا کی تھی تو سخت نادم ہوئے اور خوف اُنپر طاری ہوا۔ لیکن بادشاہ نے بجائے اسکے کہ اُن کی دغابازی کا انتقام لیتا اُن کی جان بچادی اور اُن کو اجازت دی کہ اپنا مال فروخت کریں۔ لیکن جب ان تاجروں نے بادشاہ کو نذر دینی چاہی تو بادشاہ نے بحقارت اُنکی نذر قبول کرنے سے انکار کیا۔ جب عربی تاجر رخصت ہونے لگے تو ایک تاجر نے بادشاہ سے پوچھا کہ غلامی کیحالت سے وہ کیونکر آزاد ہوا۔ بادشاہ نے بیان کیا کہ عمان سے جہاں وہ غلام بناکر بیچا گیا تھا وہ بصرہ روانہ کیا گیا اور بصرہ سے بغداد میں آیا۔ ~~بغداد میں آیا~~ بغداد میں اُسکو اسلام قبول کرنے کی ہدایت ہوئی اور ارکان اسلام اُس کو سکھائے گئے۔ بغداد میں اپنے آقا سے بھاگ کر وہ ایک قافلہ کے ساتھ ہو گیا۔ جو مکہ معظمہ کو حج کے لیے جاتا تھا۔ حج سے فارغ ہونے کے بعد وہ قاہرہ میں آیا اور قاہرہ سے دریائے نیل کے کنارے کنارے سفر کرتا ہوا اپنے ملک میں پہنچا۔ اس سفر میں بڑی مصیبتیں اُٹھائیں اور کئی دفعہ غلام بنایا گیا لیکن "اب میں خوش ہوں کہ اللہ نے مجھ کو اور میری قوم کے لوگوں کو اسلام یعنی دین برحق کا علم بخشا۔ اور زنج کے ملک میں کسی اور کو یہ نعمت نہیں ملی۔ چونکہ میرے مسلمان ہونیکا باعث تم ہوئے اس لیے میں نے تمھارا قصور معاف کیا۔ جاؤ اور مسلمانوں سے کہنا کہ وہ ہمارے ملک میں آئیں اور ہم مسلمان اُن سے بھائیوں کی طرح ملیں گے[۱]"

کتاب عجائب الہند سے یہ بھی دریافت ہوتا ہے کہ افریقہ کے مشرقی ساحل پر تاجران عرب مدت سے آمد و رفت رکھتے تھے اور باوجود اس صدہا برس کی آمد و رفت کے ساحل کی دیسی قوموں میں (سوائے سومالی قوم کے) اسلام کا چرچا کم ہوا۔ سولھویں صدی عیسوی میں پرتگیزوں کی فتوحات سے پہلے جو چند زنگی قومیں مسلمان

[۱] کتاب عجائب الہند صفحہ ۵۱ - ۶۰ (مطبوعہ لندن ۱۸۸۶ء)

ہوئیں وہ صرف ساحل کی رہنے والی تھیں۔ پرتگیزی قوت کے زوال کے بعد بھی جب کہ سادات عمان کے عہد میں عربوں کی حکومت دوبارہ قائم ہوئی تو سواحلی گالا اور سومالی کی قوموں کے جو ملک کے اندر آباد تھیں اندرونی ملک کی دیگر اقوام میں اشاعت اسلام کیلیے کوشش نہیں کی گئی۔ چنانچہ زمانۂ حال کے ایک سیاح نے لکھا ہے کہ "مشرقی افریقہ کے وسط میں تین دفعہ مجھ کو سفر کرنے کا اتفاق ہوا لیکن مجھے کوئی چیز ایسی نظر نہیں آئی جس سے خیال ہوتا کہ مسلمانوں کا مذہب ذریعہ تہذیب ہے اسلام میں مہذب بنانے کی جو کچھ قابلیتیں ہوں وہ مشرقی افریقہ میں ظاہر نہ تھیں۔ یہاں عرب اور عربوں کی اولاد اپنے مذہب کی اشاعت میں مصروف نہ تھی۔ اور اسلام کی دعوت دینے کیلیے یہاں داعیان اسلام موجود نہ تھے مسقط کے عرب اسی بات کو غنیمت سمجھتے تھے کہ اُن کے غلام ایک حد تک اسلام کے پابند رہیں اسکے علاوہ اُنھوں نے مشرقی افریقہ کی قوموں سے جو فی الحقیقت ضلالت میں مبتلا تھیں کچھ بحث نہ رکھی۔ یہ قومیں اس جہل و نادانی کی حالت میں خوش رہتی تھیں اور تہذیب و شائستگی سے اُن کا متنفر ہونا ظاہر کرتا تھا کہ پانچسو برس تک مسلمانوں کی نیم شائستہ قوموں سے واسطہ رکھنے پر بھی اُن میں وہ لیاقت پیدا نہیں ہوئی جیسے کہ اُنکی ہمسایہ قوموں میں موجود تھی۔ ان صدہا سال میں نیکی کا ایک تخم بھی ایسا نہ پھوٹا جو بڑا ہو کر یہ دان چڑھتا[1] مشرقی افریقہ میں عربوں کو سوداگری اور غلاموں کی تجارت میں ایسا انہماک رہا کہ اسلام کی ترقی کیلیے وہ کچھ شوق ظاہر نہ کر سکے۔ حالانکہ ان ہی کے ہم مذہبوں نے افریقہ کے اور حصوں میں تبلیغ احکام کیلیے کیا ہمت اور محنت صرف کی تھی[2]"

وسط افریقہ کے مشرقی حصہ میں جو قومیں آباد ہیں اُن میں اسلام کو ترقی نہ ہونے کی

[1] "وسط افریقہ میں اسلام" مصنفہ جوزف ٹامسن۔ صفحہ ۸۱۱۔ [2] مشرقی افریقہ جرمنی میں بوندی اور دادیگو کے لوگوں میں بہرحال اسلام کی ترقی ہے۔ یہ دونوں ملک ساحل سے کسی قدر مغرب کی طرف واقع ہیں سواحلی کے جو مسلمان معلم پیشہ ہیں وہ بت پرستوں کو مسلمان کرنے میں کامیاب ہوتے ہیں۔ "ادسکار بومان"۔ "اوسامبارا ونداسائے تا جنا رگیبیت" صفحہ ۱۴۱ و ۱۵۳ (مطبوعۂ برلن ۱۸۹۱ء)

ایک وجہ یہ بھی ہے کہ ان قوموں کی طبیعت کو مذہب سے لگاؤ کم ہے۔ شمال میں البتہ ملک یوگنڈا کی قومیں ایسی نہیں ہیں جن پر مذہب کا اثر نہ ہوتا ہو۔ چنانچہ زنجبار سے جو عرب ان قوموں میں پہنچے تو اسلام کی اشاعت اُن میں بخوبی ہو سکی۔

گالا اور سومالی کی قوموں میں اسلام کو بہت ترقی ہوئی۔ اس کتاب کے باب چہارم میں ہم ذکر کر چکے ہیں کہ حبش کے ملک میں گالا قوم کی آبادیاں قائم ہو گئی ہیں۔ یہ نو آباد لوگ جن کی قوم کی سات شاخیں ہیں اور جو دو لوگ گالا کے نام سے مشہور ہیں حبش میں آباد ہونے سے پہلے غالباً بت پرست تھے[1]۔ اور ابتک کثرت سے بت پرست ہیں۔ ملک حبش میں آباد ہونیکے بعد وہ گویا اسی ملک کے باشندے ہو گئے اور اکثر نے باشندگان حبش کی زبان۔ عادات اور رسوم اختیار کر لیں[2]۔

گالا کی قوم کے متعلق کہ کس طرح اُس نے اسلام قبول کیا مفصل حالات نہیں ملتے۔ اس قوم کے بعض لوگوں کی نسبت یہ کہا جاتا ہے کہ وہ زبردستی عیسائی کر لیے گئے[1] اور چونکہ ملک حبش میں پولٹیکل اختیارات مسلمانوں کے قبضہ میں نہ تھے اس لیے یہ بات امکان سے خارج ہے کہ مسلمانوں نے بھی عیسائیوں کی طرح اپنے مذہب کی اشاعت بجبر کی ہو۔ اخیر صدی میں اس قوم کے جو لوگ جنوبی سمت میں آباد تھے وہ زیادہ تر مسلمان تھے اور جو لوگ مشرق اور مغرب کی اطراف میں رہتے تھے وہ عموماً بت پرست تھے[3]۔ لیکن اب جو کچھ حالات اُن کے متعلق تحقیق ہوتے ہیں اُن سے ظاہر ہے کہ اہلِ اسلام کی تعداد ترقی پر ہے اور چونکہ اُن کی نسبت لکھا جاتا ہے کہ "وہ بہت متعصب مسلمان ہیں" تو اس بات سے ہم فرض کر سکتے ہیں کہ وہ اسلام کی پابندی میں سست اور بدشوق نہیں ہیں[4]۔ خاص ملک

---

[1] گالا قوم کی تاریخ مؤلفہ شیلنفرٹ۔ اگرچہ دو لوگ گالا کی قوم کے مذہب کی نسبت مفصل حالات نہیں معلوم لیکن سیلنگر کی رائے یہ ہے کہ وہ بت پرست تھی۔ رکلو: توم ۱۔ صفحہ ۳۰[2]۔ مصنف رکلو نے البتہ یہ فرض کیا ہے کہ جب قوم ملک حبش پر چڑھ کر آئی تو اُس وقت مسلمان تھی [3]۔ ہنری سالٹ "حبشہ کا سفر" صفحہ ۲۹۹ (لندن ۱۸۱۴ء) [4]۔ جیمس بروس "منبع نیل کی تحقیقات کا سفر"۔ جلد سوم صفحہ ۲۴۳ (ایڈنبرا ۱۸۱۳ء) [5]۔ کرافٹ "ٹریولز ان ایسٹ افریکا"۔ پہلی جلد صفحہ ۱۰۰ (لندن ۱۸۶۰ء)

گالاگی گالا قوموں میں سوائے اُن جرگوں کے جو حبش کی سرحد پر رہتے ہیں اور جن کو سابق کے بادشاہ حبش نے زبردستی عیسائی کیا[1] کچھ لوگ مسلمان ہیں اور کچھ بت پرست پہاڑوں میں مسلمان کم ہیں لیکن ملک کے باقی حصوں میں داعیان اسلام کو اپنے کام میں بہت کامیابی ہوئی اور موجودہ صدی میں اُن کی تعلیم و تلقین سے لوگ بکثرت مسلمان ہوئے ہیں انتونیو جیکی نے جو ۱۸۸۰ء میں لیمو کی عملداری میں گیا تھا ابا بغیبو[2] کے مسلمان ہونے کا حال لکھا ہے کہ ابا بغیبو لیمو کے بادشاہ وقت کا باپ تھا اور اُس کو اُن مسلمانوں نے مسلمان کیا جو لیمو کی ریاست میں تاجر بنکر آتے تھے اور اسلام کی اشاعت کرتے تھے۔ لیمو کے قریب گالا قوم کی جو عملداریاں ہیں اُن کے امیروں اور سرداروں نے ابا بغیبو کی مثال کا اتباع کیا اور کچھ حصہ رعایا کا بھی مسلمان ہو گیا۔ اسلام ان عملداریوں میں ترقی کر رہا ہے۔ لیکن ابھی تک زیادہ تر لوگ ایسے ہیں جو اپنے آبائی مذہب کے پیرو چلے جاتے ہیں[3]۔ سرداران گالا کے دربار میں مسلمان تاجروں کی خاطر و مدارات اس طریقے سے ہوئی کہ غیر ملکوں کی جو اشیا وہ ان سرداروں کی عملداری میں تجارت کی غرض سے لائے وہ ملکی پیداوار کی عوض میں خرید لی گئیں اور اس طرح مسلمان تاجروں کے لیے تجارت کا بازار قائم ہو گیا۔ چونکہ یہ تاجر ساحل پر صرف سال یا دو سال میں ایک دفعہ آتے تھے اور باقی وقت گالا کے ملک میں صرف کرتے تھے اس لیے اون کو اسلام کی اشاعت کے واسطے کافی وقت اور موقع ملا جس کا حاصل کرنا وہ خوب جانتے تھے۔ غرض جہاں کہیں اُنھوں نے قدم رکھا یہ بات ضروری ہو گئی کہ تھوڑے ہی عرصہ میں وہ لوگوں کو مسلمان کرلیں[4]۔ گالا کے ملک میں اسلام کو عیسائی مشنریوں کا بھی مقابلہ کرنا پڑا جو یورپ سے وہاں پہنچتے تھے ان عیسائی مشنریوں کی وجہ سے کچھ لوگ عیسائی ہوئے

[1] رکلو توم ۱۰۔ صفحہ ۴۰۹۔ [2] ۱۸۴۶ء میں جس وقت رومن کیتھلک (جاثلیقی) عیسائیوں نے گالا قوم میں اپنا مشن جاری کیا تو ابا بغیبو نے اُن سے کہا کہ اگر تم تیس برس پہلے آتے تو صرف میں نہیں بلکہ میرے سب ہموطن تمہارا مذہب قبول کرلیتے لیکن اب عیسائی مذہب قبول کرنا ناممکن ہی (ماسایا چوتھی جلد صفحہ ۱۰۳) [3] واز یلا الفرونیٹیرے ڈل کا فا۔ دوسری جلد صفحہ ۲۴۰ (مطبوعہ روما ۱۸۸۶ء) ماسایا چوتھی جلد صفحہ ۲۰۱ چھٹی جلد صفحہ ۱۰ [4] ماسایا چوتھی جلد صفحہ ۱۰۲۔

لیکن مشنریوں کو بہت کامیابی نہیں ہوئی[1]۔ یہاں تک کہ کارڈنل ماسنایا نے جن لوگوں کو عیسائی کیا تھا۔ جس وقت یہ کارڈنیل ملک سے نکال دیا گیا تو اُنہوں نے یا تو اسلام قبول کرلیا یا یہ ہوا کہ اُن کو اللہ کا یقین رہا نہ مسیح کا[2]۔ عیسائی مشنریوں کا تو یہ حال تھا مگر داعیان اسلام کو مسلسل کامیابی رہی اور اب وہ جنوب کی طرف دور تک بڑھ گئے ہیں اور دریائے دابی کو اُنھوں نے عبور کرلیا ہے[3]۔ گالا کے وہ جرگے جو ملک گالا کے مغربی حصے میں آباد ہیں ابھی تک بت پرست چلے جاتے ہیں اور جو قومیں کہ بالکل ہی مغربی سرحد پر آباد ہیں اُن میں لیگا[4] کی قوم ایسی ہے جس میں اب موجودات قدرت کی پرستش کم اور مسلمانوں کا اثر زیادہ پھیلتا جاتا ہے اور احتمال ہے کہ چند سال کے عرصہ میں لیگا کی تمام قوم اسلام قبول کرے گی[5]۔ آجکل افریقہ کے شمال مشرق میں تبلیغ اسلام کیلیے مسلمانوں کی ہمتیں اور کوششیں قابل قدر ہیں۔ ہر سال عرب سے کئی سو داعیان اسلام ان اطراف میں آتے ہیں اور سومالی قوم میں اُن کو گالا کی قوم سے بھی زیادہ کامیابی ہوتی ہے[6]۔ چونکہ سومالیوں کا ملک عرب کے قریب ہے اس لیے وہ قدیم زمانہ سے داعیان اسلام کا جولانگاہ رہا ہے۔ لیکن افسوس ہے کہ اُس کے متعلق زیادہ حالات تحقیق نہیں ہوتے۔ ملک سومالی کے شمال میں جو سومالی قومیں رہتی ہیں اُن میں مشہور ہے کہ عرب کا ایک شریف زادہ مجبور ہوکر اپنے وطن سے بھاگا اور سمندر عبور کرکے اوّل کے شہر میں آیا جہاں سومالی کے بزرگوں کو اُس نے مسلمان کیا[7]۔ پندرہویں صدی عیسوی میں چوالیس عربوں کا ایک گروہ حضرموت سے چلا اور بحر احمر کو عبور کرکے

[1] مصنف پیکی نے جہاں عیسائی مشن کی ناکامی کا ذکر کیا ہے وہاں لکھا ہے کہ اس ناکامی کی وجہ یہ ہے کہ سالہائے گذشتہ میں اسلام کی اشاعت ان ملکوں میں بکثرت ہوئی ہے۔ صدہا داعیان اسلام اور مسلمان تاجروں نے یہ اشاعت کی ہے ان لوگوں کے پاس وہ سامان بخوبی موجود ہوتا ہے جس سے مذہب کی اشاعت ہوتی ہے یعنی وہ ہوشیار ہوتے ہیں اور ملک کی زبان خوب جانتے ہیں دوسری جلد صفحہ ۲۴۳ [2] چیکی صفحہ ۲۴۳ [3] رکلو توم ۱۳ صفحہ ۲۰۳ [4] لیگا کی قوم ۵ درجے سے ۹½ درجے طول بلد اور ۳۴ درجہ ۳۵ دقیقہ سے ۳۵ درجے مشرقی عرض بلد میں آباد ہے [5] رکلو توم صفحہ ۲۰۵ [6] پولسٹے صفحہ ۲۰-۲۲-۳۱ [7] مشرقی افریقہ کی تاریخ وجغرافیہ وتجارت کے متعلق دستاویزات" مرتبہ مسٹر گلیمن - دوسرا حصہ پہلی جلد صفحہ ۳۹۹۔

بربیرہ کے شہر میں آیا اور تبلیغ اسلام میں مصروف ہوا ۱۴۳۰ء میں ان عربوں میں سے ایک بزرگ شیخ ابراہیم ابو زربی ہرار کے شہر میں آئے اور بہت لوگوں کو انھوں نے مسلمان کیا۔ ان کے مزار کی زیارت کیلیے ابتک لوگ جمع ہوتے ہیں۔ شہر بربیرہ کے قریب ایک پہاڑی ہی جہاں مشہور ہی کہ تبلیغ اسلام کیلیے دور دراز کا سفر کرنے سے پہلے یہ بزرگانِ دین یادِ خدا میں تنہا زندگی بسر کرتے تھے[۱]۔

ملکِ افریقہ کے حالات تبلیغ کو ختم کرنیکے لیے اب صرف یہ لکھنا باقی ہی کہ اس برِ اعظم کے جنوبی ملک یعنی کیپ کوسٹ کولونی میں اسلام کس طرح پہنچا۔ کیپ کولونی کے مسلمان مسلمانانِ ملایا کی نسل سے ہیں جن کو سترہویں یا اٹھارھویں صدی عیسوی میں ڈچ قوم کے لوگ اپنے ساتھ یہاں لائے[۲]۔ بوئر کی بگڑی ہوئی زبان یہ لوگ بولتے ہیں جسمیں انگریزی اور ملایا زبان کے الفاظ بکثرت موجود ہیں ۱۸۷۷ء میں ترکی وزیر تعلیم نے اس زبان کی ایک عجیب و غریب کتاب جس میں احکام و ارکانِ اسلام بیان کیے گئے تھے عربی حروف میں لکھواکر قسطنطنیہ میں چھاپی[۳]۔ کیپ کولونی کے بعض مسلمانوں کے ناموں سے جو ڈچ زبان کے نام ہوتے ہیں اور اُن کے چہروں کے نقشے سے معلوم ہوتا ہی کہ کسی زمانہ میں ڈچ قوم کے لوگ مسلمانوں کی جماعت میں شامل تھے اور ڈچ کے خون کا اثر ان مسلمانوں میں بہت موجود ہی قوم ہاٹنٹوٹ میں سے بھی بعض لوگ مسلمان ہوگئے۔ یورپ کے سیاحوں[۴] اور نیز مسلمانوں کو کیپ کولونی کے اہلِ اسلام کی طرف کم توجہ رہی ہی۔ لیکن گذشتہ بیس برس کے عرصہ میں غیر ملکوں کے بعض پرجوش مسلمان ان کے پاس حالات تحقیق کرنیکے لیے

۱؎ برٹن "فرسٹ فٹ پرنٹس ان افریکہ" صفحہ ۷۹، ۴۰۴ (لندن ۱۸۵۶ء) ۲؎ ۱۶۵۲ء سے ۱۷۹۵ء تک راس گڈ ہوپ ڈچ کے قبضہ میں رہا اور ۱۸۰۲ء میں صلحنامہ امینز کی وجہ سے پھر اُن کے تسلط میں آیا لیکن جب دوبارہ لڑائی شروع ہوئی تو انگریزوں نے اُس پر فوراً قبضہ کرلیا ۳؎ دے جویا۔ محمد انسٹے پر گاندا صفحہ ۲۲۲ ۴؎ ۱۸۱۴ء میں مسٹر کیمپ بل کوئی صاحب تھے جنھوں نے مسلمانان کیپ کی طرف لوگوں کو توجہ دلائی۔ دیکھو ولیم آدمز کی کتاب "موڈرن وائجز اینڈ ٹراولز" پہلی جلد صفحہ ۹۳ (مطبوعہ لندن ۱۸۲۲ء)

پہنچے چنانچہ اب کیپ کے مسلمانوں میں تعلیم اور پابندی مذہب کا زیادہ چرچا ہے۔ اب ہر سال یہاں سے لوگ حج کو جاتے ہیں اور مکّہ معظمہ میں اُن کا ایک شیخ مقرر ہے جو اُن کے حالات کا نگران رہتا ہے[۱]۔ ہندوستان کے مسلمان قلی جو کیپ کالونی میں ہیرے کی کانوں میں کام کرتے ہیں اُنہوں نے بھی اسلام کی اشاعت کی ہے[۲]۔

مذکورہ بالا تاریخی واقعات اور حالات سے یہ واضح ہو گیا ہو گا کہ ملک افریقہ میں دعوت اسلام کو امن وامان کے وسائل سے اشاعت پانے کی خصوصیت حاصل رہی۔ اگرچہ اسلام نے بسا اوقات فتوحات کے لیے تلوار اُٹھائی لیکن پہلے اس سے کہ جبر واکراہ کے طریقے اختیار کیے جاویں داعیانِ اسلام لوگوں کو مسلمان کرنے کی کوششیں کرتے تھے اور ملکی فتوحات کے بعد واعظ اور مولوی مفتوحہ ملکوں میں اس لیے جاتے تھے کہ ناقص طریقوں سے جو تبلیغ ہوئی ہے اُس کو درجۂ تکمیل تک پہنچائیں۔ یہ بات سچ ہے کہ افریقہ کے بہت سے حصّوں میں اسلام کی تبلیغ اس وجہ سے آسان ہو گئی کہ مسلمانوں کو دنیوی معرکوں میں فتح ہوئی اور بت پرستوں کی برباد سلطنتوں کی جگہ اسلامی عملداریاں قائم ہو گئیں اور آگ اور خون نے جہادوں کا نشان دیا جو کافروں کو غارت کرنے کیلیے برپا کیے گئے تھے۔ چنانچہ بورنو کے ایک نوجوان عرب نے ابوکوتا کے محل میں جس وقت کپتان برٹن[۳] سے ملاقات کی تو کہا کہ "یہ اپنی بندوقیں اور بارود ہم کو دیدو توان کتّوں کو ہم ابھی مسلمان کیے لیتے ہیں"۔ پس کچھ شک نہیں کہ یہی الفاظ افریقہ کے بہت مسلمانوں کی آرزو ظاہر کرتے ہیں اور انہی الفاظ کی صدائے بازگشت اُس پیغام میں موجود تھی جس کو منگو پارک[۴] لکھتا ہے کہ فتہ تورو کے سلطان عبدالقادر نے قریب کے کافر بادشاہ دامل کے پاس کہلا بھیجا تھا پیغام یہ تھا کہ "اگر دامل مسلمان ہوگا تو اس ایک چاقو سے عبدالقادر دامل کا سر مونڈیگا اور اگر دامل مسلمان نہوا تو اس دوسرے

---

[۱] جرعزنئے (۳) دوسری جلد صفحہ ۲۹۲-۲۹۷۔ [۲] جاک بیزن "سے مستونیر مے اسلام ان افریق (رددکریتن نو عم ۳ صفحہ ۵۹۲ (مطبوعہ پیرس ۱۸۹۳ء)۔ [۳] رچرڈ الیف برٹن۔ (۱) پہلی جلد صفحہ ۲۷۵۔ [۴] "وسط افریقہ کا سفر"۔ باب ۱۵۔

چاقو سے عبدالقادر داامل کا گلا کاٹیگا۔ اب داامل ان دونوں باتوں میں سے ایک بات قبول کرلے"
غرض متعصب لوگوں کی دلیری وجسارت سے اسلام کی کیسی ہی ترقی ہوئی ہو۔ مگر سیاحوں اور اور لوگوں سے اس امر کی شہادت بحد غایت بہم پہنچتی ہو کہ وعظ وتلقین اور داعیان اسلام کی متواتر کوششوں سے اسلام کو جس عجلت اور وسعت سے افریقہ میں اشاعت ہوئی ویسی اشاعت جبر واکراہ کے طریقوں سے ہرگز نہیں ہوسکی متعصب مسلمانوں سے صرف یہ ہوا کہ اپنے مخالفوں کو اُنھوں نے غارت کردیا۔ لیکن لوگوں کو فی الحقیقت مسلمان کرنا صرف داعیانِ اسلام کا کام رہا ہے۔ چنانچہ اب تک ساحل کے اطراف اور اندرونی ملکوں میں اشاعت کا کام ترقی پر نظر آتا ہو[1]۔ جہاں کہیں اسلام کو دخل ہوا ہے وہاں داعیان اسلام موجود ہیں جو اسلام پر گواہی دیتے ہیں۔ مسلمان تاجر خواہ عرب ہوں یا افریقہ کے فلاحین اور ماندنگو ہوں ہر جگہ موجود ہوتے ہیں اور جہاں وہ تجارت کا مال فروخت کرتے ہیں وہیں تبلیغ اسلام میں بھی ساعی ہوتے ہیں۔ ان تاجروں کا پیشہ ہی ایسا ہو کہ جن لوگوں کو وہ مسلمان کرنا چاہتے ہیں اُن سے آشتی پیدا ہو جاتی ہے اور لوگوں کو ان تاجروں کی طرف سے کسی طرح کی بدگمانی نہیں ہوتی جس وقت کوئی مسلمان سوداگر بت پرستوں کے گاؤں میں پہنچتا ہو اور بار بار وضو کرکے رکوع وسجود سے نماز پڑھتا ہو اور معلوم ہوتا ہو کہ وہ نماز میں خدا سے مخاطب ہو تو گاؤں کے لوگ اُسکی طرف متوجہ ہوجاتے ہیں اور اُس فضیلت کے باعث سے جو عقل اور اخلاق کے اعتبار سے بت پرستوں کے مقابلہ میں اُس کو حاصل ہوتی ہو لوگ اُس کی توقیر کرتے ہیں اور اُسپر بھروسا رکھتے ہیں اور یہ شخص ہر وقت تیار رہوتا ہو کہ جو خوبیاں خود اُسمیں موجود ہیں وہی دوسروں میں پیدا کردے اور لوگوں کو اسلام کا علم پہنچائے جس وقت حاجی بیت اللہ سے واپس آتے ہیں اور تبلیغ اسلام کا جوش اُن میں بہت ہوتا ہو تو وہ ملک میں برابر سفر کرتے رہتے ہیں۔

---

[1] ڈی۔ جے۔ ایسٹ۔ صفحہ ۱۱۰۔۱۲۰۔ ڈبلیو وائن وڈ ریڈ پہلی جلد صفحہ ۱۲۳۔

بت پرستوں کی آبادیوں میں جہاں مسلمان موجود ہیں وہ ان حاجیوں کی مدد کرتے ہیں اور یہ حاجی تبلیغ میں انتہا درجہ کی کوشش اور جانفشانی کے ساتھ مصروف ہو جاتے ہیں۔ اسی طرح جو طالب علم قاہرہ میں جامع ازہر سے فارغ التحصیل ہو کر بت پرستوں کے ملک میں آتے ہیں ان کی بہت عزت کی جاتی ہے بعض دفعہ یہ طالب علم طبیب بنکر مطب شروع کر دیتے ہیں اور نہیں تو اس لیے اُن کی ہر جگہ ضرورت ہوتی ہے کہ تعویذ او رنقش لکھ کر لوگوں کو دیں جو چمڑے یا کپڑے میں منڈھکر بازو پر باندہے جاتے ہیں۔ یا گلے میں لٹکائے جاتے ہیں۔ یہ ذریعے بھی ایسے ہیں جن سے اکثر بت پرست مسلمان ہو جاتے ہیں۔ عورتیں جن کے ہاں اولاد نہیں ہوتی یا اگر ہوتی ہے تو کم عمر مرجاتی ہے وہ تعویذ گنڈوں کے لیے آتی ہیں اور یہ چیزیں اس شرط پر اُن کو دیجاتی ہیں کہ آئندہ جو اولاد اُن کے ہاں ہو وہ مسلمان اُٹھائی جائے۔ معلمانِ دین جن کو مرابت یا الوف کہتے ہیں اُن کی یہاں بہت وقعت ہوتی ہے۔ اور مغربی افریقہ کے تمام قریہ جات میں ایک ایک مکان بنا ہوتا ہے جو ان معلموں کے قیام کیلیے مخصوص ہوتا ہے اور جب یہ لوگ آتے ہیں تو گاؤں کے لوگ اُن کی بہت تعظیم وتکریم کرتے ہیں۔ دارفر کے ملک میں حکام سلطنت کے بعد جس قدر اعلیٰ درجے کے عہدے ہیں وہ ان ہی لوگوں کو ملتے ہیں۔ مانڈنگو کی قوم میں اُن کی عزت اور بھی زیادہ ہوتی ہے بلکہ بادشاہ کے بعد ان ہی کا درجہ سمجھا جاتا ہے اور ملک کے سردار اور امیر رتبہ میں اُنسے کم تصور کیے جاتے ہیں۔ جن عملداریوں میں انتظام سلطنت شریعت کے مطابق ہے وہاں ان معلمان دین کی عزت اس لیے اور زیادہ ہوتی ہے کہ قرآن کے مطالب لوگوں کو سمجھائیں اور اُن کی جان سب کو اس قدر عزیز ہوتی ہے کہ وہ ایسے سرداروں کے ملکوں میں سے بلا مزاحمت گذر جاتے ہیں جو آپس میں دشمن ہی نہیں ہوتے بلکہ خاص اُس وقت لڑائی میں مصروف ہوتے ہیں۔ مسلمانوں ہی کے ملکوں میں ان لوگوں کی تعظیم و توقیر نہیں ہوتی

ے بشپ کراؤتھر "مغربی افریقہ میں اسلام" - (چرچ مشنری انٹیلیجنس" صفحہ ۲۸۵ - اپریل ۱۸۸۸ء)

بلکہ بت پرستوں کی بستیوں میں جہاں مسلمان مدرسے جاری کرتے ہیں یہ بت پرست اپنے بچوں کے اُستادوں کی عزت کرتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ یہ معلمانِ دین ہم میں اور خدا میں ایسا واسطہ ہیں جس سے ہماری ضروریاتِ زندگی مہیا ہو جائیں گی اور جو ہم کو مصیبتوں سے بچالیں گے یا کسی طرح کی آفت ہم پر نہیں آنے دیں گے[۱]۔ ان معلموں میں سے اکثر قیروان فاس اور طرابلس[۲] کی مسجدوں کے تعلیم یافتہ ہوتے ہیں۔ لیکن اگر یہ پوچھا جاوے کہ مسلمانوں کے ہاں کوئی مشنری کالج بھی ہے یعنی ایسا کوئی دارالعلوم موجود ہے جس میں لوگوں کو تبلیغ اسلام کیلیے ہدایت اور تعلیم ملتی ہو تو ہم کہہ سکتے ہیں کہ جامع ازہر وہ دارالعلوم ہے جس کے لیے مشنری کالج کا نام بہت موزوں ہے۔ یہاں اسلامی دنیا کے ہر ملک سے طالب علم بکثرت آتے ہیں جن میں ایک گروہ افریقی طلبار کا بھی ہوتا ہے۔ دارفر۔ وادی اور بورنو کے طالب علم یہاں تعلیم پاتے ہیں اور بعض ان میں ایسے ہوتے ہیں کہ وہ علم کے شوق میں مغربی ساحل افریقہ سے قاہرہ تک پیادہ پا آتے ہیں۔ جس وقت یہ طلبار دینیات اور فقہ کی تحصیل سے فارغ ہوتے ہیں تو اکثر اپنا یہ کام مقرر کرتے ہیں کہ وطن کے بت پرستوں میں اسلام کی اشاعت کریں۔ جامع ازہر میں طلبار کی تعداد روزافزوں ترقی پر ہے ۱۸۳۵ء میں جس وقت ڈاکٹر وولنگر[۳] قاہرہ میں پہنچے تو طلبار کی تعداد صرف ۵۰۰ تھی لیکن اُس وقت سے تعداد میں برابر ترقی ہوئی ہے۔ چنانچہ ۱۸۸۴ء میں بارہ ہزار چھ سو پچیس[۴] طالب علم یہاں تعلیم پاتے تھے جامع ازہر کے طالبعلم جن شہروں میں پہنچتے ہیں وہاں مدرسے کھولدیتے ہیں جن میں صرف مسلمانوں ہی کے بچے نہیں پڑھتے بلکہ بت پرستوں کی اولاد بھی وہاں تعلیم پاتی ہے۔ سب بچوں کو قرآن پڑھایا جاتا ہے اور احکام وارکان دین سکھائے جاتے ہیں۔ غرض جب اس طرح مسلمانوں کے قدم جم جاتے ہیں تو پھر وہ اپنی لیاقت و دیانت سے

---

[۱] ایسٹ صفحہ ۱۱۲ - ۱۱۳ - [۲] ملیڈن صفحہ ۲۰۲ - یہ کہا جاتا ہے کہ ہر سال ایک ہزار داعیانِ اسلام طرابلس سے تبلیغ اسلام کیلیے ملک سوڈان میں آتے ہیں (پولتشے صفحہ ۱۳۳) [۳] وولنگر "محمد صلے اللہ علیہ وسلم کا مذہب" صفحہ ۱۴۴ - [۴] اال دے لکستریم اور ملینٹ لے دے لافریق" صفحہ ۱۳۴۱ (پاریس ۱۸۸۶ء) -

ان لوگوں کے ساتھ جنہیں وہ سکونت رکھتے ہیں آشتی پیدا کرتے ہیں اور اس میں زیادہ سہولت اُن کو اسوجہ سے ہوتی ہو کہ عادات اور معاشرت کے اعتبار سے مسلمانوں اور ان افریقیوں میں مشابہت ہی اور ان بت پرستوں کو مسلمانوں کی طرف سے بدگمانی اس لیے نہیں ہوتی کہ مسلمان تاجروں کی آمد و رفت سے وہ مسلمانوں سے ملنے جُلنے کے عادی ہو گئے ہیں - یہ مسلمان دیس کی عورتوں سے شادیاں کر لیتے ہیں اور بت پرستوں کی صحبت میں اُنکو ایسا دخل ہو جاتا ہو کہ اسلام کا اثر بت پرستوں میں جڑ پکڑ لیتا ہی اور ہمیشہ کو قائم رہتا ہی اور اس طرح مسلمان بسہولت بت پرستوں میں اپنے مذہب کو شائع کر دیتے ہیں مسلمانوں کے آتے ہی ترقی تجارت کی بنیاد پڑ جاتی ہی اور مسلمانوں کے جو بڑے تجارت گاہ مثلاً سیگو اور کانو کے شہر ہیں اُن سے تعلق پیدا ہو جاتا ہی اور مسلمان تہذیب و تمدن کے عمدہ نتائج ہی سے غیروں کو حصہ نہیں دیتے بلکہ اپنے مذہب میں بھی ان کو شامل کر لیتے ہیں -

سر بارٹل فریر نے لکھا ہو کہ ''افریقہ کی ناشائستہ قوموں میں داعی اسلام کو ہمیشہ یہ یقین ہوتا ہو کہ ان قوموں کے لوگ اُسکی بات کو کان دھر کر سنیں گے - وہ بت پرستونکو خدا اور انسان کے متعلق حقائق ہی سے آگاہ نہیں کرتا جو اُن کے دلوں پر اثر کر جائیں اور اُن کی عقلونکو ترقی دیں بلکہ ایک سوشل اور پولٹیکل جماعت میں داخل ہونیکے لیے وہ اُن کو ایسی سند دیتا ہی جو حفاظت اور امداد کے لیے بحر اطلانتک سے لیکر دیوار چین تک پروانہ راہداری کا کام دیتی ہی - جہاں کہیں مسلمان کا گھر ہوگا وہاں زنگی نو مسلم کو ٹھہرنے کی جگہ اور خوراک اور صلاح و مشورہ ملسکتا ہی - اسلام قبول کرتے ہی اُس کو معلوم ہو جاتا ہو کہ وہ اپنے ہی ملک میں ایک ایسی قوم کا رکن ہو گیا ہی جو حکمران نہیں ہی تو ملکی رسوخ کے اعتبار سے بہت ترقی یافتہ ہی - غرض اسی بات میں مغربی افریقہ کے داعیان اسلام کی کامیابی اور ترقی کا بھید پوشیدہ ہی - تعداد کے لحاظ سے بھی تبلیغ اسلام کی ترقی بہت اور جلد ہو رہی ہی جس کیوجہ صرف یہ ہو کہ جب کوئی بت پرست مسلمان ہوتا ہے تو داعیان اسلام اُن اُصولونکے

عملی طور پر پابند ہو جاتے ہیں جو مومنین کی اُخوت اور آپس میں درجہ مساوات رکھنے کے متعلق اسلام اور مسیحی مذہب میں مشترک ہیں۔ کرسچن مشنریوں کے مقابلہ میں اعیان اسلام اس اُخوت کے اُصول پر زیادہ محبت اور عملی طریق سے کاربند ہوتے ہیں۔ کرسچن مشنری کا فرض ہے کہ عیسوی دین قبول کرنے والے کے اعتقاد اور یقین کی پہلے اچھی طرح آزمائش اور تصدیق کرلے اور جب یہ مرحلہ طے ہو جاوے تو پھر اُس کو اپنا دینی بھائی سمجھ کر اُس سے ملے لیکن اسکے ساتھ ہی عیسائی مشنری کو قومی فرق اور تفاوت کا دور کرنا بھی ضروری ہوتا ہے جو ایک ہی نسل میں اس وجہ سے دور نہیں ہوسکتا کہ گورے رنگ کا عیسائی کالے رنگ کے کافر اور غلام افریقی کا مدت سے آقا سمجھا جاتا ہے[1]۔

یہ بات لکھنی بھی ضروری ہے کہ افریقہ کے لوگ قوم اور رنگ کی وجہ سے مسلمانوں کے نزدیک کبھی حقیر اور ذلیل نہیں سمجھے گئے۔ اور کچھ شک نہیں کہ افریقہ کی نیگرو قوموں میں اسلام کی ترقی کا بڑا سبب یہ ہوا کہ مسلمانوں نے کبھی قوم یا رنگ کے فرق کا خیال نہیں کیا اور نہ افریقہ کی ان سیاہ رنگ قوموں کے لوگوں کو ایسا ذلیل سمجھا جیسا کہ افسوس ہے عیسائیوں نے اُن کو تصور کیا[2]۔ مسلمانوں کی

[1] سر ہارٹل فریری (۱) صفحہ ۱۸-۱۹ [2] بلیدن صفحہ ۱۸-۱۲۴- انتھروپولوجیکل سوسائٹی لنڈن میں ایک دفعہ اس مسئلہ پر بحث ہوئی کہ عیسائی مشنریوں نے وحشی قوموں پر کیا اثر کیا۔ یہ بحث اب کسی کو یاد نہیں ہے لیکن وہ بہت دلچسپ تھی اور اہمیں ایک عیسائی مشنری کا ذکر کیا گیا تھا جس نے افریقہ میں ایک کالی عورت سے شادی کرلی تھی۔ اس شادی سے وہاں کے عیسائی اسقدر ناراض ہوئے کہ مشنری کو مجبور ہو کر ملک چھوڑنا پڑا لیکن مسلمان مشنریوں کو ایسی دقتیں نہیں ہوتیں (رسالہ انتھروپولوجیکل سوسائٹی لنڈن تیسری جلد مطبوعہ لنڈن ۱۸۶۵ء) افریقہ کے لوگوں کے سامنے عیسوی مذہب اور اسلام جس طرح اپنے تئیں جدا جدا پیش کرتے ہیں اُسکا حال ایک ایسے شخص نے خوب لکھا ہے جو خود افریقہ کا باشندہ تھا۔ وہ لکھتا ہے کہ "عیسائیوں کے مشن تو دیسی عیسائیوں کی جماعت قائم کرنے اور اُنپر پادری مقرر کرنے کے انتظام کو غیر محدود وقت تک ملتوی کر دیتے ہیں اور مسلمانوں کا یہ حال ہے کہ اُنکے ملا افریقہ کے وسط میں تبلیغ کیلیے پہنچ جاتے ہیں اور بت پرستوں سے رسم پیدا کرکے اُنکو مسلمان کر لیتے ہیں یہانتک کہ اب افریقیوں کا یہ خیال ہے کہ اسلام کالے آدمیوں کے لیے اور عیسوی مذہب گورے آدمیوں کیلیے مخصوص ہے وہ جانتے ہیں کہ عیسوی مذہب اُن کو نجات دینے کیلیے بلاتا ہے۔ لیکن اس کے ساتھ ہی اُنکو ایسا ذلیل درجہ دیتا ہے کہ وہ ہمت ہار کر یہ کہنے لگتے ہیں کہ "ہماری قسمت میں اُس سے حصہ لینا نہیں ہے" اسلام بھی افریقیوں کو نجات دینے کیلیے بلاتا ہے مگر اُسے فوراً کہدیتا ہے کہ "یہ تم پر منحصر ہے کہ جسقدر بلندی تک پہنچنا ممکن ہو پہنچ جاؤ" یہ بات سنتے ہی کالے آدمی دل و جان سے اسلام کے خدمت گذار ہو جاتے ہیں"۔ افریقہ میں اسلام اور عیسوی مذہب کی نسبت ایک افریقی کے خیالات (آیو انجلیکل مشن کے رسالے ۹۳ صفحہ ۲۰۰ مطبوعہ پیرس ۱۸۸۸ء)

روایت کیموافق خود حضرت موسیٰ علیہ السلام کالے رنگ کے آدمی تھے چنانچہ ذیل کی آیات
قرآن سے ایسا ہی معلوم ہوتا ہی واضمم یدک الی جناحک تخرج بیضاء من غیر
سوء آیۃ اخریٰ ۵ (اور اپنا ہاتھ اپنے بازو سے لگا کہ وہ نکلے گورا ہو کر نہ کچھ بری طرح ایک
نشانی اور۔ سورہ طٰہٰ آیت ۲۳)

ونزع یدہ فاذا ھی بیضاء للنظرین ۵ قال الملاء من قوم فرعون ان ھذا
السحر علیم ۵ اور نکالا اپنا ہاتھ تو اس وقت وہ دیکھنے والوں کو گورا نظر آیا۔ فرعون کی قوم
کے سردار بولے کہ بیشک یہ کوئی بڑا جادوگر ہی۔ سورۃ الاعراف آیت ۱۰۵۔۱۰۶) اسی
امر کے متعلق خلفائے عباسیہ کے عہد زریں سے مفصلۂ ذیل واقعہ دریافت ہوتا ہی
جو اس اعتبار سے نہایت دلچسپ ہی کہ مسلمانوں کا افریقیوں کی نسبت کیا خیال رہا ہی
ہارون الرشید کے بھائی ابراہیم نے جس کی ماں حبشن تھی بغداد میں خلافت کا دعوی
کیا۔ لیکن مامون الرشید کے زمانہ میں ابراہیم کو شکست ہوئی اور خلیفہ نے اُس کا قصور
معاف کیا۔ ابراہیم نے مامون الرشید سے اپنی ملاقات کا حال اس طرح بیان کیا ہی کہ "جب
میں مامون کے دربار میں داخل ہوا تو مامون نے مجھ سے کہا "کیا کالے خلیفہ تم ہی ہو"
میں نے کہا کہ "امیر المومنین! میں وہ ہوں جس کو آپ نے خطا معاف کر کے شرمندۂ
احسان کیا ہی۔ قبیلۂ بنی حسحاس کے غلام نے میرے حسب حال سچ کہا ہی۔

اشعار عبد بنی الحسحاس قمن لہ		عند الفخار مقام الاصل والورق	
ان کنت عبدا فنفسی حرۃ کرما		اذا اسود الخلق انی ابیض الخلق	

(ترجمہ) فخر کرنیکے وقت بنی حسحاس کے غلام کے اشعار جڑ اور پتوں کا کام دیتے
ہیں۔ اگرچہ میں غلام ہوں مگر شرافت کے لحاظ سے میرا نفس آزاد ہی اگرچہ میرے جسم کا رنگ
تاریک ہی مگر میرا اخلاق روشن ہیں۔

مامون بولا۔ "چچا آپ تو ہنسی ہنسی میں ٹھیک بات کہہ گئے"۔ پھر مامون نے یہ اشعار پڑھے

لیس یزری السواد بالرجل الشهم	ولا بالفتی الادیب الاریب
ان یکن للسواد فیک نصیب	فبیاض اخلاق منک نصیبی[۱]

(ترجمہ) رنگ کا سیاہ ہونا شریف آدمی کو عیب نہیں لگاتا نہ ادیب و دانشمند جوان کو۔ اگر رنگ کی سیاہی ہمارے حصہ میں آئی تو تمھارے اخلاق کی سفیدی (روشنی) میرے حصہ میں آئی ہو۔ انتہی۔

پس افریقی نومسلم کو اخوت المومنین میں سب کے برابر درجہ حاصل ہوتا ہو اور اُس کا رنگ اور اُس کی قوم اور اُس کے دیرینہ تعلقات جو مسلمان ہونے سے پہلے اُس کو حاصل تھے کسی طرح کا اُس کو نقصان نہیں پہنچا سکتے۔ اگر افریقیوں نے مسلمان ہونیکا ارادہ کیا تو مسلمانوں نے فوراً اُن کو دائرۂ اسلام میں داخل کیا اور کچھ شک نہیں کہ اسی بات سے افریقہ کے بت پرستوں نے اسلام خوشی سے قبول کیا جس کی تہذیب چاہتی تھی کہ یہ بت پرست مسلمان ہوتے ہی اپنی پرانی وحشیانہ عادتیں اور رسمیں چھوڑدیں۔ ترقی اسلام میں جس چیز نے زیادہ تر مدد پہنچائی وہ یہ تھی کہ افریقیوں کا اسلام قبول کرنا ایسا کام تھا جس سے تہذیب و شائستگی میں اُن کی ترقی ہوتی تھی اور علمی اخلاقی اور دینوی ترقی کے میدان میں بھی وہ بہت آگے نکلجاتے تھے۔ اور جو طاقتیں اسلام کی حامی بنکر پیدا ہوجاتی تھیں وہ ایسی زبردست ہوتی تھیں کہ جس وحشت جہالت اور تعصب کو اسلام مٹانا چاہتا تھا وہ زیادہ مدت تک دین اسلام کا مقابلہ نہیں کرسکتے تھے ذیل کی عبارت سے معلوم ہوگا کہ افریقی مسلمانوں کی تہذیب نیگرو نومسلم کے دل پر کیا اثر پیدا کرسکتی تھی " وہ انتہادرجہ کی ظالمانہ رسمیں جو ایک زمانہ میں تمام افریقہ میں پھیلی ہوئی تھیں اور اب بھی براعظم افریقہ کے بعض حصوں میں گولڈ کوسٹ اور انگریزی نوآبادیوں کے قریب جاری ہیں یعنی مردم خواری اور انسان کی قربانی اور بچوں کو زندہ دفن کرنے کا رواج اسلام قبول کرتے ہی فوراً ہمیشہ کیلیے موقوف ہوجاتا ہے

[۱] ابن خلکان - پہلی جلد صفحہ ۱۰ -

وہ لوگ جو ابتک برہنہ یا نیم برہنگی کی حالت میں رہتے تھے کپڑے پہننے شروع کرتے ہیں اور کپڑے بھی ایسے جو پاک اور ستھرے ہوں۔ اور وہ لوگ جو کبھی نہانا یا منھ دہونا نہیں جانتے تھے بار بار نہاتے ہیں اور منھ دہوتے ہیں کیونکہ نفاست اور پاکیزگی کے قواعد اُن کو بتائے گئے ہیں۔ پھر یہ باتیں ہیں کہ جن کے سمجھنے کے لیے اُن کی عقل اور سمجھ پر زیادہ زور نہیں پڑتا۔ گروہ بندی کا طریقہ جو یہاں کے جرگوں اور قریوں میں ہی وہ مسلمان ہو جانے کی حالت میں زیادہ وسیع بنیاد پر قائم ہو جاتا ہی۔ چنانچہ گزشتہ سو برس کے عرصہ میں جو تاریخی واقعات سودان اور قریب کے ملکوں میں گذرے اُن سے اس اتفاق و اتحاد کی اکثر مثالیں بیان ہو سکتی ہیں۔ اگر لڑائی کے جوش کو اس سے تحریک ہوئی تو لڑائیوں کے مقام جہاں سے معرکے شروع ہوتے تھے تعداد میں کم ہو جاتے ہیں اور اُن میں فاصلہ بڑھ جاتا ہی۔ لڑائی کا انتظام پہلے سے بہتر ہو جاتا ہی اور لڑائی کے روکنے کیلیے بھی قواعد بن جاتے ہیں فساد اور ہنگامے بیوجہ برپا نہیں ہوتے۔ لوٹ مار میں کمی اور جان و مال کی حفاظت زیادہ ہو جاتی ہے۔ ملک میں ابتدائی مدارس[۱] ایسے ہی جاری کر دیے جاتے ہیں جن کا ذکر سو برس ہوئے

[۱] "مسلمانوں کے ہر شہر میں ایک مدرسہ اور ایک کتب خانہ ہوتا ہی۔ اس کتبخانہ میں قرآن شریف کی جلدیں نہایت خوشخط لکھی ہوئی موجود ہوتی ہیں جن کو اعلیٰ درجہ کی خوشخطی کا نمونہ کہنا چاہیے پنٹاٹیوک کا عربی ترجمہ جس کو توریت موسیٰ کہتے ہیں اور ڈیوڈ کے سامز جنکو زبور داؤدی کہتے ہیں اور یسوع کا گاسپل جس کو انجیل عیسیٰ کہتے ہیں اس کتبخانے میں موجود ہوتے ہیں۔ اور مدرسوں میں طلبا کے رجسٹر اور دیگر کاغذات بھی ہوتے ہیں" وائن ووڈ ریڈ" وحشی افریقہ" صفحہ ۵۰۸۔ بچوں کی پڑھائی میں قرآن شریف کی عبارتیں اور اعلیٰ جماعتوں کی خواندگی میں تفسیر و احادیث وغیرہ کی کتابیں درج ہوتی ہیں۔ دیگر قوم کے ملکوں میں صدہا برس سے مختلف درجوں کے مدرسے سرکاری طور پر جاری ہیں یہانتک کہ غریبوں کے لڑکے پبلک کے صرف سے تعلیم پاتے ہیں۔ اور جو طلبا لائق ہوتے ہیں اُن کا سلسلہ درس برسوں تک جاری رکھا جاتا ہی۔ ان مدرسوں کی تعلیم عربی زبان اور عربی کتابوں ہی پر محدود نہیں ہی بلکہ اکثر دیسی زبانیں بدون ہو گئی ہیں اور عربی کتابوں کا اُن میں ترجمہ ہوا ہی۔ ان دیسی زبانوں میں بھی کتابیں تالیف و تصنیف ہوتی ہیں اور ایسے مدرسے موجود ہیں جنمیں یہ زبانیں پڑھائی جاتی ہیں"۔ "افریقہ کے کالے آدمی" دیتھوڈست کوارٹرلی ریویو۔ جنوری ۱۸۷۶ء ڈاکٹر بلیدن (صفحہ ۲۰۶، ۲۰۰) لکھتے ہیں کہ مغربی افریقہ کے مسلمانوں میں مفصلہ ذیل کتابیں سلسلہ درس میں جاری ہیں۔ مقامات حریری۔ ارسطاطالیس اور افلاطون کی تصانیف کے حصے جنکا ترجمہ عربی میں ہو گیا ہی۔ بقراط کی تصانیف کا عربی ترجمہ۔ عربی کی انجیل۔ عہد جدید اور زبور داؤدی جسکو امریکن میں بائبل سوسائٹی نے شائع کیا ہی۔

کہ منسو پارک نے کیا تھا۔ ان مدرسوں میں اگر صرف قرآن پڑھایا جاتا ہو تو وہ بھی ترقی کا کم ذریعہ نہیں ہی کیونکہ وہ زیادہ ترقی کا ذریعہ ہو سکتا ہی۔ اب وہ خوبصورت بنی ہوئی پاک اور ستھری مسجد جس کی محراب مکہ کی طرف اشارہ کرتی ہی اور جس میں مؤذن پانچ وقت اذان دے کر نمازیوں کو بلاتا ہی اور جس میں امام ہر جمعہ کو نماز پڑھاتا ہی۔ گاؤں کے مسلمانوں کا مرجع عام بنجاتی ہی۔ اور اُس خوفناک مکان کی جگہ جس کو جوجو کا گھر کہتے تھے اور جس میں بدشکل چیزیں پوجنے کے لیے رکھی ہوتی تھیں اب یہ صاف اور پاکیزہ مسجد ہوتی ہی جس میں سب لوگ جمع ہوتے ہیں اور اُس خدائے وحدہ لاشریک کی عبادت کرنا جو حاضر و ناظر علیم و رحیم ہے اُن کے لیے ایسا ترقی کا سبق ہوتا ہی جو مذہب کے متعلق پہلے کبھی کسی نے اُن کو نہیں سکھایا تھا۔ عربی زبان جس میں مسلمانوں کا آسمانی صحیفہ ہمیشہ لکھا گیا ہی ایسی زبان ہے جس میں غیر معمولی وسعت اور خوبیاں موجود ہیں۔ جس وقت ایک مرتبہ اس زبان نے رواج پالیا تو براعظم افریقہ کے نصف حصہ پر جس قدر قومیں آباد تھیں اُن کی زبان عربی ہوگئی۔ علم ادب کا وہ دیباچہ ہی بلکہ خود علم ادب ہی۔ عربی زبان کی تحصیل سے ایک فائدہ یہ بھی ہوا کہ افریقہ کے سرداروں کو بجائے اسکے کہ وہ محض اپنی رائے سے حکومت کریں انتظام سلطنت کیلیے ایک ضابطہ اور دستورالعمل ملگیا اور یہ ایسی تبدیلی تھی جس سے اُن کی تہذیب میں ترقی ہوئی۔ تجارت اور صنعت بڑھ گئی۔ اور اب سوداگری فقط اس بات میں نہ رہی کہ کونگوس کی طرح آئے اور تجارت کی ابتدائی قاعدوں کے موافق اشیار کا اشیار سے تبادلہ کرلیا جیسا کہ یونان کے قدیم مورخ ہرادوتوس نے لکھا ہے کہ افریقہ میں تجارت کا ہمیشہ یہی طریقہ تھا۔ اب تجارت کی چیزوں میں بارود شراب تمباکو اور کوڑیاں وغیرہ نہیں ہیں جن کی تجارت ساحل پر اب تک ہوتی ہے بلکہ ایسی اشیا کی تجارت شروع ہوئی ہی جن میں صنعت و حرفت بہت درکار ہی۔ اور ملکی پیداوار کی درآمد و برآمد کا بڑا وسیع انتظام ہوگیا ہی۔ مسلمانوں کی تاثیر اور اسلام کی طرز حکومت سے جو اس کے ساتھ

رائج ہوا افریقیوں کے ملک میں ایسے بڑے بڑے شہر قائم ہوگئے کہ جس وقت یورپ کے سیاحوں نے اُن کا شروع شروع میں حال لکھا تو یورپ کے لوگوں کو اچھی طرح یقین نہ آیا۔

"میرا ہرگز یہ قول نہیں ہے کہ خوشحالی کا باعث صرف مذہب ہے۔ نہیں میرا قول صرف یہ ہے کہ مذہب کے ساتھ یہ خوشحالی پیدا ہو سکتی ہے۔ اور مذہب ایک طرح پر اُس کا معاون ہے کیونکہ موسمی حالات اور دیگر اسباب اس نیتجہ کو پیدا کرسکتے ہیں۔ لیکن سوال یہ ہے کہ ان ہی حالات اور اسباب کی موجودگی میں افریقہ کے اُن حصوں میں جہاں بت پرست اور کافر آباد ہیں اسلامی افریقہ کی مثل ترقی کیوں نہیں موجود؟

ذاتی فضائل کے متعلق یہ بات سب نے تسلیم کی ہے کہ افریقہ کے نومسلموں میں مذہب اسلام ایسی ہمت اور جرأت اور قدرت اور اپنے اوپر آپ بھروسا کرنے کی قابلیت پیدا کردیتا ہے جس کا نشان ان ہی افریقی مسلمانوں کے ہمقوم وہموطن بت پرستوں یا عیسائیوں میں مشکل سے ملتا ہے[۵]"

[۵] "افریقہ میں اسلام" مصنفہ بوسورتھ سمتھ۔ "انیسویں صدی" دسمبر ۱۸۸۷ء صفحہ ۷۹۸ - ۸۰۰۔



باب دوازدہم

مجمع الجزائر ملایا میں اسلام کی اشاعت

جزائر ملایا کی چھ سو برس کی تاریخ میں ایسے واقعات موجود ہیں جن سے دعوت اسلام کی تاریخ میں ایک دلچسپ مضمون لکھا جا سکتا ہے۔ اس تمام زمانہ میں مشرقی جزائر ہند کے ایک نہ ایک جزیرے میں داعیان اسلام کی متواتر کوششوں کا ثبوت ملتا ہے۔ ابتدائی زمانہ میں اُن کی کوششیں محض ہدایت اور تلقین کے ذریعہ سے بغیر والیان ملک کی سرپرستی اور امداد کے جاری رہیں۔ بعض موقعوں پر اُن کو خاص کر اسپین کے عیسائیوں کی وجہ سے سخت مخالفتوں کا بھی سامنا ہوا لیکن باوجود ان تمام مشکلات کے وہ بہت محنت اور جانفشانی سے تبلیغ میں مصروف رہے اور جہاں اُن کا کام ناقص تھا یا کافی نہ تھا وہاں اُس کو (خاص کر زمانہ حال میں) اُنھوں نے تکمیل کے درجے تک پہنچایا۔

مجمع الجزائر ملایا میں اسلام کے شروع ہونے کی نسبت ٹھیک زمانہ مقرر کرنا ناممکن ہے۔ لیکن اس میں شک نہیں کہ ہجرت کی ابتدائی صدیوں میں بہت پہلے اس سے کہ تاریخوں میں اسلامی اثر کے شائع ہونے کا ذکر آیا ہو۔ عربی تاجروں نے ان جزیروں میں اشاعت اسلام کی ابتدا کی۔ یہ خیال اس وجہ سے اور قوی ہو جاتا ہے کہ اہلِ عرب بہت قدیم زمانہ سے مشرقی ملکوں میں تجارت کرتے تھے دوسری صدی میں جزیرہ سیلون کی تجارت عربوں کے ہاتھ میں تھی اور ساتویں صدی عیسوی کے شروع میں چین کی تجارت کو سیلون کے رستہ سے ایسی ترقی ہوئی کہ آٹھویں صدی عیسوی کے وسط میں چین کے صوبۂ

کانٹن میں عرب کے تاجر کثرت سے نظر آنے لگے۔ پندرہویں صدی عیسوی میں جبکہ اہل پرتگیز ملایا کے جزیروں میں پہونچے تو مشرقی ملکوں کی تجارت پر اہلِ عرب کو بالکل قابض پایا جو دسویں صدی عیسوی سے یہاں تجارت کرتے تھے[1]۔ پس یہ قیاس صحیح معلوم ہوتا ہی کہ جس طرح قدیم زمانہ میں عربوں نے اکثر ملکوں میں تجارت گاہ قائم کیے تھے اسی طرح ملایا کے جزیروں میں سے بھی کسی جزیرہ پر اُنھوں نے تجارتگاہ بنایا ہوگا۔ اگرچہ عرب کے جغرافیہ دانوں نے نویں صدی عیسوی سے پہلے[2] اپنی تصانیف میں ان جزیروں کا ذکر نہیں کیا لیکن [3]۶۷۴ء میں اہل چین کی کتب تواریخ میں ایک عربی امیر کا ذکر آیا ہی جس کی نسبت زمانہ مابعد میں قیاس ہوا کہ جزیرہ سمترہ کے مغربی ساحل پر عربوں کی کسی بستی کا وہ امیر تھا[4]۔

معلوم ہوتا ہی کہ جنوبی ہند سے بھی داعیانِ اسلام ملایا کے جزیروں میں پہنچے۔ کیونکہ مجمع الجزائر کے اکثر باشندے شافعی المذہب ہیں ہندوستان کے ساحل کورومنڈل اور ملیبار میں شافعی مسلمان ابتک ایسی ہی کثرت سے موجود ہیں جیسے کہ چودہویں صدی عیسوی کے وسط میں تھے جبکہ ابن بطوطہ نے ان سواحل کا سفر کیا تھا[5]۔ غرض جس وقت دریافت ہوتا ہی کہ قرب و جوار کے ملکوں میں مسلمان کثرت سے حنفی ہیں تو ملایا کے جزیروں میں شافعی مذہب کے رواج کی وجہ یہی فرض کرنی پڑتی ہی کہ ساحل ملیبار سے مجمع الجزائر میں اسلام کی اشاعت ہوئی۔ ملیبار کے بندرگاہوں میں جزیرۂ جاوا چین۔ یمن اور ایران کے سوداگر کثرت سے آمد و رفت رکھتے تھے[6]۔

مذہب امامیہ کا چرچا بھی ہندوستان یا ایران کے ذریعہ سے یہاں ہوا۔ چنانچہ جاوا اور سمطرہ میں اُس کے نشانات ابتک موجود ہیں۔ ابن بطوطہ کے سفرنامہ سے معلوم

---

[1] یمان۔ صفحہ ۳۴۷ [2] رینود "جغرافیہ ابوالفدا" توم ۱۔ صفحہ ۳۲۹ [3] گرونولت۔ صفحہ ۱۴۔ ۱۵۔ [4] ابن بطوطہ۔ توم ۴۔ صفحہ ۶۶ و ۸۰۔ [5] ویٹ (۳) دوسری جلد صفحہ ۱۸۵۔ ابن بطوطہ۔ توم ۴۔ صفحہ ۸۹۔

ہوتا ہے کہ سلطان سمدرا سے شاہانِ دہلی سے دوستانہ تعلقات پیدا کر لیے تھے۔ اس سلطان کے دربار میں جو فقیہ موجود تھے اُن میں ایک شخص شیراز اور دوسرا اصفہان کا باشندہ تھا[۵۱]۔ لیکن ابن بطوطہ کے زمانہ سے بہت پہلے ملک دکن کے مسلمان تاجر جنکے ذریعہ سے ہندوستان کی اسلامی ریاستوں سے جزائر ملایا میں تجارت کا مال پہونچتا تھا مجمع الجزائر کے بندرگاہوں میں کثرت سے آباد ہوگئے تھے اور وہاں اُنہوں نے اپنے مذہب کا تخم بو دیا تھا[۵۲]۔

غرض ان ہی عربی اور ہندی تاجروں کی کوشش کا نتیجہ تھا کہ جزائر ملایا میں دیسی مسلمانوں کی ایسی آبادیاں نظر آنے لگیں جن کا ذکر زمانہ سلف کے مسلمانوں نے کتب تواریخ میں لکھا ہے۔ یہ مسلمان تاجر جس وقت ملایا کے جزیروں میں آباد ہوگئے تو اُنھوں نے جزیرے کی عورتوں سے شادیاں کیں اور ان بت پرست عورتوں اور غلاموں نے مسلمان ہو کر اہل اسلام کی ایک ایسی جماعت پیدا کر دی جس کے لوگوں نے اپنی تعداد کو بڑھانے میں کوئی دقیقہ کوشش کا باقی نہ رکھا۔ جزائر فلیپائن میں مسلمان تاجروں نے اشاعت مذہب کے لیے جو طریقے اور وسائل اختیار کیے اُن سے خیال ہوتا ہے کہ قدیم زمانہ کے مسلمان تاجروں نے بھی بلاشبہ ان ہی طریقوں پر اپنا عمل رکھا ہوگا۔ یہ طریقے ذیل کی عبارت سے دریافت ہوتے ہیں "مسلمانوں نے ملک میں اپنے مذہب کو بخوبی شائع کرنے کی غرض سے دیس کی زبان سیکھی اور دیسی لوگوں کے رسم و رواج اختیار کیے۔ اُن کی عورتوں سے نکاح کیے اور غلام خریدے تاکہ مسلمان کی حیثیت بڑی معلوم ہو۔ غرض ان طریقوں سے وہ ملک کے ذی رتبہ امیروں میں شمار ہونے لگے۔ چونکہ دیسیوں کے مقابلہ میں یہ باہر کے مسلمان زیادہ اتفاق اور لیاقت سے ہر ایک کام کو انجام دینا جانتے تھے اس لیے اُن کی قوت بڑھتی گئی۔ اور چونکہ غلام اُن کے پاس

---

[۵۱] ابن بطوطہ۔ توم ۴۔ صفحہ ۲۳۰-۲۳۴ [۵۲] حرغنئے۔ (۱) صفحہ ۸-۹۔

کثرت سے ہوتے تھے اس لیے اُنھوں نے آپس میں سازش اور اتحاد کرکے اپنی حکومت
جدا قائم کرلی جس میں ایک ہی خاندان کی نسل تخت نشین ہوتی رہی۔ ایسی سازشوں سے
اگرچہ مسلمانوں کو بہت قوت حاصل ہوجاتی تھی لیکن اس حال میں بھی ملک کے سرداروں اور
امیروں سے اتحاد رکھنے کی اُن کو ضرورت تھی تاکہ یہ سردار اور امیر جن کی مدد کے بغیر
مسلمانوں کا کام نہیں چلتا تھا مسلمانوں کی حفاظت کے ذمہ دار ہوجاویں[1]"۔ غرض یہ
طریقے تھے جن کی مدد سے مسلمانوں نے جزائر ملایا میں اشاعت اسلام کی سوشیل اور پولیٹکل
بنیاد ڈالی۔ مسلمان ان جزیروں میں فاتحان ملک بن کر نہیں آئے جیسے کہ سولھویں صدی
عیسوی میں اسپین کے عیسائی یہاں داخل ہوئے تھے۔ اور نہ مسلمانوں نے ان عیسائیوں
کی طرح یہ دعویٰ کیا کہ ہم کسی زبردست قوم کے آدمی ہیں اور ہم کو اعلیٰ درجہ کے حقوق حاصل
ہیں تاکہ ملک کے لوگوں کو ذلیل سمجھ کر اُن پر ظلم کیے جاویں۔ بلکہ مسلمان صرف تاجروں کی
حیثیت سے یہاں آئے اور اپنی ذہانت اور لیاقت اور بہتر تہذیب کی مدد سے اسلام
کی خدمت میں مصروف ہوئے۔ حکومت کے بل پر لوگوں کو آزار پہنچانا یا دولت جمع کرنا
ان کا مقصد نہ تھا۔ غرض اشاعت مذہب کے ان طریقوں کو بیان کرنے کے بعد اب
ہمکو مجمع الجزائر کے ہر ایک جزیرے میں اُن خاص خاص واقعات پر بتفصیل نظر ڈالنی
چاہیے جو اشاعت اسلام میں مسلمانوں کی کوششوں کا نتیجہ تھے۔

جزیرۂ سمطرہ قدرتی طور پر خیال ہوتا ہے کہ مجمع الجزائر ملایا کے کسی ایسے مقام پر جو
ملک عرب سے قریب تر ہو اسلام کی علامتیں سب سے پہلے ظاہر ہوئی ہوں گی۔
مجمع الجزائر میں ایسا مقام جزیرۂ سمطرہ کا مغربی ساحل ہے۔ ملایا کی تاریخوں میں لکھا ہے کہ
بارھویں صدی عیسوی کے وسط میں اچیہ (آچین) کے ملک میں جو ساحل سمطرہ کے
شمالی گوشہ پر واقع ہے عرب کے ایک بزرگ شیخ عبداللہ عارف کی کوشش سے اسلام

[1] پادری گنیزا۔ جس کو ویبر نے نقل کیا۔ صفحہ ۲۰۵۔ کرافورڈ ج ۲، دوسری جلد۔ صفحہ ۲۶۵۔

اوّل ہی اوّل شائع ہوا اس تحریک اشاعت نے اسقدر جلد ترقی پائی کہ ۱۰۷۷ء میں شیخ برہان الدین جو شیخ عبداللہ عارف کے مرید تھے مغربی ساحل سمطرہ سے جنوب کی سمت میں پریمان تک اسلام کی دعوت لیگئے۔ ان کے علاوہ اور مسلمان بھی تبلیغ میں مصروف تھے۔ لیکن سوائے ایک شخص جہاں شاہ نامی کے اور کسی کا ذکر تاریخوں میں موجود نہیں ہے جہاں شاہ کی نسبت مشہور ہو کہ وہ اتجیہ (آچین) کی اسلامی ریاست کا بانی ہوا اور لکھا ہو کہ وہ کسی مغربی ملک سے ساحل سمطرہ پر اسلام کا وعظ کہنے کیلیے آیا تھا جہاں شاہ نے آچین میں آتے ہی بہت لوگوں کو مسلمان کیا اور وہیں کی ایک عورت سے اپنا نکاح کیا۔ ملک کے لوگوں نے جہاں شاہ کو اپنا بادشاہ تسلیم کیا اور اُس کا آدھا عربی اور آدھا سنسکرت نام سری پادک سلطان مشہور ہوا۔[۱]

اس موقع پر اسلام کی اشاعت میں جسقدر کامیابی ہوئی اُس کو شاید دوام نہ ہوا۔ اور عرصہ تک تبلیغ کا کام جاری نہیں رہ سکا۔ کیونکہ مارکو پولو جس نے ۱۲۹۲ء میں سمطرہ کے شمالی ساحل پر پانچ مہینے تک قیام کیا تھا لکھتا ہو کہ یہاں کے باشندے سب بت پرست تھے۔ البتہ پرلاگ کی ریاست میں جو جزیرہ سمطرہ کے شمال مشرقی گوشہ پر ہی شہر کے لوگ مسلمان تھے۔ مارکو پولو نے اس کیوجہ یہ لکھی ہو کہ "(پرلاگ کی) ریاست میں سارا سین (مسلمان) سوداگروں کی آمد و رفت اس کثرت سے تھی کہ اُنھوں نے دیس کے لوگوں کو مسلمان کر لیا تھا۔ پہاڑوں کے لوگ البتہ بت پرست اور آدم خوار تھے"[۲]۔ ملایا کی ایک تاریخ میں لکھا ہو کہ سلطان علی مغیت شاہ جس نے ۱۵۰۷ء سے ۱۵۲۲ء تک اتجیہ (آچین) میں سلطنت کی پہلا شخص تھا جس نے خود اسلام قبول کرنے کی مثال رعایا کے سامنے پیش کی اور رعایا بھی بادشاہ کے ساتھ مسلمان ہو گئی[۳]۔ لیکن کچھ عجب نہیں کہ سلطان علی مغیت کو اس بات کی عزت دی ہی کہ وہ آچین کا پہلا مسلمان بادشاہ ہوا صرف اس وجہ سے ہو کہ سلطنت آچین کو اس بادشاہ نے بہت رونق دی تھی اور قریب کے ملکوں کو اس نے اپنی۔

[۱] ڈی ہولانڈر۔ پہلی جلد صفحہ ۵۰۔ ویتھ (۱) صفحہ ۲۶۔ [۲] کرنل یول کا مارکوپولو دوسری جلد صفحہ ۲۸۴۔ [۳] ویتھ (۱) صفحہ ۶۱۔

سلطنت میں شامل کر لیا تھا لیکن قیاس یہ چاہتا ہو کہ اس سلطان نے اپنے ملک کے بت پرستوں کو اول ہی اول مسلمان نہیں کیا بلکہ وہ پہلے ہی مسلمان ہو چکے تھے سلطان علی مغیت نے اپنے عہد میں اسلام کو صرف قوت اور ترقی دی کیونکہ جزیرہ سمطرہ میں اس بادشاہ کے عہد سے بہت پہلے اسلام شائع ہو چکا تھا۔

چودھویں صدی عیسوی میں شریف مکہ نے کچھ لوگوں کو عرب سے روانہ کیا کہ سمطرہ کے باشندوں کو شرف اسلام بخشیں عرب سے جو لوگ اس کام کیلیے روانہ ہوئے اُنکے سردار شیخ اسمٰعیل تھے۔ یہ لوگ ساحل ملیبار سے چل کر اول جزیرہ سمطرہ کے شہر پاسوری میں پہنچے یہ شہر غالباً سمطرہ کے مغربی ساحل پر کسی قدر جنوب میں واقع تھا۔ پاسوری کے باشندوں نے ان مسلمانوں کی ہدایت سے اسلام قبول کیا۔ اسکے بعد یہ داعیان اسلام جہاز پر سوار ہو کر جزیرہ کے کنارے کنارے شمال کی سمت میں لمبری کے ملک تک گئے اور پھر وہاں سے جزیرہ کے دوسری طرف مشرقی ساحل پر آرو کے ملک میں پہنچے جو ملاکا کے مقابل میں واقع تھا اور ان دونوں ملکوں میں یعنی لمبری اور آرو میں حسب سابق تبلیغ اسلام میں کامیابی ہوئی۔ آرو میں پہنچکر ان مسلمانوں نے سمدرا کے شہر کا پتہ پوچھا جو سمطرہ کے شمالی ساحل کا شہر تھا اور معلوم ہوتا ہو کہ یہی شہر تھا یہاں شیخ اسماعیل اور اُن کے مصاحبین دعوت اسلام لیجانیکا قصد رکھتے تھے۔ لیکن آرو میں اُن کو دریافت ہوا کہ سمدرا کے قریب ہی سے اُن کا جہاز گذرا تھا اور اُن کو خبر نہ ہوئی۔ اب یہ لوگ واپس چلے اور پرلاک کے شہر میں آئے جہاں چند سال پہلے مارکوپولو نے مسلمانوں کو دیکھا تھا۔ پرلاک میں ان داعیان اسلام نے کچھ لوگوں کو مسلمان کیا اور پھر آخر کار وہ سمدرا کے شہر میں پہنچ گئے۔ سمدرا کے شہر اور سمدرا کی ریاست کو مارا سیلو نے قائم کیا تھا۔ اب مارا سیلو کو شیخ اسماعیل نے مسلمان کیا اور مسلمان ہونیکے بعد اُس کا نام ملک الصالح رکھا گیا۔ بادشاہ پرلاک کی بیٹی سے ملک الصالح نے اپنی شادی کی۔ اس بیوی سے دو لڑکے پیدا ہوئے اور بادشاہ نے اس خیال سے، کہ دونوں بیٹوں

کیلیے ایک ریاست بھی ہونی چاہیے۔ شمالی ساحل سمطرہ پر پاسی کا اسلامی شہر تعمیر کیا۔[۵۱] ۱۳۴۵ء میں جس وقت ابن بطوطہ سمطرہ میں پہنچا تو ملک الصالح کا بڑا لڑکا ملک الظاہر سمدرا میں حکومت کرتا تھا اس بادشاہ کے دربار میں دیگر سلاطین اسلامیہ کی مثل شان وشوکت پائی جاتی تھی اور اُس کی سلطنت ساحل پر کئی دن کی مسافت میں تھی۔ ملک الظاہر بڑا متقی مسلمان تھا۔ فقیہوں کا بڑا دوست تھا۔ قراۃ اور مذاکرہ کی مجلسیں اُن کے ہاں رہتی تھیں اور عالم اور شاعر اُس کے دربار میں جمع رہتے تھے۔ ابن بطوطہ نے دو بڑے فقیہوں کا ذکر کیا ہے جو ایران سے سمطرہ میں آئے تھے اور جو ایک دفعہ سلطان سمدرا کی طرف سے ایلچی ہو کر پایۂ تخت دہلی کو بھی روانہ کیے گئے تھے۔ اس بات سے معلوم ہوتا ہے کہ سلطنت اسلامی دنیا کی بعض سلطنتوں سے تعلق رکھتی تھی۔ ملک الظاہر بڑا جنگجو اور سپہ سالار بھی تھا۔ چنانچہ کفار سے وہ لڑا یہاں تک کہ اُنھوں نے اطاعت قبول کی اور جزیہ دیا۔[۵۲]

ابن بطوطہ کے زمانہ میں سمطرہ میں اسلام کو بہت ترقی ہو چکی تھی۔ اور سواحل پہ رائج ہونیکے بعد جزیرہ کے اندرونی ملکوں میں اُس کی اشاعت شروع ہو گئی تھی۔ شیخ اسماعیل اور اُن کے مصاحبوں کی کوششیں ایسی بار آور ہوئیں کہ ۱۲۸۲ء میں چین کے ایک مؤرخ نے لمبری کی نسبت یہ لکھا کہ لمبری میں دس ہزار خاندان ایسے ہیں جو مسلمان ہیں اور یہ مسلمان "بہت اچھے لوگ ہیں"۔ سلطنت آرو کا بادشاہ اور اُس کی رعایا بھی مسلمان ہے۔[۵۳] چودھویں صدی کے اخیر یا پندرھویں صدی عیسوی کے شروع میں میناکابو کی سلطنت میں بہت لوگ مسلمان ہو گئے۔ ایک زمانہ میں یہ سلطنت سمطرہ کے ایک ساحل سے دوسرے ساحل تک بہت وسیع ملک پر جو خط استوا کے شمال اور جنوب میں پھیلا ہوا تھا واقع تھی۔ اگرچہ اس سلطنت کی قوت کم ہو گئی تھی لیکن ابھی تک وہ ہندو

[۵۱] کرنل یول کا مارکو پولو دوسری جلد صفحہ ۲۲۷۔ ۲۴۵۔ [۵۲] ابن بطوطہ توم ۴۔ صفحہ ۲۳۰۔ ۲۳۶۔ [۵۳] گرونولٹ صفحہ ۹۴

مذہب کی حامی اور سرپرست تصور ہوتی تھی اور اسلام کی اشاعت میں اُس نے طرح طرح کی مشکلیں پیدا کردی تھیں۔ لیکن باوجود ان مشکلات کے میناںگ[۱] کابو کی رعایا میں اسلام نے اشاعت پائی اور یہ لوگ ایسے پابند اسلام ہوئے کہ وسط سمطرہ کی اکثر مسلمان قوموں کو یہ بات نصیب نہیں ہوئی[۲]۔ یہ امر بھی قابل غور ہو کہ وسط سمطرہ کی قوموں میں اسلام کی اشاعت ایسی وسعت سے ہوئی کہ ساحل کے قریب جو اضلاع تھے اور جہاں غیرملکوں کے مسلمانوں کا اثر موجود تھا اُس کی مثل اشاعت نہیں ہوسکی۔ چنانچہ ملک باتا کے باشندوں میں باستثنا چند سب لوگ ابھی تک بت پرست ہیں۔ البتہ ان باشندوں میں سے جو لوگ اچین کی سرحد پر آباد تھے اُن کو اچین کے مسلمانوں نے مسلمان کرلیا ہو[۳]۔ اور باتا قوم کے جو لوگ خط استوا پر راؤ کے پہاڑوں میں رہتے تھے وہ بھی مسلمان ہوگئے ہیں[۴]۔ اور مشرقی ساحل پر باتا قوم کے ایسے لوگ جن کو ملایا کے مسلمانوں سے واسطہ پڑتا ہی اکثر مسلمان ہوجاتے ہیں[۵]۔ لیکن باقی لوگ وجو مسلمانوں کے قرب کے بت پرست ہیں۔ وسط سمطرہ میں بھی بت پرست بہت ہیں مگر کثرت تعداد مسلمانوں کو حاصل ہو۔ لیکن سوائے چند حاجیوں اور مولویوں کے یہ لوگ اپنے مذہب سے عموماً ناواقف ہیں چنانچہ کورنچی کے باشندوں میں بھی جو اکثر پابند مذہب ہیں کچھ لوگ ایسے ہیں جو ابتک بتوں کی پرستش کرتے ہیں جن کو اُن کے بت پرست باپ دادا پوجا کرتے تھے[۶]۔ لیکن اب اس بات کی کوشش ہو رہی ہو کہ ان نومسلموں میں مذہب کو زندہ کیا جاوے اور داعیان اسلام مغربی ساحل سمطرہ کے بت پرستوں کو مسلمان کرنے میں خاص کر مصروف ہیں[۷]۔ سپروک کے ضلع میں اسی نام کا ایک شہر ہو اور اس شہر کی مسجد میں ایک بزرگ رہتے ہیں

---

۱ میناںگ۔ کابو کی سلطنت جس زمانہ میں عروج پر تھی تو اُس کی حدود حسب ذیل تھیں۔

مغربی ساحل پر	۲ درجہ عرض بلد شمالی سے	۲ درجہ عرض بلد جنوبی تک
اور مشرقی ساحل پر	ایک درجہ عرض بلد شمالی سے	۲ درجہ عرض بلد جنوبی تک

لیکن سولھویں صدی عیسوی میں مشرقی ساحل سے اُس کی حکومت بالکل جاتی رہی (دے ہولاندر۔ پہلی جلد صفحہ ۲)۔ ۲ مارسڈن صفحہ ۴۴۴۔ ۳ مولاخیمہ صفحہ ۱۔ ۴ مارسڈن صفحہ ۵۰۲۔ ۵ مارسڈن "مشرقی ہند کے جزائر کے حالات" زینڈ سے لنگن تیسری جلد صفحہ ۱۸۵-۱۸۶ (مطبوعہ ۱۸۸۱ء)۔ ۶ ہاسلت صفحہ ۵۰۰-۵۰۵۔ ۷ زینڈی لنگن۔ صفحہ ۱۷۳۔

جنھوں نے پچیس برس کے عرصہ میں اس ضلع کی کل آبادی کو سوائے عیسائیوں کے جن میں اکثر غلاموں کی نسل سے ہیں مسلمان کرلیا ہی[۱]۔

پالم بنگ کے حالات تبلیغ کو جزیرۂ جاوا کی تاریخ سے اس قدر تعلق ہی کہ جاوا کے ذکر میں اُن کا لکھنا زیادہ مناسب ہو گا۔ جزیرۂ جاوا ہی سے سمطرہ کی جنوبی سرحد پر لمپانگ کے اضلاع میں اسلام کا چرچا ہوا اور ان اضلاع کے ایک سردار نے جس کا نام میناتگ کمالا بومی تھا اس تحریک کو پیدا کیا۔ پندرہویں صدی عیسوی میں اس سردار نے آبنائے سندا کو عبور کیا اور بانٹن کی سلطنت میں جو جاوا کے مغربی ساحل پر ہی وہ داخل ہوا۔ اس سردار کے پہونچنے سے چند سال پہلے سلطنت بانٹن کی رعایا داعیان اسلام کی کوشش سے مسلمان ہو چکی تھی کمالا بومی نے بھی یہاں پہونچکر اسلام قبول کیا اور حج کے واسطے مکہ معظمہ کو گیا جب حج کرکے واپس آیا تو جس مذہب کو خود اختیار کیا تھا اُسی کا چرچا اپنے وطن کے لوگوں میں کیا[۲]۔ لمپانگ کے لوگوں میں اسلام نے بہت ترقی کی اور گاؤں گاؤں مسجدیں بنگئیں لیکن لمپانگ کے وہ لوگ جو ساحل سے دور رہتے ہیں اُن میں ابھی تک قدیم مذہب جاری ہی[۳]۔

موجودہ صدی کے شروع میں مسلمانوں کی اصلاح کیلیے ایک مذہبی تحریک جزیرۂ سمطرہ میں پیدا کیگئی جس سے اسلام کی اشاعت کو بھی نفع پہونچا۔ سنہ ۱۸۰۳ء میں سمطرہ کے تین حاجی مکہ معظمہ سے اپنے وطن کو واپس آئے۔ جس وقت مکہ معظمہ میں یہ لوگ ٹھہرے ہوئے تھے تو فرقۂ وہابیہ کی تحریک کو دیکھکر جو اصلاح مذہب کیلیے تھی اُن کے دل پر بہت اثر ہوا اور اُن کو شوق ہوا کہ یہی اصلاحیں وہ اپنے وطن کے لوگوں میں بھی جاری کریں تاکہ مذہب کے اعتبار سے اُن کی زندگی زیادہ پاک اور پرجوش ہو جاوے پس وطن پہونچکر اُنھوں نے وہابیوں کے خیال کے موافق توحید کا وعظ شروع کیا۔ نذر و نیاز کی رسمیں

[۱] کولونیل رپورٹ ۱۸۹۶ء [۲] کان۔ صفحہ ۵۱ [۳] مارسدن۔ صفحہ ۳۰۱۔

بند کیں۔ شراب خواری اور قمار بازی اور ایسی باتیں جو شریعت کے خلاف تھیں یک لخت موقوف ہوئیں۔ ہزاروں مسلمان اُن کے ساتھ ہوئے اور بعض بت پرستوں نے بھی اُن کا وعظ سنکر اسلام قبول کیا۔ لیکن یہ مہم چونکہ غیر محتاط اور دنیا داروں کے سپرد تھی اس لیے اُن کے جہاد کا اصلی مقصد فوت ہوگیا اور وہ ملک فتح کرنیکے لیے کشت و خون کا ایک ہنگامہ بنگیا۔ ۱۸۲۱ء میں یہ مجاہد جنکو پادری لکھا گیا ہی ڈچ کی گورنمنٹ سے جا لڑے لیکن ۱۸۳۷ء میں مجاہدوں کا اخیر قلعہ فتح ہوگیا۔ اور اُن کی قوت بالکل ٹوٹ گئی[۱]

جزیرہ نمائے ملایا

جزیرہ نمائے ملایا کے جس قدر مہذب باشندے ہیں وہ اپنی اصل اُن لوگوں سے بتاتے ہیں جو کسی زمانہ میں جزیرۂ سمطرہ بلکہ مینانگ کابو کی مشہور سلطنت سے اُٹھکر جزیرہ نمائے ملایا میں آباد ہوگئے تھے۔ مینانگ کابو کی سلطنت کی نسبت کہا جاتا ہی کہ ایک زمانہ میں وہ جزیرہ سمطرہ کی سب سے بڑی سلطنت تھی اور جزیرہ نمائے ملایا کے جنوبی حصہ میں بعض ریاستیں ابھی تک ایسی ہیں جنکے سرداروں کو مینانگ کابو سے حکومت وغیرہ کے اختیار حاصل ہوتے ہیں۔ یہ بتانا کہ کس زمانہ میں ان لوگوں نے سمطرہ سے آکر ملایا میں اپنی آبادیاں قائم کیں قیاس پر منحصر ہی۔ لیکن سنگاپورا ور جزیرہ نما کے جنوبی گوشہ پر بارہویں صدی عیسوی میں ایک بستی ان سمطریوں کی آباد ہوئی اور اُن کی اولاد نے سو برس کے بعد ملاکا کی حکومت قائم کی[۲] ملاکا کا شہر چونکہ عمدہ موقع پر تھا اور مشرقی ملکوں میں جس رستہ سے تجارت کا مال جاتا تھا اُسی رستہ پر یہ شہر واقع تھا اس لیے اُس کو جلد ترقی ہوئی۔ کچھ شک نہیں کہ مسلمان تاجروں نے جو اس شہر میں آباد ہوئے ملاکا کی سلطنت میں اسلام کا چرچا کیا[۳]۔ ملاکا کی تاریخ میں اس سلطنت کے لوگوں کا مسلمان ہونا سلطان محمد شاہ کے عہد میں لکھا گیا ہی جو ۱۲۷۶ء میں ملاکا کے تخت پر بیٹھا۔ لیکن ملاکا کی یہ تاریخ ایسی مشتبہ ہی کہ یہ تعین وقت بھی اُس کی وجہ سے مشتبہ معلوم ہوتا ہی[۴]۔ ہم کو توقع تھی کہ جس طرح مجمع الجزائر ملایا کے اور مقامات کی تاریخوں میں ایسے واقعات کا زمانہ ٹھیک لکھا

[۱] نیمان صفحہ ۲۵۶-۲۵۹ [۲] مور صفحہ ۲۵۵ [۳] دے بارس صفحہ ۱۵ [۴] کرافورڈ (۱) صفحہ ۲۴۱-۲۴۲-

گیا ہے اسی طرح ملاکا کی تاریخ میں بھی تبلیغ اسلام کے شروع ہونے کا زمانہ صحیح صحیح درج کیا گیا ہوگا
کیوں کہ اول تو یہ واقعہ لوگوں کے لیے باعث فخر تھا۔ دوسرے قبول اسلام کے وقت سے اہل ملاکا
کی تاریخ میں ایک نیا عہد شروع ہوتا تھا۔ لیکن یہ زمانہ ایسا نہیں بیان کیا گیا جس پر بالکل اعتبار کیا جائے
ایک پرتگیزی مورخ نے ملاکا کے لوگوں کا اول مسلمان ہونا ۱۲۷۶ء میں لکھا ہے کہ اس سال میں ملک
عرب کے کسی فقیہ نے ملاکا کے بادشاہ کو مسلمان کیا اور اُس نام محمد رکھ کر شاہ کا لفظ آگے اضافہ کردیا[۵۱]

جزیرہ نمائے ملایا کی شمالی ریاستوں میں کیدا کی ریاست ہے جس کی تاریخ میں تبلیغ اسلام
کا عجیب وغریب حال لکھا ہے اول ہی اول ۱۵۰۱ء میں مسلمانوں کا مذہب یہاں پھیلنا شروع ہوا[۵۲]
اس واقعہ کے متعلق جو واقعات اس تاریخ میں درج کیے گیے ہیں اُن میں اگر کرامات اور قصص کو علیحدہ
کردیا جاوے تو حسب ذیل کیفیت رہ جاتی ہے: "ملک عرب کا ایک عالم جس کا نام شیخ عبداللہ تھا
کیدا کے شہر میں آیا اور راجہ سے ملاقات کے بعد پوچھا کہ اُس کے ملک والوں کا کیا مذہب ہے
راجہ نے جواب دیا کہ "میرا اور میری رعایا کا مذہب وہی ہے جو بزرگوں کے وقت سے ہم میں چلا آتا
ہے یعنی ہم سب بت پرست ہیں۔" شیخ نے کہا "تو کیا راجہ نے کبھی اسلام اور قرآن کا حال
نہیں سنا جو خدا نے اپنے رسول مقبول محمد صلے اللہ علیہ وسلم پر نازل کیا اور جس سے سب مذہب
باطل ہو کر شیطان کے حوالے ہو گئے۔" راجہ نے کہا کہ "اگر یہ سچ ہے تو وہ مہربانی کر کے ہم کو اس
نئے مذہب سے آگاہ کرے۔" شیخ عبداللہ یہ بات سنتے ہی اس قدر خوش ہوا کہ راجہ کو اُس نے فوراً
مسلمان کیا اور مذہب کے فرائض ادا کرنے اُس کو سکھائے۔ راجہ کو شراب نوشی کی عادت تھی۔
لیکن مسلمان ہوتے ہی جس قدر شراب کے خم موجود تھے راجہ نے اپنے سامنے منگوالیے اور اپنے
ہاتھ سے اُن کی شراب زمین پر لنڈھا دی۔ اس کے بعد جس قدر بت محل میں موجود تھے اُن کو
منگوایا۔ اور راجہ کے سامنے سونے اور چاندی کے بتوں اور مٹی اور لکڑی کی مورتوں کا ایک انبار

۵۱؎ بارس باب یکم۔ ۵۲؎ ۱۵۱۶ء میں باربوسا نے لکھا کہ کیدا کے بندرگاہ میں اکثر مسلمان سوداگر آمدورفت
رکھتے ہیں (راموسیو توم ۱۔ صفحہ ۳۱۷)۔

لگادیا گیا۔ اس کے بعد شیخ عبداللہ نے ان سب بتوں کو تلوار اور کلہاڑی سے ٹکڑے ٹکڑے کر کے ٹکڑوں کو آگ میں جلوا دیا۔

پھر شیخ نے راجہ سے درخواست کی کہ محل کی تمام مستورات کو بلایا جاوے اور محل میں جس قدر عورتیں تھیں وہ راجہ اور شیخ عبداللہ کے سامنے آئیں۔ شیخ کا اخلاق اور حلم اس درجہ بڑھا ہوا تھا اور زبان کا وہ ایسا نرم تھا کہ سب عورتوں کے دل میں اُس کے کلام نے تاثیر کی اور وہ دل سے مسلمان ہوگئیں۔

اسکے بعد راجہ نے اپنے چاروں وزیروں کو بُلایا جو دربار میں قدم رکھتے ہی حیرت زدہ ہوگئے کہ آج راجہ کے پہلو میں یہ شیخ کون بیٹھا ہے۔ راجہ نے اپنے وزیروں سے شیخ کے آنے کا حال بیان کیا اور وزیروں نے آمادگی ظاہر کی کہ جس مذہب کو راجہ نے قبول کیا ہی اُسی کو ہم اختیار کرتے ہیں وزیروں نے کہا کہ "شیخ ہم کو بھی اپنے دین کی تعلیم و تلقین کرے"۔ شیخ نے جب یہ سُنا تو وزیروں کو مسلمان کیا اور اُن سے کہا کہ اسلام کے ساتھ اپنا حسنِ عقیدت اِس طرح ظاہر کرو کہ سب لوگوں کو دربار میں طلب کیا جاوے اور اُن کو حکم ہو کہ جن مورتوں کو وہ پوجتے ہیں اور جن بتوں کو اُن کے باپ دادا اُنکے پاس چھوڑ گئے ہیں اُن سب کو اپنے ساتھ لاویں۔ شیخ کی یہ درخواست منظور ہوئی اور رعایا کے پاس جس قدر بت اُس وقت موجود تھے وہ لائے گئے اور اُن کو توڑ کر اور جلا کر خاک کر دیا گیا۔ اور کوئی شخص ان جھوٹے بتوں کے ٹوٹنے اور خاک ہو جانے پر مغموم نہ ہوا کیونکہ سب خوشی خوشی مسلمان ہو چکے تھے۔

شیخ عبداللہ نے اس کے بعد چاروں وزیروں سے پوچھا کہ "تمھارے راجہ کا کیا نام ہی"؟ اُنھوں نے جواب دیا کہ ہمارے راجہ کا نام پراونگ مہادانگسا ہی۔ شیخ نے کہا کہ "اب اس نام کو اسلامی زبان میں تبدیل کردو"۔ کسی قدر مشورہ اور راجہ کی منظوری کے بعد راجہ کا نام سلطان مزلف شاہ رکھا گیا شیخ نے کہا کہ یہ نام مشہور ہی اور قرآن میں بھی آیا ہی[1]

[1] مزلف کا لفظ بجنسہٖ قرآن شریف میں نہیں آیا ہی۔ معلوم ہوتا ہی کہ شاید قرآن شریف کی اس آیت سے یہ لفظ بنایا ہے۔ وازلفت الجنۃ للمتقین (اور پاس لائے بہشت واسطے پرہیز گاروں کے) سورۃ الشعرٰ ۔ آیت ۹۰

اب سلطان کیدا نے ایسے مقامات پر جہاں رعایا کثرت سے رہتی تھی مسجدیں بنوانی شروع کیں اور ہر مسجد کے واسطے چالیس آدمی نمازی مقرر ہوئے۔ کیوں کہ اس سے کم تعداد فرائض مذہب کے ادا کرنے کے لیے کافی نہ تھی۔ غرض مسجدیں تعمیر ہوئیں اور ہر مسجد میں ایک ایک نقارہ رکھا گیا جو نماز سے پہلے لوگوں کو بلانے کے لیے بجایا جاتا تھا۔ شیخ عبداللہ کچھ عرصہ تک کیدا کے لوگوں کو دین اسلام کی تعلیم دیتے رہے ساحل اور اضلاع کیدا اور قرب وجوار کی بستیوں سے صدہا لوگ اُن کے پاس آتے تھے اور ارکان اسلام اُن کو سکھائے جاتے تھے۔

شیخ عبداللہ نے جب کیدا کی رعایا کو مسلمان کیا تو اس کی خبر اتجیہ (آچین) میں مشہور ہوئی۔ سلطان آچین اور عرب کے ایک بزرگ شیخ نورالدین نے جو مکہ سے آچین میں آئے ہوئے تھے چند کتابیں کیدا کو روانہ کیں۔ اور ایک خط سلطان مزلف شاہ بادشاہ کیدا کے نام لکھا۔ خط کا مضمون یہ تھا" یہ خط سلطان اتجیہ اور نورالدین کی طرف سے سلطان کیدا اور شیخ عبداللہ یمنی کے نام ہے جو فی الحال کیدا میں مقیم ہیں۔ ہم دو کتابیں بھیجتے ہیں تاکہ اسلام کو لوگوں میں استحکام ہو اور اُن کو علم دین کی بخوبی تعلیم ہو" اس خط کے جواب میں سلطان کیدا اور شیخ عبداللہ یمنی کی طرف سے ایک خط روانہ ہوا جس میں کتابوں کا شکریہ تھا۔ اب شیخ عبداللہ نے تبلیغ میں دوگنی کوشش شروع کی اور مختلف قریہ جات میں چھوٹی چھوٹی مسجدیں لوگوں کے آرام کے لیے بنوا دیں اور لوگوں کی تعلیم وتربیت میں اپنا تمام وقت صرف کیا۔

سلطان کیدا اور اُس کی ملکہ ہمیشہ شیخ عبداللہ یمنی کے پاس حاضر رہتے تھے اور اُن سے قرآن پڑھتے تھے۔ ان دونوں نے چاہا کہ راجاؤں کے خاندان کی کوئی شریف زادی ایسی ملے جس سے شیخ عبداللہ کا نکاح کر دیا جاوے۔ لیکن کوئی شخص ایسا نہ ملا جو یہ بات گوارا کرتا کیونکہ شیخ عبداللہ بغداد کو جانے والے تھے اور کیدا سے روانگی میں

صرف اُن کو یہ انتظار تھا کہ کوئی مسلمان علم دین سے اس قدر واقف ہو جائے کہ اُن کی جگہ درس وتدریس کا کام جاری رکھ سکے۔

اس وقت سلطانِ کیدا کے تین لڑکے تھے۔ یعنی راجہ معظم شاہ راجہ محمد شاہ اور راجہ سلیمان؛ ان تینوں شہزادوں کے نام شیخ عبداللہ کے رکھے ہوئے تھے اور شیخ نے اُن کو نصیحت کی تھی کہ غلاموں اور ادنیٰ پیشہ کے لوگوں سے برتاؤ کرنے میں تحمل سے کام لیں اور غصہ ظاہر نہ کریں اور بندگانِ خدا پر جو مسکین اور حاجتمند ہوں رحم کریں[1]"۔

یہ بالکل فرض نہیں کر لینا چاہیے کہ شیخ عبداللہ کو اشاعت اسلام میں پوری کامیابی ہوئی کیونکہ اتجیہ کی تاریخ میں لکھا ہے کہ جب سلطان اتجیہ نے ۱۶۴۹ء میں کیدا کو فتح کیا تو "اسلام کو قوت بخشی اور شیطان کے گھروں کو برباد کیا"۔ یعنی مندروں اور بتوں کو توڑ ڈالا[2]۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ جبتک ڈیڑھ سو برس نہ گذر لیے کیدا کی سلطنت سے بت پرستی بالکل دور نہ ہو سکی۔

مذکورۂ بالا حالات کے علاوہ جزیرہ نمائے ملایا کی تاریخ تبلیغ میں زیادہ واقعات دریافت نہیں ہوتے لیکن واعظان عرب جنھوں نے اس جزیرہ نما میں اسلام پر وعظ کیا اُن کی قبریں یہاں اکثر جگہ موجود ہیں اور مسلمان اُن کی زیارت کے لیے جاتے ہیں[3] چونکہ ملایا کے مسلمانوں کو ایک عرصہ سے اہل عرب اور مشرقی ساحل ہند کے مسلمانوں سے واسطہ رہا ہے اس لیے وہ مذہب کے نہایت پابند ہیں اور مجمع الجزائر کے کل مسلمانوں میں اُن کی پرہیزگاری کی ایسی شہرت ہے کہ مثال کے طور پر اُن کا ذکر کیا جاتا ہے علاوہ اس کے غیروں کے ساتھ مذہبی آزادی اور

---

[1] تواریخ کیدا کا ترجمہ مترجمہ لفٹنٹ کرنیل لو۔ تیسری جلد صفحہ ۴۷۰-۴۷۷ [2] ترجمہ تاریخ کیدا مترجمہ لفٹنٹ کرنیل لو صفحہ ۴۸۰ [3] نیوبولڈ۔ پہلی جلد صفحہ ۵۲۰۔

صلح کل کا اصول برتنا بھی اُن کا دستور اور قاعدہ ہے کیوں کہ ملک کے ہندو عیسائی بدھ اور بت پرستوں سے اُن کا رات دن کا میل جول ہے اور روزوں کے وہ بہت پابند ہیں۔ دنیا کی باتوں میں لوگوں کو نفع پہونچانے کے ساتھ ہی اُن کی مذہبی بہبودی کا خیال بھی اُن کو ہے اور جب کسی گاؤں میں چالیس گھروں سے زیادہ آباد ہو جاتے ہیں تو اُس کے لیے خاص انتظام کی ضرورت سمجھی جاتی ہے اور گاؤں میں جو چند اہلِ کار ہوتے ہیں اُن میں ایک واعظ بھی شامل ہوتا ہے اور سرکاری طور پر ایک مسجد تعمیر کردی جاتی ہے[1]

جزیرہ نمائے ملایا کے شمال میں خاص کر ایسی ریاستوں میں جو ملک سیام کی سرحد سے ملی ہوئی ہیں بدھ مذہب کے سیامیوں میں اسلام کا اثر بہت پایا جاتا ہے ان سیامیوں میں سے جو لوگ مسلمان ہو گئے ہیں اُن کا نام سمسام پکارا جاتا ہے۔ یہ لوگ ایسی زبان بولتے ہیں جو ملایا اور سیامی زبانوں سے مرکب ہے[2] جزیرہ نما کی وحشی قوموں میں سے بہت لوگ مسلمان ہو گئے ہیں[3]۔

جزیرۂ جاوا جزیرۂ جاوا میں دعوت اسلام کے تاریخی حالات لکھنے کیلیے اب ہم کو کئی سو برس پیچھے ہٹ جانا چاہیے۔ جاوا میں اسلام کی اشاعت مدت تک مسلمان تاجروں کی محنت کا ثمرہ رہی۔ یا یہ ہوا کہ مسلمانوں کی چھوٹی چھوٹی جماعتیں اِس جزیرے پر آباد ہوئیں اور اُن کے سرداروں نے جزیرے کے لوگوں میں اپنے مذہب کو شائع کیا وجہ اس کی یہ تھی کہ جزیرہ جاوا میں مسلمانوں کو ایسی قوت جو ایک ہی جگہ مجتمع ہو حاصل نہیں تھی تاکہ وہ اس قوت سے اپنے مذہب کی اشاعت میں کام لے سکتے اور لوگوں سے لڑ کر اسلام کو پھیلاتے۔ اس جزیرے میں داعیان اسلام کو ہندوؤں کی تہذیب اور طریقوں کا مقابلہ کرنا پڑا جو اہلِ جاوا کی زندگی کا

۱؎ مک نیر صفحہ ۲۲۶-۲۲۹ ۲؎ مور صفحہ ۲۴۲ ۳؎ نیو بولڈ دوسری جلد صفحہ ۱۰۶-۳۹۶

خمیر بن گئے تھے اور جنھوں نے اُن کو علم اور ترقی کے بڑے درجہ تک پہنچا دیا تھا۔ ہندوؤں کا طرز تمدن اہلِ عرب کے آئین و قوانین سے مختلف تھا اس لیے وہ مسلمانوں کے مقابلہ پر آیا۔ اور ابتک ایسے مقامات پر بھی جہاں اسلام کو سب سے زیادہ قوت حاصل ہی اسلامی شریعت کی بخوبی پابندی نہیں ہوتی۔ جاوا کے مسلمانوں میں زمانۂ بت پرستی کی رسوم اب تک جاری ہیں اور ان لوگوں کی حاجیوں سے ہمیشہ مخالفت رہتی ہے جو حج سے واپس آکر سب مسلمانوں کو پابند شرع دیکھنا چاہتے ہیں۔ غرض ان باتوں سے ظاہر ہوتا ہے کہ جزیرہ جاوا کے لوگوں میں اسلام کی اشاعت بتدریج ہوئی اور اس تحریکِ اشاعت کا حال اس طرح معلوم ہوسکتا ہے کہ تاریخی واقعات جو اُس کے متعلق ہوں اُن سے قصّوں اور افسانوں کو جدا کر دیا جاوے۔ لیکن پھر بھی بہت سی باتیں ایسی رہ جاتی ہیں جن کا کچھ حال نہیں کھلتا۔ جن واعظین اسلام نے جزائر ملایا میں اسلام کا سب سے پہلے چرچا کیا اُن کا حال ملایا کی کتب تواریخ میں بیان ہی اس میں کچھ شبہ نہیں ہے کہ ان جزیروں میں تبلیغ اسلام صرف ان چند واعظوں کا کام نہ تھا بلکہ صدہا برس میں متعدد نسلوں سے یہ اشاعت تکمیل کو پہنچی تھی۔ لیکن ملایا کی تاریخ میں اہلِ جزائر کا اسلام لانا اس طرح بیان ہوا ہی کہ گویا چند سال میں ان سب لوگوں نے اسلام قبول کرلیا تھا۔ اس کا خاص سبب یہ ہی کہ جو تاریخیں عام پسند ہوتی ہیں اُن میں چند مشہور لوگوں کے ساتھ وہ نیکنامی اور شہرت منسوب کردی جاتی ہی جو ان سے پہلے لوگوں کی محنت اور جانکاہی کا فی الحقیقت نتیجہ ہوتی تھی[1]۔ علاوہ اس کے قدیم زمانہ کے مسلمانوں نے جن کو اس وقت کوئی جانتا بھی نہیں ایسی خاموشی اور سہولت سے اسلام کو رواج دیا کہ تاریخ لکھنے والوں کو اُن کی خبر تک نہ ہوئی مورخوں کا ہمیشہ یہ حال رہا ہی کہ پادشاہوں اور امیروں یا ایسے لوگوں کے حالات

[1] بہرغرنیئے (۱) صفحہ ۹۔

کی طرف تو اُن کو توجہ رہی جو بادشاہوں سے تعلق رکھتے تھے۔ لیکن اور لوگوں کا اُن کو خیال نہ آیا۔ غرض ان جزیروں میں تبلیغ اسلام کے متعلق چونکہ زیادہ معلومات حاصل نہیں ہوسکتی اس لیے جس قدر حالات دریافت ہوتے ہیں اُنہیں پر اکتفا کرنی چاہیے

اس لیے اب یہ تجویز ہو کہ جزیرۂ جاوا میں تبلیغ اسلام کا حال تاریخ جاوا کے متعلق تحریر کیا جاوے۔ جاوا کی تاریخ میں اگرچہ بہت سے قصے اور متنا قض حالات درج ہیں۔ لیکن اس تاریخ کو تاریخی وقعت ضرور حاصل ہو کیونکہ جن قدیم داعیان اسلام کا اُس میں ذکر ہے اُن کی قبروں کے کتبوں اور برباد شہروں کے آثار قدیمہ سے ان حالات کی تصدیق ہوتی ہے۔ جس صورت میں کہ معلومات کے لیے اور مستند ذریعے موجود ہی نہیں تو ذیل کا بیان صحیح تصور کرنا چاہیے۔ مگر اس کا ضرور لحاظ رہے کہ شخصی کوششوں پر کہ محض فلاں فلاں بزرگ کی کوشش سے اسلام سب لوگوں میں شائع ہو گیا زیادہ بھروسا نہ کیا جاوے۔

جزیرہ جاوا میں تبلیغ اسلام کی ابتدا اسی جزیرے کے ایک شخص نے بارہویں صدی عیسوی کے خاتمے کے قریب کی۔ پجاجرن کے بادشاہ نے جسکی سلطنت جاوا کے مغربی حصے میں تھی دو لڑکے اپنے بعد چھوڑے۔ بڑے لڑکے نے سوداگری کا پیشہ پسند کیا اور تاجرین کر ہندوستان کو روانہ ہوا اور سلطنت چھوٹے بھائی کے سپرد کی جو ۱۱۹۰ء میں پربومندگ سری کے نام سے پجاجرن کے تخت پر بیٹھا۔ بڑا بھائی جو سوداگر ہو گیا تھا ملکوں میں سیر و سیاحت کرتا ہوا چند تاجروں سے ملا اور اُن کی ہدایت سے مسلمان ہو کر اُس نے اپنا نام حاجی پروا رکھا۔

جب حاجی پروا وطن کو واپس آیا تو اُس نے ایک عرب درویش کی مدد سے اپنے بھائی یعنی پجاجرن کے بادشاہ اور اُس کے خاندان کو مسلمان کرنا چاہا۔ لیکن

اُس کو کامیابی نہیں ہوئی۔ اور وہ بادشاہ اور اُس کی کافر رعایا کے خوف سے جنگل کو بھاگ گیا اور پھر اُس کا کچھ حال کسی نے نہ سُنا[1]۔

چودھویں صدی عیسوی کے آخر نصف حصے میں دعوت اسلام کی ایک تحریک کے بانی مولانا ملک ابراہیم تھے جو جزیرہ جاوا کے ایک مشرقی ساحل پر پہنچے ان کے ساتھ چند مسلمان اور بھی تھے۔ ملک ابراہیم گریسک کے شہر کے قریب جو جزیرہ مدورا کے مقابل واقع تھا آباد ہو گئے۔ حضرت زین العابدین کی اولاد سے وہ اپنے تئیں بتاتے تھے اور راجہ چرمان کا اپنے تئیں پھوپی کا بیٹا بھائی کہتے تھے[2]۔ ملک ابراہیم گریسک میں آباد ہو کر تبلیغ میں مصروف ہوئے اور تھوڑے عرصے میں نومسلموں کی ایک جماعت پیدا کرلی۔ اس کے بعد راجہ چرمان اُن کے پاس اس نیت سے آیا کہ مجاپہت کے ہندو راجہ کو مسلمان کرے اور اپنی لڑکی سے اُس کا نکاح کر کے راجہ سے قرابت پیدا کرے۔ راجہ چرمان نے تو جاوا میں پہنچتے ہی اپنے بیٹے کو مجاپہت کے راجہ کے پاس تعین ملاقات کے لیے روانہ کیا اور خود ایک مسجد کی تعمیر میں مصروف ہوا اور لوگوں کو مسلمان کیا۔ آخر کار دونوں راجاؤں میں ملاقات ہوئی لیکن اس ملاقات سے راجاؤں کے دل پر جو کچھ عمدہ اثر ہوا اُس کا نتیجہ اس لیے نہ پیدا ہو سکا کہ راجہ چرمان کے لوگوں میں وبا پھیل گئی اور راجہ کی بیٹی اور تین بھتیجے جو راجہ کے ساتھ آئے تھے اور بہت لوگ وبا سے مر گئے اور راجہ اپنے وطن کو واپس چلا آیا۔ اس ناگہانی آفت نے مجاپہت کے راجہ کو مسلمانوں کے مذہب سے بدگمان کر دیا اور اُس نے کہا کہ اگر یہ دین اچھا ہوتا تو اپنے معتقدوں کو اس سخت[3] سے محفوظ رکھتا۔ غرض یہ اسلامی تحریک ناکامیاب رہی۔ چرمان کا راجہ اور راجہ کے

---

[1] ویٹ (۳) دوسری جلد صفحہ ۱۴۳۔ رافلز دوسری جلد صفحہ ۳۳ و ۱۰۴ و ۱۸۳ (مطبوعہ ۱۸۳۰ء) [2] چرمان کا موقع تحقیق نہیں ہو سکا۔ ویٹ (۳) دوسری جلد صفحہ ۱۸۴ نے قیاس کیا ہے کہ شاید چرمان کی ریاست ہندوستان میں کہیں تھی۔

مصاحبین جو وہاں سے بچ گئے تھے اپنے وطن کو روانہ ہوئے اور ملک ابراہیم اپنے عزیزوں اور مسلمانوں کی قبروں کی حفاظت کے لیے گریسیک کے شہر میں آباد ہوگئے[۱]۔ اس واقعہ کے اکیس برس بعد یعنی ۱۴۱۹ء میں اُنھوں نے انتقال کیا اور گریسیک میں دفن ہوئے جہاں اُن کے مزار کی زیارت ہوتی ہو کہ وہ جاوا کے سب سے پہلے ولی اللہ تھے۔

ملک ابراہیم کے انتقال سے چھ برس پہلے یعنی ۱۴۱۳ء میں شہنشاہ چین نے ایک سفارت جاوا کو روانہ کی۔ چین کا ایک مسلمان اس موقع پر ترجمان کی حیثیت سے سفارت کے ساتھ گیا۔ اس شخص نے اپنی کتاب میں جو سواحل بحر کے ذکر میں ہو مسلمانوں کا ذکر کیا ہے اور لکھا ہے کہ جاوا میں تین قسم کے لوگ ہیں ایک تو مسلمان ہیں جو مغربی اطراف سے آکر یہاں آباد ہوگئے ہیں۔ ان مسلمانوں کی پوشاک اور غذا صاف اور عمدہ ہو۔ دوسرے چین کے لوگ ہیں جو اپنے ملک سے بھاگ کر یہاں آئے ہیں۔ یہ لوگ بھی اچھا کھانا کھاتے ہیں اور اُن میں سے اکثر نے اسلام قبول کرلیا ہو۔ تیسرے قسم کے لوگ یہاں کے اصلی باشندے ہیں جو بہت بدہیئت اور بدصورت ہیں۔ سر میں کنگھی تک نہیں کرتے۔ ننگے پیر پھرتے ہیں اور شیطانوں کی پرستش کرتے ہیں۔ ان کا ملک بُدھ کی کتابوں میں شیطان کا ملک لکھا گیا ہو[۲]۔

اب ہم اُس زمانہ کے قریب آن پہنچے ہیں کہ جزیرہ جاوا میں تبلیغ اسلام کو ایک صدی گذر لی ہے اور مسلمانوں کی حکومت اوروں پر غالب آنیوالی ہو۔ لیکن اس موقع پر جزیرہ جاوا کے چند تاریخی حالات اس غرض سے ضروری ہیں کہ اہل عرب کے مذہبی تعصب سے اس جزیرے میں مسلمانوں کی حکومت قائم نہیں ہوئی

---

[۱] آجکل ان قبروں کی جو کچھ حالت ہو اُس کا ذکر بروموند نے اپنی کتاب کے صفحہ ۱۱ پر لکھا ہو۔ ایک قبر کے کتبہ پر کچھ عربی عبارت ابھی تک دکھائی دیتی ہو بروموند صفحہ ۱۸

[۲] گرونولت۔ ساتویں جلد۔ صفحہ ۴۹-۵۰۔

بلکہ خود جاوا کے مسلمان باشندوں[1] نے اس تحریک کو پیدا کیا تاکہ سلطنت کو کفار وطن کے قبضہ سے نکال لیں اور اُس کے لیے جہاد کا اعلان نہ کریں بلکہ ایک ایسے شخص کے صلاح کار اور مشیر بن کر اس مقصد کو حاصل کریں جسکو تخت کا دعویٰ اور ایک بے انصافی کا بدلہ لینا تھا[2]۔

جزیرۂ جاوا کی کیفیت یہ تھی کہ اُس کے مشرقی صوبجات جو دولت اور آبادی اور تہذیب کے اعتبار سے بہت ترقی یافتہ تھے اُبنر مجاپہت کی ہندو سلطنت حکمران تھی۔ اور اُس کے مغربی حصے میں چربون کی سلطنت تھی اور کچھ چھوٹی خود مختار ریاستیں تھیں۔ جزیرۂ جاوا کا باقی جسقدر ملک تھا جس میں مغربی گوشہ کے اضلاع بھی شامل تھے وہ راجہ بجاجرن کی حکومت میں تھا۔

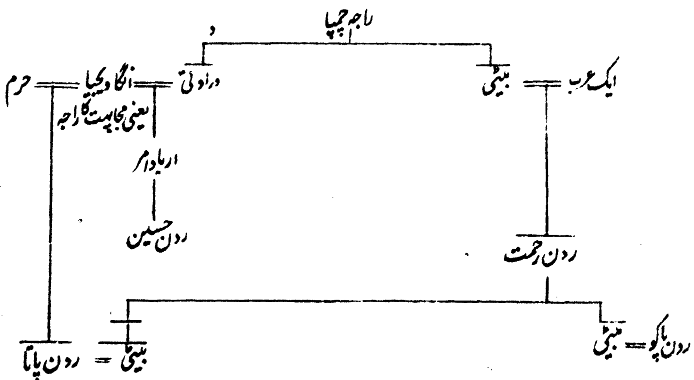
مجاپہت کے راجہ نے چمپا کے راجہ کی بیٹی سے شادی کی چمپا کی ریاست کمبودیا کے ملک اور خلیج سیام کے مشرق میں ہی۔ اس رانی کو اپنے راجہ کی ایک حرم سے عداوت پیدا ہوئی اور مجاپہت کے راجہ نے اس حرم کو اپنے بیٹے اریادامر کے پاس بھجوا دیا جو سمطرہ میں پالم بنگ کا حاکم تھا۔ یہاں پہونچکر اس حرم کے ہاں لڑکا پیدا ہوا جس کا نام ردن پاتا رکھا گیا اور حاکم پالم بنگ نے اس سوتیلے بھائی کو اپنی اولاد کی طرح پرورش کیا۔ آگے چل کر معلوم ہوگا کہ چند سال کے بعد اس لڑکے نے اپنی ماں کے ساتھ بدسلوکی ہونے کا راجہ مجاپہت سے کیسا سخت انتقام لیا۔ راجہ چمپا کی دوسری بیٹی نے ایک عرب سے شادی کر لی تھی جو چمپا میں اسلام کا وعظ کہنے گیا تھا[3]۔ اُس کے ہاں بھی ایک لڑکا پیدا ہوا جس کا نام ردن رحمت رکھا گیا اور اُس کے باپ نے بہت کوشش اور اہتمام سے

---

[1] کرن صفحہ ۲۱ [2] ویث (۳) دوسری جلد صفحہ ۱۸۶ - ۱۹۰ - رافلز دوسری جلد صفحہ ۱۱۳ - ۱۳۰ [3] چمپا میں مقبروں اور میناروں کے قدیم آثار ابتک موجود ہیں (باستیئن۔ پہلی جلد ۴۹۰ - ۴۶۹)۔

اُس کو علم دین سکھایا۔ چنانچہ آجتک اہل جاوا ردن رحمت کو بہت تعظیم سے یاد کرتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ وہ جاوا کے اولیائے عظام میں سے تھا[۵]۔ جب ردن رحمت کی عمر بیس برس کی ہوئی تو والدین نے چند خطوط اور تحائف دیگر مجاپہت کے راجہ کے پاس جو رشتہ میں ردن رحمت کا خالو ہوتا تھا اُس کو روانہ کیا۔ ردن رحمت رستہ میں ٹھہر کر پالم بنگ میں دو مہینے تک اریا دامر کا مہمان رہا اور قریب تہا کہ دامر کو مسلمان کر لیتا لیکن رعایا کے خوف سے جو اپنے قدیم مذہب کو مانتی تھی دامر علانیہ مسلمان نہ ہو سکا۔ اب ردن رحمت پالم بنگ سے رخصت ہو کر گریسک کے شہر میں آیا جہاں مولانا شیخ جادی الکبیر نے جو عرب کے رہنے والے اور بڑے خدا رسیدہ بزرگ تھے۔ ردن رحمت کا استقبال کیا اور کہا کہ "مشرقی جاوا میں جس ولی اللہ کے آنے کی مدت سے خبر تھی وہ تم ہی ہو۔ اب بت پرستی کا زوال قریب آن پہونچا ہے اور تمھاری کوشش سے بہت لوگ راہِ راست پر آوینگے"۔ مجاپہت کے راجہ اور رانی نے ردن رحمت کی بہت خاطر و مدارات کی۔ راجہ خود مسلمان ہونے پر راضی نہیں ہوا۔ لیکن اُس کو ردن رحمت سے ایسا

۵؎ جن لوگوں کا ذکر یہاں آیا ہی اُنکے رشتے اور تعلقات ذیل کے شجرے سے بخوبی معلوم ہو جائیں گے۔



اُنس پیدا ہوا کہ امپل کے شہر میں تین ہزار خاندانوں کا اُس کو حاکم مقرر کر دیا۔ امپل کا شہر جاوا کے مشرقی ساحل پر گریسک کے شہر سے کسیقدر جنوب میں واقع تھا راجہ نے ردن رحمت کو اجازت دی کہ اپنے مذہب کی علانیہ پیروی کرے اور لوگوں کو مسلمان کرے۔

اب امپل کا شہر جزیرۂ جاوا میں دارالاسلام بن گیا اور حاکم امپل یعنی ردن رحمت کا نام کہ وہ کس جوش مسرت سے رعایا کو مسلمان کرتا ہے دور و نزدیک مشہور ہو گیا۔ اس شہرت کو سنکر ایک شخص مولانا اسحاق امپل میں آئے کہ تبلیغ میں ردن رحمت کی مدد کریں۔ ردن رحمت نے مولانا اسحاق کو بالم بنگن کی ریاست میں اشاعت اسلام کیلیے مقرر کیا۔ بالم بنگن کی ریاست جزیرۂ جاوا کے مشرقی گوشہ میں تھی۔ مولانا اسحاق نے یہاں پہونچکر بالم بنگن کے راجہ کی بیٹی کا علاج کیا جو کسی سخت مرض میں مبتلا تھی۔ اور اُس کو شفا ہوئی بادشاہ نے اسکے شکریہ میں مولانا اسحاق سے اس لڑکی کی شادی کر دی۔ شادی ہوتے ہی شہزادی مسلمان ہو گئی۔ راجہ نے بھی مسلمان ہونے کی خواہش ظاہر کی تھی اور مولانا اسحاق سے وعدہ کیا تھا کہ اگر شہزادی کو شفا ہو گئی تو وہ مسلمان ہو جائیگا۔ لیکن جس وقت اسحاق نے اس وعدے کو یاد دلایا اور اصرار کیا کہ حسب وعدہ راجہ مسلمان ہو تو راجہ نے اسحاق کو اپنے ملک سے نکلوا دیا اور شہزادی کے ہاں جو بچہ پیدا ہونے والا تھا اُس کے قتل کا حکم بھی پہلے ہی سے دیدیا۔ لیکن جب بچہ پیدا ہوا تو شہزادی نے گریسک کے شہر میں ایک دولتمند مسلمان بیوہ[۱] کے پاس اس بچہ کو خفیہ روانہ کر دیا۔ اس بیوہ نے بچہ کو ماں کی طرح پرورش کیا اور بارہ برس کی عمر تک اُس کی غور و پرداخت کی۔ اس کے بعد اُس کو ردن رحمت کے سپرد کر دیا۔ ردن احمرت نے جب اس لڑکے کا حال سُنا تو اُس کا نام ردن پاکو رکھا۔ اور کچھ عرصے کے بعد اپنی لڑکی سے اُس کی شادی کر دی۔ اسکے بعد ردن پاکو نے

---

[۱] اہل جاوا اب تک اس مسلمان بیوہ کو بہت تعظیم کے ساتھ یاد کرتے ہیں اور اُس کے مزار کی زیارت کو جاتے ہیں۔ دیکھو برد مونڈ صفحہ ۱۸۶۔

گرسی کے شہر میں جو گرسیک سے جنوب میں واقع تھا ایک مسجد تعمیر کی۔ اور ردن پاکو ایسی شہرت ہوئی کہ ہزاروں آدمی اسلام قبول کرنیکے لیے اُس کے پاس آئے۔ اب ردن پاکو کا رسوخ ایسا بڑھا کہ ردن رحمت کے انتقال کے بعد راجہ مجاپہت نے اُس کو اپیل اور گرسیک کا حاکم مقرر کردیا[1]۔ اس اثنا میں چند اور مسلمان بھی گرسیک کے شہر سے تبلیغ اسلام کیلیے روانہ ہوئے ردن رحمت کے دو لڑکوں نے جاوا کے شمال مشرقی ساحل پر مختلف مقامات میں سکونت اختیار کی۔ اور وہاں کے اکثر لوگوں کو مسلمان کرکے شہرت اور نیکنامی حاصل کی۔ ردن رحمت نے شیخ خلیفہ حسین کو جزیرہ مدورا میں اشاعت کیلیے بھیجا جو گرسیک کے سامنے واقع تھا خلیفہ حسین نے مدورا میں ایک مسجد بنائی اور بہت لوگوں کو مسلمان کیا۔

مغربی صوبجات جاوا میں شیخ نورالدین ابراہیم تبلیغ اسلام میں کوشش کرتے تھے یہ بزرگ مدت تک مجمع الجزائر میں سیر و سیاحت کے بعد ۱۴۲۱ء میں جربون میں آباد ہو گئے یہاں ایک میر دصہ کا اُنہوں نے علاج کیا اور اُس کو شفا ہوئی اس بات سے شیخ نورالدین کو بہت شہرت ہوئی اور ہزارہا لوگ مسلمان ہونیکے لیے اُن کے پاس آئے۔ ابتدا میں ملک کے سرداروں نے اُنکی مخالفت کرنی چاہی لیکن یہ دیکھ کر کہ اس مخالفت کا انجام کچھ نہو گا ان سرداروں میں سے بھی اکثر نے اسلام قبول کرلیا۔

اب ہم کو اریا دامر کا ذکر کرنا چاہیے جو پالم بنگ کا حاکم تھا۔ معلوم ہوتا ہے کہ دامر نے اپنے بچوں کو اُسی مذہب میں تعلیم و تربیت دی تھی جس کو وہ خود رعایا کے خوف سے قبول نہ کرسکا تھا۔ ردن پاتا کی عمر جب بیس برس کی ہوئی تو دامر نے ردن پاتا اور اُسکے بیٹے ردن حسین کو جو ردن پاتا سے دو برس چھوٹا تھا پالم بنگ سے جاوا کو روانہ کیا اور یہ لوگ گرسیک کے شہر میں اُترے۔ ردن پاتا کو اپنے حسب و نسب کا حال معلوم تھا اور اُس کی ماں کے ساتھ جو بدسلوکی ہوئی تھی اُس کے انتقام کیلیے وہ غضب میں بھرا تھا۔

---

[1] ویٹ (۳) دوسری جلد صفحہ ۱۸۸-۱۹۰۔

اسلیے ردن پاتا نے ردن حسین کے ساتھ مجاہپت جانے سے انکار کیا اور امپل کے شہر میں ردن رحمت کے پاس ٹھہر گیا۔ ردن حسین مجاہپت کو روانہ ہوا۔ راجہ نے اُسکی بہت خاطر کی اور ایک ضلع کا اُس کو حاکم مقرر کیا اور کچھ عرصہ کے بعد ردن حسین لشکر مجاہپت کا سپہسالار مقرر ہوا۔

اسی عرصہ میں ردن پاتا نے ردن رحمت کی پوتی یا نواسی سے نکاح کرلیا اور وہ بنتارا میں آباد ہوگئے۔ بنتارا گرلیسک کے شہر سے مغرب میں بہت محفوظ جگہ واقع تھا اُس کے چاروں طرف دلدل کی زمین دور تک پھیلی ہوئی تھی۔ جسوقت راجہ مجاہپت نے سنا کہ بنتارا میں کچھ لوگ آباد ہوئے ہیں تو اُس نے ردن حسین کو ردن پاتا کے پاس بھیجا اور حکم دیا کہ بنتارا کا سردار یعنی ردن پاتا ہمارے سامنے حاضر ہوکر اطاعت قبول کرے ورنہ بنتارا بالکل مسمار کردیا جاوےگا ردن حسین نے بنتارا پہنچکر ردن پاتا کو اس طرح سمجھایا کہ وہ مجاہپت میں چلا آیا اور دربار کے لوگوں نے اُس کی صورت میں راجہ کی شباہت دیکھی۔ یہاں ردن پاتا کی بہت عزت ہوئی اور راجہ کی طرف سے وہ بنتارا کا حاکم مقرر کردیا گیا۔ لیکن اُسکے دلمیں انتقام کی آگ برابر سلگ رہی تھی اور باپ کی سلطنت کو غارت کرنیکے لیے وہ بالکل تیار رہتا مجاہپت سے روانہ ہوکر ردن پاتا امپل کے شہر میں آیا اور ردن رحمت سے اُس نے اپنے تمام منصوبے کہے۔ ردن رحمت نے اُسکے غصہ کو کم کرنا چاہا اور کہا کہ باپ نے اُسکے ساتھ ہمیشہ مہربانی کی ہو اسلیے اُس کو مخالفت کرنی زیبا نہیں ہو اول تو راجہ بڑا نیک اور عادل اور ہر دلعزیز ہے پھر یہ کہ مسلمان ہوکر ردن پاتا اپنے باپ سے لڑائی نہیں کرسکتا اور نہ کوئی ایسی حرکت کرسکتا ہے جس سے باپ کو نقصان پہنچے لیکن ردن پاتا پر ان نصیحتوں کا کچھ اثر نہ ہوا اور وہ بنتارا کو واپس چلا آیا۔ بنتارا کی آبادی روز بروز بڑھتی جاتی تھی اور قرب وجوار کے لوگ کثرت سے اسلام قبول کرتے تھے۔ ردن پاتا نے اس عرصہ میں ایک بڑی مسجد بنانے کی تجویز کی لیکن جب تعمیر شروع ہوئی تو امپل کے شہر سے ردن رحمت کے بیمار پڑنے کی خبر آئی۔ ردن پاتا

فوراً آمپل کو روانہ ہوا اور وہاں پہنچ کر دیکھا کہ جزائر کے مشہور و معروف داعیان اسلام اور اُس
شخص کے بستر کے گرد جمع ہیں جس کو تمام عرصہ اپنا سردار تسلیم کرتے رہے تھے۔ ان تیمارداروں
میں رون رحمت کے دونوں بیٹے تھے جو جاوا کے شمال مشرقی ساحل پر رہتے تھے اور
مولانا اسحاق کا بیٹا رون پاکو تھا جو گری کے شہر میں آباد ہوا تھا۔ اور پانچ شخص اور تھے۔
کچھ عرصے کے بعد رون رحمت نے قضا کی۔ اور اب رون پاتا کے منصوبوں میں جو شخص مزاحم
تھا وہ باقی نہ رہا۔ رون رحمت کے انتقال کے بعد یہ آٹھوں داعیان اسلام رون پاتا
کے ساتھ بنتارا کو گئے اور مسجد کے انصرام تعمیر میں مدد کی۔[۱] ان سب لوگوں نے متفق ہو کر
حلف لیا کہ سلطنت مجاپہت کے خلاف رون پاتا کی مدد کرینگے۔ جاوا میں اور جس قدر
بڑے مسلمان سردار موجود تھے وہ بھی اس سازش میں شریک ہوئے۔ البتہ رون حسین اخیر
وقت تک اپنے بادشاہ کا خیرخواہ رہا اور اُس نے ان باغی مسلمانوں کا ساتھ دینے سے انکار کیا۔
آخرکار لڑائی شروع ہوئی جس کی تفصیل کی یہاں ضرورت نہیں ہے۔ فقط یہ لکھنا کافی
ہے کہ سنہ ۱۴۲۸ء میں سات روز کی سخت لڑائی کے بعد مجاپہت کے راجہ کو شکست ہوئی
اور جزیرہ جاوا کے مشرقی حصے میں ہندوؤں کے راج کی جگہ اسلامی حکومت قائم ہوگئی
اس واقعہ کے تھوڑے عرصے بعد رون حسین دشمنوں کے خوف سے قلعہ بند ہوا لیکن
مجبور ہو کر رون پاتا کی اطاعت قبول کی۔ اور آمپل کے شہر میں وہ حاضر کیا گیا جہاں اُس کا
دودھ بھائی رون پاتا بہت مہربانی سے اُسکے ساتھ پیش آیا۔ سنہ ۱۴۸۱ء میں مجاپہت کے وہ
لوگ جو ہندو مذہب پر قائم رہے بھاگ کر جزیرہ بالی میں آباد ہوگئے جہاں ابتک شیو کی
پرستش کثرت سے جاری ہے۔[۲] کچھ لوگوں نے یہ کہا کہ مجاپہت کے شہزادوں کی مدد سے چھوٹی

[۱] یہ مسجد ابتک موجود ہے اور اہل جاوا اس مسجد کو تمام مقدس مقامات میں سب سے زیادہ مقدس اور متبرک سمجھتے ہیں۔
[۲] جزیرہ بالی کے اکثر باشندوں نے ابتک مسلمانوں کی اس کوشش کو رد کیا ہے کہ وہ کسی طرح مسلمان کر لیے جاویں لیکن وقتاً فوقتاً
کچھ کچھ لوگ مسلمان بھی ہوتے رہے ہیں۔ آٹھ لاکھ باسٹھ ہزار کی آبادی میں سے صرف تین ہزار آدمی مسلمان ہوئے۔ اس جزیرہ کا
موقع تجارت کے لحاظ سے ایسا عمدہ ہے کہ باہر کے اکثر مسلمان اس جزیرہ کے ساحل پر آئے اور وہاں آباد ہو گئے (دیکھو صفحہ ۴۰۶)

چھوٹی عملداریاں علیحدہ قائم کرلیں اور دارالسلطنت مجاپہت کی فتح کے بعد کچھ عرصہ تک یہ لوگ اپنے قدیم مذہب پر قائم رہے۔

جزیرہ جاوا کے مشرقی حصہ میں تو یہ واقعات پیش آرہے تھے اور اُدھر مغربی جزیرے میں داعیان اسلام بیکار نہ تھے۔ شیخ نورالدین ابراہیم نے جربون سے اپنے بیٹے حسن الدین کو بانٹن میں تبلیغ کیلیے روانہ کیا تھا۔ بانٹن جزیرہ جاوا کا مغربی صوبہ ریاست پجاجرن کے تحت میں تھا۔ حسن الدین کو یہاں بہت کامیابی ہوئی اور جو لوگ اسلام لائے اُن میں آٹھ سو بت پرست ایسے تھے جو تارک الدنیا ہو چکے تھے۔ بانٹن کی تاریخوں میں لکھا ہو کہ حسن الدین نے لوگوں کو صرف وعظ و نصیحت سے مسلمان کیا تھا۔ تلوار سے اُس نے اپنے مذہب کی کبھی اشاعت نہیں کی[۱]۔ اس کے بعد حسن الدین اپنے باپ کے ساتھ حج کیلیے کعبہ معظمہ کو روانہ ہوئے اور جب واپس آئے تو مجاپہت پر حملہ کرنے میں رون پاتا کی مدد کی۔

جاوا کے مغربی حصے میں اسلام کی اشاعت ایسی جلد نہیں ہوئی جیسی کہ مشرقی حصوں میں ہوئی تھی۔ کیونکہ یہاں شیو کے پجاریوں اور مسلمانوں میں سخت نزاع رہا۔ اور غالباً سولھویں صدی عیسوی کے وسط سے پہلے پجاجرن کی بت پرست سلطنت کو مسلمان غارت نہ کر سکے[۲]۔ پجاجرن کی نسبت جاوا کی تاریخ میں لکھا ہو کہ ایک زمانہ میں یہ سلطنت جزیرہ کی مغربی ریاستوں پر بھی حکمران تھی۔ اس سلطنت کے علاوہ بت پرستوں کی اور چھوٹی چھوٹی جماعتیں ایسی تہیں جو مدت تک سلامت رہیں اور اُن میں سے[۳] چند ابھی تک باقی ہیں۔ ان بت پرستوں میں سے ایک گروہ کے حالات جس کا نام بیدوی ہو بہت دلچسپ ہیں۔ یہ لوگ قدیم باشندگان

(بقیہ صفحہ ۴۰۵) ان نوآباد مسلمانوں میں سے بعض نے تو جزیرہ کے باشندوں سے کچھ بحث رکھی لیکن بعض مسلمان ایسے تھے جنہوں نے بالی کی عورتوں سے نکاح کیے اور یہاں کے لوگوں میں مل جل کر رہنے لگے۔ اور یہ اسی قسم کے مسلمانوں کی کوشش کا نتیجہ ہو کہ بالی کے مسلمانوں کو دینوی ترقی ہوئی اور وہ ایسے پرہیزگار اور متقی مسلمان ہو گئے جن کا اثر بالی کے بت پرستوں پر بہت کچھ پڑا ہے[۶]...... لی فرنک صفحہ ۲۴۱-۲۴۲ (۱) رافلز دوسری جلد صفحہ ۳۱۶ (۲) ویث (۳) دوسری جلد صفحہ ۲۵-۲۷۰ (۳) سنہ ۱۵۹۶ء میں ایک سیاح نے لکھا کہ یہاں بت پرستوں کی تین سلطنتیں تہیں جن میں کثرت سے بت پرست رہتے تھے بیمان صفحہ ۲۴۲۔

جاوا کی نسل سے ہیں اور اب تک اپنے بزرگوں کے دین پر قائم ہیں۔ جب مجاجرن کی سلطنت کو زوال ہوا تو یہ لوگ ریاست سے بھاگ کر جنگلوں اور پہاڑوں میں آباد ہو گئے تاکہ وہاں امن و امان سے اپنے آبائی مذہب کے پابند رہیں۔ جب کچھ عرصہ کے بعد ان لوگوں نے سلطان بانٹن کی اطاعت قبول کی تو اُن کو اپنے قدیم مذہب پر سلامت رہنے کی اجازت ملی لیکن اس شرط سے کہ جو لوگ بت پرست رہنا چاہیں اُن کی تعداد ایک خاص حد سے کبھی تجاوز نہ کرے[1] اور نہایت تعجب کی بات ہی کہ یہ لوگ اب تک اس شرط کے پابند چلے جاتے ہیں حالانکہ جاوا میں ڈنمارک کی حکومت کو اس قدر مدت ہو گئی ہی کہ اس قدیم دستور کی پابندی سے یہ لوگ بالکل آزاد ہیں۔ لیکن اب تک وہ اپنی بستیوں میں چالیس خاندانوں سے زیادہ نہیں آباد ہونے دیتے۔ بلکہ جب کسی بستی میں اُن کے گھر اس تعداد سے بڑھ جاتے ہیں تو جس قدر خاندان بڑھتے ہیں وہ بستی چھوڑ کر قریب کے قصبوں میں جہاں مسلمان زیادہ ہوتے ہیں جا بستے ہیں[2]۔

اگرچہ جاوا کے مغربی حصہ میں اسلام کی اشاعت اس قدر جلد نہیں ہو سکی جس قدر اور حصوں میں ہوئی تھی۔ لیکن اس مغربی حصہ کے لوگوں میں وسط جاوا کے باشندوں کی طرح ہندو مذہب کو بخوبی استحکام حاصل تھا اسلیے مذہب اسلام کو بت پرستی کے مقابلہ میں وہاں ایسی فتح نصیب ہوئی اور بت پرستی کی جگہ خود رائج ہونے میں اُس کو اس درجہ کامیابی رہی کہ راجگان مجاپہت کی حدود سلطنت میں بھی اسلام کو یہ فروغ نہ ہوا۔ مغربی جاوا میں آج کل اسلامی شریعت ایک زندہ قوت ہی اور عربی تہذیب و تمدن کے جو طریقے یہاں جاری ہوئے وہ اہل جاوا کی زندگی اور طرز حکومت میں بالکل شیر و شکر ہو گئے ہیں۔ اور یہ لکھا جاتا ہی کہ مغربی جاوا کے مسلمان جن کو تعلیم دین ملی ہی اور حج کر آئے ہیں وہ تمام اہل جاوا سے سب سے زیادہ ہوشیار لائق اور صاحب ثروت ہیں[3]۔

---

[1] رافلز۔ دوسری جلد صفحہ ۱۳۲-۱۳۳ [2] نغلر صفحہ ۱۰۷ [3] فان دیر برگ (۱) صفحہ ۳۵-۳۶ - پولسین صفحہ ۳-۸

جاوا میں اسلامی حکومت قائم ہونیکے بعد گو یہاں کے اکثر لوگ صدہا برس تک بت پرست رہے لیکن آج کل سوائے تھوڑے لوگوں کے جاوا کے کل باشندے مسلمان ہیں اگرچہ ان مسلمانوں میں اکثر قدیم رسمیں انکے بت پرست باپ داوا کے وقت کی چلی آتی ہیں لیکن عام میلان طبیعت اسی طرف ہو کہ مسلمانوں کے خیالات اور اُن کے افعال و اعمال سب اسلام کی تعلیم و تربیت کے مطابق ہوں غرض یہ صدہا سال کی اشاعت امن و امان کے وسائل سے بتدریج ہوئی۔ اسلامی حکومتوں کا اس جزیرہ میں قائم ہونا مذہبی حالات سے تعلق نہیں رکھتا بلکہ وہ پولی ٹکل تاریخ کا ایک حصّہ ہو۔ وجہ یہ ہو کہ دعوت اسلام میں بادشاہوں کے سبب سے اسقدر ترقی نہیں ہوئی جس قدر کہ داعیان اسلام کی کوشش سے ہوئی۔

جس زمانہ میں کہ جاوا کے مسلمان ہندوؤں کی سلطنت کے خلاف بغاوتیں برپا کر رہے تھے اور اُن کی حکومت کو چھین کر اپنے قبضہ میں لانا چاہتے تھے تو اُسی زمانہ میں جزائر ملایا کے اور جزیروں میں داعیان اسلام نے وعظ و نصیحت کے ذریعہ سے ایسا انقلاب پیدا کیا جس میں لڑائی یا فساد کی ضرورت نہ تھی اور یہ مسلمان اشاعت میں ایسے سرگرم ہوئے کہ اُنھوں نے ہزاروں آدمیوں کو رفتہ رفتہ مسلمان کر لیا۔ اب ہم جزائر ملایا میں سے اوّل جزائر ملوکا کے حالات کی طرف توجہ کرتے ہیں۔

جزائر ملوکا جزائر ملوکا میں لوگوں کی تجارت قدیم زمانہ سے جاری تھی۔ اور اُس تجارت کے سبب سے ملوکا کے باشندوں کو مجمع الجزائر کے مغربی جزیروں سے تعلق پیدا ہو گیا۔ جاوا اور ملایا کے جو مسلم تجارت کی غرض سے جزائر ملوکا میں آئے اُنھوں نے ساحل کے باشندوں میں اسلام کا چرچا کیا[1]۔ جب قوم پرتگیز کے مشہور جہاز ران فرماندہ گیلان کے ساتھی اپنے وطن کو واپس آئے تو اُنھوں نے ایک عجیب قصّہ جزیرۂ ملوکا کی نسبت بیان کیا جس سے معلوم ہوتا ہو کہ ان مسلمان تاجروں نے ملوکا کے باشندوں میں کس طرح

---

[1] دے بارس صفحہ ۵۷۹ - ۵۸۰ - ارگنسلا صفحہ ۱۱ (ب)

اسلام کی اشاعت کی وہ قصہ یہ ہو کہ "جزائر ملوکا میں اہل اسپین کے پہنچنے سے چند سال پہلے ان جزیروں کے بادشاہ تقاریر[1] روح کے مسئلہ کو تسلیم کرنے لگے تھے۔ اور اس مسئلہ کا یقین اُن کو اس طرح ہوا تھا کہ ایک چھوٹا سا پرندا اُن کی نظر سے گذرا تھا جو ہمیشہ اُڑتا رہتا تھا اور کبھی زمین پر یا زمین کی کسی چیز پر نہ بیٹھتا تھا۔ مسلمانوں نے جو تجارت کیلیے ان جزیروں میں آئے ہوئے تھے جب یہ بات سُنی تو اُنھوں نے ملوکا کے بادشاہوں سے کہا کہ یہ چھوٹا پرند جنت میں پیدا ہوا ہی اور جنت وہ جگہ ہی جہاں مرنیکے بعد لوگوں کی روحیں آرام کرتی ہیں۔ ملوکا کے بادشاہوں نے یہ سنتے ہی اسلام قبول کیا کیونکہ مسلمانوں کے ہاں جنت کے متعلق جس میں روحیں آباد ہونگی عجیب و غریب دعوے کیے گئے ہیں[۵۲]۔

معلوم ہوتا ہو کہ جزائر ملوکا میں اسلام کی ابتدا پندرہویں صدی عیسوی سے ہوئی۔ تیدور کے بت پرست بادشاہ جریلی لیجا تو نے ایک عرب شیخ منصور نامی کی ہدایت سے اسلام قبول کیا اور اُس کی رعایا میں سے بھی اکثر لوگ مسلمان ہو گئے اور بادشاہ کا نام سلطان جمال الدین رکھا گیا۔ بادشاہ کے بڑے بیٹے کا نام شیخ منصور کے نام پر منصور رکھا گیا[۵۳]۔ ۱۵۲۱ء میں فرنانڈو مگیلان پرتگیزی کی موت کے چند سال بعد اہل اسپین کی مہم تیدور میں پہنچی۔ اور منصور نے اسپین کے لوگوں کی خاطر و مدارات کی۔ پگافت جو اس مہم کا مؤرخ تھا لکھتا ہو کہ بادشاہ تیدور کا نام سلطان منصور تھا اور اُس کی عمر پچاس برس سے زیادہ تھی۔ جزائر ملوکا میں مسلمانوں کو آئے ہوئے نصف صدی سے زیادہ نہیں گذرا تھا[۵۴]۔

۵۱ اس زمانہ میں ملوکا کے جزیرہ ترناتی۔ تیدور۔ گیلالا اور باتجان کے بادشاہوں کی حکومت میں تھے ان میں ترناتی کا سلطان سب میں زبردست تھا جسکی سلطنت ترناتی اور قریب کے چھوٹے چھوٹے جزیروں میں تھی۔ ہلماہیرا اور سلیبز کا بڑا حصہ اور جزائر امبونا اور باندا بھی اسی سلطان کے قبضہ میں تھے سلطان تیدور تیدور کے جزیرہ اور ہلماہیرا کے ایک حصہ کا اور اُن جزیروں کا بادشاہ تھا جو نیوگنی اور ہلماہیرا کے بیچ میں واقع ہیں۔ نیوگنی کے مغربی ساحل اور جزیرہ سیرام میں بھی سلطان تیدور کی سلطنت تھی۔ سلطان گیلالا کی سلطنت ہلماہیرا کے وسط میں تھی اور جزیرہ سیرام کے شمالی ساحل کا بھی کچھ حصہ اُسکے قبضہ میں تھا سلطان باتجان اور جزائر اوبی پر حکومت کرتا تھا (دے ہولاندر پہلی جلد صفحہ ۵۰) ۵۲ ہیمیلیا نو تر انسالونو (راموسیو توم ۱۔ صفحہ ۳۵۱) ۵۳ ردبیدسے فانڈیرا۔ صفحہ ۱۸ ۵۴ پگافِت۔ توم ۱۔ صفحہ ۳۶۵-۳۶۸۔

ترناتی کے جزیرے میں جو تیدور سے قریب ہی اسلام کی اشاعت کسی قدر پہلے ہو چکی تھی اہل اسپین جس زمانہ میں تیدور کے جزیرے میں پہنچے تو اُسی زمانہ میں پرتگیز جزیرہ ترناتی میں آئے ترناتی تک کے لوگوں نے پرتگیزوں سے کہا کہ اُن کے جزیرہ میں اسلام کی اشاعت کو اسّی برس سے کچھ زیادہ زمانہ گذرا ہی[۱]۔

پرتگیزوں کے بیان کے مطابق[۲] ترناتی کا سلطان شاہان ملوکا میں پہلا بادشاہ تھا جو مسلمان ہوا۔ اس سلطان کی نسبت مشہور ہی کہ جزائر ملوکا کے خود مختار بادشاہوں میں اُسکو سب سے بڑھکر رتبہ حاصل تھا۔ ۱۴۹۵ء میں یہ بادشاہ گریسک کے شہر کو جو جاوا میں تھا اسلام قبول کرنے کی نیت سے گیا[۳]۔ معلوم ہوتا ہی کہ جزیرہ ترناتی میں اسلام نے بتدریج ترقی کی کیونکہ یہاں اسلام کو ایسے لوگوں کا مقابلہ کرنا پڑا جو اپنے قدیم مذہب بت پرستی پر نہایت ثابت قدم تھے اور نومسلموں میں بھی بت پرستی کی رسمیں مدت تک جاری رہیں جنھوں نے اُن کی طبیعت کو مذہب کی طرف سے مشکوک حالت میں رکھا[۴]۔

پرتگیزوں کی فتوحات نے بھی اسلام کی ترقی کو جو جلد ہونے والی تھی سست کر دیا جزیرۂ ترناتی کے ایک قاضی کو جو لوگوں کو اسلام کی تعلیم و تلقین کرتا تھا۔ پرتگیزوں نے جزیرہ سے نکال دیا اور بت پرستوں میں عیسائی مذہب کی اشاعت شروع کی جس میں کامیابی ہوئی لیکن تھوڑی مدت تک رہی[۵]۔ کیونکہ جس وقت سولھویں صدی عیسوی کے اخیر حصہ میں ملوکا کے باشندوں کو معلوم ہوا کہ اہل پرتگال خود اپنی مشکلوں میں گرفتار ہیں تو اُنھوں نے پرتگیزوں کی حکومت سے آزاد ہونے کیلیے عیسائیوں کے خلاف سخت ہنگامے برپا کیے۔ ان معرکوں میں بہت عیسائی شہید ہوئے اور اکثر لوگوں نے عیسائی مذہب

[۱] مصنف دے بارّس لکھتا ہی کہ تیدور کے جزیرہ کو تحقیق کرنیکے بعد وہاں کے باشندوں سے معلوم ہوا کہ اسلام کی دبا کو (نعوذ باللہ) وہاں پہلے ہوئے اسّی برس سے کسیقدر زیادہ زمانہ گذرا ہی"۔ دے بارّس "ایشیا کا بیان" صفحہ ۵۸۰۔ [۲] دے بارّس صفحہ ۵۸۰۔ [۳] بکیز صفحہ ۳۹۔ [۴] ارگنسولا صفحہ ۲۰۔ [۵] ارگنسولا صفحہ ۱۵ (ب)۔

ترک کیا اور عیسوی دین نے جو کچھ جیتا تھا وہ سب ہار دیا[۵۰]۔ اسی زمانہ سے جزائر ملوکا کے لوگوں کو عیسائیوں کی حکومت سے ایسی مخالفت ہوئی کہ مغربی جزیروں سے جو متعدد مسلمان اپنے مذہب کی اشاعت کیلیے آئے اُن کی خاطر و مدارات زیادہ تر ہونے لگی[۵۱]۔ سترھویں صدی عیسوی میں اہل ڈنمارک نے اسپین اور پرتگال کے عیسائیوں کو نکال کر عیسائی مذہب کا رہا سہا کام تمام کر دیا۔ اور فرقہ جیسواٹ (یسوعی) کے پادری جزیرہ ترناتی کے دیسی عیسائیوں کو ساتھ لیکر جزائر فلپائن میں چلے گئے[۵۳]۔

ترناتی اور تیدور کے بعد جزائر ملوکا کے باقی جزیروں میں اسلام کی اشاعت ہوئی اور کچھ زمانہ تک صرف ساحل کے باشندوں میں تبلیغ اسلام محدود رہی[۵۴]۔ ملوکا کے چھوٹے چھوٹے جزیروں میں جزیرہ نمائے ملایا کے نومسلم بالکل آباد ہیں۔ اور ان جزیروں کے اندرونی حصوں میں الفر کی قوم بستی ہی۔ کچھ زمانے کے بعد اس قوم کے لوگ بھی مسلمان ہوئے[۵۵]۔ ۱۵۲۱ء میں سلطنت گیلالا کا بادشاہ مسلمان تھا یہ ریاست جزیرہ ہلما ہیرا کے شمال میں مغربی ساحل پر تھی[۵۶]۔ آج کل یہاں اسلام کی ترقی کیلیے چند قواعد ایسے منضبط کر دیے گئے ہیں کہ اسلام کی اشاعت میں اُن سے کسیقدر آسانی پیدا ہو جاتی ہے۔ مثلاً اگر معلوم ہو جائے کہ الفر قوم کے کسی آدمی نے کسی مسلمان عورت سے آشنائی کر رکھی ہی تو حکم ہے کہ یہ شخص اس عورت سے نکاح کرے اور مسلمان ہو جائے۔ یا اگر الفر قوم کی کوئی عورت مسلمان سے شادی کرے تو خاوند کا مذہب اختیار کرنا اُس پر فرض ہی۔ یا جس وقت حکام و سرداران سلطنت

---

۵۰ ارگنسولا صفحہ ۹۰-۹۸ ۵۲ ارگنسولا صفحہ ۱۵۵-۱۵۰۔ اس مصنف نے ترناتی کی نسبت لکھا ہو کہ یہی جگہ ہو جہاں مختلف مذہبی فرقے موجود ہیں اور جہاں سے کفر پھیلتا ہی خاصکر مسلمانوں کے ذریعے سے شائع ہوتا ہے جیسے کہ اہل ڈنمارک اس سمندر میں آئے ہیں وہ ساتھ مسلمان اہلکاروں اور قزاقوں کا لانا پسند نہیں کرتے۔ یہ مسلمان ایشیا کی دولت لوٹ لیتے ہیں اور جھوٹا مذہب اپنے ساتھ لاتے ہیں جس نے ہزاروں آدمیوں کو عیسائی مذہب قبول کرنے سے روک دیا۔
۵۳ ان دیسی عیسائیوں کی اولاد اب تک جزیرہ لوزان کے صوبہ کاویتی میں موجود ہی دکرافورڈ (۲) صفحہ ۸۵ ۵۴ اندیسن صفحہ ۲۲۲ ۵۵ ورسیٹ صفحہ ۶۸ ۵۶ بگافِت رراموسیو پہلی جلد صفحہ ۳۶۶۔

میں کمی ہو جاتی ہو تو اس کمی کو پورا کرنے کیلیے اُمیدواروں کے حقوق پر اسقدر نظر نہیں ہوتی جسقدر اس بات کا خیال کیا جاتا ہو کہ اسلام قبول کرنے کی طرف ان اُمیدواروں کو کس درجہ رغبت ہی[1]

جزیرہ بورنیو جزیرہ بورنیو میں اسلام کی اشاعت ساحل کے ملکوں میں محدود رہی حالانکہ سولھویں صدی عیسوی کے شروع سے اسلام یہاں شائع ہونا شروع ہوا تھا۔ اسی زمانہ میں اوّل بنجر ماسین کی سلطنت میں اسلام پھیلا۔ یہ سلطنت بورنیو کے جنوبی ساحل پر سلطنت مجاپہت کی ماتحت تھی۔ لیکن ۱۴۷۸ء میں جب مجاپہت کی سلطنت برباد ہوگئی تو بنجر ماسین کی سلطنت[2] آزاد ہوئی مجاپہت کی بربادی پر اُس کی جگہ کئی اسلامی ریاستیں قائم ہوگئی تھیں انمیں سے ایک ریاست دامک کی تھی جس کے اثر سے بنجر ماسین کے لوگوں نے اسلام قبول کیا بنجر ماسین کے لوگوں کے مسلمان ہونے کا حال یہ ہو کہ اُنھوں نے ایک بغاوت کو فرو کرنیکے لیے دامک[3] کی ریاست سے کمک چاہی اور جزیرۂ جاوا سے مسلمانوں کی ایک جمعیت روانہ ہوئی جس نے بغاوت کو رفع کرکے رعایا کو مسلمان کیا[4]۔ ۱۵۲۱ء میں جسوقت اہل اسپین برونی کے شہر میں پہنچے جو بورنیو کے شمال مغربی ساحل پر تھا تو معلوم ہوا کہ برونی کا بادشاہ مسلمان ہی[5]۔ ۱۵۵۰ء میں بورنیو کے مغربی ساحل پر سکدانا کے شہر میں اہل عرب نے اپنے مذہب کو رواج دیا[6]۔ یہ عرب پالم بنگ سے جو جزیرہ سماٹرہ میں واقع تھا سکدانا میں آئے تھے[7]۔ یہاں کے بادشاہ نے اپنے آبائی مذہب کو چھوڑنے سے انکار کیا تھا لیکن اُس کی موت سے پہلے ۱۵۹۰ء تک جو چالیس برس کا زمانہ گزرا اُس میں اہل عرب نے سکدانا میں اسلام کو بہت ترقی دی۔ اس بادشاہ کا

[1] کابین۔ صفحہ ۳۴۶ [2] دولوریے صفحہ ۵۲۰ [3] دامک جزیرۂ جاوا کے شمالی ساحل پر ہو اور جزیرہ بورنیو کے جنوبی کنارہ کے سامنے واقع ہو [4] ہاکمان۔ صفحہ ۲۳۶۔ ۲۳۱ [5] پگافت راموسیو۔ توم ا صفحہ ۳۶۳۔ ۳۶۴ [6] ہند وسلطنت مجاپہت کے چند لوگوں نے سکدانا میں آباد ہوکر سکدانا کی حکومت قائم کی۔ دعے ہولانذر۔ دوسری جلد۔ صفحہ ۲) اس لیے ضرور ہے کہ اہل جاوا کے مسلمان ہونے کے بعد سکدانا کی ریاست میں اسلام شائع ہوا [7] دوزی (۱) صفحہ ۳۸۶۔

جانشین جب تخت پر بیٹھا تو اُس نے اسلام قبول کیا اور قریب کے جزیرہ کا ایک بادشاہ تھا جسکی بیٹی سے اُس نے اپنی شادی کی۔ اس بادشاہ کے جزیرہ میں اسلام کو شائع ہوئے غالباً کچھ مدت ہوگئی تھی[۵۱]۔ سنہ ۱۷۷۵ء میں سکدانا کے پہلے مسلمان بادشاہ کے عہد میں فرانس کا ایک سیاح[۵۲] سکدانا میں آیا اور اُس نے لکھا کہ "ساحل پر بالعموم مسلمانوں کا مذہب رائج ہی لیکن جزیرہ کے وسط میں لوگوں کا مذہب بت پرستی ہی۔

سکدانا کی ریاست میں جب اسلام کی ترقی ہوئی تو مکہ معظمہ سے جو اسلامی دنیا کا مرکز ہی اس دور دراز جزیرہ کیطرف توجہ ہوئی اور ایک عرب شیخ شمس الدین مکہ سے سکدانا میں آئے اور جس زمانہ میں وہ یہاں پہنچے تو سکدانا میں پہلے مسلمان بادشاہ کا جانشین سلطنت کرتا تھا۔ شیخ شمس الدین اپنے ہمراہ کلام مجید کی ایک جلد اور ایک انگوٹھی اور بادشاہ سکدانا کے نام کا ایک خط لائے۔ اس خط میں بادشاہ کو جو دین کا بڑا حامی تھا سلطان محمد صفی الدین کا خطاب دیا گیا تھا[۵۳]۔

اٹھارہویں صدی عیسوی کے اخیر میں لکھا گیا کہ جزیرۂ بورنیو کے شمالی حصہ میں ایدان کی ایک قوم آباد تھی۔ جو ساحل بورنیو کے مسلمانوں کو بڑی عزت کی نگاہ سے اس لیے دیکھتی تھی کہ ابھی تک اس قوم کا مذہب وہ نہیں تھا جو مسلمانوں کا مذہب ہے[۵۴]۔ ڈل ریل جو ۱۷۶۱ء سے ۱۷۶۴ء تک جزیرہ زولو میں مقیم رہا اُس نے ایدان کے متعلق تحقیقات کرکے لکھا ہے کہ "قوم ایدان کے لوگ اپنی جہالت پر متاسف ہیں اور اس لیے دل ہی دل میں بہت خفیف رہتے ہیں جس وقت یہ لوگ مسلمانوں کے گھروں میں یا مسلمانوں کے جہازوں پر آتے ہیں تو مسلمانوں کی بیحد تعظیم کرتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ مسلمان وہ ہیں جنکو اپنے پروردگار کا علم حاصل ہو۔ جس جگہ مسلمان سوتے ہیں وہاں یہ ایدان بیٹھتے نہیں اور مسلمان جس ڈبیا میں سے چونا نکال کر کھاتے ہیں اُس میں سے یہ لوگ خود اُنگلیاں ڈال کر چونا نہیں نکالتے۔ بلکہ مسلمان جب خود اُن کو پان

---

۵۱ ویٹ (۲) پہلی جلد صفحہ ۱۹۳ ۵۲ الیورٹ نے ورت "بحری سفر کے حالات" چودہویں جلد ۲۲ مطبوعہ ہیگ ۱۸۶۶ء

۵۳ سلطان صفی الدین نے ۱۷۸۵ھ میں انتقال کیا۔ اس بادشاہ کے باپ نے دادا یا کوئی اسلامی نام نہیں رکھا تھا لیکن مسلمان ہونے کے بعد بھی وہ پالنہان گری کسوما کے قدیم نام سے مشہور رہا۔ ڈینتشر صفحہ ۱۵۰۱۲، ۵۵ فورلیسٹ صفحہ ۳۰۱۔

یا چونا دیتے ہیں تو بہت ادب سے لیتے ہیں اور جس خدا کو وہ خود نہیں جانتے اُسکی الوہیت کے اقرار میں وہ ایسے لوگوں کے سامنے جو خدا کا علم رکھتے ہیں ہر بات میں عجز و انکسار ظاہر کرتے ہیں[۱] - لیکن ۱۸۶۲ء کے بعد ایدان کی قوم نے اسلام قبول کرلیا[۲] - اور اس قوم کا مسلمان ہونا اُن متعدد مثالوں میں سے ایک مثال ہے جن میں اسلام نے ایسی قوموں میں جو تہذیب و تمدن کے اعتبار سے کم درجہ رکھتی تھیں بہت جلد اپنا اثر پھیلایا - جزیرہ بورنیو میں مختلف قوموں کے لوگ مثلاً عرب یوگی - ملایا اور چین کے باشندے وقتاً فوقتاً آباد ہوئے ساتویں صدی عیسوی سے ان قوموں کی آبادیاں یہاں قائم ہوئیں[۳] - مختلف ملکوں کے غلام بھی یہاں آباد کیے گئے - اسی وجہ سے آجکل بورنیو کے مسلمان بالکل مخلوط نسلوں کے لوگ ہیں[۴] - یہ غیر ملک کے باشندے جس وقت بورنیو میں آباد ہوئے تھے تو اُس وقت اُن میں سے اکثر بت پرست تھے اور بورنیو کے اصلی باشندوں سے جنکو دیاک کہتے تھے وہ زیادہ مہذّب تھے - ان باہر کے لوگوں نے قوم دیاک کے لوگوں کو فتح کرکے جزیرے کے وسط میں اُس کو بھگا دیا جہاں اُس کے لوگ ابھی تک بت پرست ہیں - جزیرہ کے مغربی حصوں میں دیاک قوم کے جو چھوٹے چھوٹے گروہ رہتے تھے وہ البتہ وقتاً فوقتاً مسلمان ہوتے رہتے[۵] -

جزیرہ سلیبیز جزیرۂ سلیبیز میں بھی اسلام رفتہ رفتہ شائع ہوا اور ساحل کے لوگوں سے شروع ہو کر جزیرہ کے وسط میں پہنچا - سلیبیز کے باشندوں میں صرف مہذب قوموں نے یعنی مکاسرا اور بوگی کی قوموں نے اسلام قبول کیا جو اس جزیرہ کے جنوب مغربی جزیرہ نما میں آباد ہیں - بوگی قوم کے مسلمان سلیبیز کے اور جزیرہ نماؤں پر بھی آباد ہیں - اور ساحل سلیبیز کی آبادی میں بھی ان کی تعداد بہت ہے - سوائے جنوب مغربی جزیرہ نما کے جہاں کے باشندے تقریباً کل مسلمان ہیں اس جزیرہ کے اندرونی حصوں میں جس قدر لوگ رہتے ہیں اُن میں

۱؎ جزیرۂ دلو پر جواب مضمون صفحہ ۵۵ ۲؎ پانچیز اصفحہ ۱۴۱ ۳؎ ہاگمان صفحہ ۲۳۴ ۴؎ ویتھ (۲) پہلی جلد صفحہ ۹۱ ۵؎ دے ہیو لانڈرم دوسری جلد صفحہ ۱۶-

اکثر بت پرست ہیں۔ یہ بت پرست زیادہ تر الفر کی قوم کے لوگ ہیں جو تہذیب میں ادنی درجہ رکھتے ہیں اور سلیبیز کے شمال مشرقی اور جنوب مشرقی جزیرہ نماؤں میں بکثرت آباد ہیں۔ سلیبیز کے گوشہ شمال پر میناہاسا کے ملک میں جو الفر رہتے ہیں ان کے بہت آدمی عیسائی کرلیے گئے کیونکہ میناہاسا کے جزیرہ نما میں مسلمانوں کا گذر صرف اسوقت ہوا جبکہ پرتگیزوں کا وہاں عملدرآمد اچھی طرح ہو گیا تھا۔ اور پرتگیزوں نے الفر کو رومن کیتھولک مذہب میں شامل کرلیا تھا۔ لیکن جس وقت ڈنمارک کے عیسائی یہاں آئے تو انہوں نے ان دیسی عیسائیوں کو جو رومن کیتھولک تھے پروٹسٹنٹ بنایا۔ ڈچ کی مشنریوں نے بڑی کوشش اور جستجو سے الفر کی قوم میں پروٹسٹنٹ مذہب پھیلایا اور بہت کامیابی حاصل کی۔ لیکن اب الفر کے لوگوں خواہ وہ ڈچ کی عملداری میں رہتے ہوں خواہ دیسی سرداروں کی حکومت میں آباد ہوں اسلام آہستہ آہستہ ترقی کر رہا ہے۔[1]

سنہ ۱۵۴۰ء میں جس وقت پرتگیز جزیرہ سلیبیز میں اول ہی دفعہ پہنچے تو گوواکے شہر میں جو ریاست مکاسر کا دارالحکومت تھا چند مسلمان ہی نظر آئے جو غیر ملکوں کے رہنے والے تھے۔ مکاسر کے باشندوں نے ابھی تک اسلام قبول نہیں کیا تھا بلکہ سترہویں صدی عیسوی کے شروع ہونے سے پہلے وہاں کے باشندوں میں اسلام کی بخوبی اشاعت نہیں ہوسکی۔ اس کے بعد البتہ بہت لوگوں نے اسلام قبول کیا۔ اس تحریک اشاعت کا حال بہت دلچسپ ہے کیونکہ ایسے واقعات شاذ و نادر دیکھنے میں آتے ہیں جہاں اسلام اور عیسائی مذہب دونوں بت پرستوں کو اپنا پیرو بنانے کیلیے مقابلہ پر ہوں۔ قدیم زمانہ کے ایک عیسائی مورخ نے اس باہمی مقابلہ کا ایک واقعہ اس طرح لکھا ہے کہ "پرتگیزوں نے ملک مکاسر کے تحقیق ہونے کو ایک بڑا نتیجہ خیز واقعہ سمجھا۔ اور ایسی تدبیریں سوچیں کہ وہاں کے باشندوں کے ساتھ کسی طرح آشتی پیدا ہو جائے۔ کیونکہ ان باشندوں کو زیر کرنا آسان نہ تھا البتہ اُن میں اس

[1] زنیدہ ی ننگن۔ بتیسویں جلد۔ صفحہ ۱۰۰۔ چونتیسویں جلد۔ صفحہ ۱۰۰۔

بات کی قابلیت موجود تھی کہ مہربانی سے دوست بن جاویں اور محسن کا احسان مانیں۔ یہ لوگ بہت دلیر تھے اور جزائر ہند کے اور لوگوں کے مقابلہ میں عقلمند بھی زیادہ تھے۔ اس لیے یورپ والوں سے کسی قدر آشنا ہونیکے بعد مکاسر میں سے اکثر لوگوں کو یہ خیال پیدا ہوا کہ اُن کا اپنا مذہب مہمل ہی اور اُس میں کوئی بات عقل کی نہیں ہی۔ دون انتونیو گلوانیو گورنر ملاکا کی کوشش سے مکاسر کے جو چند لوگ عیسائی ہو گئے تھے اُن میں اتنی قابلیت نہیں پیدا ہوئی تھی کہ اپنی قوم کے اور لوگوں کو عیسائی کر لیتے۔ غرض نتیجہ یہ ہوا کہ مکاسر کی قوم نے اپنا قدیم مذہب چھوڑ کر لامذہبی اختیار کی۔ لیکن اس حالت میں بھی اُن کو اطمینان نہ ہوا اور اُنھوں نے ملاکا اور آچین[1] کو اس غرض سے آدمی روانہ کیے کہ ایک جگہ سے پادری اور دوسری جگہ سے مسلمان واعظ اور مولوی اُن کے پاس بھیجے جاویں اور ارادہ کر لیا کہ ان دونوں میں سے جو کوئی اُن کے پاس پہلے پہنچے گا اُسی کا دین اختیار کر لیں گے اس سے پہلے سمجھا جاتا تھا کہ اہل پرتگال اپنے مذہب کے بہت حامی ہیں لیکن معلوم ہوتا ہی کہ دون ردس پریرا جو اُس وقت شہر ملاکا کا گورنر تھا مذہب کیطرف سے کسی قدر بے پروا تھا کیونکہ اُس نے پادریونکی روانگی میں بلا ضرورت التوا کیا۔

اسکے برخلاف آچین کی ملکہ نے جو بڑی پرجوش مسلمان تھی جس وقت مکاسر کے باشندونکا قصد سُنا تو فوراً ایک جہاز واعظوں اور ملاؤں سے بھر کر سلیبیز کو روانہ کیا جنھوں نے پہنچتے ہی یہاں کے باشندوں میں اپنا مذہب پھیلا دیا کچھ عرصے کے بعد پادری بھی آئے اور اُنھوں نے اسلام کے خلاف بہت سخت وسست تقریریں کیں لیکن کچھ مطلب نہ نکلا سلیبیز کے لوگوں کو جو مذہب اختیار کرنا تھا وہ اختیار کر چکے تھے اور اب اُن کو دوسرے مذہب پر لانا ناممکن تھا سلیبیز کے بادشاہوں میں سے ایک بادشاہ جو عیسائی ہو چکا تھا عیسائی مذہب پر قائم رہا اور اُسکی رعایا میں سے بھی اکثر لوگ عیسائی کر لیے گئے۔ لیکن سلیبیز کے باشندوں کا بڑا حصہ آج کے دن تک مسلمان ہی اور جزائر ہند کے اور مسلمانوں کے مقابلہ میں اُس کو مذہب میں سب

[1] یعنی اچیہ۔

زیادہ غلو ہی[1]"

اس واقعہ کا زمانہ ۱۶۰۳ء بتایا جاتا ہی[2]۔ اور جو تصانیف اس واقعہ کے ہمعصر لکھی گئی ہیں اُن میں اس کا حوالہ اس قدر دیا گیا کہ اُس کی صحت میں شبہ کی جگہ باقی نہیں رہتی[3]۔ ٹالو کی ریاست میں جو گوواکے شمال میں ہی اور گوواکی ہمیشہ دوست رہی ہی مکاسر کے مشہور و معروف داعی اسلام خطیب تنگل کا مزار ہی۔ ٹالو کا والی ریاست مسلمان ہو کر اسلام کا بڑا حامی ہو گیا اور یہ اُسی کی کوشش تھی کہ بت پرستوں کے تمام ایسے گروہ جو مکاسر کی زبان بولتے تھے مسلمان ہو گئے اس تحریک اشاعت کا انجام اُسکے آغاز کی مثل امن و امان سے نہیں پیش آیا۔ مکاسر کے لوگ جب مسلمان ہو گئے تو اُن میں مذہب کا جوش ایسا پیدا ہوا کہ بوگی کی ہمسایہ قوم کو اُنھوں نے زبردستی مسلمان کرنا چاہا۔ مکاسر کے بادشاہ نے جس کا دارالحکومت گووا کا شہر تھا بوگی قوم کے بادشاہ کو جو بونی میں سلطنت کرتا تھا پیغام بھیجا کہ اگر وہ خدائے واحد پر ایمان لے آئے تو میں اسکو اپنے برابر کا بادشاہ سمجھوں۔ بونی کے بادشاہ نے یہ پیغام سُنکر اپنی رعایا سے مشورہ کیا لیکن رعایا نے یہ عذر پیش کیا کہ "نہ تو ہم ابھی تک کسی سے لڑے ہیں اور نہ کسی نے ہمکو فتح کیا ہی۔ غرض بونی کے لوگوں نے لڑائی سے فیصلہ کرنا چاہا جس میں اُن کو شکست ہوئی۔ لڑائی ہارتے ہی بونی کا بادشاہ مسلمان ہو گیا اور اُس نے اپنی رعایا کو اور قریب کی چھوٹی ریاستوں کو زبردستی مسلمان کرنا چاہا رعایا اس بات سے ناراض ہوئی اور تعجب ہی کہ اُس نے مکاسر کے مسلمان بادشاہ سے مدد چاہی۔ سلطان مکاسر نے ایلچی روانہ کیے تاکہ بونی کے بادشاہ سے وہ ان سوالوں کا جواب لائیں کہ کیا رعایا پر جبر کرنیکے لیے اُس کو پیغمبر خدا صلعم کی طرف سے الہام ہوا ہی؟ یا اس بات میں کسی قدیم رسم کی

---

[1] "مشرقی جزائر ہند میں اہل پرتگیز کی ترقی اور عروج کی مکمل تاریخ"۔ ماخوذ از مورخان جزائر۔ مضمون جان ہیرس۔ "ناویگان تیوم انگوئے اتیبزان تیوم ببلیوتیکا" لندن ۱۷۴۴ء پہلی جلد صفحہ ۲۰۲

[2] کرافورڈ۔ (۱) صفحہ ۱۰

[3] جن مصنفوں نے اس واقعہ کا ذکر کیا ہی وہ یہ ہیں۔ فرناندیز ناویری یہ شخص اسپین کا پادری تھا اور ۱۶۴۶ء میں جزائر فلیپائن میں آیا تھا "بحری و بری سفر کے حالات" صفحہ ۲۲۶۔ لندن ۱۷۳۲ء) دوسرا مصنف تاورنیر ہی جس نے ۱۶۴۸ء میں مکاسر کی سیر کی "سفر ہندوستان" صفحہ ۱۹۳ مطبوعہ لندن ۱۶۷۸ء "سفر مشرق" مصنف فلپ آف ہولی ٹری نٹی صفحہ ۳۶ مطبوعہ لوگڈونی ۱۶۴۹ء۔

اُس نے پابندی کی ہی؟ یا صرف اپنی رائے اور خوشی سے یہ ظلم کیا ہی؟ اگر پہلی بات ہی تو میں اُسکی اطلاع چاہتا ہوں اگر دوسری بات ہی تو اُس سے مجھ کو اتفاق ہو اگر تیسری بات ہی تو اُسکو ظلم بند کرنا چاہیے کیوں کہ جن لوگوں پر وہ ظلم کرتا ہی یعنی بوگی قوم میری دوست ہی۔ بونی کے بادشاہ نے ان سوالوں کا کچھ جواب نہ دیا۔ اور مکاسر کے لوگ بڑا لشکر جمع کر کے بونی کی سلطنت میں داخل ہوئے اور بادشاہ کو تین لڑائیوں میں سخت شکست دی۔ بادشاہ مجبور ہو کر بھاگا اور بونی کی ریاست مکاسر کا صوبہ بنادی گئی تیس برس تک محکوم رہنے کے بعد بونی کے لوگوں یعنی بوگی قوم نے ڈچ کی مدد سے مکاسر کے خلاف بغاوت کی اور مکاسر کی حکومت سے آزاد ہو کر سلیبیز کی قوموں کی سرداری اختیار کی[۵۱]۔ یہ امر یقینی ہی کہ بوگی قوم میں اسلام کی اشاعت بتدریج اور دیر میں ہوئی[۵۲] لیکن جس وقت یہ لوگ مسلمان ہوگئے تو اُن میں عربوں کی مثل چستی و چالاکی اور جوش و خروش پیدا ہوگیا جسکو عربوں یا بوگیوں نے اسلام کی اشاعت میں نہیں بلکہ اور کاموں میں صرف کیا۔ بوگی کی قوم مجمع الجزائر ملایا کے تمام باشندوں میں سب سے زیادہ دلیر اور بہادر قوم بن گئی اور اُس کے لوگ سب سے بڑھکر ہوشیار تاجر اور جہاز راں ہوگئے[۵۳] اور اب تک ہیں۔ یہ لوگ جہازوں پر سوار ہو کر مجمع الجزائر کے ہر ایک حصہ میں ساحل نیوگنی سے لیکر سنگاپور تک تجارت کرتے ہیں۔ مختلف جزیروں میں اُن کی بستیاں موجود ہیں جن کی مدد سے بت پرستوں کے اکثر ملکوں میں اسلام شائع ہوگیا۔ ان مسلمانوں کی ایک نہایت وسیع آبادی جزیرۂ فلوریز کے جنوبی ساحل پر آباد ہے اور اسکے مسلمانوں نے فلوریز کے اصلی باشندوں سے جن میں کچھ لوگ رومن کیتھولک عیسائی

---

۵۱ کرافورڈ دوسری جلد صفحہ ۳۸۵-۳۸۹ ۵۲ "اسلام کی اشاعت کیلیے بوگی قوم میں مدت تک کوئی غیر معمولی کوشش نہیں کیگئی۔ مشرقی جزائر ہند کے لوگوں میں نئی چیزوں سے نفرت اور قدیم رسوم کی پابندی بہت ہی لیکن ایسی سختی نہیں جیسی کہ سلیبیز کے باشندوں میں ہی اور ان دونوں باتوں نے اول ہی سے اسلام کی اشاعت کو وہاں نقصان پہنچایا اور یہی وجہ تھی کہ ایک مدت تک سلیبیز کے باشندے مسلمان نہ ہوئے بلکہ جس وقت تک کہ مسلمانوں کو وہاں آباد ہوئے مدت نہ گذرلی وہاں کے اصلی باشندوں نے اسلام قبول نہیں کیا۔" کرافورڈ (۲) دوسری جلد صفحہ ۳۰۸ ۵۳ کرافورڈ (۱) صفحہ ۷۵ مادسے ہولانڈ دوسری جلد صفحہ ۲۱۲۔

بھی سے رابطہ و اتحاد پیدا کر کے سب کو مسلمان کر لیا۔[1]

بوگی قوم نے مسلمان ہو کر اپنے وطن سلیبیز میں پیشۂ تجارت کے ساتھ اسلام کی اشاعت میں بھی کوشش کی اور بولانگ ، مانگندو کی ریاست میں جو سلیبیز کے شمالی جزیرہ نما میں ہے[2] بوگی قوم کے مسلمانوں نے اسی صدی میں اُن دیسی عیسائیوں کو مسلمان کر لیا ہے جنہوں نے سترہویں صدی عیسوی کے اخیر میں عیسائی مذہب قبول کیا تھا۔ بولانگ مانگندو کی ریاست کا پہلا عیسائی بادشاہ جیکب منو پو (۱۶۸۹ تا ۱۷۰۹ء) تھا اور اُسکے عہد میں ڈچ ایسٹ انڈیا کمپنی اور ڈچ کے پادریوں کی وجہ سے عیسائی مذہب کی بہت جلد ترقی ہوئی تھی سنہ ۱۸۴۴ء تک جیکب منو پو کے سب جانشین عیسائی رہے لیکن اسکے بعد والی ریاست راجہ جیکب انول منو پو نے عیسائی مذہب چھوڑ کر اسلام قبول کیا۔ اس عیسائی راجہ کے مسلمان ہونے سے موجودہ صدی میں مسلمانوں نے دعوت مذہب کے متعلق جسقدر کوششیں کیں اُن میں بہت کامیابی ہوئی اور چند مسلمان تاجروں نے جن میں بوگی قوم کے مسلمان بھی تھے ریاست کے جنوبی ساحل پر مانگندو کے شہر میں کچھ لوگوں کو مسلمان کر لیا۔ اور اسی شہر سے دو مسلمان سوداگر یعنی حکیم باکس اور امام تو دیکو اس ارادہ سے روانہ ہوئے کہ ریاست مانگندو کے باقی حصوں میں اسلام کی اشاعت کریں۔ چنانچہ ان دونوں مسلمان تاجروں نے تبلیغ کیلیے یہ طریقہ اختیار کیا کہ اوّل چند عورتوں اور غلاموں کو مسلمان کیا اور ان عورتوں سے نکاح کر لیا۔ ان بیویوں نے مسلمان ہو کر اپنے عزیزوں کو مسلمان ہونے کی ترغیب دی۔ غرض مانگندو کی ریاست سے بولانگ کی شمالی ریاست میں اسلام کی اشاعت ہوئی سنہ ۱۸۴۳ء میں بولانگ میں سوائے چند نوآباد مسلمانوں کے سب لوگ یا تو عیسائی تھے یا بت پرست لیکن واعظین اسلام کو جن میں بوگی قوم کے مسلمان تھے اہلِ عرب اُن کو مدد پہنچاتے تھے اشاعت میں بہت کامیابی ہوئی۔ دیسی عیسائی جنکو مذہب کا بہت کم علم تھا اور جن کا ایمان ضعیف تھا اس قابل

[1] ڈے ہولانڈ دوسری جلد صفحہ ۶۶۶۔ ریویل (۲) صفحہ ۲۔ [2] بولانگ مانگندو کی ریاست میناہاسا کے مشرق میں ۱۲۴ درجہ ۵۴ دقیقہ طول بلد اور ۲۳ درجہ ۲۰ دقیقہ عرض بلد کے درمیان واقع ہے اُس کی مردمشماری ۰۰۰۔ ۵ اور ۰۰۰ ۔ ۵ کے درمیان تخمینہ کیجاتی ہے (ڈے ہولانڈ۔ دوسری جلد۔ صفحہ ۲۴۰) [3] ولکین (۱) نسخہ ۲۴۲-۲۴۴۔

نہ تھے کہ مسلمانوں سے مذہبی مباحثوں کا اچھی طرح مقابلہ کر سکتے۔ ڈچ گورنمنٹ ان دیسی عیسائیونکو ذلیل سمجھتی تھی اور کلیسا کے افسروں نے اُن کی طرف سے اس قدر غفلت کی تھی کہ گویا اُن سے کسی قسم کا واسطہ ہی نہ تھا اسیلیے ان عیسائیوں نے ان غیر ملک کے مسلمانوں پر بھروسا کیا اور بعض مسلمان شادیاں کر کے ان عیسائیوں میں دوستوں کیطرح آباد ہو گئے۔ اسلام کی اشاعت کو جسقدر ترقی ہوتی گئی بوگی قوم کے مسلمان اور عرب جو سلیبیز کے جزیرے میں کبھی کبھی آتے تھے اب زیادہ آمد و رفت رکھنے لگے اور ملک میں اُنکی تعلیم و تلقین کے اثر نے ترقی پائی یہانتک کہ ۱۸۳۲ء میں ایک عرب نے گورنیمین منوپو والی ریاست بولانگ کی بیٹی سے نکاح کیا اس بادشاہ کے امیروں نے بھی جن میں سے اکثر کو بہت قوت اور اختیار حاصل تھا عیسائی مذہب ترک کر کے اسلام قبول کیا۔ غرض ۱۸۴۴ء سے پہلے جبکہ راجہ مانیول منوپو اسلام لایا مانگندو کی ریاست میں اسلام کو بخوبی استحکام حاصل ہو گیا۔ راجہ مانیول منوپو نے اس سے پہلے حکام ڈچ سے جنکا صدر مقام مناڈو میں تھا بار بار درخواست کی تھی کہ پادری یعقوب بابیتان کی جگہ جس کی موت سے عیسائیوں کو بہت نقصان پہونچا تھا کوئی دوسرا عیسائی معلم مقرر کیا جائے لیکن اُنہوں نے کچھ توجہ نہ کی اور راجہ مانیول نے مناڈو کے ایک شخص سے گورنمنٹ کا یہ خیال سُنا کہ جسوقت تک رعایا گورنمنٹ کی خیرخواہ ہی اُسوقت تک گورنمنٹ کو اس بات کی پرواہ نہیں کہ وہ عیسائی مذہب رکھتی ہو یا مسلمان ہو گئی ہو۔ راجہ مانیول نے یہ سنتے ہی اپنے مسلمان ہونیکا اعلان کر دیا اور اپنی رعایا کو بھی مسلمان کرنے میں ہر طرح کی کوشش کی اس عیسائی راجہ کے مسلمان ہونے کے دو برس بعد بولانگ مانگندو میں سخت زلزلہ آیا۔ عرب کے ایک داعی اسلام نے پہلے ہی سے اس زلزلہ کی پیشین گوئی کی تھی اور کہا تھا کہ اگر لوگ اسلام نہ لائینگے تو بڑی مصیبت میں گرفتار ہونگے۔ بہت لوگ اس خوف سے مسلمان ہو گئے۔ راجہ اور اُس کے درباریوں نے عرب کے تاجروں اور واعظوں کی مدد کی جو سست اور کاہل لوگوں کے ساتھ ہمیشہ سہولت اور نرمی کا برتاؤ نہ کرتے تھے۔ بہرکیف بولانگ مانگندو کی نصف رعایا ابھی تک بت پرست ہی۔

اسلام کی ترقی اگرچہ فی الحال سست ہو لیکن مسلسل اور یقینی ضرور ہی۔[۱]

جزیرۂ سمباوا جزیرۂ سلیبیز سے جزیرۂ سمباوا میں جو اُس کے قریب واقع ہی مکاسر کے واعظوں کی تعلیم و تلقین سے جنہوں نے ۱۵۴۰ء سے ۱۵۵۰ء تک اس جزیرہ میں دعوت و وعظ جاری رکہا اسلام کی اشاعت ہوئی اور اب اس جزیرہ کے جسقدر مہذب باشندے ہیں اُن کا مذہب اسلام ہی۔ یہ لوگ بمقابلہ اور مسلمانوں کے زیادہ متقی و متشرع مسلمان ہونیکی شہرت رکہتے ہیں جسکی وجہ یہ ہی کہ ۱۸۱۵ء میں کوہ آتش فشاں تمبورا کے شق ہونیکے بعد ایک شخص حاجی علی نے سمباوا میں مذہبی تحریک پیدا کی جس سے مذہب کا خیال سب لوگوں کو پیدا ہوا اور تمبورا کی آتش فشانی سے جزیرے والوں پر جو آفتیں آئیں اُن سے لوگوں کو خوف زدہ کرکے مذہب کا سب کو پابند بنایا گیا۔ اور نیکی کے ساتہہ زندگی بسر کرنے کی ہدایت ہوئی۔[۲] آج کل بہی اس جزیرہ میں لوگ اسلام قبول کرتے رہتے ہیں۔[۳]

جزیرۂ لمبوک بوگی قوم کے واعظین اسلام نے جزیرۂ لمبوک کے باشندوں کو بہی مسلمان کیا۔ لمبوک کا جزیرہ سمباوا کے قریب ہی اور بوگی قوم کے مسلمانوں کی یہاں بڑی آبادی ہی۔ یہ لوگ یا تو آبنائے سمباوا کو عبور کرکے لمبوک میں آباد ہوئے یا جزیرۂ سلیبیز سے براہ راست یہاں پہنچے بہر حال لمبوک کے باشندوں کا اسلام لانا امن کے طریقوں سے وقوع میں آیا۔[۴]

جزیرۂ منڈانو منڈانو جزائر فلپائن کا ایک بڑا جزیرہ ہی اور جزیرہ سلیبیز کی طرح یہاں بہی اسلام اور عیسوی مذہب غیروں کو اپنا معتقد بنانے میں ایک دوسرے کے مقابلہ پر آئے لیکن بہ نسبت سلیبیز کے جزائر فلپائن میں یہ مقابلہ زیادہ دیرپا اور سخت تہا۔ بلکہ آجتک اسپین کے عیسائیوں اور مسلمانوں میں کشت و خون ہوتا رہتا ہی۔ یہ ٹہیک نہیں معلوم کہ جزائر فلپائن میں اسلام ابتدا کب ہوئی۔[۵] لیکن ۱۵۲۱ء میں جب اہل اسپین ان جزیروں میں پہنچے تو وہاں مسلمان موجود تہے

ف۱ ویکن (۲) صفحہ ۲۶۶-۲۶۹ ف۲ زوئنگر (۲) صفحہ ۶-۲۰۵ ف۳ زینیدی ایگن - جلد ۲۲ صفحہ ۱۷۱ جلد ۲۴ صفحہ ۱۰۰ ف۴ زوئنگر (۱) صفحہ ۲۶۳

ف۵ کپتان فورسیٹ نے ۱۸۷۶ء میں لکہا کہ عربوں کو جزیرہ منڈانو میں آئے ہوئے تین سو برس گذرے ہیں عرب کا پہلا شخص جو یہاں آیا اُس کا مقبرہ ابتک یہاں کے لوگ سیاحوں کو دکھاتے ہیں۔ یہ مقبرہ کیاہ؟ سنگ جان کے شہر دنکا ایک جزیرہ ہی صفحہ ۲۰۱-۲۱۳

شمالی جزائر فلپائن کی رعایا وحشی اور بت پرست تھی لیکن جزیرہ منداناؤ اور جزائر زولو میں مہذب مسلمانوں کے گروہ آباد تھے[1] جزیرہ زولو کے لوگونکو عیسائی بنانے کیلیے یا اُن کے ملک کو فتح کرنیکے واسطے عیسائیوں نے جس قدر کوششیں کیں وہ ناکام رہیں اور اسپین کے پادریوں کو توقع نہیں ہو کہ زولو قوم کبھی عیسائی ہو[2] عیسائی مذہب کے مقابلہ میں اسلام کی ترقی کا سبب اس طرح معلوم ہوسکتا ہو کہ یہ دونوں مذہب اہلِ جزائر کے سامنے کس شکل اور صورت میں ظاہر ہوئے۔ جزیرے والوں کے حق میں عیسائی مذہب قبول کرنیکے یہ معنی تھے کہ ملکی اور قومی آزادی سے محروم ہوجاؤ اس لیے عیسائی مذہب قبول کرنا غلامی کا تمغہ سمجھا جاتا تھا۔ علاوہ اسکے اسپین کے عیسائیوں نے اپنے مذہب کی اشاعت کیلیے جو طریقے اختیار کیے وہ اوّل ہی سے ایسے تھے کہ اس مذہب سے لوگوں کو ناراضی پیدا ہوجاوے۔ ان عیسائیوں کا ظلم وستم مسلمانوں کی مراعات پسندی اور صلح کل کے اُصولوں کا مقابلہ کرتا تھا۔ مسلمانوں کا یہ قاعدہ تھا کہ ملک والوں کی زبان سیکھتے تھے اور اُن کی باتیں اختیار کرتے تھے اور ملک کی عورتوں سے شادیاں کرکے اہل جزائر سے اُنھوں نے ایسا اتحاد پیدا کرلیا تھا کہ دونوں میں کچھ فرق نہ رہا تھا۔ ان مسلمانوں نے اسپین کے عیسائیوں کی طرح اپنے تئیں کسی سربرآوردہ قوم کا آدمی ظاہر کرکے بڑے بڑے حقوق کا دعویٰ نہیں کیا اور نہ ملک کے لوگوں کو ادنیٰ قوم کا آدمی سمجھکر ذلیل اور خوار سمجھا۔ اسپین کے عیسائی جزیرہ والوں کی زبان اور عادات اور رسم ورواج سے بالکل ناآشنا ہوتے تھے۔ اور اون کی شرانگیزی لالچ اور ظلم نے عیسائی مذہب کو بدنام کردیا تھا۔ اور صرف اپنی ملکی قوت کو بڑھانے کے لیے یہ لوگ عیسائی مذہب کی اشاعت کرتے تھے[3]۔ پس اب یہ بات سمجھنی مشکل نہیں ہو کہ باشندگانِ جزائر نے کس وجہ سے عیسوی مذہب کی

---

[1] راموسو توم ا صفحہ ۳۰۔ [2] یہ لوگ مسیحی برکتوں کے ایسے خلاف ہیں اور اپنے عقاید میں ایسے سخت ہیں کہ اُن کا عیسائی مذہب قبول کرنا امکان سے خارج ہے جزائر فلپائن کے جیسوائٹ مشنریوں کی رپورٹ میں ۱۸۸۹ء منقول از مسنیتر دی ویدال۔ توم ا صفحہ ۲۱ [3] کرافورڈ۔ (۲) دوسری جلد صفحہ ۲۷۴-۲۸۰۔

مخالفت کی اور اُس کی اشاعت نہ ہونے دی۔ عیسائی مذہب صرف اُن لوگوں میں پھیل سکا جو خود کمزور تھے یا اُن کا جزیرہ ایسا چھوٹا تھا کہ اہل اسپین اُسپر بالکل مسلط ہوگئے اور یہ لوگ بھی عیسائی ہونے کے بعد محض سزا کے خوف سے مذہب کی پابندی کرتے تھے۔ بلکہ مکتب کے بچوں کی طرح اُن سے برتاؤ کیا جاتا تھا[۱] منداناؤ کی خود مختار اسلامی سلطنت اسوقت تک ایسے لوگوں کے حق میں دارالامن سمجھی جاتی ہے جو عیسائی گورنمنٹ سے بیزار ہو کر بھاگتے ہیں[۲] اسی طرح زولو کا جزیرہ جو ۱۸۷۸ء سے برائے نام اسپین والوں کے قبضہ میں ہے دوسرا مقام ہے جہاں سے اہل اسلام عیسوی دین کی مخالفت کرتے ہیں۔ زولو میں ایسے نومسلم اب بھی موجود ہیں جو اسپین کی زبان بولتے ہیں[۳]۔

جزائر زولو کوئی تاریخی شہادت اس امر کی تحقیق کیلیے موجود نہیں ہے کہ اہل اسپین کے پہنچنے سے کس قدر پہلے جزائر زولو کے باشندے مسلمان ہو چکے تھے۔ زولو کے باشندوں میں یہ روایت مشہور ہے کہ ایک تاجر سید علی نامی مکہ معظمہ سے زولو کے جزیروں میں آیا اور یہاں کی نصف آبادی کو اُس نے مسلمان کر لیا۔ اور جو لوگ مسلمان نہ ہوئے وہ بت پرست رہے۔ اہل جزائر نے سید علی کو سلطان منتخب کیا اور سات برس تک سلطان سید علی نے زولو میں حکومت کی۔ اس بادشاہ کو ایسی نیکنامی حاصل ہوئی کہ اُس کے مزار کی ابتک زیارت کیجاتی ہے۔ سید علی کا پوتا جس وقت تخت نشین ہوا تو ایک اور داعی اسلام مکہ سے یہاں آیا اور جو لوگ

[۱] "عیسوی مذہب جس کی اُن کو تعلیم ملی ہے اُس کے فرائض اور احکام کی وہ اچھی طرح پابندی نہیں کرتے اور اس پابندی کیلیے اُن کو سزا کا خوف دلایا جاتا ہے اور مکتب کے بچوں کیطرح انکی نگرانی کیجاتی ہے (جزائر فلپائن کے حالات جنکو ایک عیسائی راہب نے لکھا) صفحہ ۱۰۔ تیونو پہلی جلد صفحہ ۱۰۰) [۲] جزیرہ منداناؤ کی نگال قوم رومن کیتھولک عیسائیوں کے ظلم سے عاجز ہو کر اپنی قوم کے سرداروں کے پاس جمع ہوتی جاتی ہے تین لاکھ ساٹھ ہزار سے زیادہ مسلمان ایسے ہیں جن کا سلطان علیحدہ ہے اور جس کی اطاعت اُنہوں نے قبول کی ہے۔ جس وقت جیسوئٹ عیسائی اور رومن کیتھولک عیسائی اس جزیرہ سے نکالے گئے تھے اُن کی جگہ چین اور ہندوستان سے واعظ اور فقیہ یہاں کے باشندوں کو مسلمان کرنیکے لیے آئے اور اہل عرب کی لشکر کشی کے وقت اشاعت اسلام کی جو تحریک شروع ہوئی تھی اُسکو از سر نو زندہ کیا گیا" لاشاتیلیے (۲) صفحہ ۴۷۵ [۳] منتیرو سے دیدال۔ جلد یکم صفحہ ۸۶۔

بت پرست رہ گئے تھے اُن سب کو اُس نے مسلمان کر لیا[۱]۔ اگرچہ زولو کے باشندوں کو مسلمان ہوئے بہت زمانہ گزرا ہے لیکن وہ متقی و پرہیزگار مسلمان نہیں ہیں۔ یہ لوگ فلیپائن کے جزیروں سے عیسائی غلاموں کو چرا لیجاتے تھے۔ اور ان عیسائی غلاموں کا مسلمانوں پر جو کچھ اثر ہوتا تھا اُس کی نسبت مور نے لکھا ہے[۲] کہ "زولو کے لوگ کبھی کے عیسائی ہو گئے ہوتے لیکن محض اس خیال نے تبدیل مذہب سے اُنکو باز رکھا کہ عیسائی مذہب قبول کرنے سے پادریوں کو اُنپر بہت اختیارات حاصل ہو جائیں گے جس سے خود اُن کی قوت کو نقصان پہنچیگا اور پھر اسپین کے عیسائی اُن کی حکومت پر قبضہ کر لیں گے۔ یہ اخیر بات ایسی تھی جس نے سب قوموں کو ہوشیار کر دیا تھا۔ کیونکہ جن قوموں نے نادانی سے عیسائی مذہب قبول کیا تھا اُن کو اسپین والوں کا بخوبی تجربہ ہو چکا تھا"۔ علاوہ اس کے جب اسپین کے پادریوں نے ان جزیروں میں اپنا مشن قائم کیا تو جزیرہ کے لوگ عیسائی مذہب کے سخت دشمن ہو گئے[۳]۔

مجمع الجزائر کی مہذب قوموں میں جیسا کہ ہم نے اوپر لکھا ہے اسلام شائع ہوا لیکن ادنیٰ قسم کے لوگوں میں اُس کو استحکام نہ ہوا۔ ان ادنیٰ قوموں میں جزائر نیوگنی کی پاپون قوم ہے اور جزائر واگیو۔ مسول۔ واگیما اور سلاوتی کی قومیں ہیں۔ یہ سب جزیرہ نیوگنی سے شمال مغرب کی سمت میں واقع ہیں۔ سولھویں صدی عیسوی میں یہ سب جزیرے سلطان باتجان کی حکومت میں تھے اور اس حکومت میں نیوگنی کا شمال مغربی جزیرہ نمائے اونن بھی شامل تھا[۴]۔ ملوکا کے جزیروں میں جو بادشاہ حکومت کرتے تھے اُن ہی میں سے باتجان کا سلطان بھی تھا۔ جزائر ملوکا میں باتجان کے مسلمان بادشاہوں کی ترغیب سے قوم پاپون کے امیروں اور رئیسوں نے بھی جو واگیو۔ مسول واگیما اور سلاوتی کے جزیروں میں سردار سمجھے جاتے تھے اسلام قبول کیا[۵]۔ ان جزیروں کے وسط میں رعایا اب تک

---

۱ مور (ضمیمہ صفحہ ۳۲-۳۳) ۲ مور صفحہ ۳۷ ۳ دل ریپل صفحہ ۵۴۹ ۴ باتجان کا سب سے پہلا مسلمان بادشاہ سلطان زین العابدین تھا ۱۵۲۱ء میں جسوقت جزائر ملوکا میں پرتگیز داخل ہوئے تو یہی بادشاہ باتجان میں حکومت کرتا تھا
۵ رو نبیدے فاندیرآ صفحہ ۳۵ و ۳۵۲-۳۵۳-

بت پرست ہیں لیکن ساحلوں کے باشندے ملوکا کے نوآباد مسلمانوں کی ترغیب سے اکثر مسلمان ہو گئے[۱]۔ جزیرہ نیوگنی میں پاپوں قوم کے لوگ بہت کم مسلمان ہوئے۔ غالباً سنہ ۱۶۰۶ء میں نیوگنی کے مغربی ساحل یعنی جزیرہ نمائے اونن میں مسلمان تاجروں نے اپنا مذہب شائع کیا[۲]۔ لیکن ظاہر ہوتا ہے کہ سنہ ۱۶۰۶ء سے اب تک یعنی تین سو برس کے زمانہ میں بھی نیوگنی میں اسلام کو زیادہ ترقی نہیں ہوئی[۳]۔ اور پاپوں کے لوگوں نے اسلام قبول کرنے میں ایسا ہی ششش و پنج کیا جیسا کہ عیسائی پادریوں کی تعلیم کو ماننے وقت اُن کو تذبذب ہوتا ہے جو سنہ ۱۸۵۵ء سے یہاں عیسوی مذہب کی اشاعت میں کوشش کر رہے ہیں اور اُنکو کامیابی نہیں ہوئی۔ نیوگنی کے قریب جو جزیرے ہیں وہاں کے مسلمانوں پر یہ الزام لگایا جاتا ہے کہ پاپوں کی قوم کے لوگوں کو وہ ایسا ذلیل سمجھتے ہیں کہ اُن کو مسلمان کرنا بھی وہ نہیں چاہتے[۴]۔ صرف ایک شخص امام ذاکر کا حال لکھا گیا ہے جس نے ان لوگوں کو مسلمان کرنے کی کوشش کی اور وہ یہ ہے کہ جزیرہ سیرام کے جنوب مشرق میں کوئی جزیرہ تھا جہاں سے سنہ ۱۸۵۶ء میں امام ذاکر جزیرہ آدی میں آیا جو جزیرہ نمائے اونن کے مغرب میں ہے امام ذاکر نے

---

[۱] روبیدے فاندیرآ۔ صفحہ ۱۴۷ (جزیرہ مسول) "ساحل کے باشندے سب مسلمان ہیں ..... پہاڑوں کے رہنے والے بت پرست ہیں"۔ روبیدے فاندیرآ صفحہ ۵۳ (جزیرہ سلاوتی) "اس جزیرہ کی آبادی کا ایک حصہ محمدی دین کا پیرو ہے لیکن اس آبادی میں بت پرست زیادہ ہیں بت پرستوں میں زیادہ تر پاپون قوم کے لوگ ہیں پاپون میں سے کچھ لوگ مسلمان ہوئے ہیں لیکن وہ صرف ظاہر میں مسلمان ہیں"۔ روبیدے فاندیرآ صفحہ ۲۹۰ (جزیرہ ویگو) جزیرہ گیبی جو ویگو اور ہلما ہیرا کے درمیان ہے وہاں کی پاپوں قوم کو مسلمانوں نے جو ملوکا سے آکر گیبی میں آباد ہوئے مسلمان کر لیا ہے کرافورڈ (۱) صفحہ ۱۴۲

[۲] روبیدے فاندیرآ صفحہ ۵۲-۵۳

[۳] لیکن سنہ ۱۷۷۵ء میں کپتان فوریسٹ نے لکھا کہ "پاپون قوم کے بہت لوگ مسلمان ہو جاتے ہیں" "جزیرہ نیوگنی کا سفر" صفحہ ۶۸

[۴] بویدے فاندیرآ صفحہ ۱۷ "نیا مذہب قبول کرنے میں جیسے پاپون قوم کے لوگ نااہل ہیں ایسا دنیا میں کوئی آدمی نہیں عیسائی مذہب کی اشاعت اُن میں نہیں ہو سکی اسی طرح جب کبھی مسلمانوں نے اسلام کو اُن میں رواج دینا چاہا تو وہ عیسائیوں سے بھی زیادہ ناکام رہے میں نے جزائر نیوگنی کا پانچ دفعہ سفر کیا لیکن مجھ کو جہانتک تحقیق ہوا یہی تھا کہ نہ تو تیدور اور سیرام کے مسلمانوں نے اور نہ اور جزیروں کے اہل اسلام نے پاپون قوم کے مسلمان کرنے میں دل سے کوشش کی ...... چند سردار البتہ ایسے تھے جن کی نسبت لوگوں نے مجھ سے کہا کہ یہ مسلمان ہیں۔ عام لوگوں میں اسلام کو پھیلانے کی شاید اس وجہ سے کوشش نہیں کی گئی کہ مذہب اسلام پاپون قوم کی سمجھ سے بہت اعلیٰ ہے"۔

جزیرہ آوی میں اسلام کو رواج دیا جزیرہ والوں نے چاہا کہ امام ذاکر آوی میں آباد ہو جائے لیکن اُس نے نہ مانا اور کچھ دنوں بعد اپنے وطن کو چلا گیا[۱]

جزیرہ آوی کے قریب کائی کے جزیرے ہیں۔ یہاں کی پاپون قوم میں بھی جزیرہ آوی کیطرح تبلیغ اسلام میں کوشش کیجاتی ہے۔ تیس برس ہوئے کہ جزائر بانڈا کے مسلمانوں کے سوا کائی کے جزیروں میں کوئی مسلمان موجود نہ تھا۔ اس زمانے سے کچھ پہلے سیرام کے مسلمانوں نے کائی کے کچھ لوگوں کو مسلمان کر لیا تھا لیکن اُنہوں نے مذہب کی مطلق پابندی نہیں کی۔ حرام جانوروں کا گوشت کھاتے رہے اور نشہ کی چیزیں پیتے رہے۔ عورتیں البتہ مذہب کی سخت پابند تھیں۔ اور جب اُن کے خاوند سور کا گوشت کھانا چاہتے تھے تو بیویاں ایسی ناپاک چیز کو گھر میں نہیں آنے دیتی تھیں اور مردوں کو چھپ کر یہ چیزیں کھانی پڑتی تھیں[۲]۔ لیکن تھوڑا زمانہ ہوا کہ جزائر کائی میں اسلام کی از سرِ نو تحریک ہوئی اور وہاں کے مسلمان پابند مذہب ہو گئے اور اب مسلمانوں کی تعداد روز افزوں ترقی پر ہے۔ مدورا جاوا اور بالی کے عرب تاجروں نے بھی یہاں اسلام کی اشاعت کی اور لوگوں کو مسلمان کرنے میں کوئی طریقہ بغیر آزمائے نہیں چھوڑا کبھی مار کے ڈر سے اور کبھی روپیہ دیکر لوگوں کو مسلمان کیا۔ چنانچہ مشہور ہے کہ جو شخص اسلام لاتا ہے اُس کو دو سو فلورن کی قیمت کے تحفے دیے جاتے ہیں۔ اور جب کوئی سردار مسلمان ہوتا ہے تو اُس کو ایک ہزار فلورن ملتے ہیں[۳]۔

دعوت اسلام کا یہ مختصر حال جو اوپر بیان ہوا تمام مجمع الجزائر ملایا کا حال ہے یعنی مشرق سے لیکر مغرب تک ملایا کے جسقدر جزیرے ہیں اُن کا حال لکھا گیا ہے۔ لیکن یہ حالات دعوت اسلام کی تاریخ کا ایک چھوٹا سا حصہ ہیں کیونکہ اس تاریخ کے اکثر واقعات ایسے ہیں

---

[۱] روبیک فاندیرا۔ صفحہ ۳۱۹ [۲] جرنل انڈین ارکیپیلگو۔ دوسری جلد صفحہ ۱۶۴-۱۷۱ مطبوعہ سنگاپور ۱۸۵۲ء۔

[۳] بارن فون ہوویل۔ صفحہ ۱۲۰۔

جو کبھی تسلیم بند نہیں ہوئے اور مقامی او رتاریخوں یا یورپ کے سیاحوں اور پادریوں اور حاکموں کی تحریروں سے جو کچھ حالات اخذ کر کے یہاں لکھے گئے وہ کسی طرح مکمل تصور نہیں ہو سکتے۔

بہرحال گذشتہ چھ سو برس کے عرصے میں داعیان اسلام کے کاموں کے متعلق کافی شہادت ملتی ہے کہ امن کے طریقوں سے اسلام شائع ہوا بعض وقت البتہ مذہب کو پھیلانے کے لیے تلوار اٹھائی گئی۔ لیکن جبر و اکراہ کی جگہ وعظ و نصیحت ان اسلامی تحریکوں کا اثر موضوع رہا دعوت اسلام میں یہ حیرت انگیز کامیابی زیادہ تر مسلمان تاجروں کی محنت کا ثمرہ تھی ان لوگوں نے اہل ملک کی زبان سیکھ کر اور ملک والوں کی باتیں اختیار کر کے اُن کے دلوں کو تسخیر کیا اور اُن میں اپنا مذہب اس طرح بتدریج پھیلایا کہ جن عورتوں سے نکاح کیا یا جو لوگ تجارت کے کاروبار میں اُن کے ساجھی یا نوکر ہوئے سب سے پہلے اُن کو مسلمان کیا اور بجائے اس کے کہ عزور و تبختر ظاہر کر کے ملک کے لوگوں سے علیحدگی اختیار کیجاتی وہ دیس کے لوگوں میں مل جل گئے اور اپنی اعلےٰ ذہانت اور تہذیب کی مدد سے اشاعت کا کام کیا اور مذہب کے عقائد اور اعمال میں حسب ضرورت ایسی باتیں پیدا کیں کہ جس قوم کو مسلمان کرنا چاہیں وہ قوم مذہب اسلام کو پسند کرلے[51]۔ فی الواقع بکل نے سچ کہا ہے کہ "داعیان اسلام بہت مدبر ہوتے ہیں[52]۔"

مذہب کی اشاعت کرنے والوں میں تاجروں کے علاوہ مولوی معلم۔ واعظ فقیہہ حاجی اور ایسے مسلمان بھی ہوتے تھے جن کا پیشہ مذہب کی اشاعت تھا زمانۂ حال میں حاجیوں نے تبلیغ اسلام میں بہت کوشش کی ہے۔ اپنے وطن کے مسلمانوں کو پابند مذہب بنا دیا ہے اور جو کچھ بت پرستی کی رسمیں یا عقائد مسلمانوں میں ابھی تک چلے آتے تھے انکو رفع کیا مسلمانان ملایا کی تعداد جو مجمع الجزائر کے ہر ایک حصے سے حج کے لیے مکہ معظمہ جاتے ہیں ہر سال بڑھتی جاتی ہے۔ اور اس کے ساتھ ہی اسلامی اثر اور اسلامی خیالات بھی لوگوں میں ترقی کرتے ہیں۔ موجودہ صدی کے وسط تک ڈچ گورنمنٹ نے طرح طرح کی

[51] کرافورڈ (۲) صفحہ ۲۶۵، ۲۶۷، ۳۰۷ [52] بکل۔ پہلی جلد صفحہ ۵۹۴ - (مطبوعہ لندن ۱۸۶۷ء)

دقتیں پیدا کیں کہ مسلمان حج کو نہ جاسکیں اور اخیر میں قانون پاس کر دیا کہ بغیر پروانہ راہداری کے جسکے لیے فی شخص ۱۱۰ فلورن ادا کرنے ہوں گے کوئی مسلمان حج کو نہیں جاسکتا۔ اور جو کوئی بغیر پروانہ کے جائیگا اُس کو اس رقم سے دوگنی جرمانہ کے طور پر دینی ہوگی[۵۱]۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ۱۸۵۲ء میں حاجیوں کی تعداد کم ہوتے ہوتے صرف ستر رہ گئی۔ لیکن اُسی سال یعنی ۱۸۵۲ء میں پروانہ راہداری کا قانون منسوخ ہوا اور اُس وقت سے حاجیوں کی سالانہ تعداد میں ایسی مسلسل ترقی ہوئی ہو جس کا پہلے گمان تک نہیں ہوسکتا تھا چنانچہ ۱۸۵۴ء میں صرف جاوا کے حاجیوں کی تعداد اُن حاجیوں کے شمار سے زیادہ تھی جو بعد منسوخی حکم ۱۸۵۴ء سے ۱۸۵۹ء تک چھ برس کے زمانہ میں ڈچ کی کل عملداریوں سے حج کے لیے روانہ ہوئے[۵۲] اس حساب سے توقع نہیں ہوسکتی کہ حاجیوں کی تعداد میں کمی پیدا ہوگی۔ ۱۸۸۴ء میں جزیرہ جاوا کے حاجیوں کی تعداد ۲۰۳۰۲ تھی اور ۱۸۸۶ء میں یہ تعداد ۴۲۲۸ تک پہنچی یعنی بارہ برس میں ۴۰ فی صدی کا اضافہ ہوا۔ اور جزیروں میں اس اوسط سے بھی زیادہ ترقی ہوئی۔ چنانچہ بارہ برس میں جزیرہ بورنیو اور سلیبیز میں ۶۶ فی صدی اور سماٹرہ میں ۸۲ فی صدی کا اضافہ ہوا اس میں شبہ نہیں کہ اس ترقی کا بڑا سبب یہ ہو کہ مجمع الجزائر سے مکہ تک سفر میں بہت آسانی ہوگئی ہو۔ لیکن ایک عیسائی مشنری نے لکھا ہو کہ "ذرائع سفر کی آسانی سے یہ لازم نہیں آتا کہ حج کی وقعت کم ہوگئی ہو۔ حاجیوں کی ترقی تعداد نے اُن خوبیوں میں کمی نہیں پیدا کی جو حج سے پیدا ہوتی ہیں بلکہ آج کل کے حاجیوں میں ایسے لوگ بہت ہوتے ہیں جو مذہب کا علم پرانے حاجیوں سے زیادہ رکھتے ہیں اور کافروں کی طرف سے عداوت و تعصب اُنکے دل میں زیادہ ہوتا ہے[۵۳]۔ ڈچ کی گورنمنٹ اور عیسائی مشنری اپنی رپورٹوں میں اس بات پر متفق الرائے ہیں کہ یہ حاجی جب اپنے وطن کو واپس آتے ہیں تو مصلح قوم اور داعی ملت بنکر مسلمانوں کی اصلاح

[۵۱] بیمان صفحہ ۴۰۲-۴۰۰۔ [۵۲] ۱۸۵۲ء میں جزیرہ جاوا سے ۲۳۰۲ مسلمان حج کے لیے روانہ ہوئے اور ۱۸۵۴ء سے ۱۸۵۹ء تک ڈچ کے کل جزیروں سے صرف ۹۰۵ ۱۲ مسلمان حج کو گئے [۵۳] کانفرنس صدسالہ کی رپورٹ متعلق مشنہائے پروٹسٹنٹ پہلی جلد صفحہ ۲۱۔ بیمان صفحہ ۴۰۷۔

اور غیروں کی دعوت میں بہت کوشش کرتے ہیں[۵۱]۔ جاوا کے کچھ مسلمان توحج وزیارت سے فارغ ہوکر وطن کو چلے آتے ہیں بعض تحصیل علم کے لیے مکہ میں ٹھہر جاتے ہیں اور بعض مستقل طور پر مکہ میں رہتے ہیں چنانچہ مسلمانانِ ملایا کی ایک مستقل آبادی مکہ میں موجود ہے۔ یہ مسلمان اپنے وطن کے لوگوں سے خط وکتابت رکھتے ہیں اور یہ ان ہی لوگوں کی کوشش تھی کہ مجمع الجزائر کے مسلمانوں میں جو بت پرستی کے خیالات یا رسوم زمانہ قدیم سے چلے آتے تھے وہ سب دور ہو گئے۔ مذہبی کتابیں بھی ملایا کی مختلف زبانوں میں چھپکر مکہ معظمہ سے مجمع الجزائر میں شامل ہوئیں۔ فی الواقع ایک مصنف نے سچ کہا ہے کہ ٹرکی اور ہندوستان اور بخارا کے لوگوں کی بہ نسبت جزائر ملایا کے باشندوں پر مکہ معظمہ کا اثر زیادہ ہے[۵۲]۔

زمانۂ حال کی ترقی مذہب کے ساتھ ہی اسلامی مدارس کی تعداد میں افزایش ہوئی یہ اسلامی مدارس دعوت اسلام میں مسلمانوں کے بڑے مددگار ہوتے ہیں۔ ۱۸۸۲ء میں جزیرۂ جاوا میں ۱۰۹۱۳ مدرسے تھے جن میں ۱۶۴۶۶۷ طالب علم دینیات پڑھتے تھے لیکن ۱۸۸۲ء سے تین سال کے عرصے میں مدارس اسلامیہ کی تعداد میں ۴۳ فی صدی کا اضافہ ہوگیا۔ یعنی ۱۸۸۵ء میں ۱۶۷۶۰ مدرسے ہوگئے جن میں ۲۵۵۱۴۸ طلبا پڑھتے تھے۔ بعض دفعہ کسی خاص مدرسے کی ایسی شہرت ہوتی ہے کہ وہاں طالب علم کثرت سے جمع ہو جاتے ہیں مثلاً ایک مدرسے[۵۳] کا حال لکھا گیا ہے جہاں عرب کا کوئی بڑا عالم لکچر دیتا تھا اور ایک ہی وقت میں ڈیڑھ سو طالب علم اُس کا لکچر سنتے تھے[۵۴]۔

مذکورۂ بالا حالات سے یہ نتیجہ نکل سکتا ہے کہ کچھ زمانہ سے مجمع الجزائر ملایا میں اشاعت اسلام کیواسطے بڑی کوشش اور جستجو ہورہی ہے۔ اور حج کرکے جو مسلمان جزیروں کو واپس آئے ہیں خواہ مولوی اور معلم ہوں خواہ تاجر اور واعظ ہوں جب غیر مذہب کے لوگوں میں پہنچتے ہیں

[۵۱] زینیدی لنگن۔ جلد ۳۷۔ جلد ۴۳ [۵۲] حرغرنیٔ (۳) دوسری جلد صفحہ ۱۵ و ۳۳۹-۳۴۰ [۵۳] کانفرنس صدسالہ کی رپورٹ متعلقہ مشنہائے پروٹسٹنٹ پہلی جلد صفحہ ۲۱ [۵۴] فان ڈینبرگ صفحہ ۲۲-۲۶۔

تو اسلام کا وعظ کہتے ہیں۔ علاوہ ان کے صوفیہ کے خاندانوں کا سلسلہ بھی ان جزیروں میں قائم ہی[۱]۔ یہاں تک کہ سنوسیہ کا سلسلۂ صوفیہ جو سب کے بعد پیدا ہوا۔ اور اُس کے معتقدین بھی دور دور کے جزیروں[۲] میں موجود ہیں۔ اور ملایا کے اکثر مسلمان جب مکہ میں اپنا اصلی نام بدل کر عربی نام رکھتے ہیں تو سنوسی کا لفظ نام کے ساتھ ضرور شامل کرتے ہیں[۳]۔

عیسائی مشنریوں نے ڈچ کی گورنمنٹ پر یہ الزام لگایا ہی کہ اُس نے اسلام کی اشاعت میں مدد پہنچائی۔ یہ الزام صحیح ہو یا غلط لیکن اس میں شبہ نہیں کہ داعیان اسلام کے کام میں اس وجہ سے ضرور سہولت پیدا ہوگئی کہ ملایا کی زبان جس کو سوائے مسلمانوں کے اور لوگ بہت کم جانتے ہیں ڈچ کی سرکار سے قانونی زبان قرار پائی ہی ڈچ کے سویلین حکام کے ساتھ مسلمان اہلکاروں کا ایک ہجوم ہوتا ہی جس میں پولٹکل ایجنٹ۔ محرر۔ ترجمان اور تاجر شامل ہوتے ہیں یہ مسلمان اہلکار جہاں کہیں پہنچتے ہیں اسلام اُن کے ساتھ ساتھ چلتا ہی جن لوگوں کو ڈچ کی گورنمنٹ سے واسطہ پڑتا ہی اُن کے لیے ملایا کی زبان سیکھنی لازم ہوتی ہی اور بہت کم ایسا ہوتا ہی کہ بغیر مسلمان ہوئے یہ لوگ اس زبان کو سیکھ سکیں۔ غرض اس طریقے سے بڑے بڑے آدمی مسلمان ہو جاتے ہیں اور عام لوگ اُن کی پیروی کرتے ہیں[۴]۔ پس آج کل مذہب اسلام مجمع الجزائر ملایا سے بت پرستی اور کفر کو بہت جلد دور کر رہا ہی۔

---

[۱] مجمع الجزائر میں صوفیہ کے یہ خاندان موجود ہیں قادریہ نقشبندیہ۔ سامانیہ (حرغرنئے۔ (۲) صفحہ ۱۸۲) حرغرنئے دوسری جلد صفحہ ۲۰۷، ۳۰۳ وغیرہ [۲] ریل (۱) صفحہ ۵۹، ۱۹۲ [۳] حرغرنئے (۳) دوسری جلد صفحہ ۳۲۲ [۴] ہوری۔ صفحہ ۳۱۲

باب سیزدہم

خاتمہ

آج کل عیسائیوں کی دنیا میں مشنری کام کے یہ معنی ہیں کہ مذہب کی اشاعت کے لیے مشنری سوسائٹیاں یعنی انجمنیں قائم ہوں۔ تنخواہوں پر مشنری اور واعظ مقرر ہوں چندہ جمع کیا جائے اور کتابیں اور رپورٹیں چھاپ کر شائع کی جاویں۔ کیونکہ عیسائیوں کے نزدیک جس مشنری کام کو باقاعدہ طور پر شروع کر کے مقررہ اصُول وآئین پر نہ چلایا گیا ہو اُسکو مشن کا کام کہنا ہی غلط ہے مسیحی کلیسا میں جسوقت سے قسیسی سررشتہ پیدا ہوا اور اُس کی تاریخ شروع ہوئی اُسی وقت سے اُس سررشتہ نے عیسوی مذہب کی اشاعت کے لیے خاص انتظام کیا۔ اور اُسکے لیے جو مشنری یا داعیان مذہب مقرر ہوئے وہ اکثر حالتوں میں سندیافتہ رہبان اور قسیس ہوتے تھے۔ فرقہ بندکتائن سے لیکر آجتک عیسائیوں کے جسقدر رخانقاہی فرقے ہوئے یا فی الحال جسقدر مشن کی انجمنیں دعوت مذہب کے لیے قائم ہیں اُنھوں نے عیسوی مذہب کی اشاعت میں جسکو ابتدا سے کلیسا کا سب سے بڑا فرض سمجھا گیا خاص انتظام اور ضوابط کے ساتھ کوششیں کیں۔ لیکن مذہب اسلام میں چونکہ عیسوی مذہب کی طرح کوئی قسیسی محکمہ یا سررشتہ موجود نہیں ہے اسلیے دعوت اسلام کی تاریخ عیسوی مذہب کی تاریخ اشاعت سے بالکل مختلف ہے۔ مسلمانوں میں تبلیغ مذہب کے لیے مشنری سوسائٹیاں نہیں ہیں اور نہ داعیان اسلام کو اس کام کے لیے خاص طور پر تعلیم و تربیت کیا جاتا ہے۔ غرض

ہو رہی تھیں تو پشنگ کی قوم[1] نے ایک مسلمان مفتی کو قید کر لیا اور اسکو اپنے ملک میں لے آئے زمانۂ قید میں اس مفتی نے بہت لوگوں کو اسلام کی تلقین کی۔ شروع میں اس قوم کے چند لوگوں نے دل سے اسلام قبول کیا اور پھر اسلام کی اشاعت اُن میں عام ہو گئی۔ لیکن اس قوم پشنگ کے کچھ لوگ ایسے تھے جو اپنی قوم والوں کے مسلمان ہونے پر بگڑ بیٹھے اور آپس میں لڑائی شروع ہوئی نومسلموں نے جن کی تعداد بارہ ہزار تھی اپنی تعداد سے دوگنی بلکہ دوگنی سے بھی زیادہ دشمنوں کا مقابلہ کامیابی کے ساتھ کیا۔ دشمنوں کو شکست ہوئی اور جو لوگ لڑائی سے بچے اُنھوں نے بھی اسلام قبول کر لیا۔ غرض گیارہویں صدی کے ختم ہونے سے پہلے یہ تمام قوم مسلمان ہو گئی اور اسکے اکثر لوگ علم حدیث اور فقہ کے عالم ہوئے[2]۔ شہنشاہ جہانگیر کے عہد میں (۱۶۰۵-۱۶۲۸ء) اہل سنت وجماعت کے مشہور عالم شیخ احمد مجدد گذرے جنہوں نے اہل تشیع کے عقائد کا رد لکھا۔ اس زمانہ میں بادشاہ کے دربار میں شیعوں کو بہت دخل تھا اسلیے اُنھوں نے شیخ پر کوئی غلط الزام لگا کر قید کروا دیا۔ دو برس تک شیخ احمد قید میں رہے اور اس عرصہ میں اُنھوں نے کئی ہزار کافروں کو جو اُنکے ساتھ قید تھے مسلمان کر لیا[3]۔ زمانہ حال میں یعنی ۱۸۶۴ء کی وہابی

---

[1] اس زمانہ میں یعنی گیارہویں صدی عیسوی میں پشنگ کی قوم دریائی انیوب اور دریائے دون کے دوآبہ میں آباد تھی۔ اور نویں صدی عیسوی کے ختم ہونیکے قریب دریای یورال کے کناروں سے اُٹھکر اس دوآبہ میں یہ قوم آباد ہوئی تھی (کارمیسن- پہلی جلد صفحہ ۱۸۰)

[2] ابو عبد البکری (سال وفات ۱۰۹۴ء) صفحہ ۴۶۷-۴۶۸ یورپ کے عہد وسط میں یورپ کی ایک اور قوم یعنی ملک ہنگری کی باشکر قوم محض وعظ ونصیحت کے ذریعہ سے مسلمان ہو گئی۔ بلغاریا کے سات مسلمانوں نے جو غالباً ۹۵۷ء بلغاریا سے ہنگری کے ملک میں گئے اس قوم میں اسلام کی اشاعت شروع کی اور تعلیم وتلقین سے باشکر کی کل قوم کو مسلمان کر لیا ۱۲۲۰ء میں عرب کے ایک جغرافیہ داں نے حلب کے شہر میں باشکر قوم کے چند مسلمانوں سے ملاقات کی جو علم دین کی تحصیل کے لیے حلب میں آئے ہوئے تھے اس عرب نے باشکر قوم کے لوگوں کی زبانی اُنکے اسلام لانے کے حالات سُنے اور اپنی تصنیف میں یورپ کی اس مسلمان قوم کے متعلق جو کفار کے ملک میں رہتی تھی چند دلچسپ واقعات لکھے ۱۳۴۰ء تک ہنگری کی باشکر قوم میں مذہب اسلام قائم رہا۔ لیکن اسکے بعد جب ہنگری کے ملک میں بادشاہ چارلس رابرٹ کا عہد آیا تو اُسنے اپنے ملک کی ایسی رعایا کو جو عیسائی نہیں مجبور کیا کہ یا تو وہ عیسائی مذہب قبول کرے یا ملک چھوڑ کر چلی جائے (جغرافیہ ابوالفدا- رنیاد- توم ۲ صفحہ ۲۹۴-۲۹۵

[3] مفتی غلام سرور- خزینۃ الاصفیا- پہلی جلد- صفحہ ۶۱۳-

سازش میں ہندوستان کے ایک مولوی کو برٹش گورنمنٹ کے خلاف عملی کارروائی کرنے کی وجہ سے حبس دوام بعبور دریائے شور کی سزا ملی اور جزیرۂ انڈمان کو وہ روانہ کیے گئے۔ زمانۂ قید میں انتقال سے پہلے ان مولوی نے انڈمان کے کہتر قیدیوں کو مسلمان کیا۔

غرض جس صورت میں کہ مسلمانوں کو اپنے مذہب کی تبلیغ کا یہ جوش اور شوق ہو کہ موقع اور بے موقع وہ اسلام کی اشاعت کے لیے تیار ہو جاتے ہیں تو مناسب ہے کہ اس مضمون کے ان کی کامیابی کے اسباب بھی تحقیق کیے جاویں۔

اشاعت اسلام کی ترقی کے اسباب میں سب سے بڑی وجہ کلمہ اسلام لا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ کی سادگی ہے۔ صرف یہی دو باتیں ہیں جنکا نومسلم کو اقرار کرنا ضروری ہے۔ اور اسلامی دینیات کی تمام تاریخ میں کہیں پتہ نہیں چلتا کہ علمائے اسلام نے کبھی اس صاف کلمہ کو چھوڑ اس کی جگہ کوئی مشکل اور پیچیدہ عبارت عوام الناس کی ہدایت اور تلقین کے لیے تجویز کی ہو۔ یہ کلمہ ایسا صاف ہے کہ انسان کی قوتِ ایقان کو اس کلمہ کے قبول کرنے میں زیادہ زحمت نہیں اٹھانی پڑتی۔ جیسے کہ مسئلہ تثلیث یا اور بعید از عقل مذہبوں میں دقت پیش آتی ہے (مترجم) اور اسکے سمجھنے میں کسی طرح کی عقلی مشکلات پیدا نہیں ہوتیں بلکہ اسکا سمجھنا ایسے لوگوں کی قدرت میں بھی ہے جو نہایت ادنیٰ درجہ کی عقل رکھتے ہیں۔ چونکہ اس کلمہ کے ساتھ دینیات کے پیچیدہ اور دقیق مسائل شامل نہیں ہیں اسلیے وہ لوگ بھی جنکو دینیات کی مصطلحات اور باریکیوں کا علم نہو دوسروں کو یہ کلمہ سکھا سکتے ہیں۔ کلمہ اسلام کے پہلے حصہ میں وہ عقیدہ بیان ہے جسکو تقریباً کل بنی نوع انسان بدیہیات سے سمجھتے ہیں۔ دوسرے حصہ کی بنیاد اُس رشتہ اور تعلق پر رکھی گئی ہے جو انسان کو خدا کے ساتھ ہے اس حصہ کا مضمون بھی عام ہے یعنی دنیا کی تاریخ میں ایسے موقع آئے ہیں کہ خدا نے اپنے انبیا علیہم پر وحی نازل کرکے انسان کو اپنا علم بخشا

یہ بات بیان کرنی بھی دلچسپی سے خالی نہیں کہ تبلیغ اسلام میں مسلمان مردوں ہی نے کوشش نہیں کی بلکہ عورتوں نے بھی اس نیک کام میں حصہ لیا۔ نسل چنگیز خاں سے کئی مغل فرمانروا ایسے گذرے کہ جنہوں نے اپنی مسلمان بیویوں کے سمجھانے سے اسلام قبول کیا اور غالباً یہی صورت بعض ترکوں کے ساتھ اُسوقت پیش آئی جبکہ وہ بت پرست تھے اور مسلمانوں کے ملکوں پر یورشیں کیا کرتے تھے فرقۂ سنوسیہ کے داعیان اسلام جو افریقہ میں جھیل چاد کے شمالی اطراف میں توبو کی قوموں کو مسلمان کرنے کی کوشش کررہے ہیں اُنھوں نے لڑکیوں کے لیے اسلامی مدارس جاری کیے ہیں۔ ان قوموں میں عورتوں کو مردوں پر بہت اختیار حاصل ہے۔ اسلیے جب اُن کی تعلیم و تربیت اسلامی طریقہ سے ہوتی ہے تو سنوسیہ کو تبلیغ اسلام میں بہت مدد ملجاتی ہے[1]۔ یہی حال افریقہ میں بربر کی قوموں کا ہے۔ موجودہ صدی کے شروع میں پچاس برس تک ملک حبش میں اسلام کی جسقدر ترقی ہوئی اسکی نسبت کہا جاتا ہے کہ مسلمان عورتوں کی وجہ سے یہ ترقی ظہور میں آئی۔ خاصکر اُن مسلمان عورتوں کی وجہ سے جنہوں نے عارضی طور پر اپنے تئیں عیسائی ظاہر کرکے حبش کے عیسائی سرداروں سے شادیاں کرلیں اور جب اُن کے ہاں اولاد ہوئی تو اُسکو مسلمانوں کے مذہب پر اُٹھایا اور اپنے مذہب کی ترقی کے لیے جہانتک ممکن ہوا کوشش کی[2]۔ حال زمانہ میں کاشغر کی ایک عورت نے جو قید ہو کر شہنشاہ چین کی حرم سرا میں داخل کی گئی تھی بادشاہ کو مسلمان کرلیا ہوتا۔ لیکن جب وزیروں نے سلطنت کے نشیب و فراز سمجھائے تو شہنشاہ نے علانیہ مذہب اسلام قبول نہ کیا۔ لیکن مسلمان رعایا پر بہت لطف ظاہر کیا اور مسلمانوں کو مصاحب بنا کر ہمیشہ اپنے ساتھ رکھا اور اُن کے لیے خاص اپنے محل میں ایک مسجد بنوادی[3]۔ اہل اسلام کے ہاں کسی اہ...

---

[1] دوویدسے صفحہ ۱۷۔ [2] ماسایا۔ جلد ۹۔ صفحہ ۱۲۴۔ ۱۲۵۔ [3] سید سلیمان نے اس بادشاہ کا نام جیفان بتایا ہے اور کہا ہے کہ وہ موجودہ شہنشاہ چین کا دادا تھا۔ غالباً شہنشاہ ہینفنگ سے مراد ہے جسنے ۱۸۵۰ء سے ۱۸۶۱ء تک سلطنت کی ثمرۃ الفنون ۱۱ شوال ۱۳۱۱ء۔ (بیروت ۱۸۹۴م)

اور عابدہ کے لیے محض اس وجہ سے کہ وہ عورت ہی کوئی امر مانع نہیں کہ مشائخ اور اولیائے عظام میں اُسکا شمار نہو۔ اگران باخدا عورتوں کا اثر نہ ہوتا تو کبھی ایسے قصے مشہور نہوتے کہ بی بی حاج اور بی بی تاج اور اُن کی بہنیں جو عقیل ابن علی علیہ السلام کی بیٹیاں تھیں میدان کربلا سے لاہور تک عالم طیر میں آئیں اور اپنے نفاس مقدس کی برکت سے سب سے پہلے ہندوؤں کو مسلمان کیا[1]۔ دار الحکومت مصر یعنی قاہرہ میں سب سے مشہور و معروف روضہ بی بی نفیسہ رحمتہ اللہ علیہا کا ہے جو حسن بن زید کی بیٹی تھیں۔ اُن کو علم حدیث وغیرہ میں ایسا کمال حاصل تھا کہ امام شافعی نے بھی جو اُنکے ہمعصر تھے اُنکے علم و فضل کی تعریف کی۔ بی بی نفیسہ ایسی زاہدہ اور عابدہ تھیں کہ وہ اہل ولایت و کرامت سمجھی گئیں۔ اُن کی نسبت مشہور ہی کہ جب مصر میں اُنھوں نے سکونت اختیار کی تو اُنکے گھر کے پاس ایک ذمی رہتا تھا جس کی بیٹی ایسی بیمار تھی کہ اُسکے ہاتھ پاؤں نہیں ہل سکتے تھے اور سارے دن بستر پر پڑی رہتی تھی۔ ایک دن اُس لڑکی کے ماں باپ کو بازار جانا تھا اُنھوں نے بی بی نفیسہ سے عرض کیا کہ ہمارے جانے کے بعد اس لڑکی کی خبر گیر رہیں۔ بی بی نفیسہ نے جنکے دل میں محبت اور خدا ترسی بہت تھی لڑکی کی تیمارداری کا ذمہ لیا اور جب لڑکی کے ماں باپ چلے گئے تو اُنھوں نے اُس مریضہ کے لیے جناب باری میں دعا کی دعا ختم نہ ہونے پائی تھی کہ لڑکی کے ہاتھ پاؤں کھل گئے اور جب اُسکے ماں باپ واپس آئے تو اپنے پیروں سے چلکر وہ اُنسے ملی۔ والدین یہ دیکھتے ہی ایسے ممنون اور مشکور ہوئے کہ اُنھوں نے فوراً اپنی محسنہ کا دین قبول کیا[2]۔

بعض اوقات مسلمان قیدیوں نے بھی اپنے ساتھ کے قیدیوں اور قید کرنے والوں کو مسلمان کر لیا۔ چنانچہ گیارہویں صدی عیسوی کے شروع میں مشرقی یورپ میں اول ہی اول اسلام کی اشاعت اس طرح ہوئی کہ جسوقت مسلمانوں اور روم کے عیسائیوں میں لڑائیاں

[1] مفتی غلام سرور لاہوری۔ خزینۃ الاصفیا۔ دوسری جلد صفحہ ۴۰۷۔ ۴۰۸۔ [2] گولڈزیہر۔ دوسری جلد۔ صفحہ ۳۰۳۔ ۳۰۴۔

مسلمانوں میں اشاعت دین کا کوئی مستقل محکمہ یا مقررہ انتظام نہیں ہے۔ البتہ اگر کوئی
بات اس حالت سے مستثنیٰ ہے تو وہ صوفیہ کے خاندان ہیں جنکا سلسلہ عیسائیوں کے
خانقاہی فرقوں سے بہت مشابہ ہے۔ لیکن صوفیہ میں بھی داعیان مذہب کے
متعلق ایسا کوئی خیال موجود نہیں ہے جیسا کہ عیسائیوں میں اُنکے پریسٹ یا قسیس
کی نسبت ہی۔ مسلمانوں میں عیسائیوں کی طرح یہ قاعدہ نہیں ہے کہ معلمان یا داعیانِ
مذہب کو عام لوگوں سے علٰحدہ سمجھا جاوے اور مذہبی رسوم یا ارکان کے ادا کرنے کے
لیے خاص طور پر اُن کو اختیارات دیے جاویں اور اسی حیثیت سے انکا تقرر باضابطہ طریقے
سے ہو۔ یہی دو باتیں ہیں جن سے اسلام اور عیسوی مذہب کے طریقہ اشاعت میں
بین فرق پیدا ہوتا ہی۔

غرض جو کچھ نقصان اس بات سے ہوتا ہی کہ مسلمانوں میں عیسائیوں کی طرح معلمان
یا داعیانِ مذہب کی کوئی ایسی مقررہ جماعت نہیں ہی جو صرف مذہب کی اشاعت اور
تعلیم کے لیے مخصوص ہو اُس کی تلافی اس طرح ہو جاتی ہی کہ ہر ایک مسلمان مذہب کی اشاعت
کا خود اپنے تئیں ذمہ دار سمجھتا ہے مسلمان اور اُسکے خدا میں کوئی ثالث نہیں ہے اور
اُس کی نجات صرف اُسکے اعمال نیک پر منحصر ہی۔ یہی وجہ ہی کہ اہل اسلام مذہبی فرائض
کے ادا کرنے میں عموماً بہت پابند اور محتاط ہوتے ہیں۔ علم دین کی تحصیل میں وہ خود
بہت محنت اُٹھاتے ہیں اور آخر کار دین کی عظمت اُنکے دل میں ایسی پیدا ہو جاتی ہی
کہ منکرین اسلام کے سامنے وہ اپنے مذہب کی بزرگی بیان کر کے اُن میں اسلام
کی اشاعت کر سکتے ہیں۔ اگر کوئی داعی اسلام کسی غیر مذہب کے آدمی کو مسلمان
کرنا چاہتا ہے تو اُسکو اس بات کی ضرورت نہیں ہی کہ اُس غیر مذہب کے آدمی کو
کسی معتبر اور مستند عالم کی طرف رجوع کرے تاکہ کسی ضابطہ اور آئین کے بموجب
وہ حلقہ اسلام میں شامل کیا جاوے اور اس صورت میں یہ داعی اسلام جو غیر مذہب کے

آدمی کو مسلمان کرتا ہے قرح ابن اظہار کی مثل گنہگار نہیں ہوتا[1]۔ یہ قول اکثر نقل ہوتا ہے[2] کہ ہر ایک مسلمان اپنے مذہب کا مشنری یعنی داعی اسلام ہے۔ اس قول میں شاید کسی قدر مبالغہ ہو لیکن اس میں شبہ نہیں کہ ہر ایک مسلمان اپنے مذہب کا مشنری یعنی داعی بن سکتا ہے۔ اور بہت کم متقی مسلمان ایسے نکلیں گے جو کافروں میں رہتے ہوں اور جنکا عمل خدا کے اس کلام پر نہو۔

(سورۃ النحل - آیت ۱۲۶) پس اُن معلمان مذہب کے ساتھ ساتھ جنہوں نے اپنی تمام کوششیں اور ہمتیں احکام اسلام کی تبلیغ میں صرف کردیں اور محض دین کی اشاعت کو اپنی زندگی کا موضوع قرار دیا دعوت اسلام کی تاریخ میں بادشاہ سے لیکر کسان تک ہر طبقہ اور درجہ کے مرد اور عورتوں کا حال اور ہر پیشہ اور حرفہ کے مسلمانوں کا ذکر موجود ہے جنہوں نے اپنے مذہب کی اشاعت میں محنت اور مشقت اُٹھائی۔ خاصکر مسلمان تاجروں نے برخلاف اپنے ہم پیشہ عیسائی بھائیوں کے اس کام میں سب سے زیادہ شوق اور سرگرمی ظاہر کی۔ انجمن حمایت اسلام لاہور[3] کے ماہواری رسالہ میں ہندوستان کے داعیان اسلام کی ایک فہرست چھپی تھی جس میں کچھ لوگ تو سرکاری محکمہ نہروانیون کے محرر تھے۔ ایک صاحب اونٹ گاڑی کا کارخانہ کرتے تھے ایک اخبار کے اڈیٹر تھے ایک جلد ساز تھے اور ایک چھاپے خانہ میں کام کرتے تھے۔ یہ لوگ دن بھر تو اپنے اپنے کاروبار میں رہتے ہیں اور شام کو فرصت کے وقت ہندوستان کے کوچوں اور بازاروں میں اس نیت سے اپنے مذہب کا وعظ کرتے ہیں کہ عیسائیوں اور ہندوؤں کے مذہبی عقائد پر جرح قدح کر کے اُنمیں سے کسی نہ کسی کو مسلمان کرلیں۔

---

[1] قرح ابن اظہار بنی اسرائیل میں کا ایک شخص نامی تھا جو موسیٰ علیہ السلام کی مخالفت پر آمادہ ہوا اور حضرت موسیٰ کی طرح لوگوں کو موسوی دین میں شامل کرنیکے لیے مذہبی رسوم ادا کرنے لگا۔ اس گناہ کی سزا میں قرح ابن اظہار کو زمین نگل گئی۔ توریت گنتی - باب ۱۶ [2] جرغرنسے (۱) صفحہ ۸۔ لوتیکے (۲) صفحہ ۳۰۔ [3] انجمن حمایت اسلام کا ماہواری رسالہ (لاہور) (اکتوبر ۱۸۸۹ء) صفحہ ۵ - ۱۳-

مذہب اسلام کی یہ خصوصیت کہ عقل پر اسکا دارمدار ہے اور یہ کہ تبلیغ اسلام کو اس خصوصیت کی وجہ سے کیا نفع پہونچا ہی کہیں ایسی خوبی سے بیان نہیں ہی جیسے کہ پروفیسر مونتتے نے اسکو بیان کیا ہی۔ یہ پروفیسر لکہتا ہی کہ۔

"مذہب اسلام فی الواقع ریشنل اسٹک (یعنی عقلی) مذہب ہے خواہ اس لفظ کو (جو فلسفۂ یورپ کی اصلاح ہے) از روی لغت خیال کیا جاوے اور خواہ اُسکے تاریخی معنوں پر نظر کیجاوے کہ مختلف وقتوں میں اُسکے کیا معنی رہے ہیں۔ ریشنل ازم کی یہ تعریف کہ وہ ایک علم ہے جس میں مذہبی عقائد کا انحصار عقلی دلائل اور براہان پر ہو اسلام پر بالکل صادق آتا ہے۔ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) ایک پُرجوش شخص تھے اور ان میں ایمان اور یقین کی حرارت موجود تھی بلکہ یہ آخر قابل تعریف خوبی اُن کی اُمت میں بہی پیدا ہے۔ اور یہہ سچ ہے کہ اُنہوں نے جسقدر اصلاح کی اسکو وحی کی صورت میں ظاہر کیا۔ لیکن یہ وحی صرف بیان کا ایک طریقہ تھا اور پیغمبر خدا (صلی اللہ علیہ وسلم) کے مذہب میں ایک ایسے مجموعہ عقائد کا پتہ چلتا ہے جس کی بنیاد عقلی معلومات پر رکھی گئی ہے۔ مسلمانوں کے نزدیک اسلام سے عبارت ہے کہ خدا کو ایک مانا جاوے اور پیغمبر کی رسالت کا اقرار ہو۔ لیکن ہمارے (یعنی عیسائیوں) کے نزدیک جو بہت ٹھنڈے دل سے مسلمانوں کے مذہبی عقائد کی تحلیل و تجزی کرتے ہیں اسلام سے مراد خدا اور آیندہ زندگی کا یقین ہے۔ یہ دو اصول (یعنی توحید اور رسالت کا یقین) جو مذہبی عقائد کا بحد غایت اختصار ہیں اور ہر مذہبی آدمی کے لیے جنکا انحصار عقل کی راسخ بنیاد پر ہی تعلیم قرآن کا لب لباب ہیں۔ اس تعلیم کی سادگی اور صفائی فی الواقع وہ زبردست قوتیں ہیں جو مذہب اور مذہب کی ترقی اشاعت میں برابر عمل کر رہی ہیں۔ اس سے انکار نہیں ہوسکتا کہ بہت سے مسئلے اور اکثر توہمات باطلہ پیر پرستی سے لیکر تعویذ گنڈوں کے استعمال تک اسلام میں اس طرح پیدا ہو گئے ہیں جیسے درخت کے بڑے

سے بڑے ٹہنے میں پیوند لگادیا جاوے۔ اگرچہ پیغمبر خدا نے جن باتوں کی خود تعلیم فرمائی اُن کو ہر اعتبار سے ترقی ہوئی لیکن قرآن پاک مسلمانوں کا ہمیشہ ملجا و ماوا رہا ہے۔ اور یہ وہ کتاب ہے جس میں مسئلہ توحید ایسی نفاست اور پاکیزگی اور ایسے جلال اور جبروت اور کمال تیقن کے ساتھ بیان کیا گیا ہے کہ اسلام کے سوا کسی مذہب میں یہ مسئلہ اس سے بہتر طریقہ پر بیان نہیں ہے۔ غرض اس حقیقی اصول توحید پر مسلمانوں کی گرویدگی اور کلمہ توحید کی سادگی اور داعیانِ اسلام کا اسپر دل وجان سے یقین رکھنا وہ باتیں ہیں جن سے اشاعت مذہب میں مسلمانوں کی کامیابی کا حال کھلتا ہے۔ غرض جو مذہب ایسا ٹھیک اور استوار ہو اور جس سے دینیات کے دقیق اور مشکل مسائل اس طرح چھانٹ دیے گئے ہوں کہ معمولی عقل رکھنے والے بھی اُسکو سمجھ سکیں تو ضرور ہے کہ انسان کے ایمان پر اثر کرنے کی اس میں وہ زبردست قوت ہو جسکو ہم جانتے ہیں کہ یہ قوت اسلام میں موجود ہے"[1]۔

جسوقت نومسلم یہ سیدھا سادھا مذہب قبول کرلیتا ہے تو پھر ارکان اسلام اُسکو سکھائے جاتے ہیں۔ یعنی اوّل کلمہ شہادت کا اقرار دوسرے پانچ وقت کی نماز پڑھنا۔ تیسرے زکوٰۃ دینا چوتھے رمضان کے روزے رکھنا اور پانچویں حج [illegible] کرنا۔

حج کو رکن اسلام قرار دینے پر اکثر یہ اعتراض ہوا ہے کہ پیغمبر خدا کی تعلیم و توحید میں یہ رسم زمانۂ بت پرستی کی ایک عجیب یادگار ہے۔ لیکن اس اعتراض کے وقت یہ یاد رکھنا چاہیے کہ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے حج کعبہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی سنت تھی جنکے مذہب حنیف کو آپ از سرِ نو جاری کرنے کے لیے مبعوث ہوئے تھے[2]۔ لیکن حج میں سب سے بڑھکر بات یہ ہے اور یہیں سے دعوت اسلام کی تاریخ میں اُس کی وقعت بہت زیادہ

[1] ایڈوارڈ مونتے "عیسائی مذہب کی اشاعت و اسکے مخالف مسلمان" صفحہ ۱۷-۱۸ (پیرس ۱۸۹۰ء)

[2] قرآن سورہ (۲) آیت ۱۱۸-۱۲۶-

ہوجاتی ہے کہ اس کی وجہ سے ہر سال تمام قوموں کے مسلمان دنیا کے ہر ایک حصہ سے چلکر ایک جگہ یعنی کعبہ معظمہ میں جمع ہوتے ہیں اور یہ وہ مقدس مقام ہے کہ جسوقت یہ مسلمان اپنے اپنے وطن میں نماز کے لیے کھڑے ہوتے تھے تو یہی متبرک جگہ تھی جسکی طرف اُنکے منہ ہوتے تھے اعلیٰ سے اعلیٰ مذہبی ذہانت کی قدرت سے باہر تھا کہ مسلمانوں میں اخوت کا خیال پیدا کرنے کے لیے اور یہ بتانے کے لیے کہ سب مسلمان بھائیوں کا شعار یکساں رہنا چاہیے حج سے بہتر کوئی طریقہ ایجاد ہوسکتا۔ کعبہ وہ جگہ ہے کہ جہاں زمانۂ حج میں مغربی ساحل افریقہ کا نیگرو مسلمان ملک چین کے مسلمان سے ملتا ہے اور یورپ کا مہذب اور خلیق ترک اُس مسلمان بھائی کو پہچانتا ہے جو بحر ملایا کی حد مشرق میں کسی جزیرہ کا وحشی باشندہ ہے۔ علاوہ اسکے عید الضحیٰ کے دن (جسکو ٹرکی اور مصر میں بیرام کہتے ہیں)، تمام دنیا میں جہاں جہاں مسلمان ہیں اُنکے دل اون خوش قسمت مسلمان بھائیوں کے خیال سے خوش اور شاداں ہوتے ہیں جو آج حج سے فارغ ہو کر مکہ معظمہ میں جمع ہونگے۔ حج کے بعد اکثر مسلمانوں نے "راہ خدا میں کوشش کی" اور ہم لکھ چکے ہیں کہ حاجیوں نے دعوت اسلام کی ترقی میں کیا حصہ لیا۔

علاوہ حج کے زکوٰۃ کا دینا دوسرا رکن اسلام ہے جو مسلمانوں کو ہمیشہ یاد دلاتا ہے کہ انما المومنون اخوۃ[1] یہ ایک ایسا مذہبی اصول ہے جس کی پابندی مسلمانوں میں حد درجہ کیجاتی ہے اور جس کی وجہ سے بہت کم ایسا ہوتا ہے کہ نومسلم کے ساتھ مہربانی اور سلوک کا برتاؤ نہ کیا جائے[2] کوئی شخص کسی قوم اور رنگ کا ہو اور مسلمان ہونے سے پہلے اُسکے حالات کچھ ہی ہوں اسلام قبول کرتے ہی وہ مسلمانوں کی اخوت میں شامل کر لیا جاتا ہے اور اُسکو برابر والوں میں برابر والے کا سا درجہ ملتا ہے۔

---

[1] قرآن شریف سورۃ (۴۹) آیت ۱۰ [2] لیکن اگر کوئی کافر کسی مسلمان کا غلام ہے تو یہ کافر اسلام قبول کرنیکی وجہ سے حالت غلامی سے آزاد نہیں ہوسکتا جیسا کہ بعض یورپ کے مصنفوں نے لکھا ہے کیونکہ شریعت اسلام میں کسی غلام کا مسلمان ہو جانا اُسکی حالت غلامی پر کوئی اثر نہیں پیدا کرتا (دیکھو میکناٹن، اصول ادنظائر محمدن لا صفحہ ۲۱۲ (مدراس ۱۸۶۲ء)

اسی طرح مسلمان کرنے اور مسلمان رکھنے کے لیے نہایت موثر طریقہ پانچ وقت کی نماز کا حکم ہے۔ مورنی لسنگ[1] نے خوب کہا ہے کہ "جس دین میں بہت سے ارکان کی پابندی کا حکم ہو اسکو ایسے مذہب کے مقابلہ میں لوگ زیادہ عزیز رکھتے ہیں جس میں یہ بات نہو۔ انسان جن باتوں میں ہمیشہ مشغول رہتا ہے اُن پر ہمیشہ ثابت قدم رہتا ہے"۔ مسلمان کا مذہب ہر وقت اُسکے ساتھ ہے اور پنجوقتہ نماز کی صورت میں وہ ایسے مؤثر اور پر عبرت طریقہ پر ظاہر ہوتا ہے کہ نمازی اور تماشائی دونوں کے دل پر بغیر اثر پیدا کیے نہیں رہتا فرانس کے پروفیسر رینان نے لکھا ہے کہ "بغیر ایک دلی جوش اور کیفیت محسوس کیے میں کسی مسجد میں نہیں گیا بلکہ اجازت ہو تو یہ کہوں کہ میں جب کبھی کسی مسجد میں گیا تو مجکو اپنے مسلمان نہونے پر ایک خاص افسوس ضرور ہوا[2]۔ اگر رینان (جو پیرس کی یونیورسٹی کا مشہور و معروف پروفیسر ہوا ہے یہ الفاظ کہہ سکا تو پھر اس بات کا سمجھنا مشکل نہیں کہ افریقہ کے کافر جنگجو اور ادنیٰ درجہ کی مہذب قوموں کی طرح ہر چیز میں کوئی نہ کوئی اسرار پنہاں معلوم ہوتا ہے جسوقت افریقہ میں کسی مسلمان تاجر کو ایک بن دیکھے خدا کی عبادت میں رکوع و سجود کے ساتھ مصروف پاتے ہونگے تو اُنکے دل پر کیا اثر ہوتا ہوگا۔ تعجب و حیرت کے بعد تحقیق کا شوق پیدا ہوتا ہے اور اسلام کا وہ علم جو تحقیق کے بعد پیدا ہوتا ہے بعض صورتوں میں ایسے لوگوں کو مسلمان کر لیتا ہے جنکو اگر کوئی دوسرا شخص اپنی طرف سے اسلام سکھانا چاہتا تو وہ مسلمان نہوتے۔ رمضان کے روزوں کی نسبت صرف یہ کہنا کافی ہے کہ وہ (عیسائیوں کے) اس اعتراض کا پورا جواب ہیں کہ اسلام ایسا مذہب ہے جو نفس پرستی اور عشرت کے سامان دکھا کر لوگوں کو اپنی طرف کھینچتا ہے۔ کارلائل کا قول ہے کہ "پیغمبر خدا (صلعم) کا مذہب آسان مذہب نہیں ہے۔ اُس میں سخت روزے۔ نفاست اور پاکیزگی کے قواعد دشوار پیچیدہ مسائل۔ پانچ وقت کی نماز۔ شراب سے پرہیز موجود ہے اسلام کو

[1] ویسپرٹیڈ لوے دوسرا باب [2] امیر نسٹ رینان "اسلام اور سائنس" صفحہ ۱۹ (پیرس ۱۸۸۳ء)

اسوجہ سے ترقی نہیں ہوئی کہ وہ آسان مذہب تھا“

غرض ان احکام اور ارکان کا پابند ہو مگر نہ اسقدر کہ وہ گراں گذریں یا مذہب اُن کی وجہ سے تاریکی میں پڑجاوے مذہب اسلام کا اصول مسلمانوں کی زندگی اور شعار کو اپنا مظہر خارجی بناتا ہے اور اُن کی روزانہ زندگی کا ایسا جزو ہو جاتا ہے کہ ہر ایک مسلمان دوسروں کے حق میں اپنے دین کا معلم بن جاتا ہے۔ اور یہ بات ایسی ہے جو اکثر مذہبوں کے معتقدوں کو حاصل نہیں۔ مسلمانوں کا اصول مذہب ایسی مختصر عبارت اور سادی زبان میں بیان ہے کہ اُسکے سمجھنے کے لیے عقل پر بہت کم زور پڑتا ہے اور مذہب کے احکام ایسے ٹھیک ٹھیک اور صاف طور پر مقرر ہیں کہ کسی کو تعمیل احکام میں شبہ نہیں پڑتا کہ اُسکو کیا کرنا چاہیے۔ اور جب مذہب کے یہ فرائض ادا ہو جاتے ہیں تو ہر مسلمان کے دل کو اطمینان ہو جاتا ہے کہ جو کچھ خدا کے احکام تھے اُن سے وہ ادا ہوگیا۔ غرض مذہب کا عقل پر انحصار اور ارکان مذہب کا ٹھیک ٹھیک مقرر ہونا وہ چیزیں ہیں جن سے اسلام کی اُس قوت کا بھید کھلتا ہے جو عوام الناس کے دل پر اثر پہونچاتی ہے۔ کوئے نن نے لکھا ہے کہ اگر تم لوگوں کو بکثرت اپنے دین پر لانا چاہو تو حق بات کو پاک اور ستھری عبارت میں جو صاف نظر آوے اور جلد سمجھ میں آئے بیان کرو[1]“

علاوہ ان امور کے اور بہت سے حالات ہیں جو خاص خاص وقتوں اور ملکوں میں ایسے پیش آئے کہ وہ دعوت اسلام کی کامیابی اور ترقی کا باعث ہوئے۔ ان اسباب ترقی میں سے ایک سبب یہ ہے کہ ملک افریقہ اور دیگر غیر مہذب ملکوں میں مسلمان تاجروں کے ذریعہ سے اسلام کی اشاعت ہوئی۔ یہ ملک ایسے ہیں جہاں کے باشندے غیر ملکوں کے لوگوں سے بدظن رہتے ہیں۔ لیکن تاجروں کو یہ مشکل نہیں اُٹھانی پڑتی۔

---

[1] کوئے نن۔ قومی مذہب اور تمام عالم کے مذہب“ صفحہ ۳۵ (لندن ۱۸۸۲ء)۔

کیونکہ سب جانتے ہیں کہ ان کا پیشہ ایسا نہیں جس سے کسی کو ضرر پہونچے۔ علاوہ اسکے مسلمان تاجروں کو ان غیر مہذب لوگوں سے بخوبی واقفیت ہوتی ہے اور کاروبار تجارت میں خود ان تاجروں کا ایسا اعتماد لوگوں کو ہوتا ہے کہ جسوقت وہ افریقہ کی غیر مہذب قوموں میں پہونچتے ہیں تو سب لوگ اُنسے اچھی طرح ملتے ہیں اور وحشیوں کے دل سے وہ رکاوٹ اُٹھ جاتی ہے جو اجنبی لوگوں کے سامنے اُن کی طبیعت میں فطرتاً پیدا ہوتی ہے غرض مسلمان تاجروں کو اُن دقتوں اور دشواریوں کا سامنا نہیں ہوتا جو مشنری پیشہ پادریوں کو اُٹھانی پڑتی ہیں۔ ان مشنریوں کی نسبت ایسے ہی لوگوں کو سوءظن نہیں ہوتا جنکا دائرہ علم و عقل محدود ہے اور جن کی سمجھ میں نہیں آتا کہ محض لوگوں کو کسی مذہب کا پیرو بنانے کے لیے کوئی شخص دنیا کے سب دھندے چھوڑکر اسقدر دور دراز سفر کی مصیبتیں کس طرح اُٹھا سکتا ہے بلکہ یہ سوءظن مہذب قوموں کے دنیاداروں کو بھی ہوتا ہے جو مشنری کی ایمانداری کو اکثر شبہ کی نظر سے دیکھتے ہیں۔

لیکن ایسے ملکوں میں جہاں اسلام کو محکوم بنکر عاجزی ظاہر کرنے کی ضرورت نہیں ہوئی بلکہ وہ حکمراں قوم کا مذہب ہوا تو اُسکے حالات مختلف صورت میں نظر آئے۔ اور اس کتاب میں ہمنے ثابت کر دیا ہے کہ اسلام نے غیر مذہب کے ایسے لوگوں کے ساتھ صلح کل کا طریقہ رکھا اور اُن کو مذہبی آزادی دی جنہوں نے اپنی حفاظت کے معاوضہ میں جزیہ ادا کیا۔ گو مسلمانوں کی تاریخ کے صفحے اکثر ظلم کے ہنگاموں سے خون آلودہ ہیں لیکن بحیثیت مجموعی مسلمانوں کی سلطنت میں غیر مذہب کے لوگوں کو وہ مذہبی آزادی حاصل رہی جسکی نظیر یورپ میں بھی سوائے زمانہ حال کے کبھی موجود نہ تھی۔

جبراً مسلمان کرنے کی ممانعت خود قرآن شریف میں موجود ہے لَا اِكْرَاهَ فِي الدِّيْنِ (سورہ بقرہ ۲۵۷) اَفَاَنْتَ تُكْرِهُ النَّاسَ حَتّٰى يَكُوْنُوْا مُؤْمِنِيْنَ ٥ وَمَا كَانَ لِنَفْسٍ اَنْ تُؤْمِنَ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ (سورۂ یونس۔ آیت ۹۹ - ۱۰۰) غرض مسلمانوں کی سلطنتوں

میں عیسائی قوموں اور فرقوں کا صدہا برس سے آباد رہنا ہے اس بات کا صاف ثبوت ہے کہ اُن کو مذہبی آزادی اور سلامتی حاصل رہی اور ظاہر ہوتا ہے کہ وقتاً فوقتاً متعصب مسلمانوں کی طرف سے جو ظلم عیسائیوں کو اُٹھانے پڑے انکا باعث خاص خاص مقامی حالات ہوتے تھے نہ کہ مذہبی آزادی کے خلاف کوئی مقررہ اصُول مسلمانوں میں ایسا تھا جنکی وجہ سے یہ ظلم ہوئے۔[1]

ایسے دشوار وقتوں میں البتہ مقامی حالات کی وجہ سے مجبور ہو کر غیر مذہب کے بہت لوگ مسلمان ہوئے اور ایسے خاص خاص لوگوں کی نظیریں پیش ہو سکتی ہیں جنہوں نے خاص

---

[1] مثلاً متوکل باللہ کے زمانہ سے پہلے جو بہت سے فرقے مسلمانوں کے پیدا ہو گئے تھے اُنکے خلاف متوکل باللہ کے عہد میں جو سخت مخالفت پیدا ہوا اور سوائے سنیوں کے تمام فرقوں پر ظلم ہوئے۔ یا مثلاً تیرہویں صدی عیسوی کے قریب اختتام ایران اور ایشیا کی اور ملکوں میں مسلمانوں نے عیسائیوں سے اس بات کا انتقام لیا کہ قدیم مغل بادشاہوں کے زمانہ میں جب عیسائیوں کو عروج ہوا تھا تو اُنہوں نے مسلمانوں کی ہمیشہ توہین و تحقیر کی تھی (مقریزی ۔ ۲۱۔) توم ۱۔ پہلا حصہ صفحہ ۹۸ ۔ ۱۰۶) مصنف آسمانی نے جہاں (توم ۲) مسلمانوں کی سلطنت میں عیسائیوں پر سختیاں ہونیکا ذکر کیا ہے وہاں لکھا ہے کہ "اکثر ظلم کے طوفان خود عیسائیوں کی باہمی رقابت۔ پادریوں کی بدکاری اور عیسائی حاکموں کے غرور اور خاصکر عیسائی طبیبوں اور معتمدان کے منفاشات سے برپا ہوتے تھے جو اپنے ہمقوم عیسائیوں پر اختیارات حاصل کرنا چاہتے تھے صلیبی لڑائیوں کے زمانہ میں ملک شام کے عیسائیوں پر مسلمانوں کو اکثر اس بات کا شبہ ہوا کہ یورپ کے عیسائیوں کی فوجکشی میں وہ مددگار ہوتے ہیں اور زمانہ حال میں سلطنت ٹرکی سے یونان کو آزاد کرنیکی جو تحریک پیدا ہوئی اور اسکی وجہ سے یورپ کے عیسائیوں میں مذہبی ہمدردی کا جوش پیدا ہوا تو اس تحریک نے مسلمانوں کی محکوم عیسائی رعایا کی حالت بہت دشوار کردی۔ اگر ان عیسائیوں پر اپنے مسلمان بادشاہوں سے باغی اور سرکش ہونیکا شبہ نہوتا تو اُنکی حالت کبھی ایسی سخت نہوتی۔ رے گونے نے مذہبی آزادی دینے کے اصُول کے متعلق جو مسلمانوں میں موجود ہے بہت مضبوطی کے ساتھ اپنے خیالات ظاہر کیے ہیں اور لکھا ہے کہ "اگر ہم اصُول مذہب سے پولیٹکل ضروریات کو دور کر دیں جنہوں نے مذہب کا بھیس بدلکر اکثر زبان چلائی اور ہاتھ اُٹھایا ہے تو اسلام کی مثل کوئی دوسرا مذہب نہیں جو ایسا صلح کل ہو اور جو غیروں کو اسقدر مذہبی آزادی کا دینے والا بلکہ اُنکے ایمان سے مطلق بحث نہ رکھنے والا ہو۔ سوائے ایسی صورتوں کے کہ کسی سلطنت نے ملکی مصلحت سمجھکر اپنی رعایا میں ہر طریقہ سے اسلام پھیلانا چاہا ہو غیر مذہب کے لوگوں سے بحث نہ رکھنا مسلمانوں کی طبیعت کا ایسا خاصہ رہا کہ اسلام نے بدرجہ کمال مذہبی آزادی کے اصُول کو ہمیشہ اپنا دستور العمل رکھا ہم کو یہ نہیں چاہیے کہ محض اُن ظلموں اور سختیوں پر اپنی توجہ کو محدود رکھیں جو کہیں کہیں پیش آئیں کیونکہ اگر ہم غور اور تجسس کی نظر سے دیکھیں گے تو فوراً معلوم ہو جائیگا کہ صرف پولیٹکل ضروریات یا محض کسی بادشاہ یا قوم کی خاص طبیعت اور مزاج کی وجہ سے یہ سختیاں ہوئیں۔ مذہب کو ایسے موقعوں پر صرف حیلہ بنایا گیا مذہب کے احاطہ سے یہ ظلم بالکل خارج تھے" رگونو ۱۱ صفحہ ۲۴ ۔ ۲۵ ۔

موقعوں پر مجبوری اسلام قبول کرنا گوارا کیا لیکن جبر و اکراہ سے غیر مذہب کے لوگوں کو مسلمان کرنے کا حکم قرآن یا شریعت میں کہیں موجود نہیں ہے۔ قرآن شریف کی وہ آیات جن میں جبراً مسلمان کرنے کی ممانعت ہے اور جن میں صرف وعظ و نصیحت کو اشاعت دین کا ذریعہ قرار دیا ہے اس کتاب کے پہلے باب میں نقل کی گئی ہیں اور علمای فقہ کے فیصلوں میں بھی اسی اصول کی پابندی ہوئی ہے۔ چنانچہ جسوقت موسیٰ میمونا دیز یہودی نے سلاطین اسپین المرابطین کے متعصبانہ عہد میں بظاہر اسلام قبول کرلیا۔ اور پھر مصر کو بھاگ کر وہاں اپنے تئیں یہودی بتایا تو اسپین کے ایک مفتی نے موسیٰ پر فتویٰ کفر جاری کیا اور چاہا کہ اوسکو شرع کے مطابق سخت سے سخت سزا ملے۔ لیکن جسوقت یہ مقدمہ قاضی الفاضل[1] کے اجلاس میں پیش ہوا تو اُسنے فیصلہ کیا کہ جو شخص بجبر مسلمان کیا گیا ہو اُسکو مسلمان نہیں کہہ سکتے[2]۔ اسی اصول کی تائید میں ایران کے بادشاہ غازان (سنہ ۱۲۹۵-۱۳۰۴ء) کو جسوقت معلوم ہوا کہ اُسکے آغاز عہد میں بُدھ مذہب کے جو عالم بظاہر مسلمان ہو گئے تھے اور اُنکے مندر مسمار کر دیے گئے تھے وہ ایران سے تبت کو واپس جانا چاہتے ہیں تو سلطان غازان نے اُنکو تبت جانے کی اجازت دیدی تاکہ بُدھ مذہب کے لوگوں میں پہنچکر وہ آزادی کے ساتھ پھر اپنے قدیم مذہب کے پابند ہو جاویں[3]۔ تادرنیر نے اسی قسم کا ایک واقعہ اصفہان کے چند یہودیوں کا بیان کیا ہے جن پر حاکم اصفہان نے ایسے ظلم کیے کہ "یا تو بجبر یا چالاکی سے ان یہودیوں کو اُسنے مسلمان کرلیا۔ لیکن بادشاہ یعنی شاہ عباس ثانی نے (سنہ ۱۶۴۲-۱۶۶۷ء) یہ دیکھکر کہ ان یہودیوں نے خوف یا زبردستی سے اپنا مذہب ترک کیا ہو اُن کو اجازت دیدی کہ وہ موسوی دین پھر اختیار کریں اور امن و امان کے ساتھ ملک میں آباد رہیں[4]۔ تادرنیر سے پہلے کا ایک سیاح[5] جسنے سنہ ۱۴۷۵ء

[1] قاضی الفاضل ابو علی عبدالرحمن (سنہ ۱۱۳۵-۱۲۰۰ء) قضات میں سب سے بڑا نامور شخص ہوا ہے۔ سلطان جلال الدین کا وزیر تھا۔ دیکھو ابن خلکان دوسری جلد صفحہ ۱۱۱۔ ۱۱۵ [2] ابو الفرج (۲) صفحہ ۴۵۵ [3] دہوسن چوتھی جلد صفحہ ۱۰۸ [4] تادرنیرن (۱) صفحہ ۱۶۰ [5] راموسنو دوسری جلد صفحہ ۱۱۱۔

میں فارس کا سفر کیا لکھتا ہے کہ باوجود ایسے زمانہ کے کہ ملک میں ہر طرف شورش تھی تبریز کے ایک مسلمان گورنر نے اسی قسم کے ایک ہنگامہ کو فرو کیا۔ واقعہ یہ تہا کہ ایک دن شہر تبریز کا ایک ارمنی سوداگر اپنی دکان میں بیٹھا تھا کہ ایک حاجی[1] اُسکے پاس آیا اور کہا کہ وہ عیسائی مذہب چھوڑکر اسلام قبول کرے۔ سوداگر نے اپنے مذہب پر ثابت قدم رہنے کا قصد ظاہر کیا اور پیچھا چھوڑانے کے لیے اُسکو کچھ خیرات دینے لگا۔ حاجی نے کہا کہ میں خیرات نہیں مانگتا بلکہ اُسکو مسلمان کرنے آیا ہوں۔ سوداگر مسلمان ہونے سے انکار کرتا رہا یہانتک کہ حاجی کو سخت غصہ آیا اور قریب ایک شخص کھڑا تھا اُسکے ہاتھ سے تلوار چھین کر اُسنے سوداگر کے سر پر کاری زخم پہونچایا اور بھاگ گیا۔ اور حاکم شہر کو جب اس واقعہ کی خبر لگی تو اُسکو بہت غصہ آیا اور حکم دیا کہ قاتل کو تلاش کرکے گرفتار کریں۔ غرض قاتل گرفتار ہوکر حاضر کیا گیا اور شہر کے حاکم نے اپنے ہاتھ سے خنجر مارکر اُسکو ہلاک کیا اور یہ کہکر کہ "محمد کے دین کی اشاعت اسی طریقہ سے ہوتی ہے" حکم دیا کہ قاتل کی نعش کو شہر کے باہر پھینک دیا جائے تاکہ اُسکو کُتّے کھائیں۔ جب رات ہوئی تو شہر والوں نے جاکر نعش کو دفن کر دیا۔ اس توہین حکم پر حاکم تبریز کا غصہ اور بڑہا اور اُسنے شہر کو تین یا چار گھنٹہ تک سپاہ کے حوالے کر دیا۔ اُسکے بعد لوگوں پر جرمانہ کیے اور مقتول عیسائی سوداگر کے بیٹے کو بلاکر نہایت مہربانی اور شفقت کے الفاظ سے اسکو تشفی اور تسلی دی۔

حاکم باللہ (۹۹۶-۱۰۲۰ء) جیسے خبطی خلیفہ نے بھی جسکے ظلموں سے اکثر یہودی اور عیسائی اپنا مذہب چھوڑکر مسلمان ہوگئے تھے اُن کو پھر اپنا مذہب اختیار کرنے اور برباد عبادتخانوں کو ازسرِنو تعمیر کرنے کی اجازت دیدی[2] چونکہ مشرقی ملکوں کے عیسائیوں کی طرف سے یورپ کے

[1] اس قدیم سیاح نے آزی کا لفظ لکھا ہے جس سے غالباً حاجی مراد ہوگی [2] المکین صفحہ ۲۶۰۔ اس واقعہ سے ایک صدی پہلی مقتدر باللہ (۹۰۸-۹۳۲ء) نے حکم دیا کہ فلسطین میں مسلمانوں کے ہنگاموں سے جو گرجا برباد ہوگئے تھے وہ پہر تعمیر کرائے جائیں ان ہنگاموں کا کوئی سبب نہیں بتایا گیا۔ اوٹیکیوس توم ۲۔ صفحہ ۵۱۳-۵۱۴) ابو صالح نے لکھا ہے کہ مصر میں عیسائیوں کی اکثر خانقاہیں اور اُنکا کر گرجا جنکو ڈاکہ کے زمانہ میں مثلاً ۱۱۶۴ء میں گزاور کردوں کی فوجکشی کے وقت مسلمانوں (صفحہ ۹۱ و ۹۲ و ۱۱۳ و ۱۲۰) یا متعصب لوگوں۔ دیکھو صفحہ (۴۴۹)

عیسائی بالکل غافل تھے اور مشرق کے عیسائیوں کے پاس اپنی حفاظت اور بچاؤ کا کوئی سامان نہ تھا اس لیے مسلمان بادشاہوں میں سے کوئی بڑا بادشاہ اگر چاہتا تو بہت آسانی سے اپنی عیسائی رعایا کو نیست و نابود کر دیتا یا اپنی سلطنت سے انکو اس طرح نکال دیتا جس طرح اسپین کے عیسائیوں نے مسلمانوں کو اسپین سے نکالدیا جس طرح انگریزوں نے چار سو برس تک اپنے ملک سے یہودیوں کو جلاوطن رکھا چنانچہ ۱۵۱۶ء میں سلطان سلیم اول اور ۱۶۴۶ء میں سلطان ابراہیم اپنے اُن منصوبوں کو عمل میں لاسکتے تھے جو انہوں نے عیسائی رعایا کو غارت کرنے کیلیے سوچے تھے۔ بلکہ سلطان سلیم نے تو اس غرض سے کہ سلطنت میں کل رعایا ایک ہی مذہب کی پابند ہو جائیں ہزار شیعوں کو قتل کر ڈالا تھا۔ لیکن مفتیوں نے عیسائیوں کے متعلق ان بادشاہوں کو اس ظالمانہ قتل سے باز رکھا اور یہی مفتی اسلامی شریعت اور اسلامی طریق صلح کل کے بتانے اور سکھانے والے تھے۔[۱]

سترھویں صدی عیسوی کے شروع میں جرمنی میں اس اصول کو بہت پسند کیا جاتا تھا کہ " جس کا ملک ہو اُسی کا دین ہو " یعنی رعایا کا مذہب بادشاہ کی مرضی پر موقوف ہونا چاہیے؛ لیکن مسلمان بادشاہوں میں سے کسی نے اس اُصول کو اپنا دستور العمل نہیں بنایا۔ گو یہ ظاہر ہے کہ جس وقت کسی ملک میں مذہب اسلام کسی فرمان روا قوم کا مذہب ہوا تو اس بات نے نومسلموں کی تعداد میں ضرور ترقی پیدا کی۔ اور جن لوگوں پر مذہب کو پوری قدرت حاصل نہ تھی شاید اُن کو دنیا کا لالچ ہوا ہو اور بجائے نیک نیتی کے خود غرضی اور حُب جاہ اُن کے تبدیل مذہب کا موجب ہوا ہو چنانچہ پانچویں صدی میں سینٹ اگستین نے خود عیسائیوں کی نسبت یہ شکایت لکھی کہ لوگ

---

[۱] دے لا جونقیر صفحہ ۲۰۳ و ۲۱۳ و ۲۱۲ و ۳۱۲ سشار دیریانہ جنگ سی سالہ کی تاریخ " توم (۲۱) صفحہ ۶۲۵-۶۲۸ (پیرس ۱۸۰۸ء)

اس خیال سے اکثر عیسائی ہو جاتے ہیں کہ عیسائی ہونے سے اُن کو دنیا کا فائدہ ہوگا سینٹ اگستین نے لکھا ہو کہ "کس قدر لوگ ہیں جو صرف دنیا کے لیے مسیح علیہ السلام کو تلاش کرتے ہیں۔ ایک ہو کہ اُس کا کوئی کام اٹکا ہوا ہے اور وہ پادریوں کی مدد چاہتا ہو۔ دوسرا ہے جس کو کسی زبردست نے ستایا ہو اور وہ کلیسا میں پناہ لیتا ہے۔ کوئی شخص اس لیے آیا ہو کہ اُس کے معاملہ میں کسی بڑے آدمی سے جس تک اُس کی رسائی نہیں ہو سفارش کر دی جاوے۔ غرض ایسے ہی لوگ ہیں جن کا کلیسا میں ہجوم رہتا ہو"[1]

اسکے علاوہ عروج کے زمانہ میں سلطنتِ عرب کے جاہ وحشم نے وحشی اور غیر مہذب قوموں پر جو اس شان وسطوت[؟] کو دیکھ رہی تھیں ایسا ہی سحر اور افسوں کیا ہو گا جیسا کہ عیسائی مذہب نے شمالی یورپ کی وحشی قوموں پر اثر کیا تھا جبکہ "عیسوی مذہب ان وحشیوں کو ہر جگہ نظر آتا تھا اور وہ بہت ترقی یافتہ اور دقیق مذہب معلوم ہوتا تھا شاہانہ تجمل اور دبدبہ اُس میں پیدا تھا بادشاہوں کے پہلو میں وہ تخت نشین تھا۔ بلکہ بعض دفعہ ان بادشاہوں کے تخت حکومت سے بھی اُس کا سریر سلطنت بلند ہوتا تھا"[2]

لیکن جن لوگوں نے ایک مذہب چھوڑ کر دوسرا مذہب اختیار کیا ہو خواہ اُس میں اسلام ہو یا کوئی اور دین اُن سب لوگوں کی نسبت یہ کہنا کہ بُری نیت اور بُری غرض سے اُنھوں نے تبدیل مذہب کیا درست نہیں ہو اور نہ یہ مناسب ہو کہ داعیان اسلام کی نیک زندگی اور عمدہ شعار اور مسلمانوں کی نیکیوں سے غیر مذہب کے لوگوں پر جو سچا مذہبی اثر ہوچکا اُس کو نظر انداز کیا جاوے۔ اگرچہ یورپ کی موجودہ عیسائی

---

[1] یوحنا کی انجیل پر رسالہ صفحہ ۲ فقرہ ۱۰۔ [2] میروال "شمالی اقوام یورپ کا عیسائی مذہب قبول کرنا" صفحہ ۱۰۲ (لندن ۱۸۶۶ء)

نسلوں کو جنکے نزدیک اسلام ہر قسم کی (نعوذ باللہ) برائیوں اور خباثتوں کا مرقع ہی یہ بات عجیب معلوم ہوگی۔ لیکن حقیقت یہ ہو کہ قدیم زمانہ میں جن عیسائیوں کو مسلمانوں کی سوسائٹی میں رہنے کا اتفاق ہوا اُن کے دل پر مسلمانوں کی خوبیاں نقش ہوگئیں۔ اگر یورپ کے عیسائی سیاح اور اجنبی لوگ مسلمانوں کی نیکیوں اور خوبیوں سے متاثر ہوئے تو بلاشبہ اُن غیر مذہب کے لوگوں میں بھی جو رات دن مسلمانوں میں رہتے تھے اسلام قبول کرنیکا کچھ نہ کچھ شوق ضرور پیدا ہوا ہوگا۔ تیرہویں صدی عیسوی کے قریب ختم فرقہ عیسائی دومانکین کے ایک مشنری ریکولدوس نامی نے شام اور فلسطین کا سفر کرکے وہاں اپنے مذہب کی اشاعت چاہی تو ذیل کی عبارت میں اُس نے مسلمانوں کی تعریف لکھی "ہم یہ دیکھ کر حیران رہ گئے کہ مسلمانوں کے مذہب کفر (نعوذ باللہ) میں کس کمال درجہ کی نیکیاں موجود ہیں۔ اب ہم مسلمانوں کی نیک باتوں اور کاموں کو مختصر طور پر بیان کرتے ہیں...... کون شخص ایسا ہوگا جو غور سے دیکھے اور اُس کو تعجب نہ ہو کہ مسلمانوں کو تحصیل علم کا کس درجہ شوق ہی کس دل و جان سے وہ خدا کی عبادت کرتے ہیں محتاجوں کے ساتھ کیسے فیاض ہیں۔ خدا اور انبیاء کے نام کی کیسی عظمت کرتے ہیں۔ آثار مقدسہ کا اُن میں کسقدر ادب کیا جاتا ہی۔ اُن کی باتوں میں کس قدر متانت اور سنجیدگی ہی۔ اجنبی لوگوں کے ساتھ وہ کسقدر سلوک کرتے ہیں اور مسلمان مسلمان کے ساتھ کیسی الفت اور محبت رکھتا ہی[۱]"۔ اسی قسم کی تعریفیں عیسائی سیاحوں کی کتابوں میں بھی بار بار بیان ہوئی ہیں۔ مشہور سیاح سرجان ماندویل نے لکھا ہی کہ "مسلمان نیک اور ایماندار ہیں۔ وہ اپنے صحیفۂ پاک یعنی قرآن کے نہایت پابند ہیں جس کو خدا نے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) پر اُتارا اور حضرت جبریل خدا کا حکم اکثر اُن پر ظاہر کرتے تھے[۲]"۔ صلیبی لڑائیوں کے زمانہ میں عیسائیوں نے جو کتابیں لکھیں وہ بھی اسلامی خوبیوں اور نیکیوں کی تعریف سے مالامال ہیں۔ اور یورپ میں جس وقت ترکوں کی

[۱] لورن صفحہ ۱۳۱ [۲] ماندویل صفحہ ۱۳۹۔

سلطنت قائم ہوئی تو شروع شروع میں اکثر عیسائیوں نے ترکوں کی تعریف و توصیف کا فرض ادا کیا جس کا حال ہمنے اس کتاب کے باب ششم میں لکھا ہی۔

جن اسباب سے اسلام کی اشاعت میں ترقی ہوئی وہ اوپر بیان کر دیئے گئے ہیں۔ ان میں بعض سبب ایسے ہیں جو ابھی تک اسلام کی ترقی کا موجب ہیں۔ لیکن ان اسباب کے علاوہ آج کل دنیا میں اسلام کی ترقی اور اشاعت کے دو مستند ذریعے اور بھی ہیں۔ پہلا ذریعہ تو یہ ہی کہ مسلمانوں میں شعار اسلام کو زندہ کرنیکی تحریک شروع ہوئی جس کی ابتدا گذشتہ صدی کے اخیر میں فرقۂ وہابیہ کے پیدا ہونے سے ہوئی۔ اگرچہ وہابیوں کی ملکی قوت نجد کی حدود سے باہر جلد زائل ہوگئی لیکن مذہبی اعتبار سے اس فرقہ کا اثر افریقہ اور ہندوستان اور جزائر ملایا میں آج کے دن تک موجود ہی۔ اور اُس کی وجہ سے متعدد اسلامی تحریکیں ایسی پیدا ہوتی رہی ہیں جن کا اثر نہایت قوت کے ساتھ کل اسلامی دنیا پر پہنچا۔ ہم اس کتاب میں لکھ آئے ہیں کہ موجودہ زمانہ میں جن اسلامی فرقوں نے اشاعت دین میں خاص کوششیں صرف کیں اُن کو اصلاح مذہب کی اس تحریک سے کس قدر قریب کا واسطہ رہا ہی۔ غرض اسلام کی حمیت اور مذہبی تعلیم و تربیت کا چرچا اور علم دین کا شوق اور ارکان مذہب کی جو پابندی اس طرح پیدا ہوئی اُس نے مسلمانوں کے دل میں اسلام کی ترقی اشاعت کے اُس شوق کو جو فطرتاً اُن میں موجود ہی پھر زندہ کیا اور وہ اب تک زندہ ہی۔

اصلاح مذہب کی تحریک کے ساتھ ساتھ ایک اور تحریک مسلمانوں میں پیدا ہوئی جو بالکل مختلف قسم کی ہی۔ اور ان دونوں میں فرق یہ ہی کہ تحریک اول یورپ کی تہذیب و تمدن کے خلاف ہے۔ اور دوسری تحریک موجودہ زمانے کے مغربی خیالات کو پسند کرتی ہی اور اسلام کو ان ہی خیالات کے پیرایہ میں ظاہر کرنا چاہتی ہی

جو مسلمان اس تحریک کے معاون ہیں اُن کا مقصد یہ ہو کہ مسلمانوں کی تمام قومیں متحد و متفق ہو جاویں اور سلطان ٹرکی کو اپنا خلیفہ تسلیم کریں۔ اگرچہ اس تحریک کو وہ وقعت حاصل نہیں ہو جو تحریک اول کو ہو لیکن اس کے حامیوں کا طرزِ خیال ایسا ہی جس سے اس کی اشاعت میں مدد ملتی ہو۔ اور اس شوق میں کہ اخوت المومنین کے اصول کو حقیقی اور مادی صورت میں کسی طرح دیکھ لیں اُن کے مذہبی خیالات پر بہت عمدہ اثر پڑ جاتا ہو اور یہ خیال کہ سب اہلِ اسلام ایک ہو جاویں گے اور تمام کلمہ گو قوموں کا ایک سا شعار ہوگا ان مسلمانوں کے دلوں کو تقویت بخشتا ہے اور اُن کو ہمت ہوتی ہے کہ منکرین اسلام کے سامنے اپنے مذہب کے فضائل بیان کریں۔

اب رہی یہ بات کہ ان دونوں اسلامی تحریکوں کی وجہ سے اسلام کی اشاعت پر کیا اثر ہوگا تو اس کا حال صرف آیندہ زمانہ میں کھُل سکتا ہو لیکن آج کل دعوت اسلام میں جو سرگرمی ان دو تحریکوں سے ظاہر ہو رہی ہے وہ اس بات کا ثبوت ہے کہ اسلام (خدانخواستہ) مردہ نہیں ہے۔ اسلام کی روحانی قوت ملک اور سلطنت پر منحصر نہیں ہے جیسا کہ اکثر لکھا گیا ہے۔ بلکہ ملکی قوت اور دنیوی ثروت کے نقصان نے اسلام کی وہ خوبیاں زیادہ نمایاں کر دی ہیں جو کسی مذہب کی اشاعت میں ترقی کا سب سے بہتر ذریعہ ہو سکتی ہیں۔ مسلمانوں نے بد اقبالی سے عقل اور بہت سے گُن سیکھ لیے ہیں اور بجائے اس کے کہ دنیوی جاہ و ثروت کا نہ ہونا مذہب اسلام کے زوال کی دلیل ہو یہ امر غور کے قابل ہے کہ اُن ملکوں میں جو عرصہ دراز سے عیسائیوں کے تسلط میں ہیں دعوت اسلام میں نہایت کوشش اور جستجو کیجاتی ہے

لہ فریڈرک ڈینیسن موریس نے کسی موقع پر یہ فقرہ کہا تھا کہ "ثابت ہو گیا ہو کہ اسلام صرف ایسے وقت ترقی کر سکتا ہو جبکہ وہ ملک گیری کے درپے ہو"۔ یہ فقرہ ایک نہایت عامیانہ خیال کو ظاہر کرتا ہو جو اسلام کی نسبت عیسائیوں میں بہت رائج ہو۔ (دنیا کے مذاہب صفحہ ۱۲۸ مطبوعہ کیمبرج ۱۸۵۲ء)۔

ہندوستان اور جزائر ملایا کے مسلمانوں میں دعوت کا وہ جوش وخروش ہے کہ ٹرکی اور موراکو میں اُس کو تلاش کرنا فضول ہی۔

باب الخاتمہ



ضمیمۂ اوّل

جہاد

قطع نظر اور اعتراضوں کے اگر صرف اس اعتراض پر نظر کی جاوے جو اسلام کی نسبت عموماً کیا جاتا ہے کہ یہ مذہب تلوار کے زور سے پھیلایا گیا اور سچّا داعی اسلام وہی ہی جس کے ایک ہات میں تلوار ہو اور دوسرے میں قرآن اور وہ ان دونوں میں سے ایک کی اطاعت قبول کرائے تو ظاہر ہے کہ دعوتِ اسلام کی کوئی تاریخ اُس وقت تک مکمل نہیں تصور ہو سکتی جبتک کہ اُس کے ساتھ جہاد کا ذکر نہ ہو جس کا ترجمہ بالعموم مذہبی لڑائی سے کیا گیا ہے۔ اسلام کی اشاعت کی نسبت اس قسم کے بیانات کا ناقص ہونا اُن حالات سے جو اس وقت تک اس کتاب میں لکھے گئے ہیں ثابت ہو گیا ہو گا اب ہمکو یہ دکھانا باقی ہی کہ کیا قرآن سے کسی کے مذہب کو جبراً تبدیل کرنے کا حکم ملا ہی۔ کیا قرآن کی تعلیم مسلمانوں کو حکم دیتی ہی کہ وہ مسلح ہو کر اور لڑکر اپنا دین پھیلائیں یعنی مختصر یہ کہ مذہب اسلام مشنری (تبلیغی) مذہب ہی یا نہیں۔

قرآن میں کہیں کوئی عبارت ایسی نہیں ہی جو کسی طرح جبراً تبدیل مذہب کا حکم دیتی ہو برخلاف اسکے بہت سی آیتیں ایسی موجود ہیں جن سے داعیانِ مذہب کی کوششیں وعظ و نصیحت کی حد تک محدود کر دی گئی ہیں۔ علاوہ اس کے یہ بھی دعویٰ کیا گیا ہی کہ قرآن کی کسی آیت سے نہیں نکلتا کہ کافروں پر بغیر اس کے کہ خود کافر مسلمانوں کو حملہ کرنے پر مجبور کریں حملہ کیا جاوے۔ پس اسوجہ سے آنحضرت کی جس قدر لڑائیاں تھیں وہ اقدامی نہ تھیں بلکہ دفاعی تھیں۔

یہ بھی کہا جاتا ہی کہ لفظ جہاد کے جو معنے غیر مومنین کے ساتھ لڑائی کرنے کے عام طور پر لیے جاتے ہیں۔ اور رواج پا گئے ہیں یہ قرآن شریف کے نازل ہونیکے بعد تراشے گئے ہیں۔ اور یہ کہ جن آیتوں میں یہ لفظ یا اُس کے مشتقات آئے ہیں اُن کے وہی معنے لینے چاہئیں جو قرآن شریف کے نازل ہونے سے پہلے لیے جاتے تھے۔ فعل مجرد جہد کے معنے ہیں کوشش کرنا۔ محنت کرنا۔ مشقت کرنا۔ زور لگانا۔ توجہ کے ساتھ کام کرنا۔ یا زیادہ مطالعہ کرنا۔ محنت کے ساتھ کام کرنا۔ غرض کسی قسم کے کام میں کوشش کرنے کو ظاہر کرتا ہی یہاں تک کہ دودھ بلونے اور کھانا کھانے کیلیے بھی استعمال کیا جاتا ہی۔ باب افعال میں (اجہد) سخت قسم کھانے کے معنی میں بھی آتا ہی اور اگر کسی چیز کی نسبت بولا جائے تو اُس کے معنی بڑھنے اور پھیلنے کے ہو جاتے ہیں باب افتعال (اجتہد) کی صورت میں اگر اُس کے معنی ہو جاتے ہیں "صحیح رائے قائم کرنے کیلیے کوشش کرنا"۔ چنانچہ اُس کے مصدر اجتہاد کے معنی ہیں "کسی مقنن یا فقیہ کا قانون یا فقہ کے کسی مسئلہ کی نسبت رائے قائم کرنیکے لیے دماغی قوتوں کو بدرجۂ غایت کام میں لانا"۔ اور لفظ جہاد کے معنے ہیں "غیر مطبوع چیز کا مقابلہ کرنیکے لیے قوت۔ کوشش۔ سعی۔ یا لیاقت کو بدرجۂ غایت کام میں لانا"۔ پس جو حال جہاد کے مصدر اور مشتقات کا اوپر بیان کیا گیا اُس سے صاف ظاہر ہی کہ بذاتہ اُس میں کوئی بات ایسی نہیں ہے۔ جس سے لڑائی اور جنگ کے معنی لیے جاویں۔ بلکہ خاص خاص معنی جو وہ اختیار کرتا ہی وہ صرف مضمون اور فحوائے کلام سے ظاہر ہو سکتے ہیں۔

ہم ذیل میں وہ تمام آیات نقل کرتے ہیں جس میں لفظ جہاد یا اُس کے مشتقات آئے ہیں اور آیات کو اوقات نزول کی ترتیب سے نقل کرتے ہیں۔

وَلَوْ شِئْنَا لَبَعَثْنَا فِيْ كُلِّ قَرْيَةٍ نَّذِيْرًا ۝ فَلَا تُطِعِ الْكٰفِرِيْنَ وَجَاهِدْهُمْ بِهٖ جِهَادًا كَبِيْرًا ۝ (الفرقان۔ آیت ۵۲-۵۴)۔

ترجمہ اور اگر ہم چاہتے تو ہر بستی سے ایک ڈر سنانے والا اُٹھاتے (اے پیغمبر) تم کافروں کا کہا نہ مانو اور قرآن (کی دلائل) سے اُن کا مقابلہ کرو۔

(ان دو آیتوں سے صاف ظاہر ہی کہ یہاں وعظ و نصیحت کے ذریعے سے کوشش کرنی مراد ہی کیونکہ یہ آیتیں مکہ میں نازل ہوئی تھیں اور جہاد کے معنی یہاں لڑائی یا جنگ کے لینے جس قدر مہمل ہیں اُسی قدر غیر واضح ہیں۔)

وَ اَقْسَمُوْا بِاللّٰهِ جَهْدَ اَيْمَانِهِمْ ۔ (النحل - آیت ۴۰) (ترجمہ) اور انہوں نے اللہ کی قسم کھائی اپنی سخت قسم۔

مَنْ كَفَرَ بِاللّٰهِ مِنْ بَعْدِ اِيْمَانِهٖۤ اِلَّا مَنْ اُكْرِهَ وَ قَلْبُهٗ مُطْمَئِنٌّۢ بِالْاِيْمَانِ (النحل - آیت ۱۰۸) (ترجمہ) جو شخص کفر پر مجبور کیا جاوے اگر اُس کا دل ایمان کی طرف مطمئن ہو اُس سے کچھ مواخذہ نہیں۔

ثُمَّ اِنَّ رَبَّكَ لِلَّذِيْنَ هَاجَرُوْا مِنْۢ بَعْدِ مَا فُتِنُوْا ثُمَّ جٰهَدُوْا وَ صَبَرُوْۤا اِنَّ رَبَّكَ مِنْۢ بَعْدِهَا لَغَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝ النحل - آیت ۱۱۱ (ترجمہ) جو لوگ مبتلائے مصیبت رہے پیچھے گھر بار چھوڑے پھر جہاد (کوششیں) کیے تکلیفوں پر صبر کیا (اے پیغمبر) تمہارا پروردگار بیشک تمہارا پروردگار ان (سب امتحانوں) کے بعد البتہ بخشنے والا مہربان ہی۔

(آیت ۱۰۸ میں اُن مصیبتوں کی طرف اشارہ ہی جو مسلمانوں کو ابتدا میں اُٹھانی پڑیں اور آیت ۱۱۱ میں حبشہ کی طرف مسلمانوں کی ہجرت سے مراد ہے۔ ان مسلمانوں کا جہاد وہ محنتیں اور مشقتیں تھیں جو لوگوں کے ظلم اور جلاوطنی کی وجہ سے اُن کو اُٹھانی پڑی تھیں)

وَ مَنْ جٰهَدَ فَاِنَّمَا يُجَاهِدُ لِنَفْسِهٖ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَغَنِيٌّ عَنِ الْعٰلَمِيْنَ (العنکبوت آیت ۵) (ترجمہ) اور جو محنت اُٹھاتا ہی وہ اپنے ہی لیے محنت اُٹھاتا ہی ورنہ خدا تو (دنیا جہان کے) سب لوگوں سے بے نیاز ہی۔

وَوَصَّيْنَا الْاِنْسَانَ بِوَالِدَيْهِ حُسْنًا ؕ وَاِنْ جَاهَدٰكَ لِتُشْرِكَ بِيْ مَا لَيْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ فَلَا تُطِعْهُمَا ؕ اِلَيَّ مَرْجِعُكُمْ فَاُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ○ (العنکبوت آیت)

(ترجمہ) اور ہم نے انسانوں کو اپنے ماں باپ کے ساتھ اچھا برتاؤ کرنے کا حکم دیا ہے اور اگر ماں باپ تیرے درپے ہوں کہ تو کسی کو ہمارا شریک ٹھہرائے جس کی تیرے پاس کوئی معقول دلیل نہیں تو اُن کا کہنا نہ ماننا۔

وَالَّذِيْنَ جَاهَدُوْا فِيْنَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا ؕ وَاِنَّ اللّٰهَ لَمَعَ الْمُحْسِنِيْنَ ○

(العنکبوت آیت ۶۹) (ترجمہ) اور جن لوگوں نے ہمارے کاموں میں کوششیں کیں ہم بھی اُن کو ضرور اپنے رستے دکھائیں گے اور کچھ شک نہیں کہ اللہ ان کا ساتھی ہے جو نیک کام کرتے ہیں۔

وَاِنْ جَاهَدٰكَ عَلٰٓى اَنْ تُشْرِكَ بِيْ مَا لَيْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ فَلَا تُطِعْهُمَا

(لقمان آیت ۱۴) (ترجمہ) اگر تیرے ماں باپ تجھ کو اسپر مجبور کریں کہ تو ہمارے ساتھ کسی کو شریک بنائے جس کی تیرے پاس کوئی دلیل نہیں ہے تو اُن کا کہنا نہ مانو۔

وَاَقْسَمُوْا بِاللّٰهِ جَهْدَ اَيْمَانِهِمْ (فاطر۔ آیت ۴۰۔)

وَاَقْسَمُوْا بِاللّٰهِ جَهْدَ اَيْمَانِهِمْ (الانعام - ۱۰۹)

اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَالَّذِيْنَ هَاجَرُوْا وَجَاهَدُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۙ اُولٰٓئِكَ يَرْجُوْنَ رَحْمَتَ اللّٰهِ ؕ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۔ (البقرۃ۔ آیت ۲۱۵) (ترجمہ) جو لوگ ایمان لائے اور اُنہوں نے اللہ کی راہ میں ہجرتیں بھی کیں اور جہاد (کوششیں) بھی کیے یہی ہیں جو خدا کی آس لگائے بیٹھے ہیں اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔

اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَهَاجَرُوْا وَجَاهَدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَالَّذِيْنَ اٰوَوْا وَّنَصَرُوْٓا اُولٰٓئِكَ بَعْضُهُمْ اَوْلِيَآءُ بَعْضٍ ؕ (التوبہ آیت ۷۳۔)

(ترجمہ) جو لوگ ایمان لائے اور اُنھوں نے ہجرتیں کیں اور اللہ کے رستے میں اپنی جان

ومال سے جہاد (کوشش) کیے اور جن لوگوں نے مہاجرین کو جگہ دی اور اُن کی مدد کی یہ میں لوگ ایک کے وارث ایک۔

وَالَّذِيْنَ آمَنُوْا وَهَاجَرُوْا وَجَاهَدُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَالَّذِيْنَ اٰوَوْا وَّنَصَرُوْا اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ حَقًّا ؕ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّرِزْقٌ كَرِيْمٌ ۝ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْۢ بَعْدُ وَهَاجَرُوْا وَجَاهَدُوْا مَعَكُمْ فَاُولٰٓئِكَ مِنْكُمْ ؕ (التوبہ۔ آیت ۷۵-۷۶) (ترجمہ) اور جو لوگ ایمان لائے اور اُنھوں نے ہجرت کی اور اللہ کے رستے میں جہاد (کوشش) بھی کیے اور جن لوگوں نے مہاجرین کو جگہ دی اور مدد کی یہ ہی پکے مسلمان ہیں اور اُن کے لیے معافی ہے اور عزت کی روزی۔ اور جو لوگ بعد کو ایمان لائے اور اُنھوں نے ہجرت کی اور تمھارے ساتھ ہو کر جہاد کیے تو وہ تم ہی میں داخل ہیں۔

اِنَّ الَّذِيْنَ ارْتَدُّوْا عَلٰٓى اَدْبَارِهِمْ مِّنْۢ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُمُ الْهُدَى ۙ الشَّيْطٰنُ سَوَّلَ لَهُمْ ؕ وَاَمْلٰى لَهُمْ ۝ (محمد آیت ۲۷) (ترجمہ) بیشک جن لوگوں کو راہ راست صاف طور پر معلوم ہوئی اور پھر بھی وہ اپنے اُلٹے پاؤں پھر گئے شیطان نے اُن کو بتے دیے اور اُنکی رسیاں دراز کر دیں۔

اَمْ حَسِبَ الَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ اَنْ لَّنْ يُّخْرِجَ اللّٰهُ اَضْغَانَهُمْ ۝ (محمد۔ آیت ۳۱) (ترجمہ) کیا وہ لوگ جنکے دلوں میں (نفاق کا) روگ ہے اس خیال میں ہیں کہ خدا اُنکی دلی عداوتوں کو کبھی ظاہر نہ کریگا۔

وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ حَتّٰى نَعْلَمَ الْمُجٰهِدِيْنَ مِنْكُمْ وَالصّٰبِرِيْنَ ۙ وَنَبْلُوَا اَخْبَارَكُمْ ۝ (محمد۔ آیت ۳۳) (ترجمہ) اور تمکو ہم ضرور آزما کر رہینگے تاکہ تم میں جو جہاد کرنے والے اور صبر کرنیوالے ہیں اُن کو ہم معلوم کریں اور تاکہ تمھارے اصلی حالات کو جانچ لیں۔

اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَصَدُّوْا عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَشَآقُّوا الرَّسُوْلَ مِنْۢ بَعْدِ

مَا تَبَيَّنَ لَهُمُ الْهُدٰى ۙ لَنْ يَّضُرُّوا اللّٰهَ شَيْـًٔا ؕ وَسَيُحْبِطُ اَعْمَالَهُمْ ۝ (محمد آیت ۳۲)

(ترجمہ) بیشک جن لوگوں پر دین کا رستہ صاف ظاہر ہو گیا اور ظاہر ہوئے (پیچھے) اُنہوں نے انکار کیا اور اللہ کے رستے سے لوگوں کو روکا اور رسول کی مخالفت کی خدا کو یہ لوگ کسی طرح کا نقصان پہونچا سکیں گے نہیں بلکہ ان ہی کے عملوں کو اکارت کر دیگا۔

اَمْ حَسِبْتُمْ اَنْ تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ وَلَمَّا يَعْلَمِ اللّٰهُ الَّذِيْنَ جٰهَدُوْا مِنْكُمْ وَيَعْلَمَ الصّٰبِرِيْنَ ۝ (آل عمران۔ آیت ۱۴۲) (ترجمہ) کیا تم اس خیال میں ہو کہ تم جنت میں جا داخل ہوگے حالانکہ ابھی اللہ نے نہ تو یہ جانچا ہے کہ تم میں سے کون جہاد (کوشش) کرنیوالے ہیں اور نہ جانچا کہ کون ثابت قدم ہیں۔

تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَتُجَاهِدُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ بِاَمْوَالِكُمْ وَاَنْفُسِكُمْ ؕ ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ (الصف۔ آیت ۱۱) (ترجمہ) خدا اور اُس کے رسول پر ایمان لاؤ اور خدا کی راہ میں اپنے مال اور اپنی جانیں لڑا دو (کوشش کرو) بشرطیکہ تم کو سمجھ ہو۔

لَا يَسْتَوِي الْقٰعِدُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ غَيْرُ اُولِي الضَّرَرِ وَالْمُجٰهِدُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ ؕ فَضَّلَ اللّٰهُ الْمُجٰهِدِيْنَ بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ عَلَى الْقٰعِدِيْنَ دَرَجَةً ؕ وَكُلًّا وَّعَدَ اللّٰهُ الْحُسْنٰى ؕ وَفَضَّلَ اللّٰهُ الْمُجٰهِدِيْنَ عَلَى الْقٰعِدِيْنَ اَجْرًا عَظِيْمًا ۝ (النساء۔ آیت ۹۷) (ترجمہ) مسلمانوں میں سے بیٹھ رہنے والے سوائے ناکاروں کے اور اللہ کی راہ میں اپنے مال اور اپنی جان سے جہاد (کوشش) کرنے والے برابر نہیں ہیں بزرگی دی ہے اللہ نے اپنے مال اور اپنی جان سے جہاد کرنے والوں کو بیٹھ رہنے والوں پر مرتبہ میں اور ہر ایک سے اللہ نے اچھا وعدہ کیا ہے اور بزرگی دی ہے اللہ نے جہاد کرنے والوں کو بیٹھ رہنے والوں پر اجر عظیم دینے سے۔

وَاَقْسَمُوْا بِاللّٰہِ جَہْدَ اَیْمَانِہِمْ (النور۔ آیت ۵۲)

یٰۤاَیُّہَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا ارْکَعُوْا وَاسْجُدُوْا وَاعْبُدُوْا رَبَّکُمْ وَافْعَلُوا الْخَیْرَ لَعَلَّکُمْ تُفْلِحُوْنَ ۝ وَجَاہِدُوْا فِی اللّٰہِ حَقَّ جِہَادِہٖ ؕ ہُوَ اجْتَبٰکُمْ وَمَا جَعَلَ عَلَیْکُمْ فِی الدِّیْنِ مِنْ حَرَجٍ ؕ مِلَّۃَ اَبِیْکُمْ اِبْرٰہِیْمَ ؕ (الحج۔ آیت ۷۶۔۷۷)

(ترجمہ) مسلمانو! رکوع کرو اور سجدے کرو اور اپنے پروردگار کی عبادت کرو اور نیکی کرتے رہو تاکہ تم اپنی مراد کو پہونچو۔ اور اللہ کی راہ میں کوشش کرو جیساکہ اُسمیں کوشش کرنے کا حق ہی۔ اُس نے تم کو انتخاب فرمایا اور دین میں تم پر کسی طرح کی سختی نہیں کی دین تمھارے باپ ابراہیم کا۔

یٰۤاَیُّہَا النَّبِیُّ جَاہِدِ الْکُفَّارَ وَالْمُنٰفِقِیْنَ وَاغْلُظْ عَلَیْہِمْ ؕ (التوبہ آیت ۷۳)

(ترجمہ) اے پیغمبر کافروں اور منافقوں سے جہاد کرو اور اُنپر سختی کرو۔

(چونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم منافقین سے کبھی لڑے نہیں اسلیے جہاد کے معنی جنگ کرنے کے نہیں لیے جا سکتے۔ آنحضرت نے جس حکم پر اپنا عمل رکھا وہ اس آیت سے نکلتا ہی)۔

وَلَا تُطِعِ الْکٰفِرِیْنَ وَالْمُنٰفِقِیْنَ وَدَعْ اَذٰىہُمْ وَتَوَکَّلْ عَلَی اللّٰہِ ؕ وَکَفٰی بِاللّٰہِ وَکِیْلًا ۝ (الاحزاب آیت ۴۸) (ترجمہ) "اور اے پیغمبر کافروں اور منافقوں کا کہا نہ مانو اور اُن کی ایذا دہی کی (کچھ) پروا نہ کرو اور خدا پر بھروسا رکھو اور خدا کارساز بس ہی"۔ پس مذکورہ بالا آیت کا مطلب یہ ہی کہ کافروں اور منافقوں کے ساتھ وعظ و نصیحت سے کوشش کرو اور اُن کے ساتھ سختی کرو یعنی اُن سے نرم نہ ہو جاؤ اور اُن کے دھوکے میں نہ آجاؤ۔[۵۱]

یٰۤاَیُّہَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوْا عَدُوِّیْ وَعَدُوَّکُمْ اَوْلِیَآءَ تُلْقُوْنَ اِلَیْہِمْ بِالْمَوَدَّۃِ وَقَدْ کَفَرُوْا بِمَا جَآءَکُمْ مِّنَ الْحَقِّ ۚ یُخْرِجُوْنَ الرَّسُوْلَ وَاِیَّاکُمْ اَنْ

۵۱ مولوی چراغ علی صفحہ ۱۰۶۔

تُوْمِنُوْا بِاللّٰهِ رَبِّكُمْ ۭ اِنْ كُنْتُمْ خَرَجْتُمْ جِهَادًا فِيْ سَبِيْلِيْ وَابْتِغَاۗءَ مَرْضَاتِيْ ڰ تُسِرُّوْنَ اِلَيْهِمْ بِالْمَوَدَّةِ ڰ وَاَنَا اَعْلَمُ بِمَآ اَخْفَيْتُمْ وَمَآ اَعْلَنْتُمْ ۭ وَمَنْ يَّفْعَلْهُ مِنْكُمْ فَقَدْ ضَلَّ سَوَاۗءَ السَّبِيْلِ ۝ (الممتحنہ۔ آیت ۱) (ترجمہ) مسلمانو۔ اگر تم ہماری راہ میں جہاد (کوشش) کرنے اور ہماری رضامندی ڈھونڈنے کی غرض سے اپنے وطن چھوڑ کر نکلے ہو تو ہمارے اور اپنے دشمنوں کو دوست نہ بناؤ کہ لگو اُن کی طرف دوستی کے نامہ و پیام) دوڑانے حالانکہ تمھارے پاس جو (خدا کی طرف سے دین) حق آیا ہے وہ اُس سے انکار کر ہی چکے ہیں۔ وہ تو صرف اتنی بات پر کہ تم اپنے پروردگار اللہ ہی کو مانتے ہو رسول کو اور تم کو (گھروں سے) نکال رہے ہیں اور تم چپکے چپکے اُن کی طرف دوستی کے پیغام دوڑا رہے ہو اور جو کچھ تم چھپا کر کرتے ہو ہم خوب جانتے ہیں اور جو تم میں سے ایسا کریگا تو وہ سیدھے رستے سے بھٹک گیا۔

اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ثُمَّ لَمْ يَرْتَابُوْا وَجٰهَدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۭ اُولٰۗىِٕكَ هُمُ الصّٰدِقُوْنَ ۝ (الحجرات آیت ۹) (ترجمہ) پس سچے مسلمان تو وہ ہیں جو اللہ اور اُس کے رسول پر ایمان لائے پھر (کسی طرح کا) شک (و شبہ) نہ کیا اور اللہ کے رستے میں اپنے مال اور اپنی جان سے کوشش کی حقیقت میں یہی سچے مسلمان ہیں۔

اَمْ حَسِبْتُمْ اَنْ تُتْرَكُوْا وَلَمَّا يَعْلَمِ اللّٰهُ الَّذِيْنَ جٰهَدُوْا مِنْكُمْ وَلَمْ يَتَّخِذُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلَا رَسُوْلِهٖ وَلَا الْمُؤْمِنِيْنَ وَلِيْجَةً ۭ وَاللّٰهُ خَبِيْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ (التوبہ آیت ۱۶) (ترجمہ) کیا تم نے ایسا سمجھ رکھا ہے کہ چھوٹ جاؤ گے اور ابھی اللہ نے اُن لوگوں کو اچھی طرح دیکھا تک نہیں جو تم میں سے جہاد (کوشش) کرتے ہیں اور اللہ اور اُس کے رسول اور مسلمانوں کو چھوڑ کر کسی کو اپنا دوست نہیں بناتے اور جو کچھ بھی تم لوگ کر رہے ہو اللہ کو اُس کی سب خبر ہے۔

أَجَعَلْتُمْ سِقَايَةَ الْحَاجِّ وَعِمَارَةَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ كَمَنْ آمَنَ بِاللَّهِ وَ
الْيَوْمِ الْآخِرِ وَجَاهَدَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ ۚ لَا يَسْتَوُونَ عِنْدَ اللَّهِ ۗ وَاللَّهُ لَا
يَهْدِي الْقَوْمَ الظَّالِمِينَ ۝ (التوبہ۔ آیت ۱۹) (ترجمہ) کیا تم لوگوں نے حاجیوں
کے پانی پلانے اور حرمت والی مسجد کے آباد رکھنے کو اُس شخص (کی خدمتوں) جیسا سمجھ
لیا جو اللہ اور آخرت پر ایمان لاتا اور اللہ کے رستے میں جہاد (کوشش) کرتا ہے
اللہ کے نزدیک تو یہ (دونوں ایک دوسرے کے) برابر نہیں اور اللہ ظالم
لوگوں کو راہ راست نہیں دکھایا کرتا۔

الَّذِينَ آمَنُوا وَهَاجَرُوا وَجَاهَدُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ بِأَمْوَالِهِمْ وَ
أَنْفُسِهِمْ أَعْظَمُ دَرَجَةً عِنْدَ اللَّهِ ۚ وَأُولَٰئِكَ هُمُ الْفَائِزُونَ ۝ (التوبہ
آیت ۲۰) (ترجمہ) جو لوگ ایمان لائے اور (دین کے لیے) انہوں نے ہجرت کی اور
اپنی جان و مال سے اللہ کے رستے میں جہاد (کوششیں) کیے۔ یہ لوگ اللہ کے ہاں درجے
میں کہیں بڑھکر ہیں اور یہی ہیں جو منزل مقصود کو پہنچنے والے ہیں۔

قُلْ إِنْ كَانَ آبَاؤُكُمْ وَأَبْنَاؤُكُمْ وَإِخْوَانُكُمْ وَأَزْوَاجُكُمْ وَعَشِيرَتُكُمْ وَ
أَمْوَالٌ اقْتَرَفْتُمُوهَا وَتِجَارَةٌ تَخْشَوْنَ كَسَادَهَا وَمَسَاكِنُ تَرْضَوْنَهَا أَحَبَّ
إِلَيْكُمْ مِنَ اللَّهِ وَرَسُولِهِ وَجِهَادٍ فِي سَبِيلِهِ فَتَرَبَّصُوا حَتَّىٰ يَأْتِيَ اللَّهُ
بِأَمْرِهِ ۗ وَاللَّهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْفَاسِقِينَ ۝ (التوبہ۔ (آیت ۲۴)
(ترجمہ) سمجھا دو کہ اگر تمہارے باپ اور تمہارے بیٹے اور تمہارے بھائی اور تمہاری بیبیاں
اور تمہارے کنبہ دار اور مال جو تم نے کمائے ہیں اور سوداگری جس کے مندہ پڑنیکا
تم کو اندیشہ ہو اور مکانات جن میں رہنے کو تمہارا جی چاہتا ہے (اگر یہ چیزیں) اللہ اور اسکے
رسول اور اللہ کے رستے میں جہاد (کوشش) کرنے سے تم کو زیادہ عزیز ہوں تو
ذرا صبر کرو یہاں تک کہ جو کچھ خدا کو کرنا ہے وہ تمہارے سامنے لا موجود کرے اور اللہ

اُن لوگوں کو جو اُسکے حکم سے سرتابی کریں ہدایت نہیں دیا کرتا۔

اِنْفِرُوْا خِفَافًا وَّثِقَالًا وَّجَاهِدُوْا بِاَمْوَالِكُمْ وَاَنْفُسِكُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ۝ (التوبہ آیت ۴۱) (ترجمہ) ہلکے اور بوجھل نکل کھڑے ہوا کرو اور اپنی جان اور مال سے خدا کی راہ میں جہاد (کوشش) کرو۔ اگر تم جانتے ہو تو یہ تمہارے حق میں بہتر ہی۔

لَا يَسْتَاْذِنُكَ الَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ اَنْ يُّجَاهِدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ ۗ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ ۢ بِالْمُتَّقِيْنَ ۝ (التوبہ آیت ۴۴) (ترجمہ) جو لوگ خدا کا اور آخرت کا یقین رکھتے ہیں وہ تم سے اس بات کی رخصت مانگتے نہیں کہ اپنی جان و مال سے شریک جہاد نہوں اور اللہ پرہیزگاروں کو خوب جانتا ہی۔

فَرِحَ الْمُخَلَّفُوْنَ بِمَقْعَدِهِمْ خِلٰفَ رَسُوْلِ اللّٰهِ وَكَرِهُوْٓا اَنْ يُّجَاهِدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَقَالُوْا لَا تَنْفِرُوْا فِي الْحَرِّ ۭ (التوبہ آیت ۸۱) (ترجمہ) جو پیچھے چھوڑ دیے گئے وہ رسولِ خدا کے خلاف (رائے) اپنے گھروں میں بیٹھ رہنے سے بہت خوش ہوئے اور راہِ خدا میں اپنی جان و مال سے جہاد (کوشش) کرنا اُن کو ناگوار ہوا اور لوگوں کو بھی سمجھانے لگے کہ ایسی گرمی میں گھر سے نہ نکلنا۔

وَاِذَآ اُنْزِلَتْ سُوْرَةٌ اَنْ اٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَجَاهِدُوْا مَعَ رَسُوْلِهِ اسْتَاْذَنَكَ اُولُوا الطَّوْلِ مِنْهُمْ وَقَالُوْا ذَرْنَا نَكُنْ مَّعَ الْقٰعِدِيْنَ ۝ (سورۃ التوبۃ) (ترجمہ) اور جبکہ اُتاری جاتی ہی کوئی سورت کہ ایمان لاؤ اللہ پر اور جہاد (کوشش) کرو اُسکے رسول کے ساتھ تو اجازت مانگتے ہیں تجھ سے وسعت والے اُن میں سے اور کہتے ہیں کہ چھوڑ دے ہم کو تاکہ ہم رہیں بیٹھ بیٹھ رہنے والوں کے ساتھ۔

لٰكِنِ الرَّسُوْلُ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ جٰهَدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ ۭ وَاُولٰۗىِٕكَ لَهُمُ الْخَيْرٰتُ ۡ وَاُولٰۗىِٕكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ۝

نے اور اُن لوگوں نے جو ایمان لائے ہیں اُسکے ساتھ جہاد (کوشش) کی اپنے مالوں اور اپنی جانوں سے اور یہ لوگ ہیں کہ اُنہیں کے لیے ہیں نیکیاں اور یہ لوگ وہی ہیں فلاح پانے والے۔

(یہ اوپر کی نو آیتیں جو سورۃ التوبہ سے نقل کی گئی ہیں ہجرت کے نویں سال کے بعد نازل ہوئی تھیں جبکہ اہل مکہ نے صلحنامہ حدیبیہ کے خلاف عمل کیا تھا اور بنو خزاعہ پر جو آنحضرت سے مصالحت رکھتے تھے حملہ کیا تھا۔ اُسوقت یہ آیت نازل ہوئی تھی۔

اَلَا تُقَاتِلُوْنَ قَوْمًا نَّكَثُوْٓا اَيْمَانَهُمْ وَهَمُّوْا بِاِخْرَاجِ الرَّسُوْلِ وَهُمْ بَدَءُوْكُمْ اَوَّلَ مَرَّةٍ ۭ اَتَخْشَوْنَهُمْ ۚ فَاللّٰهُ اَحَقُّ اَنْ تَخْشَوْهُ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ○ (التوبہ۔ آیت ۱۳) (ترجمہ) کیا تم نہ لڑو گے ایسی قوم سے کہ اُنہوں نے ابتدا کی تم سے (عہد توڑنے کی) پہلے پہل کیا تم اُنسے ڈرتے ہو پھر اللہ زیادہ احق ہے کہ اُس سے ڈرو اگر تم ایمان والے ہو"۔ لیکن اہل مکہ نے جلدی مصالحت کر لی اور اس لڑائی کے حکم کی تعمیل غیر ضروری ہو گئی جو چار ماہ حرام کے گذرنے کے بعد ہو سکتی تھی۔ غرض اس صورت میں جہاد سے مطلب یہ ہو سکتا تھا (اگرچہ اسکے اصلی معنوں سے اسبات کو کچھ تعلق نہیں) کہ جو لوگ آنحضرت سے مصالحت رکھتے تھے جب اُن کو گزند پہونچا تو دوستوں کے ساتھ ہو کر لڑنا چاہیے تھا۔ بس اس بات سے ہم سمجھ سکتے ہیں کہ زمانہ مابعد میں جہاد کے معنی کافروں سے جنگ کرنے کے کیونکر ہو گئے۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَابْتَغُوْٓا اِلَيْهِ الْوَسِيْلَةَ وَجَاهِدُوْا فِيْ سَبِيْلِهٖ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ○ (مائدہ۔ آیت ۳۹) (ترجمہ) اے لوگو جو ایمان لائے ہو ڈرو اللہ سے اور ڈھونڈھو اُس کی طرف وسیلہ اور کوشش کرو اُسکی راہ میں تاکہ تم فلاح پاؤ۔

وَيَقُوْلُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَهٰٓؤُلَاۗءِ الَّذِيْنَ اَقْسَمُوْا بِاللّٰهِ جَهْدَ اَيْمَانِهِمْ لا

إِنَّهُمْ لَمَعَكُمْ حَبِطَتْ أَعْمَالُهُمْ فَأَصْبَحُوا خٰسِرِيْنَ ۝ (مائدہ - آیت ۵۸)

(ترجمہ) اور کہیں گے وہ لوگ جو ایمان لائے ہیں کیا یہ وہی ہیں جنھوں نے قسم کھائی تھی اللہ کی اپنی سخت قسمیں کہ بیشک وہ تمھارے ساتھ ہیں نابود ہو گئے اُن کے عمل پھر ہو گئے نقصان اُٹھانے والوں میں۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَنْ يَّرْتَدَّ مِنْكُمْ عَنْ دِيْنِهٖ فَسَوْفَ يَاْتِي اللّٰهُ بِقَوْمٍ يُّحِبُّهُمْ وَيُحِبُّوْنَهٗٓ اَذِلَّةٍ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اَعِزَّةٍ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ يُجَاهِدُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَلَا يَخَافُوْنَ لَوْمَةَ لَآئِمٍ ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ ۝ (مائدہ - آیت ۵۹) (ترجمہ) اے لوگو جو ایمان لائے ہو جو کوئی تم میں سے پھر جاوے اپنے دین سے تو جلد بُلاوے گا اللہ ایک قوم کو کہ دوست رکھتا ہی اُن کو اور وہ دوست رکھتے ہیں اُس کو متواضع ہیں ایمان والوں کے ساتھ اور سخت گیر ہیں کافروں کے ساتھ کوشش کرینگے اللہ کی راہ میں اور نہ خوف کرینگے ملامت کرنے والوں کی ملامت سے یہ ہے فضل اللہ کا دیتا ہی جس کو چاہتا ہے اور اللہ وسیع نعمت والا ہی جاننے والا۔

یہ مسلمان شارع اور مفسرین کا طفیل ہے کہ جہاد کے معنے مذہبی جنگ کے ہو گئے جو کفار سے لڑی جاوے اور بغیر اُس کے کہ وہ کچھ ستائیں اُن پر حملہ کرنا جائز ہو۔ لیکن یہ اُصول ایسا ہے جس کو قرآن نے ہرگز جائز نہیں رکھا ہی۔ اگر قرآن سے یہ اُصول کسی طرح نکل بھی سکتا ہی تو صرف اس طرح کہ مختلف آیتوں کے ٹکڑے علیحدہ سے لیے جاویں اور بغیر لحاظ کیے کلام پر نظر کیے اور خاص حالات کو سمجھے کہ جن میں وہ آیتیں نازل ہوئیں اور جن سے اُن کو تعلق تھا معنے کیے جاویں لیکن پھر بھی اُن سے یہ مراد نہیں ہو کہ جنگ کرنیکے لیے آنیوالی نسلوں کے حق میں بطور مذہبی نصیحتوں کے ناطق حکم تصور ہوں۔ لیکن گو کافروں کے ساتھ بغیر اشتعال کے

لڑائی کرنے کو بعض شارع نے جائز سمجھا ہو لیکن زبردستی مسلمان کرنے کے متعلق جہاں تک مجھ کو تحقیق ہوا ہے کسی شارع نے اُس کو جائز نہیں سمجھا بلکہ ہمیشہ مفتوحین کے اس حق پر زور دیا ہو کہ جزیہ ادا کرنے کے بعد وہ اپنے مذہب پر قائم رہ سکیں۔



ضمیمہ دوم

عبداللہ بن اسمٰعیل ہاشمی کا خط عبدالمسیح بن اسحٰق کے نام

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم



خدا کی حمد اور رسول خدا کی نعت کے بعد میں اپنے خط کو جو تمہارے نام بھیجتا ہوں تمہاری سلامتی اور تم پر رحمت نازل ہونے کی دعا سے شروع کرتا ہوں اور میں اس امر میں اپنے آقا اور تمام پیغمبروں کے سردار محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقہ پر چلتا ہوں کیونکہ وہ لوگ جن کی شہادت ہمارے نزدیک مقبول ہے اور سچ بولنے والے اور حق بات کہنے والے اور ہمارے نبی علیہ السلام کی حدیثوں کو ہم سے روایت کرنے والے ہیں اُنہوں نے ہم سے ہمارے نبی علیہ السلام کی نسبت بیان کیا ہے کہ یہ اُنکی عادت تھی اور وہ (خدا اُن پر رحمت نازل کرے) جب لوگوں سے باتیں کرتے تو اُن کو خطاب کرکے اول اُنکے لیے سلامتی اور اُن پر رحمت نازل ہونے کی دعا کرتے تھے۔ اور اس دعا کے وقت اپنی اُمت کے لوگوں اور ذمیوں میں اور مسلمانوں اور مشرکوں میں کوئی فرق نہیں کرتے تھے۔ اور فرماتے تھے کہ میں تمام آدمیوں کی ہدایت کے لیے عمدہ اخلاق کے ساتھ بھیجا گیا ہوں۔ میں سنگدل اور بیرحم پیدا نہیں ہوا۔ اور وہ اس بات پر خدا کو گواہ کرتے تھے جو کہتا تھا کہ خدا ایمان والوں پر مہربان اور رحیم ہے۔ اس طرح مجکو یاد ہے کہ ہمارے پیشوا خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم اجمعین اپنی فضیلت

اور شرافت اور عالی ہمتی اور خوش خلقی کے ساتھ اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقہ کی پیروی کرتے تھے اور اُس میں کسی کے ساتھ ذرا فرق نہیں کرتے تھے نہ ایک کو دوسرے پر ترجیح دیتے تھے۔ میں نے وہی بات اختیار کی اور اُسی طریقہ پر چلا اور اُسی نیک عادت کو پسند کیا۔ اسی لیے میں اپنے خط کو تمہاری سلامتی اور تم پر رحمت نازل ہونے کی دعا سے شروع کرتا ہوں تاکہ جسکے پاس میرا خط پہونچے اُسکو کوئی بات ناگوار نہو۔

وہ چیز جسنے مجھے خط لکھنے پر مجبور کیا اور اس بات پر آمادہ کیا وہ تمہاری محبت اور دوستی ہی کیونکہ ہمارے آقا اور پیغمبر محمد صلے اللہ علیہ وسلم فرمایا کرتے تھے کہ قریب کے لوگوں کی محبت دین اور ایمان ہے۔ اسکے سوا اس خط کے لکھنے کا باعث یہ ہے کہ میں رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم کی فرمانبرداری کرتا ہوں اور تمہاری خدمت اور خیرخواہی کا جو حق میرے ذمہ واجب ہے اُسکو ادا کرنا چاہتا ہوں اور میں جانتا ہوں کہ تم ہمارے ساتھ محبت اور دوستی اور مہربانی کا اظہار کرتے رہے ہو اور میں دیکھتا ہوں کہ میرے آقا اور میرے چچا کے بیٹے امیر المومنین (خدا اُن کی مدد کرے) تمہاری تعظیم کرتے ہیں اور تم کو اپنا مقرب اور معتبر سمجھتے ہیں اور تمہاری نسبت عمدہ راے رکھتے ہیں۔ اسلیے میں نے مناسب سمجھا کہ میں تمہارے لیے وہی بات پسند کروں جو میں اپنے لیے اور اپنے گھر والوں اور بال بچوں کے لیے پسند کرتا ہوں اور تمہارے ساتھ خالص خیرخواہی سے پیش آؤں اور اُس مذہب کو تمہارے سامنے پیش کروں جسپر ہم چلتے ہیں اور جسکو خدا نے ہمارے لیے اور اپنی تمام مخلوق کیلیے پسند کیا ہے اور اس پر آخرت میں ثواب دینے اور عذاب سے بچانے کا وعدہ کیا ہے۔ ... ... اس لیے میں نے تمہارے لیے وہی چاہا جو اپنے لیے چاہتا ہوں اور تمہارے اخلاق اور علمی لیاقت اور شایستگی اور شرافت اور اپنے ہم مذہبوں میں ممتاز ہونے کو

دیکھکر مجھے ترس آیا کہ تم اپنے اِس مذہب عیسوی پر قائم رہو میں نے دل میں کہا کہ میں اپنے دوست کے سامنے نرم گوئی اور خوش گوئی کے ساتھ اُس چیز کو پیش کروں جو خدا نے مہربانی سے ہم کو عنایت کی ہے اور خدا کے اس حکم کی پیروی کروں کہ وَلَا تُجَادِلُوْا اَهْلَ الْكِتٰبِ اِلَّا بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ (سورہ عنکبوت ۴۵)۔ یعنی اے مسلمانو اہلِ کتاب کے ساتھ مباحثہ نہ کیا کرو مگر اسی طرح پر کہ وہ نہایت ہی عمدہ اور شائستہ ہو۔ پس میں تم سے عمدہ کلام اور نرم الفاظ میں مباحثہ کرتا ہوں شاید کہ تم ہوشیار رہو اور حق کی طرف مائل ہو اور خدا تعالیٰ کے اُس کلام کی طرف رجوع کرو جس کو میں تمھارے سامنے پڑھتا ہوں اور جس کو خدا نے ہمارے پیغمبر خاتم الانبیاء اور سردار بنی آدم محمد علیہ الصلواۃ والسلام پر نازل کیا ہے۔ میں اس بات میں نا اُمید نہیں ہوں بلکہ تمھاری نسبت خدا سے اُمید رکھتا ہوں کہ جو اپنی مرضی سے جس کو چاہتا ہے ہدایت کرتا ہے اور میں دعا کرتا ہوں کہ خدا مجھکو اس کام کا سبب اور وسیلہ بنا دے اور میں دیکھتا ہوں کہ خدا تعالیٰ اپنے مقدس کلام میں فرماتا ہے اِنَّ الدِّيْنَ عِنْدَ اللّٰهِ الْاِسْلَامُ (سورہ آل عمران ۔ ۱۷) یعنی دین تو خدا کے نزدیک بھی اسلام ہی ہے۔ پھر اپنے قول کی تاکید میں فرماتا ہے۔

وَمَنْ يَّبْتَغِ غَيْرَ الْاِسْلَامِ دِيْنًا فَلَنْ يُّقْبَلَ مِنْهُ ۚ وَهُوَ فِي الْاٰخِرَةِ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ (سورۃ آل عمران ۔ ۷۹) یعنی جو شخص اسلام کے سوا کسی اور دین کی تلاش میں ہو تو اُس کا وہ دین ہرگز مقبول نہ ہوگا اور آخرت میں وہ زیاں کاروں میں ہوگا پھر خدا نے بطور امر قاطع کے تاکید کے ساتھ فرمایا يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ حَقَّ تُقٰتِهٖ وَلَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَاَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ (سورۃ آلِ عمران۔ آیت ۹۷) (ترجمہ) یعنی اے مسلمانو! اللہ سے ڈرو جیسا اُس سے ڈرنے کا حق ہے اور مرتے دم تک اپنی دین اسلام پر ثابت قدم رہنا۔

اور تم (خدا تم کو کفر کی جہالت سے بچائے اور تمھارے دل کو نورِ ایمان سے منور کرے) جانتے ہو کہ میں عمر کی بہت سی منزلیں طے کر چکا ہوں اور میں نے تمام مذہبوں پر عبور کیا ہی اور اُن کو آزمایا ہے اور اُن تمام مذہب والوں میں خاص کر تم عیسائیوں کی بہت سی کتابیں مطالعہ کی ہیں۔ میں نے عہد عتیق اور عہد جدید کے پڑھنے میں جن کو خدا نے موسیٰ اور عیسیٰ اور دیگر انبیاء علیہ السلام پر نازل کیا محنت اُٹھائی ہی" (اس کے بعد ہاشمی عہدِ عتیق اور عہدِ جدید کی خاص خاص کتابوں کے نام لکھتا ہے اور بیان کرتا ہی کہ مختلف عیسوی فرقوں کے عقاید مذہبی اُس نے کس طرح معلوم کیے) "میں بہت سے راہبوں سے ملا ہوں جو شدت زہد اور کثرت علم میں مشہور ہیں اور بہت سی خانقاہوں اور گرجاؤں اور معبدوں میں گیا ہوں اور اُن سات لمبی نمازوں میں شریک ہوا ہوں جن کو صلواۃ الاوقات کہتے ہیں .... اور میں نے اُس عجیب محنت کو اور رکوع کرنے اور زمین پر چہرہ اور پیشانی رکھکر سجدہ کرنے کو اور نماز ختم ہونے تک سینہ پر ہاتھ باندھنے کو خاص کر اتوار وں اور جمعوں اور تہواروں کی راتوں کو دیکھا ہی جن میں وہ تمام رات جاگتے اور کھڑے ہو کر تسبیح اور تقدیس اور تحلیل میں مشغول رہتے ہیں اور اسی طرح تمام دن کھڑے ہو کر نماز پڑھتے ہیں اور نمازوں میں باپ اور بیٹے اور روح القدس کا بار بار ذکر کرتے ہیں اور اعتکاف کے دنوں میں جن کو وہ ایام البواعیث کہتے ہیں ننگے سر بالوں کے بچھونے اور راکھ کے ڈھیر پر کھڑے ہوتے اور زار زار روتے اور آنکھوں سے پے در پے آنسو بہاتے اور نہایت درد کے ساتھ چلاتے ہیں۔ میں نے اُن کی قربانی کو بھی دیکھا ہے کہ وہ اُس کو کس احتیاط سے ادا کرتے ہیں اور قربانی کی روٹیاں کتنی صاف ہوتی ہیں اور جب قربانی کو اُس مقام میں جو بیت المقدس کے نام سے مشہور ہی شراب کے بھرے ہوئے پیالوں کے ساتھ قربان گاہ پر چڑھاتے ہیں تو کس قدر روتے اور عجز و نیاز

ظاہر کرتے ہیں اور کیسی لمبی لمبی دعائیں پڑہتے ہیں۔ راہب جو اپنے چھ روزوں کے دنوں میں جن میں چار بڑے اور دو چھوٹے روزے ہیں جو عبادت اور تفکر اپنے حجروں میں کرتے ہیں اُسکو بہی دیکھ چکا ہوں۔ میں ان تمام موقعوں پر موجود رہا ہوں اور جو عیسائی ان موقعوں پر تھے اُن کو دیکھ چکا ہوں اور ان سب باتوں کو خوب جانتا اور پہچانتا ہوں۔ میں اُن مطرانوں اور اسقفوں کو بہی دیکھ چکا ہوں جو بڑے عالم اور عارف مشہور ہیں۔ اور مذہب عیسوی میں سرتاپا غرق ہیں اور دنیا سے نہایت بے تعلقی اور نفرت ظاہر کرتے ہیں۔ میں نے اُنکے ساتھ انصاف پسند اور طالب حق ہو کر مناظرہ کیا ہے اور اپنے اور اُن کے درمیان جھگڑے اور دشمنی اور زیادتی اور خودپسندی اور تکبر کے ساتھ مکابرہ کرنے کو دخل نہیں دیا۔ میں نے اُن کو پوری طرح آزادی دی کہ وہ اپنی دلیلیں بیان کریں اور جو چاہیں کہیں نہ میں اُن پر مواخذہ کرونگا۔ نہ کسی بات میں اُن پر طعن اور ملامت کروں گا جیساکہ ہمارے وہ اہل مذہب کرتے ہیں جو عام بازاری اور نادان اور احمق اور ساقط الاعتبار ہیں۔ نہ اُن کا کوئی اصلی مقصد ہے جسپر پہونچکر وہ تھم جائیں اور نہ اُن کو سمجھ ہے جسپر وہ بھروسا کریں۔ نہ دین اور اخلاق ہے جو اُن کو بے ادبی سے روکے۔ اُنکا کام سراسر زباں درازی اور مکابرہ اور حکومت کی قوت پر شیخی کرنا ہے۔ اور نہ اُنکے پاس علم ہے اور نہ کوئی حجت۔ جب میں اُن عیسائیوں سے مناظرہ کرتا تہا اور اُنکی عقل دراعتقاد اور علم کے ٹٹولنے کو اُنسے کوئی مسئلہ دریافت کرتا تھا۔ تو وہ اس مسئلہ کو سچ سچ بیان کرتے تھے اور کسی بات میں جسپر میں اُنسے مباحثہ کرتا یا سوال کرتا تہا جھوٹ نہیں بولتے تھے۔ میں نے اُنکے دل کا حال بہی ویسا ہی پایا جیساکہ اُن کا ظاہری حال تہا۔ اب میں تم کو (خدا تم کو نیک ہدایت دے) یہ حال لکھتا ہوں اور اُن باتوں کی تفصیل کر رہا ہوں جن کو میں نے مدت کے مباحثوں اور امتحانوں کے بعد اچھی طرح معلوم کیا ہے تاکہ میرا مکتوب الیہ یہ گمان نہ کرے کہ میں اُن باتوں سے ناواقف ہوں اور جان جاوے کہ میں نصاریٰ کے تمام

حالات سے کما حقہ آگاہ ہون۔

اب میں بسبب اوس واقفیت کے جو مجھکو تمہارے مذہب کی نسبت حاصل ہے اور بسبب زمانہ دراز کی محبت کے تمکو اُس مذہب کی طرف بلاتا ہون جسکو خدا نے میرے لیئے پسند کیا اور میں نے خود اوسکو اپنے لیئے اختیار کیا اور میں تمہارے لیئے جنت میں پہونچنے اور دوزخ کے عذاب سے محفوظ رہنے کا پورے طور پر ضامن ہوتا ہوں۔

وہ مذہب یہ ہے کہ تم ایک یکتا اور بے نیاز خدا کی عبادت کرو نہ اوس سے کوئی پیدا ہوا نہ وہ کسی سے پیدا ہوا نہ اوسکی کوئی بیوی ہے نہ اولاد ہے نہ اوسکا کوئی ہمسر ہے یہ وہ صفت ہے جو خدا تعالیٰ نے اپنی نسبت بیان کی ہے کیونکہ دنیا میں کوئی اُوسکو اوس سے زیادہ نہیں جانتا۔ میں ایسے ایک خدا کی طرف تمکو بلاتا ہون جسکی یہ صفت ہے اور میں اپنے خط میں خدا کی تعریف اس سے زیادہ نہیں کر سکتا جو خود اوسنے اپنی نسبت بیان کی ہے اوس کا نام اور ذکر اس سے بہت زیادہ بلند ہے جو مشرکین بیان کرتے ہیں۔ یہ ہی طریقہ تمہارے باپ اور ہمارے باپ ابراہیم کا تھا (اونپر خدا کی رحمت ہو) اور وہ خالص مسلمان تھے۔

پھر میں تمکو (خدا تمکو ہر بلا سے محفوظ رکھے) اپنے آقا کی نبوت کے اقرار اور شہادت کی طرف بلاتا ہون جو بنی آدم کے سردار اور خدا کے برگزیدہ اور خاتم الانبیا محمد بن عبداللہ ہیں...... جنکو خدا نے تمام دنیا کے لیئے بشیر یعنی خوشخبری دینے والا اور نذیر یعنی ڈرانیوالا پیدا کیا ہے۔ چنانچہ خدا فرماتا ہے هُوَ الَّذِیۡۤ اَرۡسَلَ رَسُوۡلَهٗ بِالۡهُدٰی وَدِیۡنِ الۡحَقِّ لِیُظۡهِرَهٗ عَلَی الدِّیۡنِ کُلِّهٖ وَلَوۡ کَرِهَ الۡمُشۡرِکُوۡنَ ۝ (سورۂ توبہ ۳۳) یعنی وہ ہے جس نے اپنے رسول کو ہدایت اور دین حق دیکر بھیجا تاکہ اوسکو تمام دینوں پر غالب کرے گو مشرکونکو بُرا ہی کیوں نہ لگے۔ انہوں نے مشرق اور مغرب اور خشکی اور تری اور پہاڑوں اور میدانوں کے سب آدمیوں کو رحمت

اور مہربانی اور اخلاق اور شیریں کلامی سے دعوت کی۔ اور تمام مخلوق نے اون کی دعوت
قبول کی اور اس بات پر گواہی دی کہ وہ خدا کے رسول ہیں اور انکے لیئے جو نصیحت ماننے
کے لیئے تیار ہیں اور تمام دنیا نے دل سے اونکی اطاعت کا اقرار کیا کیونکہ سب لوگ
اونکے قول کے سچا ہونے اور اونکی دلیل کے صحیح اور واضح ہونے کو جان چکے
تھے۔ وہ دلیل ہیں اور حجت قاطع یہ کتاب ہے جو خدا کی طرف سے اونپر نازل ہوئی
اور جسکی مثل کوئی جن اور کوئی انسان نہیں لا سکتا خدا فرماتا ہے قُل لَّئِنِ اجْتَمَعَتِ الْاِنسُ
وَالْجِنُّ عَلٰۤى اَنْ يَّاْتُوْا بِمِثْلِ هٰذَا الْقُرْاٰنِ لَا يَاْتُوْنَ بِمِثْلِهٖ وَلَوْ
كَانَ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ ظَهِيْرًا ۝ (سورۂ بنی اسرائیل۔ ۹۰) یعنی ای پیغمبر لوگوں سے
کہدو کہ اگر آدمی و جنات جمع ہوکر اس بات پر آمادہ ہوں کہ اس قرآن کی طرح کا اور
کلام بنا لائیں تاہم اس جیسا نہیں لا سکتے اگرچہ ان میں سے ایک کی پشتی پر ایک
کیوں نہو۔ یہی دلیل آنحضرت کے دعوی پر کافی ہے انہوں نے ایک بیہمتا اور بے نیاز
خدا کی عبادت پر لوگوں کو دعوت کی۔ لوگوں نے اون کے دین میں داخل ہوکر بلا جبر و
اکراہ کے نہایت خوشی سے اونکی اطاعت قبول کی اور اون لوگوں پر جو اون کی
نبوت اور رسالت سے انکار کرتے اور اونکے ساتھ مقابلہ اور مکابرہ کو تیار رہتے اونکے
نام کی برکت سے غالب آئے اور خدا نے اونکو اونپر مسلط کیا اور قوموں کی گردنیں اونکے
سامنے جھکا دیں مگر جن لوگوں نے اونکی بات کو سنا اور اونکے مذہب کو مانا اور اونکے دین پر
گواہی دی تو اونکے جان و مال اور عزت محفوظ کی گئی اور وہ عاجز ہوکر جزیہ دینے سے
بری ہوئے،، (یہاں الہاشمی اسلام کے ارکان و فرائض بیان کرتا ہے مثلاً پانچ وقت کی
روزانہ نماز۔ رمضان کے روزے۔ جہاد۔ قیامت کے دن مُردوں کا
زندہ ہونا اور اونکا انصاف ہونا۔ بہشت کی خوشیاں اور دوزخ کی تکلیفیں ،،) اب
ہم تمکو سمجھا چکے۔ اگر تم ایمان لائے اور خدا کی نازل کی ہوئی کتاب کی جو آیتیں تمکو

سنائی گئی ہیں اونکو تم نے قبول کرلیا تو ہماری نصیحت اور جو کچھہ تمکو تحریر کیا ہے اوس سے فائدہ اوٹھاؤگے اور اگر تم نے نہیں مانا اور کفر اور گمراہی اور رخی باتوں کی مخالفت پر تم برابر قائم رہے تو ہمتو ضرور اپنے کیے کی جزا پائینگے کیونکہ ہمکو جو حکم دیا گیا تہا ہمنے اوسپر عمل کیا اور خدانے چاہا تو وہی تمہارا انصاف کریگا (اسکے بعد الہاشمی متعدد مذہبی فرائض اور مسلمانوں کے طریقوں کو بیان کرتا ہے اور نتیجہ نکالتا ہے کہ) پس ہینے خدا کا کلام تمکو سنادیا اور کلام سچا ہے اوسکا کوئی وعدہ کبہی خلاف نہیں ہوسکتا نہ اوس کا کوئی قول جہوٹا ہوسکتا ہے جسکو میں اپنے خط میں اوپر لکھہ آیا ہوں اور جو کہ باوجود کم ہونے کے کافی ہے ۔ اب تم کفر اور گمراہی اور بدبختی اور مصیبت کی باتوں کو ترک کرو اور تحریف کی باتونکو چہوڑ و جسکو تم جانتے ہو اور جن کا تم انکار نہیں کرسکتے ۔ اور وہ باپ اور بیٹے اور روح القدس کا قائل ہونا اور صلیب کی پرستش کرنا ہے جو نقصان ضرور دیگا اور فائدہ کچہہ نہیں ۔ میں تمہاری اس حالت کو دیکہکر شکر کرتا ہوں اور تمہارے علم اور فضیلت کی شان کو اس مذہب کی لغویت سے بالا سمجہتا ہوں ۔ میں دیکہتا ہوں کہ خدا اپنی پاک کلام میں فرماتا ہے اِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ اَنْ يُّشْرَكَ بِهٖ وَيَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ يَّشَآءُ ۚ وَمَنْ يُّشْرِكْ بِاللّٰهِ فَقَدِ افْتَرٰٓى اِثْمًا عَظِيْمًا ۝ (نسار - ۵۱) یعنی اللہ اس (جرم) کو معاف کرنے والا ہی نہیں کہ اوسکے ساتہہ کسی کو شریک گردانا جائے ۔ ہاں اسکے سوا جو گناہ جسکو چاہے معاف کردے اور جس نے کسی کو خدا کا شریک گردانا اوس نے (خدا پر) طوفان باندہا جو بہت بڑا گناہ ہے " اسی طرح ایک جگہہ خدا فرماتا ہے لَقَدْ كَفَرَ الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّ اللّٰهَ هُوَ الْمَسِيْحُ ابْنُ مَرْيَمَ ۭ وَقَالَ الْمَسِيْحُ يٰبَنِيْٓ اِسْرَاۗءِيْلَ اعْبُدُوا اللّٰهَ رَبِّيْ وَرَبَّكُمْ ۭ اِنَّهٗ مَنْ يُّشْرِكْ بِاللّٰهِ فَقَدْ حَرَّمَ اللّٰهُ عَلَيْهِ الْجَنَّةَ وَمَاْوٰىهُ النَّارُ ۭ وَمَا لِلظّٰلِمِيْنَ مِنْ اَنْصَارٍ ۝ لَقَدْ كَفَرَ الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّ اللّٰهَ ثَالِثُ ثَلٰثَةٍ ۘ وَمَا مِنْ اِلٰهٍ اِلَّآ

اِلٰهٌ وَّاحِدٌ وَاِنْ لَّمْ يَنْتَهُوْا عَمَّا يَقُوْلُوْنَ لَيَمَسَّنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۝ اَفَلَا يَتُوْبُوْنَ اِلَى اللّٰهِ وَيَسْتَغْفِرُوْنَهٗ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝ مَا الْمَسِيْحُ ابْنُ مَرْيَمَ اِلَّا رَسُوْلٌ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ وَاُمُّهٗ صِدِّيْقَةٌ كَانَا يَاْكُلٰنِ الطَّعَامَ اُنْظُرْ كَيْفَ نُبَيِّنُ لَهُمُ الْاٰيٰتِ ثُمَّ انْظُرْ اَنّٰى يُؤْفَكُوْنَ ۝

(مائدہ - ۷۶ - ۷۷ - ۷۹) یعنی جو لوگ کہتے ہیں کہ خدا تو یہی مریم کے بیٹے مسیح ہیں اور بس یہ لوگ بے شک کافر ہو گئے اور مسیح (تو یوں) سمجھایا کرتے تھے کہ اے بنی اسرائیل اللہ (ہی) کی عبادت کرو کہ وہ میرا اور تمہارا سب کا پروردگار ہے۔ اسمیں شک نہیں کہ جو اللہ کے ساتھ کسی کو بھی شریک گردانے اللہ کی طرف سے بہشت اوسپر حرام ہو چکی اور اوسکا ٹھکانا دوزخ ہے اور ایسے ظالموں کا کوئی بھی مددگار نہیں جو لوگ کہتے ہیں کہ خدا تو یہی تین میں کا تیسرا ہے۔ یہ لوگ بھی بے شک کافر ہو گئے حالانکہ خدائے واحد کے سوا کوئی معبود نہیں اور جیسی جیسی باتیں یہ لوگ کہتے ہیں اگر اونسے باز نہیں آئینگے تو جو لوگ اونمیں سے کفر کرتے رہینگے اون پر عذاب دردناک نازل ہو کر رہیگا۔ کیا یہ خدا کے آگے توبہ اور استغفار نہیں کرتے اور اللہ تو بڑا بخشنے والا مہربان ہے۔ مریم کے بیٹے مسیح تو صرف ایک رسول ہیں اور بس اون سے پہلے بھی بہتیرے رسول ہو گذرے ہیں اور اونکی والدہ (خدا کی ایک) سچی (بندی) تھیں۔ یہ دونوں (ماں بیٹے) کھانا کھاتے تھے دیکھو تو سہی ہم کس طرح کھول کھولکر ان لوگوں سے دلائل بیان کرتے ہیں پھر دیکھو یہ لوگ کدھر اولٹے بھٹکے چلے جا رہے ہیں'' اب تم اس گمراہی کو اور اوس سخت تعصب کو جو تکلیف میں ڈالنے والا ہے اور روزروں کی سخت محنت کو اور دائمی شقاوت اور تکلیف سخت کو جس میں تم ڈوبے ہوئے ہو اور جس سے سوائے جسمانی اور روحانی تکلیف کے کوئی فائدہ نہیں ہے'' چھوڑ دو اور اس مضبوط دین میں داخل ہو جس کا رستہ آسان ہے جسکے عقیدے سچے ہیں۔ جسکے قانون عمدہ ہیں اور جس کا رستہ کشادہ ہے اور جسکو خدا نے

اپنے بندوں میں سے اپنے دوستوں کے لیئے پسند کیا اور تمام مذہبوں کو چھوڑکر مہربانی اور احسان سے اسی مذہب کی طرف تمام مخلوق کو دعوت کی ہے تاکہ اونکو ہدایت ہو اور خدا کی نعمت اونپر پوری ہو۔

میں تمکو نصیحت کر چکا اور دوستی اور سچی محبت کا حق ادا کر چکا۔ کیونکہ میں چاہتا ہوں کہ تمکو اپنے ساتھہ شامل کروں اور میں اور تم دونوں ایک خیال اور ایک مذہب پر ہوں میں دیکھتا ہوں کہ خدا اپنے کلام محکم میں فرماتا ہے اِنَّ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا مِنْ اَھْلِ الْکِتٰبِ وَالْمُشْرِکِیْنَ فِیْ نَارِ جَھَنَّمَ خٰلِدِیْنَ فِیْھَا اُولٰٓئِکَ ھُمْ شَرُّ الْبَرِیَّۃِ ۝ اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ اُولٰٓئِکَ ھُمْ خَیْرُ الْبَرِیَّۃِ ۝ جَزَآؤُھُمْ عِنْدَ رَبِّھِمْ جَنّٰتُ عَدْنٍ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِھَا الْاَنْھٰرُ خٰلِدِیْنَ فِیْھَآ اَبَدًا ؕ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْھُمْ وَرَضُوْا عَنْہُ ؕ ذٰلِکَ لِمَنْ خَشِیَ رَبَّہٗ ۝ (بینہ - ۵ - ۸)

یعنی بیشک اہل کتاب اور شرکین میں سے جو لوگ انکار کرتے رہے وہ (آخر کار) دوزخ کی آگ میں ہونگے اور اُسمیں ہمیشہ رہینگے یہ لوگ بدترین خلائق ہیں بیشک جو لوگ ایمان لائے اور اونہوں نے نیک عمل بھی کیئے یہی لوگ بہترین خلائق ہیں اُنکا بدلا اونکے پروردگار کے ہاں رہنے کے باغ (بہشت) ہیں جنکے تلے نہریں پڑی بہ رہی ہونگی اور وہ اون میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے۔ اللہ اون سے خوش اور وہ اوس سے خوش۔ یہ اوسکے لیئے ہی جو اپنے پروردگار سے ڈرتا ہے۔ دوسری جگہہ خدا فرماتا ہے کُنْتُمْ خَیْرَ اُمَّۃٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَتَنْھَوْنَ عَنِ الْمُنْکَرِ وَتُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰہِ ؕ وَلَوْ اٰمَنَ اَھْلُ الْکِتٰبِ لَکَانَ خَیْرًا لَّھُمْ ؕ مِنْھُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ وَاَکْثَرُھُمُ الْفٰسِقُوْنَ ۝ (آل عمران - ۱۰۶) یعنی لوگوں کے (فائدہ) کے لیئے جس قدر امتیں پیدا ہوئیں اون میں تم مسلمان سب سے بہتر ہو کہ اچھے کام کرنے کو کہتے ہو اور برے کاموں سے منع کرتے ہو اور اللہ پر ایمان رکھتے ہو اور اگر اہل کتاب ایمان لے آتے

تواونکے حق میں بہتر تھا مگر) اون میں سے تھوڑے ایمان لائے اوراکثر نافرمان ہیں" خدا تمکو زندہ اور سلامت رکھے میں اس بات سے ڈرتا ہوں کہ تم دوزخیوں میں شامل ہو جو بدترین خلائق ہیں اور امید رکھتا ہوں کہ تم خدا کی ہدایت سے ایمان والوں میں شامل ہوگے جن سے خدا خوش ہے اور وہ خدا سے خوش ہیں اور وہی بہترین خلائق ہیں اور میں امید کرتا ہوں کہ تم اوس امت میں شامل ہوگے جو اون تمام امتوں سے بہتر ہے جو کہ لوگوں کے فائدے کے لیئے پیدا ہوئیں لیکن اگر تم انکار کرو اور جھگڑو اور تکرار اور زنادانی اور کفر اور سرکشی میں مبتلا رہو جس میں کہ تم ابھی تک مبتلا ہو اور ہماری بات کو نہ مانو اور ہماری نصیحت کو نہ سُنو حالانکہ نہ تم سے ہم اس کا انعام طلب کرتے ہیں نہ شکریہ کے خواستگار ہیں تو نہایت اطمینان سے اپنے مذہب کی کیفیت لکھہ بھیجو جو تمہارے نزدیک صحیح ہو اور جس پر تمہارے نزدیک دلیل قایم ہو چکی ہو۔ دلیل لانے میں ذرا کمی نہ کرنا اور نہ اپنے اعتقاد کو چھپانا اور کچھ خوف اور باک نہ کرنا میں صبر کے ساتھ تمہاری دلیل کو سُنونگا اور جو حجت مجھپر قائم ہوا اوسکو مانونگا۔ اور دل سے مانونگا۔ میں نہ انکار کرونگا۔ نہ ہٹ دہرمی اور نہ کچھ خوف کرونگا۔ یہ اس لیئے کہا کہ جو کچھ تم ہمارے سامنے پیش کروگے اور ہمکو سُناؤگے اوسکا ہم اندازہ کریں اور جو معلومات ہمکو حاصل ہیں اونمیں شامل کریں پھر اسکے بعد تمکو اجازت دیں کہ تم دل کھولکر بیان کرو اور ہمپر یہ دلیل نہ لاؤ کہ ہم خوف کے سبب رک گئے اور کافی طور پر حجت نہ لاسکے اور اسبات کی ضرورت ہوئی کہ ہم اپنی زبان کو بند کرلیں اور دل کھولکر اپنی دلائل نہ بیان کریں۔ اس لیئے ہمنے تمکو دلائل بیان کرنے کے لیئے پوری آزادی دی تاکہ تم ہماری طرف اس بات کو منسوب نہ کرسکو کہ ہم مغرور ہیں اور ہم پر حجت نہ لاسکو کہ ہمنے ہٹ دھرمی اور زیادتی کی کیونکہ یہ بات ہماری شان کے خلاف ہے۔

خدا تمکو تمام آفات سے محفوظ رکھے اب تم جو چاہو دلیل لاؤ اور جس طرح چاہو بیان کرو اور جو تمہارا جی چاہے کہو اور تم اپنے خیال میں جس بات کو سمجھو کہ اس سے مضبوط دلیل پیدا ہوگی اوسکو بھی لکھکر بیان کرو۔ اب تم وسیع طور پر امن و امان میں ہو اور خدا تمکو نیکی دے جبکہ ہمنے اسقدر آزادی تمکو دی۔ اور تمہاری زبان اسقدر کھولوائی تو ہمارا یہہ حق بھی تم پر لازم ہے کہ تم اپنے اور ہمارے درمیان ایک ایسے منصف حکم کو مقرر کرو جو فیصلہ میں ناانصافی نہ کرے اور ہواے نفسانی کے غلبہ سے دور رہ کر ناحق کی طرف نہ جھکے۔ اور حکم عقل ہے جس پر خدا لیتا اور دیتا ہے۔ ہمنے تمسے کلام کرنے میں انصاف کا خیال رکھا ہے اور تمکو نہایت وسیع طور پر آزادی دی ہے اب ہم عقل کے فیصلہ پر راضی ہیں خواہ وہ فیصلہ ہماری راے کے موافق ہو یا مخالف۔ کیونکہ مذہب میں کوئی جبر نہیں ہے اور ہمنے تمکو اپنے مذہب کی دعوت جبر سے نہیں کی ہے بلکہ خوشی اور رغبت دلانے کے طریق پر کی ہے اور جس مذہب پر تم ہو اوسکی خرابی جتا دی ہے اب تمپر سلام ہو اور خدا کی رحمت اور اوسکی برکتیں تمپر نازل ہوں“ (تمام شد)[۵۱]

اسمیں شک نہیں کہ یہ خط غیر مکمل حالت میں ہمتک پہنچا اور عیسائی نقلنویسوں نے اسمیں بہت کچھ رد و بدل کر دیا بعض مسائل مذہبی کا ذکر جو عیسوی مذہب کے ساتھہ خصوصیت رکھتے ہیں مثلاً مسئلہ تثلیث کا رد اس خط میں بیان نہیں ہے لیکن عبد المسیح الکندی کے جواب میں رد تثلیث کے خلاف جو عبارتیں دیکھنے میں آتی ہیں اون سے صاف ظاہر ہے کہ ہاشمی کے خط سے وہ مضامین جو عسائیوں کو ناراض کرتے تھے اوڑا دیئے گئے [۵۲]

---

۵۱ مولوی سید وحید الدین صاحب سلیم نے نہایت مہربانی فرماکر براہ راست عربی زبان سے اس خط کا ترجمہ کر دیا جسکو میں نے بجنسہ یہاں نقل کیا ہے۔ مولوی صاحب موصوف کا میں نہایت مشکور ہوں۔ انگریزی ترجمہ سے جو اصل کتاب میں ہے یہ اردو کا ترجمہ بالکل مطابق ہے۔ (مترجم)

۵۲ اسی طرح مشہور عیسائی الوارا اور ایک یہودی کے درمیان جو عیسائی مذہب چھوڑ کر یہودی ہوا تھا سخت مذہبی مناظرہ میں جو خط و کتابت ہوئی اوسکو ایڈیٹر نے پندرہویں خط میں لکھا ہے کہ ”اس صفحہ پر چودہ سطریں اس طرح مٹائی گئی ہیں کہ ایک سطر بھی نہیں پڑہی جاتی۔ مالک کتاب نے آگے کا صفحہ بالکل اوڑا دیا ہے تاکہ یہودی نے جو دیوانوں کی طرح بڑہانکی ہے اوسکو کوئی شخص نہ پڑہ سکے۔ (دیں توم ۱۲۱ صفحہ ۴۸۳)

ضمیمہ سوم

مسلمانوں اور غیر مذہب کے لوگوں کے درمیان مناظرانہ تحریریں

اگرچہ مسلمانوں کے ہاں تبلیغ مذہب کے لیے کوئی مستقل انتظام یا سررشتہ نہیں ہی اور نہ ایسی انجمنیں موجود ہیں جو مذہبی کتابیں اور رسالے اشاعتِ دین کی غرض سے تقسیم کریں یا ایسے ہی اور طریقوں سے اسلام کو پھیلائیں لیکن مسلمانوں کے ہاں ایسی کتابوں کی کمی نہیں ہی جن میں غیر مذہب والوں کے خلاف خاص کر یہودیوں اور عیسائیوں کے مقابلہ میں مذہب اسلام کی فضیلت کو دلیل اور حجت سے ثابت کیا ہو۔ ان کتابوں کا مفصل حال لکھنا ہمارا مقصود نہیں ہو بلکہ اُن کی طرف صرف متوجہ کرنا ضروری ہی تاکہ دعوت اسلام کے متعلق لوگوں کا یہ عام خیال رفع ہو جاوے کہ جب کبھی اسلام کی اشاعت ہوئی تو ہزاروں آدمیوں نے یک لخت مجبور ہو کر اسلام قبول کیا اور وہ دلی اعتقاد سے مسلمان نہیں ہوے بلکہ غیر مذہب والوں کو اعتقاد پیدا کر کے مسلمان کرنا داعیانِ اسلام کا مقصد ہی نہ تھا اگرچہ کفار کے خلاف اسلامی مباحثوں کی ابتدا قرآن شریف سے ہوتی ہی لیکن دراصل نویں صدی عیسوی سے مسلمانوں کی مناظرانہ تحریروں کا ایک زبردست سلسلہ شروع ہوا جو ابتک جاری ہی یہ تحریریں اور کتابیں عیسوی مذہب کے رد میں اسقدر لکھی گئی ہیں کہ عیسائی مذہب کی طرف سے اسلام کے رد میں اتنی کتابیں تحریر نہیں ہوئیں۔ اور بعض زبردست علمائے اسلام نے مثلاً ابو یوسف ابن اسحاق الکندی (سنہ ۸۱۳-۸۷۳ء) مسعودی (سنہ وفات ۹۵۸ء) - ابن حزم (سنہ ۹۹۴-۱۰۶۴ء) - امام غزالی (سنہ وفات ۱۱۱۱ء) نے ان کتابوں کی تحریر کیلیے قلم اُٹھایا بعض

عیسائیوں نے بھی مسلمان ہوکر اسلام کی حمایت اور اپنے مسلمان ہونے کے حالات اور وجوہات میں کتابیں لکھیں - چنانچہ گیارہویں صدی عیسوی میں ابن جزلہ نے اور تیرہویں صدی عیسوی میں یوسف اللبنانی اور شیخ زیاد ابن یحییٰ نے اور پندرہویں صدی عیسوی میں عبداللہ ابن عبداللہ نے (جس کا حال ضمیمہ چہارم میں لکھا گیا ہی) اور سولہویں صدی عیسوی میں احمد ابن عبداللہ نے جو انگریز تھا اور انگلستان کے شہر کیمبرج میں پیدا ہوا تھا اسلام کی حمایت اور اپنے اسلام لانے کے حال میں کتابیں لکھیں - یہ سب لوگ مسلمان ہونے سے پہلے عیسائی مذہب رکھتے تھے چند یہودیوں نے بھی اسلام قبول کرکے اسی قسم کی تحریریں لکھیں لیکن اُن کی تعداد اُن مسلمانوں کی کتابوں سے کم ہے جو عیسائی مذہب چھوڑ کر مسلمان ہوئے تھے - ہندوستان میں بھی علاوہ اُن متعدد کتابوں کے جو عیسوی مذہب کے رد میں لکھی گئیں ہندوؤں کے مذہب کے خلاف مسلمانوں نے بکثرت کتابیں لکھی ہیں - لیکن یہ بات مجھکو تحقیق نہیں ہی کہ اور ملکوں میں بھی جہاں بت پرست رہتے ہیں مسلمانوں نے اس قسم کی کتابیں تحریر کیں -

مفصلۂ ذیل کتابوں سے مسلمانوں کی مناظرانہ تحریروں کے متعلق بخوبی معلومات حاصل ہوسکتی ہیں -

(۱) موریتاستین شٹینڈر کی کتاب " پولیمیشے انڈا پولوگتیشے لیترا توران عرابیشر سپراخے زویشن مسلیمن - کرستین انڈ جودین " (مطبوعۂ لائپزگ ۱۸۷۷ء -

(۲) اگناتیوس گولڈزیہر کی کتاب " اوبر محمدانیشے پولیمیک گیگن اہل الکتاب (ز - د - م - گ - جلد ۳۲ صفحہ ۳۷۱ ۱۸۷۸ء)

(۳) مارتین شرائزر کی " زور گیشیختے دیر پولیمیک ژ ویشن جودین انڈ محمدانیرن " ز - د - م - گ - جلد ۴۲ - صفحہ ۵۹۱ ۱۸۸۸ء)

ضمیمۂ چہارم

وہ لوگ جنہوں نے بغیر داعیانِ اسلام کی ہدایت کے اسلام قبول کیا

اشاعت اسلام کے حالات اُس وقت تک مکمل تصور نہیں ہو سکتے جبتک کہ ایسے لوگوں کا ذکر نہ کیا جاوے جنہوں نے بغیر واعظین اسلام سے واسطہ پڑے بلکہ بغیر کسی مسلمان کو دیکھے صرف اسلامی کتابیں مطالعہ کرکے اسلام قبول کیا۔ ایسے لوگوں کی تعداد کچھ کم نہیں ہو لیکن اُن کے مسلمان ہونیکے متعلق جو حالات تحقیق ہوتے ہیں وہ کم ہیں اس طرح کے چند لوگوں کا حال کسی قدر تفصیل سے یہاں لکھا جاتا ہو۔ اگرچہ دعوت اسلام کی تاریخ سے اُس کو واسطہ نہیں ہو۔ مگر فی نفسہ وہ دلچسپ ہو۔

غالباً سب سے پہلا شخص جو اس طرح مسلمان ہوا وہ ایک یونانی تھا جسکا نام تھیوڈس کلوس تھا اور وہ سینٹ آئسوڈور کی موت پر (۶۳۶ء) سیوایل کا آرچ بشپ مقرر ہوا تھا عیسائیوں نے تھیوڈس کلوس کو اس وجہ سے ملحد قرار دیا کہ وہ مسیح (علیہ السلام) کو باپ اور روح القدس کے ساتھ وحدت میں ایک خدا نہ مانتا تھا بلکہ اُس کو خدا کا متبنّٰی تسلیم کرتا تھا۔ چنانچہ کلیسا کی ایک مجلس نے تھیوڈس کلوس کو ملحد قرار دیا اور آرچ بشپ کے عہدے سے اُس کو برخاست کیا بلکہ قسیس کی سند بھی اُس سے چھین لی۔ پس وہ عربوں کے پاس چلا گیا اور وہاں مسلمان ہو گیا۔[۱]

یہ امر تحقیق نہیں ہو سکا کہ مذہب اسلام کی نسبت جو واقفیت اوّل یورپ میں

[۱] لوکاس یا ذری کی تاریخ دنیا۔ جلد ۴۔ صفحہ ۵۳ (مطبوعۂ فرانک فرٹ ۱۶۰۳۔۱۶۰۸ء)

ملک اسپین سے پہلی یا اس کے بعد صلیبی لڑائیوں کے زمانہ میں یورپ کے تعلقات
بلاد اسلامیہ سے پیدا ہوئے تو ان وقتوں میں یورپ کے عیسائیوں کو اسلام قبول
کرنے کی طرف رغبت ہوئی یا یہ کہ زمانہ متوسطہ کے اکثر عیسائی فرقے جو ملحد سمجھے جاتے
تھے اُنھوں نے مذہبی خیالات کی آزادی کیلیے احاطہ اسلام میں شامل ہونا چاہا
سلطنت روم کی عیسائی رعایا یا صلیبیوں کے ذکر کی جو مسلمان ہوئے یہاں ضرورت
نہیں کیونکہ ان کا ذکر ہم اس کتاب میں لکھ چکے ہیں۔

جن لوگوں نے بغیر واعظوں کی کوشش کے خود اسلام قبول کیا اُن میں سب سے
زیادہ عجیب اور مفصل حال ایک پادری کا ہی جو کتاب ہدیۃ الاریب فی الرّد علی اہل الصلیب
میں بیان ہی۔ اس کتاب کو اسی پادری نے مسلمان ہونے کے بعد عبداللہ ابن عبد اللہ
اپنا نام رکھکر سنہ ۱۴۲۰ء میں عیسوی مذہب کے رد میں لکھا۔ کتاب کے دیباچہ میں اُس نے
اپنی سوانح عمری لکھی ہے جس سے معلوم ہوتا ہی کہ وہ جزیرۂ میورقہ (میجورکا) میں دولتمند
ماباپ کے گھر میں پیدا ہوا۔ بچپن سے اُس کی تعلیم پادری بننے کے لیے ہوئی چھ برس
کی عمر سے اُس کو انجیل پڑھنے بٹھایا گیا اور اُس نے انجیل کے بہت سے حصے حفظ یاد
کر لیے لغت اور منطق پڑھنے کے بعد وہ لاردہ (لیرئڈا) کی یونیورسٹی کو جو ملک قطلونیہ
(کیٹی لونیا) میں تھی روانہ کیا گیا۔ یہاں چار برس تک اُس نے عیسوی دینیات کی
تحصیل میں کوشش کی۔ پھر لاردہ سے وہ بلونیا (بلونا) کی یونیورسٹی میں گیا جو اُس وقت
شہرۂ آفاق تھی۔ یہ پادری لکھتا ہی کہ "یہاں میں ایک پادری کے گھر میں جاکر رہا جس کی
لوگ بہت عزت کرتے تھے اور اُس کا نام نکولس مارتیل تھا۔ بلونیہ میں اس پادری کو
اپنے علم و فضل زہد و پارسائی کیوجہ سے جن میں وہ یگانۂ روزگار تھا بڑا رتبہ حاصل تھا۔
مذہب کے نہایت مشکل مسائل اطراف ملک سے حل ہونیکے لیے ملکوں کے بادشاہ
اور اور لوگ مع بیش قیمت تحائف کے اُسکے پاس بھیجتے تھے .... اس پادری سے

میں سنے عیسائی مذہب کا علم اُصول پڑھا اور مدت تک اُس کی خدمت کی یہاں تک کہ وہ مجھکو اپنے خاصانِ خاص میں سے سمجھنے لگا۔ چونکہ میں نے نہایت دل سے اُس کی خدمت گذاری کی اس لیے اُس نے اپنے تمام گھربار اور مال ومتاع کی کنجیاں میرے حوالے کر دیں اور اس طرح دس برس میں نے اس پادری کی ملازمت اور تحصیل علم میں صرف کیے اتفاقاً ایک روز وہ بیمار ہو گیا اور درس گاہ میں پڑھانے کیلیے نہ آیا سب طالب علم جو اُس سے سبق لیا کرتے تھے اُس کے انتظار میں بیٹھے بیٹھے مختلف مسائل علمی پر بحث مباحثہ کرنے لگے یہاں تک کہ ان مباحثوں میں خدا کے اُس کلام کا ذکر آیا جس کو خدا نے اپنے پیغمبر عیسےٰ علیہ السلام کی زبانی القا فرمایا تھا کہ "میرے بعد ایک نبی آئیگا جس کا نام فارقلیط ہوگا"۔ اِس کلام پر دیر تک قیل و قال ہوتی رہی لیکن بغیر اس کے کہ کوئی بات فیصل ہوتی اور کوئی با معنے توجیہ لفظ فارقلیط کی ہوتی سب طالبعلم اپنے اپنے گھر چلے گئے۔

جب میں اپنے اُستاد کے گھر واپس آیا تو اُس نے مجھ سے پوچھا کہ آج میری غیبت میں تم نے کس مضمون پر بحث کی؟" میں نے عرض کیا کہ لفظ فارقلیط پر بحث ہوئی۔ لیکن ہم سب کسی ایک بات پر متفق نہ ہوسکے۔ کسی نے کچھ رائے لگائی اور کسی نے کچھ"۔ اسکے بعد میں نے وہ تمام رائیں بیان کیں جو مختلف طلبا نے فارقلیط کے نام کی نسبت ظاہر کی تھیں۔ پادری نے پوچھا کہ "خاص تم نے اس مسئلہ کو کیونکر حل کیا؟ میں نے عرض کیا کہ "فلاں فلاں مفسر نے انجیل کی تفسیر میں جو کچھ لکھا ہو وہ ہی میں نے بیان کیا تھا"۔ مارتیل یہ سُنکر بولا "حق بات سے قریب تم پہنچ گئے تھے لیکن پھر بھی بہت دور رہے فلاں طالب علم نے یہ غلطی کی اور فلاں طالب علم سچی بات کے لگ بھگ پہنچ گیا تھا لیکن جو حقیقی معنے ہیں اُس تک کوئی نہ پہنچا۔ کیونکہ اس مقدس نام کے معنی اُن علمار کے سوا کوئی شخص نہیں جانتا جن کا علم راسخ ہے اور درجہ کمال کو پہنچ گیا ہو۔ معلوم ہوا کہ

تمھارا پایۂ علمی ابھی بہت کم ہی!"

یہ باتیں سُن کر میں پادری کے قدموں پر گر پڑا اور اُس کے پاؤں کو بوسہ دیکر میں نے التجا کی کہ "اے میرے آقا میں ایک دور دراز ملک سے آپ کے پاس آیا ہوں۔ دس برس سے آپ کی خدمت میں حاضر ہوں اور میں نے وہ علمی فوائد آپ کی ذات سے حاصل کیے ہیں جو بیان سے باہر ہیں۔ اب آپ اس اسم مبارک (فارقلیط) کے معنی بتا کر مجھ پہ اپنے احسانات کا خاتمہ کر دیجیے۔" بوڑھا پادری یہ سُنکر رونے لگا اور کہا کہ "بیشک تو نے میری بہت خدمت کی ہی اسیلیے تیری خاطر مجھ کو عزیز ہے۔ فی الواقع اس اسم شریف کے معنی پر علم حاصل کرنے میں بڑا فائدہ ہی۔ لیکن مجھ کو خوف ہی کہ اگر اُس کے معنی میں نے تجھ پر ظاہر کیے تو عیسائی تجھے مار ڈالیں گے۔"

یہ سُنکر میں نے کہا "قسم ہے مجھکو خدا کی اور قسم ہی انجیل اور اُس کے لانیوالے کی کہ بلا آپ کی اجازت میں اس راز کو کسی پر فاش نہ کروں گا۔ پادری نے کہا کہ اے فرزند جب تو پہلے پہل میرے پاس آیا تھا تو میں نے تجھ سے پوچھا تھا کہ تیرا وطن کہاں ہی۔ کیونکہ میں جاننا چاہتا تھا کہ وہ مسلمانوں کے ملک کے پاس ہے یا دور۔ اور یہ کہ تیرے ملک کے لوگ مسلمانوں سے لڑنے جاتے ہیں یا مسلمان اُنسے لڑنے آتے ہیں۔ غرض میں نے یہ تحقیق کرنا چاہا تھا کہ اسلام کے ساتھ تجھ کو کس درجہ کی نفرت ہی۔ پس اب اے عزیز معلوم کر کہ فارقلیط پیغمبر اسلام کے اسمائے مبارک میں سے ایک نام ہی اور یہ وہی پیغمبر ہیں جنپر وہ چوتھی کتاب نازل ہوئی جس کا وعدہ دانیال نبی کی زبانی خدا نے کیا تھا یقینی پیغمبر اسلام کا دین سچا دین ہی اور اس کا مذہب روشنیوں سے بھرا ہوا ہی جس کا ذکر انجیل میں ہی۔

یہ سُن کر میں نے پوچھا کہ "اگر ایسا ہی تو پھر عیسائی مذہب کی نسبت آپکی کیا رائے ہی؟ پادری نے جواب دیا "اے عزیز۔ اگر عیسائی مسیح علیہ السلام کے دین پر قایم رہتے تو

خدا کا دین اُن پاس رہتا کیونکہ مسیح علیہ السلام کا دین مثل دیگر انبیاء کے دین کے منجانب اللہ ہی "۔

میں نے پوچھا" تو اب اس کا کیا علاج ہی؟"

پادری نے کہا کہ" اے عزیز اسلام قبول کرلے"۔

میں نے دریافت کیا" تو کیا جو شخص اسلام قبول کرتا ہی وہ مستحق نجات ہی"۔

پادری نے جواب دیا" ہاں اُس کو دنیا اور آخرت میں نجات ملتی ہی"۔

پھر میں نے عرض کیا کہ" اے آقا۔ ہر عاقل اپنے لیے وہی چیز پسند کرتا ہی جسکو وہ سب سے بہتر سمجھتا ہی۔ جب اسلام کی فضیلت کو آپ تسلیم کرتے ہیں تو خود کیوں مسلمان نہیں ہو جاتے؟"

پادری نے کہا کہ" اے عزیز مذہب اسلام کی فضیلت اور خوبیاں اور پیغمبر اسلام کے درجات خدا نے مجھپر عالم ضعیفی میں ظاہر کیے۔ اب میں ایک پیر نحیف ہوں۔ لیکن اس کہنے سے میری یہ مراد نہیں ہی کہ یہ عذر قابل پذیرائی ہے بلکہ برخلاف اس کے خدا کی حجت مجھپر قائم ہی۔ اگر تمھاری سی عمر میں خدا کی طرف سے مجھ کو یہ علم حاصل ہوتا تو میں سب چیزوں کو چھوڑ کر اسلام کے سچے دین کو قبول کرتا لیکن دنیا کی محبت تمام گناہوں کی جڑ ہی۔ تم کو معلوم ہی کہ عیسائیوں میں مجھ کو کیا درجہ حاصل ہی اور وہ میری کیسی عزت اور توقیر کرتے ہیں۔ اب اُن کو اگر ذرا بھی معلوم ہو کہ میرا میلان خاطر اسلام کی طرف ہی تو وہ سب ملکر مجھ کو فوراً قتل کر ڈالیں گے۔ اگر فرض کرو کہ میں اُن کی دار و گیر سے کسیطرح بچکر مسلمانوں کے ملک میں بخیریت پہنچ بھی گیا تو پھر کیا نتیجہ ہی۔ اگر میں نے مسلمانوں سے کہا کہ میں مسلمان ہو کر تم میں آباد ہونا چاہتا ہوں تو وہ مجھ سے کہیں گے کہ سچے دین کو قبول کرکے تم اپنے اوپر احسان کروگے کیونکہ پھر خدا کے مواخذہ سے بچ جاؤگے لیکن تمھارے مسلمان ہونے سے ہم کو کیا نفع ہی۔ جب یہ جواب ملیگا تو سوائے اس کے کیا ہوگا کہ میں ستر برس کا بڈھا

مفلس مسلمانوں کی زبان سے ناواقف فاقہ کشی سے مرنیکے لیے اُن میں پڑا رہوں اور مجھ کو خبر تک نہ ہو کہ اس حال سے پہلے مجھ کو کیا درجہ و مرتبہ حاصل تھا۔ پس میں خدا کا شکر کرتا ہوں اور خدا کو گواہ کرتا ہوں کہ میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے دین پر اور اُس وحی پر جو اُنپر نازل ہوئی ثابت قدم ہوں"۔

میں نے کہا" تو کیا میرے حق میں اب آپ کی نصیحت یہ ہی کہ میں مسلمانوں کے ملک میں جاؤں اور اُن کا مذہب اختیار کروں۔؟"

پادری نے کہا" ہاں۔ اگر تم عقلمند ہو اور نجات کی خواہش رکھتے ہو تو فوراً جاؤ اور مسلمان ہو کر دنیا اور آخرت کی نعمتیں حاصل کرو۔ لیکن یاد رہے کہ اس وقت تک ہماری ان باتوں کی کسی کو اطلاع نہیں ہی اور آیندہ بطور راز کے نہایت احتیاط سے اُن کو اپنے دل میں پوشیدہ رکھو۔ کیونکہ اگر ان باتوں کا ایک شمہ بھی کسی پر ظاہر ہو گیا تو تم فوراً مار ڈالے جاؤگے اور میں تمہارے لیے کچھ نہیں کر سکوں گا۔ اگر یہ راز تم نے کسی پر ظاہر کیا تو پھر مجھپر الزام لگانے سے تم کو کچھ نفع نہ ہوگا۔ کیونکہ جو کچھ میں تمہارے خلاف کہوں گا اُس کو عیسائی سچ سمجھینگے۔ اور جو کچھ تم میرے خلاف کہوگے اُس کا کوئی یقین نہیں کرے گا"۔

میں نے کہا" خدا مجھکو اس خیال تک سے محفوظ رکھے کہ میں اس راز کو فاش کروں"۔

غرض اپنے اُستاد کے حسب منشا میں نے وعدہ و اقرار کیا اور سامان سفر مہیا کر کے اُستاد سے رخصت ہوا۔ چلتے وقت اُس نے میرے حق میں دعا کی اور زادراہ کیلیے مجھکو پچاس دینار دیے۔

اوّل میں نے شہر میورقہ کا جو میرا وطن تھا رخ کیا اور وہاں چھ مہینے تک قیام کیا پھر میورقہ سے سوار ہو کر جزیرہ سسلی کو گیا۔ یہاں پانچ مہینے تک میں اس انتظار میں ٹھہرا رہا کہ کوئی جہاز بلاد اسلامیہ کو جاتا ہوا ملے۔ اتفاقاً ایک جہاز جو تونس کو جاتا تھا

سسلی کے بندرگاہ میں آیا اور میں اُسپر سوار ہوا۔ جزیرہ سسلی سے شام کے دُھندلکے میں جہاز نے لنگر اُٹھایا اور دوسرے دن بندرگاہ تونس میں دوپہر کیوقت پہونچ گیا۔ جب میں جہاز سے اُترکر تونس کے محصول خانہ میں آیا تو چند عیسائی سپاہی میرا حال سُنکر میرے پاس آئے اور مجھ کو اپنے گھر لیگئے۔ بعض عیسائی سوداگر بھی جو تونس میں رہتے تھے اُن کے ہمراہ تھے۔ چار مہینے تک میں ان عیسائیوں میں خوش وخرم رہا اور اُنھوں نے اس زمانے میں میری بہت خاطر و مدارات کی۔

جب چار مہینے اس طرح گزر لیے تو میں نے ان عیسائیوں سے پوچھنا شروع کیا کہ سلطان تونس کے دربار میں کوئی شخص ایسا بھی ہی جو عیسائیوں کی زبان جانتا ہو۔ اُس وقت یہاں کا سلطان سلطان ابو العباس احمد تھا۔ غرض لوگوں نے مجھے بتایا کہ درباریوں میں یوسف طبیب ایسا شخص ہی جو عیسائیوں کی زبان جانتا ہی۔ اور وہ سلطان کا طبیب اور مقرب اور ملازمین خاص میں سے ہی۔

یہ سُن کر میں بہت خوش ہوا اور پتا پوچھکر یوسف طبیب کے مکان پر پہنچا۔ جب اوس سے میری ملاقات ہوئی تو میں نے اپنے حالات بیان کیے اور کہا کہ اسلام قبول کرنے کی تمنّا میرے یہاں آنے کا باعث ہوئی ہی۔ یوسف یہ خبر سُن کر بہت خوش ہوا خاصکر اس وجہ سے کہ یہ امر خیر اُسکے ذریعہ سے ظہور میں آئیگا۔ یوسف فوراً گھوڑے پر سوار ہوا اور مجھے ساتھ لیکر سلطان کے محل میں آیا اور بادشاہ سے میرا حال کہکر اجازت چاہی کہ مجھکو حضوری کی عزت ملے۔ سلطان نے یہ درخواست منظور کی اور میں سلطان کے حضور میں پیش ہوا۔

سلطان نے اوّل میری عمر پوچھی۔ میں نے عرض کیا کہ میری عمر پینتیس برس کی ہی اُسکے بعد پڑھنے پڑھانے کا حال پوچھا اور میں نے جو کچھ حال تھا عرض کیا۔

سلطان نے سب حال سُنکر کہا کہ "تم نے بہت اچھا کیا کہ یہاں چلے آئے۔ اب مسلمان ہو جاؤ اور خدا کی تمپر رحمت ہو۔"

میں نے یوسف طبیب سے جو اسوقت میرا ترجمان تھا کہا کہ سلطان کی خدمت میں میری طرف سے عرض کیا جاوے کہ جو شخص اپنا مذہب چھوڑتا ہے اُسکو اکثر لوگ سخت وسست ضرور کہتے ہیں اور اُس کی نسبت بُری باتیں مشہور کرتے ہیں۔ اس لیے میں سلطان سے اجازت چاہتا ہوں کہ عیسائی سوداگروں اور سپاہیوں کو دربار میں بُلاکر میری نسبت اُن سے پوچھا جاوے تاکہ سلطان کو معلوم ہو کہ میرے ہم مذہبوں کا میری نسبت کیا خیال ہے اس کے بعد میں مسلمان ہو جاؤں گا۔

سلطان نے ترجمان کے ذریعہ سے جواب دیا کہ "تمھاری یہ درخواست بالکل ایسی ہے جیسے کہ عبداللہ ابن اسلام نے مسلمان ہونیکے وقت پیغمبر خدا صلے اللہ علیہ وسلم سے کی تھی" اسکے بعد سلطان نے عیسائی سپاہیوں کو اور بعض عیسائی سوداگروں کو بُلایا اور اپنی نشست گاہ کے قریب ہی ایک کمرہ میں مجھ کو بٹھایا پھر سلطان نے عیسائیوں سے پوچھا کہ فلاں ~~فلاں~~ جہاز سے جو پادری ہمارے ملک میں اُترا تھا اور اب تک مقیم ہے اُسکی نسبت تمھاری کیا رائے ہے۔ عیسائیوں نے کہا کہ ہمارے علم دین کا وہ بہت بڑا عالم ہے۔ اور ہمارے علمار کہتے ہیں کہ علمی فضائل اور پارسائی میں اس وقت اُس کا کوئی ہمسر نہیں۔

سلطان نے پھر عیسائیوں سے پوچھا کہ "اگر یہ پادری مسلمان ہو جاوے تو تم اُسکی نسبت کیا خیال کروگے"

اُنھوں نے جواب دیا "معاذاللہ وہ کبھی ایسا نہیں کرسکتا"

جب سلطان نے اس طرح میری نسبت عیسائیوں سے رائے پوچھ لی تو مجھ کو بُلایا اور سب عیسائیوں کے سامنے میں نے کلمۂ شہادت پڑھا۔ عیسائیوں نے یہ ماجرا دیکھتے ہی ہاتھ اُٹھاکر اپنے چہرہ پر صلیب کا نشان بنایا اور کہا کہ اُس نے شادی کرنیکے شوق میں یہ حرکت کی ہے۔ کیونکہ ہمارے ہاں پادری شادی نہیں کرسکتے۔ پھر سب عیسائی بہت رنجیدہ خاطر ہو کر دربار سے چلے گئے[۱]

۱؎ تحفۃ الاریب فی الرد علی اہل الصلیب صفحہ ۸۰۵ (مطبوعہ ۱۲۹۰ھ)

مسلمان ہونیکے بعد سلطان ابو العباس احمد (سنہ ۱۳۷۰-۱۳۹۴ع) کی طرف سے چار دینار روز اس شخص کیلیے مقرر ہوئے اور کچھ عرصے کے بعد محصول خانہ اُس کے سپرد کر دیا گیا[1] اس شخص کا مزار تونس میں ابتک موجود ہے اور لوگ اسکی زیارت کو جاتے ہیں اور بہت تعظیم کرتے ہیں

اس کتاب میں ہم لکھ چکے ہیں کہ ریفورمیشن یعنی پروٹسٹنٹ مذہب عیسوی کے رائج ہونے کے زمانہ میں ملک ہنگری اور اور جگہ کے پروٹسٹنٹ عیسائی رومن کیتھولک عیسائیوں کے مقابلہ میں ترکوں کی حکومت کو پسند کرتے تھے اور اکثر صورتیں ایسی پیش آتی رہیں کہ پروٹسٹنٹ فرقہ کے عیسائی ترکوں کی قلمرو میں چلے آئے تاکہ فرائض مذہب کے ادا کرنے اور مذہبی خیالات کی سلامتی کیلیے اُن کو بخوبی آزادی ملے۔ کیونکہ یورپ کے عیسوی ملکوں میں ان عیسائیوں کو یہ مذہبی آزادی اور سلامتی نصیب نہ تھی۔ ان عیسائیوں کے بعض فرقوں میں بہت سے عقائد اور اُصول اسلام کے مطابق تھے اور بہت کم غیر مطابق تھے اسلیے کچھ تعجب نہیں کہ سولہویں صدی عیسوی میں اکثر سوسی نیئن فرقہ کے عیسائی مسلمان ہوگئے[2]

ترکوں کی تاریخ میں بعض بڑے بڑے لوگوں کا ذکر ہے جو سلطنت عثمانیہ کے ممتاز عہدوں اور بڑے کاموں پر مقرر تھے جن کا مذہب پہلے عیسائی تھا اور جو یورپ کی مختلف قوموں کے آدمی تھے لیکن ان بڑے لوگوں کے مذہب کی نسبت سوائے اسکے کچھ نہیں تحقیق ہوسکا کہ کسی زمانہ میں وہ عیسائی تھے اور پھر مسلمان ہوگئے۔ یہ مجھکو دریافت نہیں ہوسکا کہ ان لوگوں میں کوئی شخص ایسا بھی تھا جس نے فقط اس ضرورت سے کہ مسلمان ہوکر مسلمانوں میں آباد ہو اپنا وطن چھوڑا ہو۔ اب رہے وہ متعدد عیسائی جنہوں نے شمالی افریقہ کے قزاقوں کی تعداد کو مسلمان ہوکر بڑھایا تو ان لوگوں میں غالباً ایک شخص بھی ایسا نہ ہوگا جس نے دلی یقین و ایمان سے عیسائی مذہب چھوڑ کر اسلام قبول کیا ہو۔ کیونکہ جس خونریزی اور قزاقی کی زندگی یہ لوگ بسر کرتے تھے وہ سوائے بھاگے ہوئے قیدیوں اور ہر قسم کے بدمعاشوں کے جو سولھویں

[1] تحفۃ الاریب فی الرد علی اہل الصلیب صفحہ ۶۹-۸۰-۸۱۔ [2] ہونگر میستوریا اور یانیتاالس صفحہ ۳۶۳ (مطبوعہ زیوریچ سنہ ۱۶۶۶ع)

صدی سے اٹھارہویں صدی تک شمالی ساحل افریقہ پر آکر آباد ہوتے رہے اور کسی کے لیے کچھ دل آویزی نہ رکھتی تھی[1]۔ اٹھارہویں صدی عیسوی کے خاتمہ کے قریب جبکہ آزاد خیال لوگوں کی تصانیف نے خاص کر فرانس کے ملک سے شروع ہو کر عیسائی مذہب کے قدیم عقائد کو ضعیف کر دیا اور آزاد خیال گروہ میں بعض مصنفین کے قلم سے ایسی کتابیں شائع ہوئیں جن میں عیسائی مذہب کی تحقیر و تذلیل کیلیے مسلمانوں کے دین کی تعریف کی گئی تو بہت سے یورپین جن میں فرانس کے بعض پادری بھی شامل تھے اپنا وطن چھوڑ کر مسلمان ہونے کیلیے ٹرکی میں آن بسے۔

ان عیسائیوں کے مسلمان ہونے کی خبر یورپ میں مشکل سے پہنچی ہوگی اور اس سے بھی کم اطلاع اس بات کی ہوئی ہوگی کہ ان نومسلموں میں سے کسی نے اپنے مسلمان ہونے کی سرگذشت بھی لکھی ہے جیسا کہ موجودہ صدی کے شروع میں فرانس کے ایک فوجی افسر نے جس کا عیسائی نام اسمعیل تھا اور اسلامی نام ابراہیم منصور ہوا اپنے اسلام لانے کا حال لکھا ہے۔ زمانہ طالبعلمی میں جس وقت اسمعیل پیرس کے شہر میں تھا تو اُس نے ترکی زبان کو پڑھنا لکھنا اور بولنا سیکھا تھا اس لیے وطن چھوڑنے سے پہلے ہی مسلمانوں کے مذہب کا کسی قدر علم اُس کو حاصل ہو گیا تھا۔

زمانۂ حال میں یورپ کے کئی عیسائی اسی طریقے سے مسلمان ہوئے جن کے حالات کسیقدر تحقیق ہوئے ہیں۔ مثلاً ان میں ایک صاحب مسٹر شومان ہنووار کے باشندے ہیں جنھوں نے ۱۸۸۸ء میں شیخ الاسلام قسطنطنیہ سے خط و کتابت کرنے کے بعد اسلام قبول کیا۔ شیخ الاسلام نے جو خط قسطنطنیہ سے مسٹر شومان کے نام لکھا وہ اوّل قسطنطنیہ کے اخبارون میں چھپا اور پھر اُس کا فرانسیسی اور انگریزی زبان میں ترجمہ ہوا۔ ہم بھی اُس کا یہاں ترجمہ لکھتے ہیں۔ چونکہ آج کل یہ کوشش کیجاتی ہے کہ عیسوی دنیا کے سامنے اسلام کو جس قدر

---

[1] ٹامس پیلو کے حالات"۔ مؤلفہ ڈاکٹر رو برٹ براون صفحہ ۱۲-۱۳-۳۲-۳۳ (لندن ۱۸۹۰ء)۔

دلکش پیرایہ میں بیان کرنا ممکن ہو بیان کیا جاوے اور انگلستان اور امریکہ کے ملکوں کو ایک دن مسلمان کرلینا اکثر مسلمانوں کی دعا کا مضمون بننے لگا ہی اس لیے شیخ الاسلام قسطنطنیہ کا خط اس لحاظ سے بہت قابل وقعت ہی کہ اُس میں اسلام کے بہت بڑے پیشوائے مذہب کے قلم سے اسلام کے اُصول اس طرح بیان ہوئے ہیں کہ عیسائیوں کے دلوں پر نہایت عمدہ اثر پہنچائیں۔ اس لیے یہ خط دعوت اسلام کی تاریخ میں بہت وقعت رکھتا ہی اور ہم اس کا ترجمہ یہاں لکھتے ہیں۔

جناب من۔ آپ کا خط جس میں آپ نے اسلام قبول کرنے کی درخواست کی ہی پہنچا اور ہم کو بہت مسرت ہوئی۔ جو خیالات آپ نے اس خط میں ظاہر کیے ہیں وہ ہماری رائے میں بہت تعریف کے قابل ہیں لیکن اسکے ساتھ ہی ہم آپ کو اس بات کیطرف توجہ دلاتے ہیں کہ آپ کا مسلمان ہونا ہماری مرضی پر موقوف نہیں ہی کیونکہ اسلام میں خدا اور خدا کے بندوں کے درمیان مثل پادریوں کے کوئی ثالث نہیں ہی۔ ہمارا فرض فقط یہ ہی کہ مذہب کے حقائق لوگوں کو سکھائیں۔ پس اسلام قبول کرنے کیلیے اسلام میں کسی باضابطہ مذہبی کارروائی کی ضرورت نہیں ہی اور نہ کسی منظوری کی ضرورت ہے کہ بغیر اُسکے کوئی شخص مسلمان نہ ہوسکے۔ فقط یہ بات کافی ہی کہ انسان اسلام کا یقین کرے اور اپنے یقین کا اعلان کرے۔

فی الحقیقت اسلام کی بنیاد یہ ہی کہ خدا کو ایک مانے اور محمد صلے اللہ علیہ وسلم کی رسالت کا یقین کرے یعنی دل سے اس پر ایمان رکھے اور الفاظ میں اس کا اقرار کرے جیسے کہ کلمہ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللہ مُحَمَّدٌ الرَّسُوْلُ اللہِ کے الفاظ ہیں۔ جو شخص اس کلمہ کا اقرار کرتا ہی وہ مسلمان ہوجاتا ہی بغیر اس کے کہ وہ کسی کی منظوری حاصل کرے اگر آپ جیسا کہ آپ نے اپنے خط میں لکھا ہی کہ اس کا اقرار کرتے ہیں یعنی آپ اقرار کرتے ہیں کہ صرف ایک خدا ہی اور محمد صلے اللہ علیہ وسلم اُسکے رسول ہیں تو آپ مسلمان ہیں اور ہماری

منظوری کی آپ کو کچھ ضرورت نہیں - ہم آپ کو اپنی طرف سے نہایت خوشی اور فخر کے ساتھ مبارکباد دیتے ہیں کہ خدا کی رحمت آپ پر نازل ہوئی اور ہم اس دنیا میں اور آخرت میں گواہی دیں گے کہ آپ ہمارے بھائی ہیں مسلمان سب آپس میں بھائی ہوتے ہیں -

یہ تو مذہب کی تعریف ہوئی - اب ہمکو اُس کی تصریح کرنی چاہیے - انسان جو دیگر حیوانات سے عقل رکھنے کی وجہ سے برتر ہی نیستی سے ہستی میں اس لیے لایا گیا ہی کہ اپنے پروردگار کی عبادت کرے - یہ عبادت دو جملوں میں بیان ہوسکتی ہی - ایک یہ کہ خدا کے احکام کی تعظیم کرے اور دوسرے یہ کہ اُسکی مخلوق کے ساتھ ہمدردی کرے - یہ دوہری عبادت تمام مذہبوں میں موجود ہی - اب رہا اُس پر عمل جس قدر مذہب ہیں وہ اپنے آئین وقوانین اوقات اور مقامات کے لحاظ سے اور مذہبی رسوم کی کمی وبیشی کے لحاظ سے مختلف ہیں - لیکن انسان کی عقل کافی نہیں ہی کہ وہ کوئی عمدہ طریقہ عبادت کا جو خدا کی شان کے لائق ہو ہمکو بتا سکے - پس خدا نے اپنی رحمت سے خاص خاص بندوں کو نبوت عطا کر کے فرشتوں کے ذریعہ سے اُنپر وحی نازل کر کے اور اس طرح اُنپر سچا مذہب ظاہر کر کے اپنے بندوں کو نعمتوں سے مالا مال کردیا -

(اسکے بعد خط میں قرآن اور انبیا اور قیامت اور دیگر عقائد کا بیان ہی اور پھر نماز زکوٰۃ وغیرہ کا ذکر ہی -)

کوئی گنہگار جو خدا کی جناب میں خود توبہ کرتا ہی اُسکے گناہ معاف ہوجاتے ہیں - صرف اُسکے ہمسایوں کے حقوق ایسے ہیں جو اس معافی سے مستثنیٰ ہیں - کیونکہ خدا کا وہ بندہ جسکو اس دنیا میں انصاف نہیں ملتا قیامت کے دن خدا سے انصاف کا طالب ہوتا ہی اور خدا جو منصف ہی ظالم کو مجبور کریگا کہ مظلوم کی تلافی کرے - جو لوگ راہ خدا میں شہید ہوے ہیں وہ بھی اس قاعدے سے مستثنیٰ نہیں ہیں - پس اس جواب دہی سے بری ہونیکا یہی طریقہ ہی کہ اپنے ہمسایہ سے جس کی تم نے حق تلفی کی ہی بریت حاصل کرو - بہرحال تمام

صورتوں میں کسی مذہبی پیشوا کے دخل کی ضرورت نہیں ہے۔

بلاشبہ یہ سب باتیں ان لوگونکو عجیب معلوم ہوں گی جن کو پادریوں کی مذہبی حکومت کا پابند ہوکر رہنا پڑا ہے۔ عیسائیوں کا یہ حال ہے کہ جب اُن کے ہاں بچہ پیدا ہوتا ہے تو اُس کو سوسائٹی میں شامل کرنے کیلیے ضروری ہے کہ پادری اُس کو اصطباغ دے۔ جب وہ بڑا ہوکر جوان ہوتا ہے تو اُس کی شادی کیلیے بھی پادری درکار ہے۔ اگر وہ عبادت کرنی چاہتا ہے تو گرجا میں جانے اور پادری کو تلاش کرنے کی اُس کو ضرورت پڑتی ہے۔ اگر اپنے گناہوں سے توبہ کرنی چاہتا ہے تو بھی کسی پادری کے سامنے اُس کو اپنے گناہوں کا اقرار کرکے معافی مانگنی ہوتی ہے۔ اور آخر میں جب وہ مرتا ہے تو بھی پادری کی ضرورت پڑتی ہے کہ اُس کے مُردے کو وہ دفن کرے

مسلمانوں کے ہاں عیسائیوں کی طرح پادری نہیں ہیں اور ان مجبوریوں کو ہمارے مذہب میں جگہ نہیں ملی ہے۔ بچہ مسلمان پیدا ہوتا ہے۔ اُس کا باپ یا گھر میں جو بوڑھا و بڑا ہو اُس کا نام رکھتا ہے۔ جب نکاح کی ضرورت ہوتی ہے تو مرد اور عورت یا اُن کے وکیل دو گواہوں کے سامنے معاہدہ کرتے ہیں۔ جن فریقین نے معاہدہ کیا ہے اُن ہی کو اس معاہدہ سے تعلق ہوتا ہے۔ دوسرے اُس میں نہ دخل دے سکتے ہیں نہ شریک ہو سکتے ہیں

مسلمان تنہا جس جگہ چاہے عبادت کرسکتا ہے اور گناہوں کی معافی کیلیے وہ براہِ راست خدا کے سامنے توبہ کرتا ہے۔ وہ اپنے گناہوں کا اقرار دوسروں کے سامنے نہیں کرتا اور نہ اُس کو ایسا کرنا چاہیے۔ مرنیکے بعد شہر کے مسلمانوں کا فرض ہے کہ اسکو تابوت میں رکھ کر دفن کردیں۔ ہر ایک مسلمان یہ کام کرسکتا ہے اور کسی مذہبی پیشوا کے موجود ہونے کی اُس کو ضرورت نہیں۔

مختصر یہ کہ تمام دینی کاموں میں خدا اور اُسکے بندوں میں کسی ثالث کی ضرورت نہیں

یہ ضروری ہو کہ خدا کے احکام کو جو پیغمبر خدا صلے اللہ علیہ وسلم پر وحی کے ذریعہ سے نازل ہوئے اُن کو ہر مسلمان جانے اور اُن پر عمل کرے۔

صرف بعض مذہبی رسوم جیسے کہ جمعہ کی نماز اور بیرام (عید الضحی) ہیں اُن کا انتظام خلیفہ کی مرضی پر موقوف ہو۔ کیونکہ مذہبی رسوم کا انتظام خلیفہ کے مقدس فرائض میں سے ہو۔ خلیفہ کے احکام کی تعمیل نہایت بڑا مذہبی فرض ہو۔ ہمارا کام صرف یہ ہو کہ خلیفہ کی طرف سے جن مذہبی معاملات کو اُس نے ہمارے سپرد کیا ہو اُن کا انتظام کریں۔

ایک چیز جس پر ہر مسلمان کو سب سے زیادہ خیال کرنا چاہیے وہ خصائل نیک کا پیدا کرنا ہو۔ برائیاں جیسے غرور تکبر انانیت۔ اور سختی ہیں وہ مسلمان کو شایاں نہیں بڑوں کی تعظیم کرنی اور ضعیفوں پر رحم کرنا ہمارے مذہب کے احکام ہیں۔"[1]

اس خط کی تاریخ یعنی ۱۸۹۹ء سے چند سال پہلے ایک انگریز سالیسٹر نے جس کا نام مسٹر ولیم ہنری کولیم ہو قرآن پڑھ کر اور اسلامی دینیات کی کتابیں مطالعہ کر کے اسلام قبول کیا۔ مسٹر کیولیم کو اول دفعہ اسلام قبول کرنے کی طرف ۱۸۸۴ء میں خیال ہوا جبکہ وہ مراکو میں سفر کرتے تھے جہاں ان کو مسلمانوں کا ظاہری اخلاص اور ہمدردی دیکھ کر اور شراب خواری اور برائیوں سے جو انگلستان کے بڑے بڑے شہروں میں بری طرح دکھائی دیتی ہیں مسلمانوں کو پاک دیکھکر حیرت ہوئی اُنھوں نے لیورپول کے شہر میں پہلا مشن جاری کیا اور پانچ برس کی محنت کے بعد (۳۰) انگریزوں کو مسلمان کر لیا۔ اسکے بعد مشن کیلیے زیادہ کوشش کی گئی کچھ دیے گئے۔ کتابیں شائع ہوئیں ایک رسالہ جاری کیا گیا اور واعظ مقرر کیے گئے جنھوں نے بازاروں میں اسلام پر وعظ کہا۔ مسٹر کیولیم کے مسلمان ہونیکے دس برس بعد انگریزی نومسلموں کی تعداد ۱۴۷ ہو گئی۔ انگلستان

[1] اخبار انڈیپنڈنٹ۔ مورخہ ۲ فروری ۱۸۹۶ء۔ نیو یارک۔

کے اس اسلامی مشن نے مسلمانوں کی ملکوں میں خاصکر ہندوستان میں بڑا جوش پیدا کر دیا۔ جہاں انگریز مسلمانوں کی نسبت ہر بات فوراً اخباروں میں چھاپی گئی اور چھاپی جاتی ہے ۱۸۹۱ء میں مسٹر کویلیم کو سلطان روم نے ملاقات کیلیے قسطنطنیہ میں بلایا اور اس سے تین برس بعد سلطان نے ایک مسلمان سوداگر کو اپنی طرف سے خطاب دینے کیلیے جس نے مغربی ساحل افریقہ کے شہر لاگوس میں مسجد تعمیر کی تھی۔ مسٹر کویلیم کو لاگوس روانہ کیا۔

امریکہ میں ایک اور شخص محمد رسل ویب مسلمان ہوئے جنہوں نے اسلامی کتابیں پڑھکر خود اسلام قبول کیا اور ۱۸۹۲ء میں ایک اسلامی مشن امریکہ میں قائم کیا[1]۔ محمد رسل ویب کی ابتدائی تعلیم عیسوی فرقہ پرسبیٹیرین کے عقائد کے مطابق ہوئی تھی۔ لیکن اُنہوں نے جلد عیسائی مذہب چھوڑ دیا اور میٹیریلیسٹ (مادی المذہب) ہوگئے اس کے بعد اُن کو مشرقی مذاہب کی تحقیق کا شوق پیدا ہوا اور اسلام کی طرف خاص طور پر میلان خاطر ہوا۔ بمبئی کے ایک صاحب بدرالدین عبداللہ قور سے انہوں نے خط وکتابت شروع کی۔ اس زمانہ میں مسٹر ویب جزیرہ منیلا میں امریکہ کی طرف سے کونسل تھے۔ یہاں دو برس کی خط وکتابت کے بعد جدہ کے ایک دولتمند سوداگر حاجی عبداللہ عرب سے اُن کی ملاقات ہوئی۔ جنہوں نے امریکہ میں اسلامی مشن قائم کرنے کیلیے ایک کثیر رقم دینے کا وعدہ مسٹر ویب سے کیا۔ اسکے بعد مسٹر ویب ہندوستان میں آئے اور یہاں کے بعض بڑے بڑے شہروں میں جہاں مسلمان کثرت سے رہتے ہیں لکچر دیکر نیویارک کو روانہ ہوئے جہاں اُنھوں نے اسلامی مشن جاری کیا اور ایک اخبار "مسلم ورلڈ" جاری کر کے اسلام کی تلقین شروع کی[2]۔

انگلستان اور امریکہ کی یہ دو اسلامی تحریکیں زمانہ حال کی کوششیں ہیں جو اشاعت

---

[1] یہ پہلا ہی موقع نہ تھا کہ امریکہ میں اسلامی مشن قائم ہوا ہو کیونکہ ۱۸۷۵ء میں فرقہ میتھوڈسٹ کا ایک عیسائی پادری جس کا نام نارمن تھا عیسائی مشنری کی حیثیت سے قسطنطنیہ گیا تھا۔ لیکن وہاں پہنچکر وہ مسلمان ہوگیا۔ اور امریکہ واپس آ کر اس نے اسلام پر وعظ کرنا شروع کیا (گارسن دے تاسی "ہندوستان کی زبان اور علم ادب" صفحہ ۹۰ مطبوعہ پیرس ۱۸۷۴ء)

[2] لکچر مصنفہ مسٹر ویب مطبوعہ بدرالدین عبداللہ قور۔ (بمبئی ۱۸۹۲ء)

اسلام میں کی گئیں۔ یہ تحریکیں اس باعث سے زیادہ قابل توجہ ہیں کہ موجود، مہذب دنیا کیلیے بھی قابل قبول بننے کا اسلام میں کیسا مادہ موجود ہی۔ انگلستان اور امریکہ میں جو اسلامی مشن جاری ہوئے ہیں اُن کے چلانے والے علمائے اسلام کے ذخیرے تصانیف سے نہایت درجہ ناواقف ہیں اور اُن کو اسلام کا جس قدر علم ہی وہ آجکل کے مصنفوں کی کتابوں سے ہی جو اسلام کو عقل کے مطابق دکھاتے ہیں اور دیگر مذاہب کے مقابلہ میں اپنے مذہب کی حمایت کرتے ہیں۔ ان انگریز مسلمانوں نے عبادات میں اکثر طریقے پروٹسٹنٹ عیسوی کے اختیار کرلیے ہیں۔ جیسے مُناجات کو گانا۔ انگریزی زبان میں نماز پڑہنی وغیرہ وغیرہ۔ غرض اس طرح ان دو اسلامی مشنوں میں اسلام پر ایسے طریقہ سے عمل ہوتا ہی جو سب سے نرالا ہی۔ مگر یہ بات بھی اس مذہب کی ایک خاص زبردست قوت کا ثبوت ہی یعنی وہ قوت جس سے اسلام اپنے تئیں مختلف حالتوں اور خصلتوں کے لوگوں کی قبول کیلیے مناسب مزاج بنالیتا ہی۔

